انقلاب 1857 کی 150 ویں سالگرہ پر ادارہ فرید بک ڈپو کی خصوصی پیشکش

فرنگیوں کا جال

ہندوستان پر انگریزوں کی آمد کے بعد عیسائی مشنریوں کی

مصنف: حضرت مولانا امداد صابری دہلوی

مرتب: فاروق ارگلی

فرنگیوں کا جال

پرتگیزی دور سے عہد اکبری، جہانگیری، شاہجہانی اور عالمگیری درباروں میں فرنگیوں مشنریوں اور حسین و جمیل عورتوں نے نصرانی مذہب کو ہندوستان میں پھیلانے اور خاص طور پر غدر کے زمانے میں جو طوفانی پروپیگنڈہ ہندوستانیوں کے مذہب اور دھرم کو بدلنے کے لئے کیا اور اس کا بے دھڑک علماء کرام نے مقابلہ کیا۔ باغی بنائے گئے اور ہند سے ہجرت کی، اس عالم گمنامی کے حالات کی یہ تاریخ ہے۔

امداد صابری

امداد صابری پبلشر چوڑی والان دہلی

معنون

میں اِس حقیر تاریخی لٹریچر کو جو غدر کے زمانے کے علماء کرام کی مجاہدانہ علمی کارنامے ہیں اور عالم گمنامی کی نظر بن چکے ہیں اس مقدس ہستی کے نام سے جن کے اصول اور خیالات نے مجھ کو اور ملک کو فرنگیوں کا باغی بنایا معنون کرتا ہوں جس کا نامِ نامی شیخ المشائخ حضرت العلامہ

شاہ اِمدادُاللہ مہاجر مکیؒ و مدنیؒ

ہے، اللہ تعالےٰ مجھ کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان کا سچا پیرو ثابت کرے

خاکپائے بزرگان

امداد صابری

چوڑی والان - دہلی

یکم جنوری ۱۹۴۹ء

سبب تالیف

انگریزوں کے ابتدائی اقتدار وحکومت کے زمانہ میں ہندوستان کے اندر علماء کرام کا ایک گروہ تھا جن کو مخالفین اور انگریز وہابی کہتے تھے، اس مقدس جماعت کا کام نصاریٰ کے بڑھتے ہوئے سیاسی اور مذہبی اقتدار کو نیست کرنا تھا۔ اس کی ابتدا شاہ ولی اللہ نے ڈالی تھی یوں سمجھنا چاہیئے کہ یہ جماعت منظم وغیر منظم دو طبقوں میں بٹی ہوئی تھی منظم طبقہ مجاہدین بالسیف (فوجی نظام کے ماتحت) جس کی ڈیوٹی یہ تھی کہ مسلمانوں میں مجاہدانہ جنگی اسپرٹ پیدا کرے اور اس کو جماعتی شکل دے کر اسلحات کی فراہمی کے ساتھ ملک میں بغاوت کی آگ لگائے اور حکومت کے اقتدار کو پاش پاش کرنے کے بعد ملک کو آزادی دلوائے۔

دوسرے منظم طبقہ کا کام تھا کہ وہ اپنی علمی قابلیت سے تحریری و تقریری پروپگنڈا کے ذریعے نصاریٰ کی تحریر و تقریر اور مشنریوں کے طوفانی کام کا جواب دے کر اس کا سد باب کرے، اور پادریوں کے گمراہ کن ہتھکنڈوں اور سرمایہ کے لالچ میں پھنسا کر مذہب بدلنے والے جال کے پھندوں سے غریب ہندوستانیوں کو محفوظ رکھے۔

پہلے طبقے میں حضرت مولانا سید احمد اور حضرت مولانا اسمٰعیل شہید حضرت حاجی امداد اللہ اور حافظ ضامن شہید، مولوی ولایت علی مولوی فرحت حسین، مولوی شاہ محمد حسین مولینا محمد جعفر تھانیسری وغیرہ تھے۔

دوسرے طبقے میں مولانا آل حسن، مولانا رحمتہ اللہ، ڈاکٹر وزیر خاں، حضرت العلامہ مولانا محمد قاسم، مولانا شرف الحق، مولانا محمد علی مونگیری، مولانا ابو المنصور تھے۔

پہلا طبقہ جنگ جو تھا، اس نے انگریزوں سے جنگ کی اور ستیانہ اور ملکا کیمپ قائم کرکے سرحدی قبائل اور دریائے سندھ کے کنارے سنہ ۱۸۵۶ سے سنہ ۱۸۶۸ تک فوجی شکل میں مقابلہ کیا، یہ تاریخی جنگی حیثیت کے مالک تھے۔ اس لئے انہوں نے تاریخ میں جگہ پائی اور دشمنوں اور مورخین کی کوششوں سے صفحۂ قرطاس کی زینت بنے۔

جو دوسرا علمی طبقہ تھا اس نے علمی جہاد کیا۔ محققین نصاریٰ کے کتابی و اخباری زہریلے پروپگنڈا اور ٹڈی دل پادریوں کے خوفناک ہتھکنڈوں کا جواب اپنی مدلل و محققانہ دندان شکن تصنیفات سے دیا، بازار، گلی کوچوں، شہروں، دیہاتوں اور جنگلوں میں دبدبۂ سرکاری یافتہ مشنریوں سے تاریخی اور معرکتہ الآرا مناظرے کئے، ان کے اعتراضات کے پرخچے اڑائے۔ حکومت نے ان کو باغی اور غدار کا خطاب دیا، ان کی جائدادوں کو ضبط کرکے کوڑیوں کے مول فروخت کیا، ان کو جلا وطن کیا۔ جیلوں میں سڑایا بہیمانہ سزاؤں کا شکار بنایا مگر وہ مرد میدان باز نہ آئے اور ہندوستان کو مغربی سیلاب سے بچا کر مشنریوں کے دھر توڑے اور کامیاب ہوئے چونکہ ان حضرات کا کام ٹھوس اور خاموشی کے ساتھ ہوتا تھا، اور حکومت بھی ان کے کاموں کو دبانے کی کوشش کرلی تھی اس لئے وہ گمنامی کی نذر ہوا۔

اب یہ حالت ہے کہ اس علمی طبقہ سے عوام تو بالکل ہی ناواقف ہیں اور خواص کی بھی اکثریت بے خبر ہے اس بے خبری کا یہ عالم ہے کہ اچھے پڑھے لوگوں کے سامنے اگر ان حضرات کا یا ان کی تصنیفات و کارناموں کا ذکر کیا جاتا ہو تو تعجب و حیرت سے سنتے اور دیکھتے ہیں یا ان کی جرأت و ہمت اور قابلیت سے واقف ہونا تو کجا ان کے ناموں تک سے ناآشنا ہیں، بے ذوقی کی یہ حالت ہے کہ ان کی تصنیفات کی اشاعت اور مطالعہ کا سلسلہ بند، کتابیں الماریوں یا دیمک کی نظر ہوئی ہیں۔

اس گمنامی اور بے توجہی کے پیش نظر ضروری سمجھا گیا کہ اس گروہ کی مجاہدانہ تاریخ لکھی جائے اور علمی دنیا میں لائی جائے

تاکہ اہل قلم حضرات اس پر توجہ دیں اور اس انتہائی ابتدائی اور حقیر کوشش کو انتہا تک پہنچائیں۔

کتاب شروع کرتے وقت یہ خیال تھا کہ اس کتاب میں صرف برطانوی دور کو محدود کرنا چاہئیے لیکن بعد میں انگریز کی ہندوستان میں آمد کے وقت (یعنی پرتگیزی زمانے) سے لے کر اکبر، جہانگیر، شاہجہاں اور عالمگیر وغیرہ اور غدر کے بعد تک کے حالات پر اس تاریخ کو مشتمل کرنا بہتر سمجھا گیا۔ اسی لئے ان ادوار کے حالات اجمالاً بیان کردئے گئے، تاکہ معلوم ہو جائے کہ پانچ صدی کی مسلسل نوابانہ زریں پروپگنڈہ کا ہندوستان پر کیا اثر ہوا، اور مسجدوں میں بیٹھنے والے غریب علماء کے طبقے نے مقابلہ کرکے قدیم سازش کو کس طرح خاک میں ملادیا۔

تمنا تو یہ تھی کہ مغلیہ دور میں فرنگی عیسائیوں نے جو پاؤں پھیلائے تھے نیز برطانوی دور کے ہر صوبہ کی مشنریوں کی سیاہ ہسٹری اس کتاب میں ہوتی اور اسی طرح تمام ہندوستان کے رد نصاریٰ میں حصہ لینے والے علماء اور معرکۃ الآرا تمام صوبوں کے مناظروں کے حالات ہوتے مگر یہ آرزو پوری نہ ہوسکی۔

سب کچھ جتن کئے گئے تمام مشنری سوسائیٹیوں کو ان کی رپورٹیں بھیجنے کے لئے لکھا گیا اس مقدس کام کے لئے کلکتہ گیا۔ لائبریریوں کتب خانوں اور خاص طور پر خدا بخش لائبریری پٹنہ اور امپیریل لائبریری کلکتہ اور ہارڈنگ لائبریری، یونیورسٹی اور نذیر لائبریری دہلی کی فہرست کی ورق گردانی کی گئی اور بعض رد نصاریٰ میں زندگیاں تجنے والے خاندانوں کے چشم و چراغوں سے روشنی طلب کی گئی اور ان کے بزرگوں کے حالات طلب کئے گئے لیکن کسی نے بھی توجہ نہیں دی مشنری سوسائیٹیوں اور علمائے بالخصوص اسلاف کے نامور اخلاف نے کوئی جواب تک بھی دینا گوارا نہیں کیا، اگر کسی نے کچھ جواب دیا تو "دلاسا" ثابت ہوا۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد علی منگیری کے بہت مختصر حالات ملے۔ اور حسب ذیل حضرات کے بارے میں کچھ پتہ ہی نہیں لگا حالانکہ یہ ہستیاں صاحب تصنیف ہیں۔ صاحب حیثیت لوگ ہیں بعض تو رد نصاریٰ کی تین تین چار کتابوں کے مصنف ہیں۔

(۱) مولوی عباس علی صاحب جاجموی	صولۃ الضیغم علی اعداء ابن مریم۔
(۲) مولوی محمد فیروزالدین صاحب ڈسکوی متخلص بہ فروز	فضائل الاسلام فی ذکر خیر الانام المعروف بہ تاریخ محمدی۔
(۳) مولوی سید محمد مدرس ہائی اسکول علی گڈھ	تنزیہ الفرقان۔
(۴) مولوی غلام دستگیر قصوری	تخریج عقائد نوری۔
(۵) مولوی محمد سلیم اللہ	صداقت قرآنی از کتب ربانی۔ انصاف لدفع الاخلاف۔ اظہار الاسلام
(۶) مولوی محمد شاہ لکھنوی	غایۃ الشعور بہجۃ المسرور بفصیل معظم، اجوبہ عجیبہ
(۷) حافظ احمد الدین لاہوری	دعوۃ الحق
(۸) حاجی محمد یوسف صاحب زاہدی	دعوۃ الاسلام
(۹) مولوی اشرف علی سلطانپوری	نیر اعظم
(۱۰) مسٹر سید امیر علی بیرسٹرایٹ لا	تنقید الکلام فی احوال شارع الاسلام
(۱۱) مولوی رحیم الٰہی بنگلوری	بشارات محمدی
(۱۲) ہشت کونسل حروف بدرے بہا	حکیم محمد حسن امروہوی
(۱۳) مولوی حاجی سید احمد حسین صاحب عظیم آبادی	اعزاز عیسوی۔
(۱۴) مولوی غلام نبی امرتسری	عصمت الانبیا۔ تصدیق الاسلام۔ تحقیق اسلام۔ معجزات محمدیہ۔ حقیقت اصل جہاد

(۱۵) مولوی حکیم سید محمد غوث علی گورکھپوری   القول النجیح می زی المحمد والمسیح۔

یہ حقیقت ہے کہ اگر میرے والد ماجد مولانا شرف الحق علیہ الرحمہ کے کتب خانہ کی عبرانی، یونانی، تیلنگو، فرانسیسی انگریزی اردو ہندی کتابیں جو رد نصاریٰ سے متعلق ہیں نہ ہوتیں اور مسٹر دہاورت و دیالنکار جیسے وضعدار متحمل مزاج، مخلص ساتھی، انگریزی رپورٹوں کا ترجمہ کرنے کی تکلیف گوارا نہ کرتے، مفتی انتظام اللہ اکبرآبادی اور مولانا عثمان صاحب فارقلیط اڈیٹر اخبار الجمعیۃ دہلی اور مولانا محمد نورالدین بہاری و سردار علی صاحب صابری جرنلسٹ مشورے نہ دیتے اور مولانا ضیاء اللہ نبیرۂ حضرت العلامہ مولانا رحمۃ اللہ، اور حضرت مولانا حسرت موہانی توجہ نہ دیتے اور ضروری معلومات و مواد فراہم نہ فرماتے تو یہ کتاب شایع نہیں ہوسکتی تھی، یہ ان ہی بزرگوں اور دوستوں کی عنایت کا کرم ہے جن کے طفیل یہ حقیر خدمت پیش کی جاسکی ہے، میں ان حضرات کا انتہائی مشکور ہوں "فرنگیوں کا جال" کی تیاری میں جن کتابوں کے حوالے دئے گئے ہیں اور جن سے اخذ کیا گیا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ کلکتہ ڈیکٹر کلنڈر اور ڈائرکٹری سنہ ۱۸۷۷ء آف کرسچین ناچ سوسائٹی۔ انگریزی۔

۲۔ رپورٹ سنہ ۱۸۸۴ چرچ مشن سوسائٹی انگریزی

۳۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا (انگریزی)

۴۔ تاریخ ہند شمس العلماء منشی ذکاء اللہ۔

۵۔ تاریخ عروج عہد سلطنت انگلیشیہ ہند شمس العلماء محمد ذکاء اللہ

۶۔ خطبات گارسان دتاسی

۷۔ دبستان المذاہب (فارسی)

۸۔ سفرنامہ برنیر

۹۔ اسباب بغاوت ہند سرسید احمد خاں۔

۱۰۔ ہسٹری آف دہلی مشن۔ مسٹر لیفرائے

۱۱۔ خطبات احمدیہ سرسید

۱۲۔ دربار اکبری مولانا محمد حسین آزاد

۱۳۔ تذکرہ عالم مولوی رحیم بخش۔

۱۴۔ تاریخ اودھ

۱۵۔ مرقع اکبرآباد از مولوی سعید احمد۔

۱۶۔ حیات العلماء مولانا سید محمد عبدالباقی۔

۱۷۔ تاریخ ڈھاکہ

۱۸۔ صلیب کے علم بردار پادری برکت اللہ

۱۹۔ خداوند مسیح کے نورتن پادری اے ٹھاکر داس

۲۰۔ تذکرۃ الرشید ۵۔ مولانا محمد عاشق الٰہی

۲۱۔ مکتوبات امدادیہ نزد مولانا اشرف علی

۲۲۔ آثار الصنادید سرسید

(۲۳) تاریخ الٰہ آباد

(۲۴) استفسار مولانا آل حسن

(۲۵) مقدمہ اظہار عیسوی مولانا رحمت اللہ

(۲۶) پیغام محمدی۔ مولانا محمد علی مونگیری۔

(۲۷) میزان الحق۔ پادری فانڈر

(۲۸) اظہار الحق۔ مولانا رحمت اللہ مہاجر مکی

(۲۹) طریق الحیات۔ پادری فانڈر۔

(۳۰) مناظرہ مولانا شرف الحق دہلی۔ بمقابل بشپ لیفرائے

(۳۱) گفتگوئے مذہبی۔ مولانا محمد قاسم۔

(۳۲) حیات النذیر۔ ڈپٹی نذیر احمد کی حیات۔

(۳۳) حیات طیبہ۔ مرزا حیرت دہلوی

(۳۴) تاریخ بے جاپور

(۳۵) امداد الفتاوی۔ مولانا امداد اللہ

(۳۶) سفرنامہ منوچی

(۳۷) تواریخ عجیب کالا پانی مولانا محمد جعفر تھانیسری۔

(۳۸) اخبار منشور محمدی

(۳۹) حیات جاوید مولانا حالی

(۴۰) تاریخ جھجر

(۴۱) سفرنامہ طامس رو

(۴۲) دنیا کی خفیہ انجمنیں۔ از سکرٹ سوسائٹیز آف دی ورلڈ

(۴۳) مسلمانوں کا روشن مستقبل

(۴۴) بادشاہنامہ حمیر لاہوری

(۴۵) ازالۃ الاوہام مولانا رحمۃ اللہ۔

(۴۶) حکومت خود مختاری
(۴۷) مرحوم دہلی مولانا عبدالحق
(۴۸) تلخیص الاحادیث۔ پادری عماد الدین۔
(۴۹) صولۃ الضیغم علےٰ اعداء ابن مریم ۔مولوی عباس علی جانشین
(۵۰) تحقیق دین حق۔ پادری اسمتھ۔
(۵۱) تذکرۂ علماء ہند فارسی مولانا رحمان علی
(۵۲) حیدر آباد میں خدمتِ دینی مولانا شرف الحق صاحب
(۵۳) اظہار الحق مولوی رحمۃ اللہ صاحب
(۵۴) تنقیۃ العبادات ۔حیات الحسن موہانی
(۵۵) اخبار کوہ نور۔ لاہور
(۵۶) تذکرۂ عزیزیہ
(۵۷) حکایات صالحات از عبداللہ
(۵۸) وصال الجمیل مولانا شاہ محمد امان الرحمٰن
(۵۹) رسالہ ساقی دہلی کا ناصری نمبر ایڈیٹر شاہد۔
(۶۰) رسالہ ندائے عام دہلی۔
(۶۱) انوار العاشقین ۔مولانا مشتاق احمد انبیٹھوی
(۶۲) مناظرہ آگرہ از عبداللہ ۔مولانا رحمت اللہ مابین پادری فانڈر
(۶۳) مراۃ الانساب مولانا ضیاء الدین وکیل امرتسری۔
(۶۴) عین الیقین مولوی نصرت علی۔
(۶۵) تفتیش الاسلام خان راجرس ہیڈ ماسٹر۔
(۶۶) حقیقی عرفان پادری عماد الدین
(۶۷) ابطال دین محمدی بمقابلہ دین عیسوی ماوری اہل
(۶۸) دار الحکومت دہلی مولوی بشیر الدین احمد۔
(۶۹) علماء لاہور
(۷۰) تراجم علماء حدیث ہند۔ ابو یحییٰ امام خاں۔
(۷۱) ثورۃ الہند مولانا محمد عبد الشاہد خاں شیروانی
(۷۲) سینا ہند الہ آباد۔ ایڈیٹر سندر لال
(۷۳) مناظرہ غازی پور مولانا شرف الحق
(۷۴) عقوبۃ الضالین مولانا ابو المنصور
(۷۵) غدر کے چند علماء مفتی انتظام اللہ شہابی۔

بہت سی ردِ نصاریٰ کی کتب جو پادریوں اور علماء کرام نے لکھی ہیں وہ نایاب و ناپید ہیں اور کسی کتب خانہ میں نہیں ملتیں وہ کتابیں والد ماجد حضرت مولانا شرف الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کتب خانہ میں میری پاس موجود ہیں جن حضرات کو اس پر لکھنا ہو وہ میری غریب خانے پر آکر دیکھ سکتے ہیں۔ فہرست بقدر گنجائش جگہ درج کی جاتی ہے۔ پادریوں نے جو اسلام کے خلاف کتابیں لکھی ہیں وہ آپ پادریوں کے عنوان میں دیکھیں۔
(۱) پہلی مطبوعہ ردِ نصاریٰ کتاب صولۃ الضیغم علی اعداء ابن مریم سنہ ۱۲۵۸ مصنفہ مولوی عباس علی (۲) جواب محمدیہ۔ یہ قلمی رسالہ ہے۔ (۳) استفسار مصنفہ مولانا آل حسن (۴) استفسار کے جواب میں پادری فانڈر ایک مختصر رسالہ حل الاشکال لکھا ہے (۵) حل الاشکال کا جواب مولانا موصوف نے "استبشار" دیا ہے۔ (۶) مراسلات مولانا آل حسن اور پادری فانڈر، جو پادری فانڈر نے خود چھاپا ہے۔
(۷) مناظرہ جو اکبرآباد میں پادری فنڈر مولانا رحمت اللہ کے درمیان ہوا۔ فارسی میں (۸) مناظرہ تحریری ڈاکٹر وزیر خاں درمیان فانڈر۔ اردو۔ فارسی (۹) مناظرہ اکبرآباد کی روئداد پر جو نوک جھونک تحریری ہوئی (۱۰) خط و کتابت مولانا عبد الباری مابین پادری عماد الدین (۱۱) مولانا رحمت اللہ کی کتابیں (۱۲) ازالہ والاوہام (۱۳) ازالۃ الشکوک۔ اعجاز عیسوی اصح الاحادیث نے ابطال التثلیث اظہار الحق عربی میں اور فرانسیسی زبان میں۔ (۱۳) ہدایت الکرستان (۱۴) قبلہ مولانا شرف الحق صاحب کے مناظرے حیدرآباد میں خدمت دینی مباحثہ لونہ، مباحثہ دہلی۔ مناظرہ غازی پور۔ مناظرہ بھکنڈہ۔ (۱۵) مولانا ابو المنصور کی کتب میزان المیزان مصباح الابرار۔ لحن داؤدی ۔عقوبت الضالین ۔ رقیمۃ الوداد۔ استیصال مسیح الرجال۔ انعام۔ افحام الخصام۔ تصحیح التاویل۔ اعجاز قرآن، حرز جان، دولت فاروقی۔ نوید جاوید، ان کتابوں پر تبصرہ مولانا کے حالات میں پڑھیں (۱۶) مولانا قاسم نانوتوی مناظرہ شاہجہاں میلہ خدا شناسی۔ حجۃ الاسلام (۱۷) مولانا محمد علی منگیری کی کتابیں۔ تکمیل الادیان۔ پیغام محمدی۔ دافع التلبیسات (۱۸) صیانۃ الانسان عن وساوس الشیطان مولانا والی اللہ لاہوری (۱۹) تنزیہ الفرقان مولوی سید محمد صاحب۔

حضرت شاہ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ

حضرت حاجی صاحب قبلہ کو آج بھی علماء کرام کا ہر طبقہ جانتا ہے اور ان سے عقیدت رکھتا ہے حاجی صاحب قبلہ نے ہر زمانہ میں ہر خیال کے عالم سے فیوض روحانی اور علم لدنی کا سکہ منوالیا تھا، ہندوستان ہو یا ممالک عرب ہو، تقریباً اس دور میں ہر مستند عالم آپ کا مرید تھا چنانچہ ہندوستان کے ہر گوشہ کا صاحب دل صاحب علم آپ کا کلمہ پڑھتا تھا۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی [۱] حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا محمود حسن، حضرت مولانا محمد افضل صاحب بخاری اکبرآبادی حضرت مولانا کرامت اللہ صاحب دہلوی، حضرت مولانا شرف الحق دہلوی، حضرت مولانا محب الدین مکی۔ مولانا شاہ محمد حسین الہ آبادی مولانا عبدالسمیع رام پوری بیدل مولانا احمد حسن صاحب کانپوری وغیرہ آپ کے مریدوں میں شمار کئے جاتے تھے۔

انقلابی جماعت سے تعلق آپ ولی اللہی (وہابی) جماعت کے چوتھے امام تھے۔ سنہ ۱۸۴۶ء میں آپ ہی وہابی جماعت کے تیسرے امام شاہ محمد اسحٰق کے انتقال کے بعد امام منتخب ہوئے۔ شاہ صاحب کی ہی زندگی میں ان کی ہدایات کے مطابق حضرت حاجی صاحب ان کے احکام کو ہندوستان میں چلارہے تھے۔ شاہ صاحب آپ کے کام سے اس قدر خوش تھے کہ آپ نے ان کو خود اپنا جانشین منتخب کیا اور ساتھیوں نے اس فیصلہ کو بالکل اپنے دل کی آواز سمجھ کر بدل و جان منظور کیا۔

خاندان حاجی صاحب کا سلسلہ نسب سلطان ابراہیم ادھم سے ملتا ہے آپ کو ریاکاری سے سخت نفرت تھی۔ چنانچہ جب سلطان ابراہیم ادہم کے مزار کی تولیت خالی ہوئی تو بعض مشائخ نے حاجی صاحب کو اس کی جگہ کے لئے تجویز کیا، مزار کے ساتھ کافی جائداد وقف تھی اور اس کی آمدنی کا ایک حصہ متولی جائز طریقہ سے لے سکتا تھا۔ مشائخ کا خیال تھا کہ حاجی صاحب کی کوئی مستقل آمدنی نہیں اسی طرح اطمینان کی صورت ہو جائے گی۔ حاجی صاحب کو وطن چھوڑنے کی بھی ضرورت نہ تھی نائب کام کرتا اور احکام یہاں سے پہنچتے رہتے۔ حاجی صاحب سے جب اس تجویز کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فوراً جواب دیا، اولاد ہونے کی وجہ سے مجھے متولی بنایا جارہا ہے حضرت سلطان رحمۃ اللہ علیہ نے سلطنت پر ٹھوکر ماردی تھی اور میں اس دنیا کو اختیار کروں، پھر اولاد خلف کب رہی اور اس خدمت کے لئے خلف ہونا چاہیئے۔ خلف بننا ہے احتراز لازمی ہے [۲]

حضرت شاہ حاجی امداد اللہ سہارن پور کے قصبۂ نانوتہ میں سنہ ۱۲۳۳ ہجری میں پیدا ہوئے۔ آپ کے جد امجد حاجی حافظ بلاقی علیہ الرحمہ تھے [۳]

تعلیم مشہور صوفی تھے۔ لکھنے پڑھنے میں ذہین تھے۔ تعلیم کے بارے میں آپ فرمایا کرتے تھے:-

"بھائی ہم نے ایک باب اور دیباچہ گلستان کا اور ایک باب بوستاں کا اور کچھ مفید نامہ اور کچھ دستور المبتدی اور چند ورق زلیخا کے پڑھے تھے اور حصن حصین حضرت مولوی قلندر صاحب سے پڑھی آپ نے تھانہ بھون میں ایک مدرسہ اور مسجد بھی علم دین کیلئے جاری کیا تھا جس میں مولانا اشرف علی صاحب نے آخری زندگی گزاری اور وہیں انتقال فرمایا (مکتوبات امدادیہ صفحہ ۲۵)

بیعت بعد میں وظائف کا شوق ہوا دہلی میں آکر حضرت شاہ نصیر الدین خلیفہ حضرت شاہ محمد آفاق سے بیعت ہوئے، ان کے وصال کے بعد بشارت ہوئی بے قراری بڑھی تو ایک روز مولوی قلندر صاحب نے فرمایا کہ اگر آپ بے قرار ہیں تو لوہاری جاکر حضرت میاں جیو نور محمد علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی تسکین کرلو چنانچہ پاپیادہ آپ لوہاری تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت میاں جی نور محمد نے آپ کو سلسلہ بیعت میں داخل کرلیا اسوقت تک میاں جیو نور محمد شیخ کامل ہونے کے باوجود اپنے آپ کو چھپاتے تھے قصبۂ لوہاری میں بچوں کو پڑھاتے تھے۔

---

[۱] تذکرہ علماء ہند فارسی رحمان علی [۲] کمالات امدادیہ [۳] انوار العاشقین ص ۸۲

وہابی تحریک سے جوڑ

یہ تمام بزرگان دین وہابی تحریک کے کرتا دھرتا تھے۔ حاجی صاحب بھی اس جماعت کے کاموں میں لگ گئے تھے، شروع میں ان کا تعلق سید احمد بریلوی کی جماعت سے تھا۔ جو سرحدوں پر انگریزوں سے جنگ کررہے تھے لیکن سنہ ۱۸۳۱ء میں حضرت سید احمد بالاکوٹ میں شہید ہوگئے، تب آپ نے دلی کے مدرسہ میں جس کی بنیاد شاہ ولی اللہ صاحب نے رکھی اور شاہ عبدالعزیز نے چلایا تھا تعلق پیدا کیا۔

حضرت سید احمد کے رفقاء نہیں چاہتے تھے کہ دہلی کے مدرسہ کو مرکز بنائیں بلکہ وہ اس سے علیحدہ ہو کر ایک نئی جماعت بنانا چاہتے تھے۔ جس کی غرض سکھوں سے مجادلہ تھا، حاجی صاحب ان کے حق میں نہیں تھے وہ سمجھتے تھے کہ سکھوں سے لڑنا انگریزوں کو مضبوط کرنا ہے، اس لئے وہ دہلی میں شاہ محمد اسحٰق کے پاس گئے وہ مکہ تشریف لے گئے تھے آپ بھی مکہ پہنچے، اور ایک سال تمام جماعتی مقاصد واصول و پروگرام کو سمجھ کر ہندوستان آگئے۔ ؎۱

سنہ ۱۸۴۶ء کا دور ہندوستانیوں کے لئے انتہائی ہیبت ناک تھا، مغل شہزادے اور بادشاہ عیاشیوں اور شراب خوریوں میں منہمک تھے، ان کو آپس کی لڑائی سے بھی فرصت نہیں تھی۔ انگریز ملک میں جہاں نفرت کی وبا پھیلا رہے تھے وہاں لوگوں کے مذہب بدلنے پر بھی تلے ہوئے تھے۔ پادری لوگ ہی نہیں حکام بھی اور تمام یورپ چاہتا تھا کہ ہندوستان کے تمام باشندوں کو عیسائی بنالو، تاکہ ہمیشہ کی بغاوت سے نجات ہوجائے چنانچہ ایسے پروگراموں پر دھڑلے سے عمل ہو رہے تھے۔ لارڈ ایلنبرو نے محمود غزنوی کے مظالم کے ترانے گانے شروع کردئے تھے۔ اور مصنوعی دروازے بنائے تھے جن کو جلوس بناکر نکالا جاتا تھا کہ ان دروازوں کو ہم (انگریز) غزنی سے دوبارہ نکالنے کے لئے ہندوستان میں لے آئے ہیں یہ سومناتھ کے دروازے ہیں۔

انقلاب کی تیاری

اس پُرآشوب زمانہ میں حاجی صاحب، مولانا رشید احمد گنگوہی مولانا محمد قاسم مولانا عبدالغنی مولانا محمد یعقوب صاحب شریک کار تھے، آپ نے ان جاں بازوں کو ساتھ لے کر تمام ملک میں دورہ کیا، اپنے مریدوں اور عقیدت مندوں کو صاف صاف الفاظ میں انگریزوں کی مخالفت کرنے کی تلقین کی اور عوام کو بتایا کہ انگریزوں کی حکومت کو ختم کرنے کا اس سے بہتر موقعہ نہیں، انہوں نے دہلی کے منظم مدرسے کے طالب علم اور بگڑے ہوئے سرمایہ داروں سے بھی وقتی کام لیا، فتووں اور علماء کے احکامات سے ملک کے کونہ کونہ میں آگ لگائی اپنی اپنی جگہ ہر شخص زبردست حیثیت کا مالک تھا عوام بیدار ہوئے، ان کے پرانے شاگردوں نے دل کھول کر حصہ لیا، نتیجہ ظاہر تھا۔ انگریز بھی طاقت میں دیوانہ اور نیا شکاری تھا۔ سنہ ۵۷ کے غدر کا آغاز ہوا، ہزاروں مسلمان اس جھنڈے کے نیچے جمع ہوگئے ؎۲ ہتیار بے ہتیار سب مرد میدان بن گئے۔ بدن پر کپڑے بھی درست نہ تھے۔ مگر بغل میں تلوار یا کمر میں خنجر یا کندھے پر ٹوپی دار بندوق ضرور تھی۔ محمد شریف نامور مصور دہلی اپنے سارے گھر کے اسباب و مکان کو سوائے بیوی کے زیور خیرات کرکے جہادوں میں شریک ہوا، اور پھر زندہ و سلامت نہ آیا، ؎۳ لاتعداد نوجوانوں نے حصہ لیا۔ حاجی صاحب اور ان کے ساتھی صرف تحریروں اور تقریروں ہی تک محدود نہیں رہے بلکہ شاملی کی سنہ ۱۸۵۷ء کی جنگ میں ان کے چاروں ساتھی مولانا رشید احمد گنگوہی امام کے ساتھ کندھے سے کندھا لگا کر لڑے۔ حاجی صاحب نے ایک سپہ سالار کی حیثیت سے حصہ لے کر یہ ثابت کردیا کہ وہ جس قدر پُرجوش مقرر تھے اسی قدر فن سپاہ گری کے ماہر تھے۔ انہوں نے بڑی قابلیت کے ساتھ لڑائی کے میدان میں جوہر دکھائے۔

مقابلہ ظاہر تھا۔ بکری کا ہاتھی سے تھا۔ انگریز کا قابو چلا، اس نے بھی خوب بھونا، مسلمانوں کو چن چن کر مارا، لوٹا، جلایا، لاشوں کے ٹکڑے ٹکڑے کئے، خاص طور پر حضرت حاجی صاحب اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کرنے کی خاص کوشش کی گئی۔ لیکن سوائے مولانا رشید احمد گنگوہی کے کوئی گرفتار نہ ہوسکا۔ مولانا بھی ۶ ماہ بعد حوالات سے رہا کردئے گئے۔

؎۱ نیا ہند الہ آبادی جون سنہ ۱۹۴۷ ؎۲ تاریخ ذکاء اللہ صفحہ ۶۷۵۔

گرفتاری کی سعی حضرت حاجی صاحب کی گرفتاری کی بہت کوشش کی گئی مگر کارگر نہ ہوئی بڑے بڑے افسر بذاتِ خود تلاش میں نکلے مگر ناکام ہوئے۔

مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں:۔ جب ہمارے حضرت پنج سالہ واقع پنجاب میں مقیم تھے۔ اور باغیان غدر کی تفتیش و دار و گیر ہو رہی تھی تو ایک شب کسی نے مخبری کر دی کہ حضرت ایک شخص کے اصطبل میں مقیم ہیں۔ کلکٹر ضلع خود سوار ہو کر شب کو آدھی رات کے قریب اصطبل کے دروازہ پر آموجود ہوا، اور کواڑ کھلوانا چاہے تو میرے بڑے بھائی جو مالک مکان تھے کلکٹر سے کہا کہ آپ نے اس وقت کیوں تکلیف فرمائی، کلکٹر نے گھوڑا دیکھنے کے بہانے سے کہا کہ کواڑ کھولو، چنانچہ کواڑ کھولے گئے۔ دیکھا تو بستر لگا ہوا ہے اور سب سامان درست تھا مگر حضرت نہ تھے ادھر اُدھر دیکھا، کہیں پتہ نہ لگا، مالک مکان سے پوچھا کہ یہ بستر کس کا ہے انہوں نے کہا میرے چھوٹے بھائی کا ہے، کلکٹر حیرت و تعجب کے مارے پریشان ہو گیا، اور کچھ نہ پوچھ سکا اور گھوڑے کو دیکھتے ہوئے واپس چلا گیا[1]

ردِ نصاریٰ جس طرح حاجی صاحب مجاہدانہ زندگی کے محکمہ کے انچارج تھے، اسی طرح ردِ نصاریٰ کا بھی شعبہ آپ کے ماتحت تھا۔ آپ ہی علاقوں شہروں کے لئے نصاریٰ سے مناظرے و مباحثہ کرنے والے مقرر فرماتے تھے۔ چنانچہ نور علی نور لدھیانہ میگزین جمادی الاول سنہ ۱۳۲۱ ہجری میں ایک پادری نے حسب ذیل چند سوالات شایع کئے۔

(۱) اگر کوئی شخص قرآن سے آنحضرت ﷺ کو معصوم ثابت کرے تو ہم مان لیں گے۔

(۲) انجیل کو قرآن کی کسی آیت سے منسوخ ہونا ظاہر کیجئے۔

(۳) علاوہ شق القمر کے کوئی معجزہ قرآن شریف میں دکھایئے

حضرت حاجی صاحب قبلہ نے اس کا جواب یہ دیا کہ :۔ "اگر واقعی آپ دل سے حق کے طالب ہیں تو آپ کسی محمدی عالم کا نام بتلایا جائے گا۔ اگر ہرانی جتانی مقصود ہو تو غریب مسلمانوں کو اس عنایت سے معاف رکھئے کیوں کہ اس صورت میں تقریر و تحریر سب بے سود ہے"

(فتاویٰ امدادیہ جلد ۴ صفحہ ۱۳۵)

اس جواب سے صاف ظاہر ہے کہ حاجی صاحب قبلہ ردِ نصاریٰ کو محض اکھاڑا نہیں بنانا چاہتے تھے اور نہ وہ ردِ نصاریٰ کرنے والوں کو جا و بے جا ہر ایک سے مڈ بھیڑ کرنے کے لئے بھیجتے تھے۔ جہاں موزوں سمجھتے تھے ایک عالم دین جو انجیل اور نصاریٰ کے دین سے واقف ہو روانہ فرماتے تھے۔ آپ نے جب ضروری سمجھا خود بھی عیسائیوں کے سوالات کے جواب دئے چنانچہ ایک عیسائی نے ایک سوال کیا تو آپ نے جو جواب دیا یہ تھا:۔

سوال:۔ عیسائی لوگوں سے کہتے ہیں کہ آپ لوگ دین عیسائی کی پیروی کیوں اختیار نہیں کرتے جس نے اپنی امت پر جان قربان کر دی اور ان کو خدا سے بخشوا کر نجات دلوائی اور جناب محمد رسول اللہ باوجودیکہ زاری اور عاجزی کرکے اپنے والدین کی شفاعت چچا ابو طالب کی جس نے آپ کو پرورش کیا تھا اور حین حیات آپ کے حامی رہے ان کی مغفرت چاہی مگر خدا نے منظور نہیں کی تو آپ لوگوں کو کیا امید ہوگی ایسے نبی سے پس یہ کلمات عیسائیوں سے سن کر ہمارے محمدی اپنے علماء سے دریافت کرتے ہیں تو وہ بھی اسی طرح کہتے ہیں۔ کہ ہاں ان کے حق میں شکایت منظور نہیں ہوئی تب محمدی نہایت پریشان ہو جاتے ہیں اور ان کے عقائد میں خلل پڑ جاتا ہے۔ (۱) پس کفر آپ کے والدین کا اجماعی ہے یا مختلف فیہ (۲) اگر مختلف فیہ ہے تو راجح جانب کفر ہے یا اسلام (۳) اگر راجح جانب اسلام ہے تو آپ کا کیا جواب ہوگا مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا وانہ اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ الخ اور امام صاحب علیہ السلام فقہ اکبر میں تحریر فرماتے ہیں مَاتَ والداہ رسول اللہ علی الکفر کا کیا جواب ہے (۴) جس شخص کے کفر میں اختلاف ہو وہ قطعی کافر ہو جاتا ہے یا نہیں (۵) اگر قطعی کافر آپ کے والدین کو سمجھا جائے تو عیسائیوں کو کیا جواب دیں گے (۶) اور جو قول علماء کے

[1] تذکرۃ الرشید جلد دوم۔

ان کے مسلمان ہونے کے بارے میں ہیں ان کا کیا جواب ہے کیوں کہ روایات ضعیفہ دفع کفر میں مثبت بہ ہوتی ہیں (۷) اور حدیث صحیح میں آیا ہے کہ ابوطالب آگ سے نکال کر گنوؤں تک لایا جاویگا شفاعت کے ساتھ اور آیات واحادیث میں صریح آیا ہے کہ کافر کی شفاعت ہرگز نہیں کی۔

الجواب :- یہ تقریر عیسائیت کی سراسر مغالطہ ہے۔ اور غور کیا جائے تو یہی تقریر ان کے کاذب اور مسلمانوں کے لئے صادق ہونے کی کافی دلیل ہے کیوں کہ یہ امر ظاہر ہے اور عقلی ہے کہ اصلی غرض مذہب سماوی کی یہ ہوتی ہے کہ مکلفین کے عقائد واعمال واحوال ظاہری وباطنی کی اصلاح اور اس اصلاح پر وعدہ حصول ثمرہ فلاح ونجات آخرت کا ہوتا ہے۔ آپ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ اس امر عقلی کی تائید نقلی ہے کہ جب یہ امر ثابت ہو گیا کہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس مذہب میں یہ تعلیم ہو کہ اس مذہب کا پیشوا گناہوں کا کفارہ ہو گا۔ خواہ امت کچھ ہی کرے سب بخشے بخشائے ہیں تو ایسے مذہب والوں کو ان کے اغراض نفسانیہ شہوۃ غضب اور ان کے مفاسد سے روکنے کے لئے کون سی قوت فاجرہ مانع ہوگی دل کھول کر جو چاہیں گے کریں گے، تو ایسے مذہب سے اصلی غرض یعنی اصلاح ہرگز ممکن الحصول نہیں ہوگی۔ بخلاف اس مذہب کے جس میں یہ بتلایا جائے، کہ جو شخص اس مذہب کے خلاف کرے گا وہ ناری اور معذب ہوگا۔ گو وہ اس مذہب کے پیشوا کے اصول وفروع ہی میں سے کیوں نہ ہو، اس تعلیم کا اثر ہر شخص پر ظاہر ہے کہ یہی ہوگا کہ خوب دین میں اور اپنی اصلاح میں کوشش کرنی چاہیئے، اس صورت میں البتہ اس مذہب کا ماننے والا اپنی سہولت وعفت وغرض نفسانی پر ذہن کو ہمیشہ اور غالب رکھے گا۔ جو اصلی فائدہ مذہب کا ہے پس اگر جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے اثبات اسلام میں کوشش نہ بھی کی جائے۔ جب بھی اسلام پر کوئی اعتراض نہیں پس اس مسئلہ کو اس شبہ سے کوئی مس اور تعلق نہیں البتہ اگر مستقل طور پر اس مسئلے کا تجسس مقصود ہو تو وہ اور بات ہے۔ جس میں محققین کے نزدیک (۱) بوجہ مختلف فیہ ہونے کے کف لسان اور سکوت میں ہے۔

(۲) رہا جواب آپ کا سو مرجحین اسلام ان آیتوں کو حق والدین نہ کہیں گے اور مرت علی الکفر اور ایمان بعد الاحیاء میں منافاۃ نہیں۔ (۳) اختلافات میں قطعیت نہیں رہتی (۴) لیکن جواب قطعیت کی تقدیر پر بھی ظاہر ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا (۶) اور محققین اسلام ان روایات کو غیر معتبر سمجھتے ہیں ضعیف نہیں جانتے۔ (۶) اور کافر کے لئے شفاعت نہیں ہوتی۔ شفاعت تخفیف عذاب ممتنع نہیں۔

(فتاوی امدادیہ جلد ۴ - ۱۴۹)

ہندوستان سے ہجرت

مدینہ طیبہ کی زیارت حضرت حاجی صاحب ۵ ذی الحجہ سنہ ۱۲۶۱ میں ہی کر چکے تھے وہاں سے دردد تجینا کی حضرت شاہ گل محمد رامپوری سے اجازت لے کر سنہ ۱۲۶۲ ہجری میں واپس ہوئے۔

ہندوستان سے ہجرت کے لئے اور مکہ میں جانے کے لئے غدر کے حالات نے مجبور کیا، چنانچہ آپ نے سنہ ۱۲۷۶ھ میں ہندوستان سے ہجرت کی اور مستقل سکونت مکہ ہی میں اختیار کی تاحیات وہیں مقیم رہے وہیں حضرت حاجی صاحب نے ولی اللہی تحریک کو زندہ رکھا۔ مولانا قاسم اور ان کے ساتھیوں پر ہندوستان کا کام چھوڑا۔ ولی اللہی دہلی کا مدرسہ ہنگاموں کی وجہ سے ختم ہو چکا تھا۔ آپ نے ان ہی شاہراہوں پر چلنے کے لئے دوسرے مدرسہ کے قیام کی تلقین فرمائی، آپ وہیں سے ہدایتیں جاری کیا کرتے تھے۔ کچھ دن ان ہدایتوں پر عمل نہ ہو سکا مولانا قاسم کے وارنٹ حکومت نے جاری کر رکھے تھے، وہ وارنٹ جب ختم ہوئے تو مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ڈالی جس میں حاجی صاحب کے تمام ساتھی شریک ہوئے اور انہوں نے مدرسہ کو چلانے اور کامیاب کرنے کی کوشش کی۔ مدرسہ کے سرپرست حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی بنائے گئے۔ جو حاجی صاحب کے خلیفہ تھے (دینا ہند الہ آباد)

مصیبت کا زمانہ

مکہ معظمہ کی ابتدائی زندگی آپ نے بڑی مصیبت میں گزاری، اکثر فاقوں کی نوبت گزر جاتی تھی۔ ایک دفعہ کئی وقت کا فاقہ تھا۔ حاجی صاحب حرم شریف میں اللہ کی عبادت کر رہے تھے۔ کسی شخص نے حاجی صاحب سے کہا مجھے اپنی لنگی عنایت فرمائیے۔ جو سامنے پڑی ہے۔ آپ نے بلاتامل اسے لنگی دیدی تھوڑی دیر میں وہ شخص پھر آیا۔ اور لنگی رکھ گیا، حاجی صاحب عبادت سے فارغ ہوئے تو دیکھا لنگی میں چار سو سے اوپر روپے بندھے ہوئے ہیں۔ حاجی صاحب نے امانت

کے طور پر چھوڑ گیا۔ کئی دن بعد وہ شخص دوبارہ دکھائی دیا، حاجی صاحب نے فرمایا۔ میاں امانت اس طرح رکھا کرتے ہیں کہ مجھے بتایا تک نہیں۔ میرے دیکھنے سے پہلے کوئی اٹھا کر لے جاتا تو میں خواہ مخواہ شرمندہ ہوتا، اس نے عرض کیا حضرت وہ تو آپ کی نظر ہے آپ اپنے مرف میں لائیے لہ

حاجی صاحب نے ۵۰ سال کی عمر تک شادی نہیں کی تجردی کی زندگی گزاری آخر سنہ ۱۲۸۲ ہجری میں احباب کے اصرار سے مہاجرہ بی بی نورن صاحبہ حضرت بی بی خدیجہ صاحبہ بنت مرحومی حاجی شفاعت خان رامپوری سے بعوض ایک سو چوبیس روپے مہر نکاح کیا لہ

دنیا سے بے نیازی

مولانا رشید احمد نے فرمایا کہ حضرت مرشدنا حاجی رحمۃ اللہ ایک دن فرمانے لگے کہ ایک شخص نے مجھے کیمیا کا نسخہ بتایا اور کہا کہ یہ اکسیر ہے اس سے سونا بن جاتا ہے، میں نے اس سے کہا کہ میں ہندوستان کو چھوڑ کر مکہ معظمہ میں جو آیا ہوں تو اللہ کی تلاش میں کیمیا کی تلاش میں نہیں آیا (ص ۲۳۵ دوم تذکرۃ الرشید)

حضرت حاجی صاحب قبلہ اسی طرح اپنے خلفا و متعلقین کو بھی کیمیا کی بیماری سے بچاتے تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں کہ جب میں مکہ معظمہ کو گیا تو وہاں ایک درویش تھے۔ سید قاسم نقشبندی ان کا نام تھا، ان کو اہل مکہ بہت مانتے تھے۔ ایک شخص ان کے سامنے حضرت نقشبندی کی توہین کیا کرتے تھے وہ بہت ضبط فرماتے تھے۔ ایک دن غصہ میں آکر اس پر توجہ ڈالی وہ شخص تڑپنے لگا۔ مجاورین کعبہ نے جب دیکھا کہ اب یہ شخص مرجائے گا بُرا حال ہے تو اس کے مکان پر چھوڑ آئے کئی روز تک وہ شخص تڑپتا رہا آخر اس کی ماں نے سید صاحب کی منت سماجت کی، اس کی ماں پر ان کو ترس آیا ورنہ اس کی روح نکل جاتی۔

اس واقعہ کے سننے کے بعد حضرت حاجی صاحب نے مجھ سے ان سید صاحب کی تعریف فرمائی۔ میں ان سے ملنے گیا۔ بہت محبت سے ملے فرمایا اس زمانہ میں اکل وحلال دشوار ہو گیا ہے کسی سے مانگتا نہیں ہوں خود سونا بنا لیتا ہوں۔ تم بھی سیکھ لو میں نے کہا اس وقت مہلت نہیں کہ آپ میرے سامنے بنائیں اور میں دیکھوں۔ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ حج کو چھوڑوں اور سونا بنایا کروں چنانچہ انہوں نے نسخہ لکھ کر دیدیا، میں نے خدمت حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں اس سارے قصہ کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا ہرگز مت بناؤ نسخہ بُھلا دو، اس سے توکل میں فرق آتا ہے۔

(صفحہ ۲۳۲ دوم تذکرۃ الرشید)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے فرمایا کہ مرشدنا حاجی صاحب رحمۃ اللہ گنگوہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ رام پور کے ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت میرا گھوڑا گم ہو گیا ہے آپ دعا کیجئے، کہ مل جائے حضرت اس وقت مثنوی معنوی دست مبارک میں لئے ہوئے تھے اس کو کھول کر پڑھنے کا جو ارادہ کیا تو برسر صفحہ یہ شعر نکلا ۔ گر بروبالت عدوٍ پر مے زند ۔ دشمن را بردہ باشد دشمنے۔

(۲۵۴ دوم تذکرۃ الرشیدیہ)

شاعری وتصنیفات

حاجی صاحب شاعر بھی تھے اور مصنف بھی، مثنوی تحفۃ العشاق۔ غذائے روح۔ گلزار معرفت، رسالہ جہاد اکبر رسالہ درد نامہ غمناک، نالہ امداد، غریب میں اسلام کی تبلیغ اور محبت اسلام کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے زبان انتہائی سادہ سلیس اور مؤثر ہے، چنانچہ مثنوی گلزار معرفت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

الٰہی یہ عالم ہے گلزار تیرا	عجب نقش قدرت نمودار تیرا
جہاں لطف گل ہے وہیں خار گل ہے	ہر گل خار میں گل میں ہے خار تیرا
عجب رنگ بیرنگ ہر رنگ میں ہے	یہ ہے رنگ صنعت کا اظہار تیرا
خوشی غم میں رکھی اور غم خوشی میں	عجب تیری قدرت عجب کار تیرا
تو اول تو آخر تو ظاہر تو باطن	تو ہی تو ہے کہ ہے آثار تیرا
دیا یا رضا کیا کروں میں الٰہی	کہ دارو بھی تیری اور آزار تیرا

آپ سے مومن دہلوی بہت اعتقاد رکھتے تھے آپ نے ان سے پوچھا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مثنوی کی نظم سست ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ کوئی جاہل کہتا ہوگا۔ اساتذہ کے نزدیک مثنوی مستند ہے

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کو حضرت حاجی صاحب کا کلام بہت پسند تھا۔ ایک دن درد نالہ پڑھتے پڑھتے آپ بیخود ہو گئے۔ بہت دیر یہ شعر پڑھتے رہے لہ

مرا اک کھیل خلقت نے بنایا ۔ تماشہ کو بھی تو میرے نہ آیا (تذکرۂ رشیدیہ دوم ۷۷)

لہ کمالات امدادیہ

تصنیفات میں ضیاء القلوب، رسالہ وحدۃ الوجود، ارشاد مرشد ہیں ان میں اوقات اوظائف ذکر اور طریق وظائف و ذکر بیعت کے طریقے مریدوں کی درستگی اور مختلف اشغال مثلاً طریق شغل بساط، اشغال قادریہ، اسم ذات، خفیہ مراقبات قادریہ نقشبندیہ وغیرہ بیان کئے گئے ہیں "فیصلہ ہفت مسئلہ" معرکہ کی کتاب ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جس کو حاجی صاحب علماء کرام پر فوقیت رکھنے کے مستحق سمجھے جاتے تھے اور علیم ظاہری ایسے معلوم دیتا ہے، حاجی صاحب نے ان سات مسئلوں کا جو مسلمانوں میں نزاع کا باعث بنے ہوئے تھے ایعنی مولود شریف، فاتحہ مروج عرس وسماع۔ ندائے غیر اللہ۔ جماعت ثانیہ امرکان نظیر وامکان کذب کا صحیح صحیح حل کیا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اگر اس فیصلہ پر عمل کیا جائے تو یہ مسئلے جھگڑوں کی بناء ہی نہ بنیں اور ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا کر فتنے کھڑے کرنے والے ختم ہو جائیں۔ اللہ کا فضل ہے کہ اب اس قسم کے اکھاڑے بہت کم جمتے ہیں۔ (کلیات امدادیہ)

وفات

حضرت حاجی صاحب کی وفات ۱۲ یا ۱۳ جمادی الآخر سنہ ۱۳۱۷ ہجری میں وقت اذان صبح ہوئی اور جنت المعلیٰ میں بہلو مولانا رحمت اللہ صاحب دفن ہوئے۔ (انوار العاشقین مولانا مشتاق احمد انبیٹھوی)

انتقال سے کچھ دن پہلے آپ نے مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم کو خط لکھا تھا:۔

"کچھ پیچش ہو گئی تھی اس کو تو آرام ہو گیا ضعف کی یہ حالت ہے کہ ایک جانب سے دوسری جانب کروٹ لینا مشکل ہے اب تو یہی آرزو ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دار فانی سے جلد بلالے گفتگو کی طاقت نہیں ہے۔ ۲۰ ربیع الاول سنہ ۱۳۱۷ھ

(مکتوبات امدادیہ)

قطعہ تاریخ وفات حضرت العلامہ مولانا سید امیر حمزہ علیہ الرحمہ

شاہ امداد مرشد آفاق — جان عشاق مست صہبا رفت
بے نظیر جہاں و فخر زماں — نائب خاص شاہ بطحا رفت
شاہ خوباں بکوئے جاناں — خود تماشائے تماشا رفت
تن بے جاں بہند ماند زار — سوئے فردوس جان شیدا رفت
وہ چہ حال وصال ہاتف غیب — گفت مجنوں لشوق لیلیٰ رفت

مدح و نالہ در فراق قطب زماں شبلی دوراں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نور اللہ مرقدہم از — سید مولوی محمد حمزہ

پیشوائے واصلیں ہیں شاہ امداد اللہ — مقتدی عارفیں ہیں شاہ امداد اللہ
نائب ختم رسل شمع رہ خیر السبل — رونق بستان دیں ہیں شاہ امداد اللہ
عالمان خوش صفت جو ہیں شہان شش جہت — ان کے تو تاج تمیں ہیں شاہ امداد اللہ
مرہم زخم دروں چارہ گر حال زبوں — داروئے قلب حزیں ہیں شاہ امداد اللہ
ہیں قدوۂ قدوسیاں ہیں زینت کون و مکاں — فخر زمن فخر زمیں ہیں شاہ امداد اللہ
ملک عرفان خدا ہے ورثہ خیر الوریٰ — اس میں ہی صاحب نگیں ہیں شاہ امداد اللہ
کیسی قیامت آگئی دل کی کلی مرجھا گئی — جنت میں اب پردہ نشیں ہیں شاہ امداد اللہ
زیبائی حسن جہاں زینت دہ باغ جناں — آرائش فرش زمیں ہیں شاہ امداد اللہ
یہ دل شیدا مرا جنت کا باغیچہ بنا — جب سے یاں گوشہ گزیں ہیں شاہ امداد اللہ

آپکی ذات مقدس ہے دبیر کبریا — آپ کی ذات مقدس ہے وزیر مصطفیٰ
آپ کی ذات مطہر ہے مشیر مرتضیٰ — چاہ حرماں میں گھرا ہے آپکے در کا گدا

اے شہ امداد اللہ وقت ہے امداد کا

گرچہ ہوں شیدا میں لیکن اپنی حرص و آز کا — مبتلا ہوں اپنے نفس حیلہ گر باز کا
شیفتہ ہوں پیرزال دنیا کے ہر انداز کا

اے شہ امداد اللہ وقت ہے امداد کا

کام ہے یاں آپ کی انفاس باعجاز کا

(امداد صابری
چوڑی والان، دہلی

عیسائی فرنگیوں کی ہند میں آمد

مسیحیت سب سے پہلے ہندوستان میں سکندریہ سے آئی ہے۔ سنہ عیسوی کی ابتداء میں سکندریہ دنیا میں سب سے بڑا تجارتی شہر تھا اور اور مرقس رسول نے یہاں پر ایک مذہبی مدرسہ بھی قائم کیا تھا جو کئی سال تک جاری رہا۔

ہندوستانی سوداگر جو ریشم اور موتی کی تجارت کرنے کے لئے سکندرہ گئے تھے وہ مسیحیت کی کتب کا ایک ذخیرہ ہندوستان لے کر آئے۔

دوسری صدی کی ابتداء میں کچھ ہندوستانی سوداگروں نے سکندریہ کے بشپ ڈیمٹری یوس (Demetrius) کو خط لکھا کہ ہندوستان میں تبلیغ مسیحیت کے لئے کوئی قابل آدمی بھیجا جائے۔ چنانچہ اس نے (Pantaenus) پانٹے نوس پادری کو ہندوستان بھیجا جو اپنے عہد کے قابل ترین لوگوں میں تھا اور یہ ہندوستان میں پہلا مشنری ہے۔

سیرین عیسائی | چوتھی صدی عیسوی میں کچھ شامی عیسائی ہندوستان کے ساحل ملابار پر آباد ہو گئے تھے۔ ملابار کے راجوں نے ان سے بہت اچھا سلوک کیا، اور یہاں تک ان کو مراعات دیں کہ شامی عیسائیوں کے تمام فوجداری اور دیوانی مقدمات کا تصفیہ خود ان کے بشپ کرتے تھے۔

پرتگیزی | جب پرتگالی عیسائی ہندوستان میں سنہ ۱۵۰۰ء کے اندر آئے تو مالابار کے عیسائیوں نے ان کا پرجوش خیر مقدم کیا اور ان کو یقین تھا کہ پرتگالیوں کی آمد سے ان کے مسیحی تبلیغی مقاصد کو بہت تقویت پہنچے گی۔ لیکن بعد میں ان عیسائیوں کو آمدہ عیسائیوں سے مایوسی ہوئی، پرتگالی پادریوں نے ان لوگوں کو پوپ کے تابع کرنے کی سرگرم کوشش کی سنہ ۱۵۹۹ء میں آرچ بشپ مینیزیز (Manezes) نے عیسائیوں کی کانفرنس طلب کی اور اس میں فیصلہ کیا کہ کلیساء شام کے پیرو عیسائیوں کی تمام مذہبی کتابیں جلادی جائیں۔ بہت سے شامی عیسائیوں کو جبراً رومن کیتھولک بنایا گیا۔

چرچ مشن سوسائٹی | کلیساء شام اگرچہ مفسدانہ لغویتوں سے پاک تھا، جو پوپ پرستی سے بہت سے حصوں میں پیدا ہو چکے تھے۔ پوپ پرست پادری زیادہ جاہل تھے۔ اور عوام میں اصلاحی تبلیغ کے فرائض اچھی طرح انجام نہیں دے سکتے تھے، ان پادریوں کی اصلاح کے لئے پرتگالیوں نے چرچ مشنری سوسائٹی کے نام سے ایک جماعت قائم کی۔ جو ہندوستان میں عیسائیوں کی سب سے پہلی تبلیغی جماعت ہے۔ لیکن بعد میں عوام شامی عیسائیوں کی مخالفت سے یہ سوسائٹی ناکام رہی۔ ہندوستان میں جو پرتگالی تجارتی اقتدار حاصل کرنے کے لئے ہندوستان آتے تھے وہ اپنے ساتھ رومن کیتھولک مشنری لائے تھے۔ اور ان کی خاص کوشش ہوتی تھی کہ آباد پرتگالی ہندو عورتوں سے شادیاں کرکے ان کو عیسائی بنائیں۔ جنوب ہند کے بہت سے علاقوں میں جبر سے بھی عیسائی بنایا گیا۔

اسوقت پرتگالیوں کا یہ دستور تھا کہ وہ جس علاقہ پر قبضہ کرتے اور فتح پاتے تھے اسکے حاکم اور حاکم کے اہل و عیال کو اسیر کرکے عیسائی بناکر لسبن دارالسلطنت میں بھیج دیتے تھے۔ چنانچہ علاقہ پیرچول کے حاکم فرمان خان اور اس کی بیٹی کو زبردستی نصرانی بناکر گوآ کے پرتگیزی وائسرائے واسکوڈی گاما نے لسبن روانہ کر دیا تھا۔ (تاریخ ہند ذکاء اللہ)

خاص طور پر فرنگیوں کے پادریوں کی عجب حالت تھی، مذہبی جنون میں وحشی بنے ہوئے تھے وہ کسی کے مذہب میں مداخلت کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہ کرتے تھے ہندوستانیوں کو اداۓ فرض سے جابرانہ طریقہ پر روکتے تھے مسلمانوں کی مسجدیں مسمار کر دیتے تھے اور ان کو پکڑ کر قید میں ڈال دیتے تھے اور مذہب کو تبدیل کرنے کے لئے زور دیتے تھے، اگر وہ مذہب سے منحرف ہونے کے لئے تیار نہ ہوتے تھے تو ان کو موت کے گھاٹ اتار دیتے۔ مردانے کا طریقہ کیا ہوتا تھا۔ وہ آپ گوآ کے سیاح وزیر نامی کے سفرنامے کے صفحات میں پڑھیے وہ لکھتا ہے کہ:۔

"میں ایک دن صبح کو اس مقام پر گیا جہاں پادریوں کا دارالقضا بنا ہوا تھا۔ دارالقضا کیا تھا مقتل تھا۔ بازار کے بیچ میں ایک بڑا بھاری انجن سولی کی طرح کھڑا کیا تھا جس پر ایک چرخ لگا ہوا تھا۔ انجن پر پہنچنے کے لئے سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں اس کو استراپڈو کہتے ہیں جس کے ذریعے سزا پہنچنے کا یہ طریقہ تھا کہ ایک بڑا شہتیر بلندی پر لگا ہوا تھا اس پر انسان کو کھینچ کر چڑھاتے تھے اور وہاں سے اسے گرا دیتے تھے جس کی ضرب سے اس کی ہڈیاں چور چور ہو جاتی تھیں وہیں تھوڑے فاصلہ پر اوپر دار کو جزیرہ تھا۔ جہاں پادری کے فتوے کے مطابق لوگوں کو زندہ آگ میں جلا دیتے تھے جس کے لئے یہ سزا تجویز ہوتی تھی ان کو دارالقضا سے خوفناک بھتنے اور شیطان کا لباس پہنا کر لاتے تھے اور جلاد کے حوالے کر دیتے تھے، بازار میں علاوہ سور کے گوشت کے دوسرے گوشتوں کی ممانعت تھی، جو ہندو مسلمان دونوں کے لئے کوفت کا باعث بنا ہوا تھا، ایک اور سیاح لنس کوٹن سنہ ۱۵۸۳ء سے سنہ ۱۵۸۹ء تک ہندوستان میں مقیم رہا، وہ بھی ان پادریوں کے مظالم کی تائید کرتا ہے (تاریخ بیجاپور جلد ۶ د ۳۷۶)

"ایک انگریز مورخ اورنگ برگ بھی ان عیسائی پرتگیزوں کی ظلم کی ایک علیحدہ لسٹ پیش کرتا ہوا وہ کہتا ہے:۔

واسکوڈیگاما۔ گبرل۔ ڈی الیدا وغیرہ نے ایسی عجیب و غریب قسم کی بے رحمیاں کی ہیں جن کو شائستگی اور انسانیت کی پیشانی پر ایک کلنک کا ٹیکہ کہنا چاہیئے۔ سفاکی و بے دردی اور وحشت ان کے خمیر میں اس قدر تھی کہ بے گناہ قیدیوں مظلوم عورتوں اور معصوم بچوں کو بھی ان کی تلوار اور آگ سے پناہ نہیں ملی"

ہندوستانی عورتوں کو فوج میں باٹنا

بیچاری ہندوستانی عورتوں سکی ذلیل کے اس برتاؤ میں بھی دریغ نہ تھا کہ کرسچین بنا کر فوج میں تقسیم کر دی جاتی تھیں چنانچہ البوکرک جیسے نامور شخص کے عہد کی روایت چلی آتی ہے کہ ایک دفعہ یہ تدبیر کی گئی کہ بہت سی عورتیں اچھے بُرے خاندانوں کی جو قید ہو کر آئی تھیں ان کے متعلق پادری کو یہ خدمت سپرد ہوئی کہ کرسچین بنا کر پرتگیزیوں سے ان کے جوڑے ملا دے۔ پادری صاحب کو یہ کام کرتے کرتے رات ہو گئی اور اتفاقاً روشنی بھی نہیں رہی تو ہجوم میں اجنبیت و ناواقفیت کی وجہ سے یہ تمیز نہیں رہی کہ کون سی عورت کس مرد کے نکاح میں آچکی ہے۔ پہلے تو پادری اس مسئلہ کو حل کرنے میں چکرائے۔ مگر آخر یہ فیصلہ کیا کہ اس دردسری میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو عورت جس مرد کے ساتھ ہو جاؤ وہ اس کی سمجھی جائے۔ (تاریخ مسٹر اورنگ برگ)

مشہور مشنری فرانسس اگزیبیر (Francis Xavier) سنہ ۱۵۴۲ء میں گوآ آیا تھا اس نے سخت غلطیاں کیں لیکن بہت پرجوش مشنری تھا اسوقت تک گوا کے باشندے مسیحیت سے ناآشنا تھے۔ اس نے بڑے پیمانہ پر مسیحیت کی تبلیغ کی اس کے بعد وہ راس کماری گیا، وہاں کی زبان سے ناواقف ہونے کے باوجود انتھک جدوجہد سے بہت سے بچوں کو عیسائی بنا لیا۔ اس کا خاص طریقہ یہ تھا کہ بیماروں کی دیکھ بھال کرتا تھا اور ان کے بچوں پر اس طرح قبضہ جماتا تھا۔ اس نے جنوب ہند کی زبانوں میں اہم مسیحیت عقیدوں اور دعاؤں کا ترجمہ کرایا، ہندوستانی باشندوں کو یہ دعائیں زبانی یاد کراتا تھا۔ اگزیبیر کے مذہبی جوش وخروش کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اس نے ایک ایک مہینہ میں دس دس ہزار ہندوؤں کو عیسائی بنا لیا، بعض اوقات بڑے بڑے گاؤں ایک دن میں عیسائی بنائے جاتے تھے۔ انگزیبیر نے چینی ساحل کے قریب ایک چھوٹے سے جزیرے میں وفات پائی۔

اس کی لاش گوآ میں لاکر دفن کی گئی اس کو محافظ ہند اور ولی کے خطاب سے یاد کیا جا سکتا ہے۔

جیوسٹ مشن

پرتگالیوں نے گوآ میں ایک مذہبی محکمہ قائم کیا تھا، جہاں لوگوں کو مذہبی احکام کی خلاف ورزی کے احکام میں تکالیف دی جاتی تھیں اور ان کو زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ جو لوگ رومن کیتھولک بن جاتے تھے، ان کی تمام خطائیں معاف کردی جاتی تھیں۔ جیسوٹ فرقے کے کچھ عیسائیوں نے پوشیدہ طور پر سنسکرت زبان پڑھی اور ہندو لٹریچر کا گہرہ مطالعہ کیا اس کے بعد انہوں نے خود کو یورپ کے قدیم برہمنوں کی اولاد ظاہر کیا، یہ لوگ ہندو جوگیوں کی طرح زرد کپڑے پہنے ہوئے تھے، اور پیشانیوں پر تلک لگاتے تھے، اور ہندو مراسم انجام دیتے تھے۔ یہاں تک ان لوگوں نے سنسکرت زبان میں نیا وید لکھا۔ جس میں مسیحیت کی بہت تعریف تھی۔ اور ان لوگوں نے دعوٰے کیا کہ یہ وید اصلی ہیں یورپ میں کچھ لوگوں نے جیسویٹ فرقے کے اس طرز عمل کی مخالفت بھی کی۔

فرانسیسی مشن

فرنگی پرتگیزی عیسائیوں کے بعد سنہ ۱۶۶۲ء میں جب فرانسیسی ہندوستان میں آئے اور پانڈیچری کو دارالسلطنت قرار دیا تو انہوں نے بھی پیرس کی سب سے پرانی غیر ممالک میں عیسائیت کا پروپگنڈا کرنے والی جماعت (Societe des Missions etrangerie) سوسائٹی ڈیمیشن اسٹرینجے) غیر ممالک کی مشنری سوسائٹی ہندوستان میں روانہ کی۔ اس سوسائٹی کا حلقۂ عمل، کمباکونم، میسور، کوائمبٹور، مغرب مدراس، اور پانڈیچری تھا جس نے پادریوں کے ذریعے ہندوستانیوں کو عیسائی بننے کی ترغیب دی، اور نصرانیت کا پروپگنڈا کیا، یہ سوسائٹی فرانسیسی کیتھولک فرقہ کی شاخ تھی، مرکزی جماعت فرانس میں سنہ ۱۸۵۸ء میں قائم ہوئی، اس سال اس سوسائٹی میں ۴۳ پادری ۱۰۹۲ یوروپین مشنری اور ۵۹۸ غیر یوروپین مشنری کام کرتے تھے۔ اس کا کنٹرول اور تنظیم کرنے والا کونگریگیشن یعنی ایک پروپگنڈہ بورڈ تھا۔ جس کو جارج پندرہ نے سنہ ۱۶۲۲ء میں قائم کیا تھا۔ یہ بورڈ سکرٹری آف اسٹیٹ آف کالونیز کی طرح کل مذہبی معاملات میں پوری اختیارات کا مالک تھا جس کو پادری الیسکو پلک (کانسٹائی ٹوشن) کے ذریعے چلاتے تھے۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۲۳ صفحہ ۲۷۷)

پہلا مشن

ہندوستان میں فرقہ کی مشنری سے پہلے سنہ ۱۷۰۶ء میں آئے۔ شاہ ڈنمارک نے پلٹ سچکو زیگن بالک (pluts scho - ziegen Balg) دو پادریوں کو ہندوستان بھیجا تھا، ان لوگوں نے سب سے پہلے تامل زبان سیکھی اور زیگن بالک نے عہد جدید کا ترجمہ تامل زبان میں کیا، اس کے بعد اس نے عہد عتیق کا ترجمہ شروع کیا، Ruth تک ترجمہ کر ڈالا۔ بعد میں اس کے جانشین نے بائیبل کے اس ترجمہ کو مکمل کیا، ڈیگن بلاک ہندوستان میں مذہبی تبلیغ کے لئے امداد طلب کرنے انگلستان گیا۔ وہاں شاہ جارج دوم نے اس کی بہت عزت کی اور سوسائٹی فار پروموٹنگ کرسچین کالج (Society for Pro- moting christian Knowledg) کی مدد سے کئی مشنری ہندوستان بھیجے۔ جو پادری شاہ جارج دوم نے بھیجے تھے ان میں شواز خاص طور پر قابل ذکر ہے، یہ بہت قابل ذہین اور مجری ذہنیت کا عیسائی تھا۔ وہ کئی سال ٹرانک بار میں تبلیغ مسیحت کرتا رہا۔ بعد میں وہ ترچناپلی چلا گیا، جہاں اس نے مستقل اڈہ بنا لیا۔ جنوب ہند میں اس کا اثر و رسوخ بہت بڑھ گیا تھا۔ ایک مرتبہ سلطان حیدر علی اور عیسائیوں کی کش مکش ہوئی تو تصفیہ کے لئے (Schwartz) شواز ہی مقرر ہوا، حیدر علی اس کی علمیت سے متاثر ہوا، اور اشرفیوں کی ایک تھیلی دی اس تھیلی سے شواز نے تیمور میں ایک عیسائی مدرسہ قائم کیا، راجہ تنجور اس کے زیر اثر آگیا، اور مرتے وقت اپنی نوعمر راجکمار کا ولی اس کو مقرر کیا۔ شواز کا انتقال سنہ ۱۷۹۸ میں ہوا، اور اس نے کم از کم دس معزز آدمیوں کو عیسائی بنایا۔

بنگال میں پہلا پروٹسٹنٹ مشنری کیرنندر (Kiernander) رہا وہ سنہ ۱۷۵۸ء کڈلور سے کلکتہ گیا۔ کلایو نے اس کی سرپرستی کی، اس نے ایک دولتمند بیوہ ہندو عورت کو عیسائی بنا کر شادی کرلی + اور اس کی دولت سے ایک گرجا تعمیر کیا۔

اور کئی اسکولوں کو فروغ دیا۔ کیسر سند کی سرگرمیوں کو انفرادی حیثیت حاصل تھی۔ بنگال میں پہلا عیسائی مشن ولیم کیرے (Carey) نے قائم کیا، ابتداء میں یہ انگلستان کا ایک موچی تھا۔ بعد میں اس نے تعلیم حاصل کی اور اسکول کا ماسٹر بن گیا۔ ایک دن شاگردوں کو پڑھاتے پڑھاتے اسے خیال ہوا کہ ہندوستان میں مسیحی پیغام بھیجا جانا چاہیئے۔ سنہ ۱۷۹۲ء میں اس نے لندن میں کئی پبلک جلسے کئے۔ اور ہندوستان میں تبلیغ مسیحیت پر روشنی ڈالی، اس کی کوششوں سے لندن میں بپٹسٹ سوسائٹی قائم کی اور اس کی جانب سے کیرے کو کلکتہ بھیج دیا۔

بپٹسٹ

ابتداء میں بپٹسٹ مشنری سوسائٹی کے لئے انگلستان میں بہت روپیہ فراہم ہوا تھا، اس کی تلافی کے لئے کیرے نے بنگال میں نیل کی کاشت شروع کی اس سے اپنا اور اپنے متعلقین کا گزارا کرتا تھا بعد میں انگلستان سے دو مشنری بنگال بھیجے گئے۔ ان کا نام (William ward) اور جوشا مارش مین (Josha Marchman) ولیم وارڈ تھا۔ ان کا ایسٹ انڈیا کمپنی سے جھگڑا ہو گیا تو انہوں نے کلکتہ کے قریب ڈنمارک کے مقبوضہ علاقہ سری رام پور میں سکونت اختیار کی سنہ ۱۸۰۰ء میں کری بھی سری رام پور چلا گیا، سری رام پور میں وہ بائیبل کے تراجم کا وسیع پیمانہ پر انتظام کیا گیا۔ سب سے پہلے سنہ ۱۸۰۱ء میں عہد جدید کا ترجمہ بنگالی زبان میں ہوا۔

اس کے عہد عتیق کا ترجمہ بنگالی اور اردو میں کیا گیا، اس کے بعد کرے نے عہد جدید کا ترجمہ سنسکرت زبان میں کیا۔ کیرے مشرقی زبانوں کا بڑا ماہر تھا اور اسے بعد میں لارڈ ڈرے فورٹ ولیم کالج میں مشرقی زبانوں کا پروفیسر مقرر کر دیا تھا، اس نے کمیٹی بورڈنگ سکول قائم کئے۔ ان پادریوں کی زندگی بہت سادہ تھی۔ یہ اپنی ساری آمدنی بائیبل کی چھپائی، سکولوں کی امداد اور مسیحیت کی تبلیغ پر صرف کرتے تھے، ان تینوں نے سری رام پور میں ایک کالج بھی قائم کیا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کا مسیحیت میں حصہ لینا

مشنریوں نے علاوہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت نے بھی تبلیغ میں نمایاں حصہ لیتی تھی، اس نے اور بستیوں میں مذہبی تعلیم پھیلانے کے لئے ہر خاص اور مشہور مقام پر پادری مقرر کر رکھے تھے، اور یہ پادری یوریپئین کی عبادت کا انتظام کرنے کے علاوہ قرب وجوار کے علاقوں میں ہندوستانیوں کو عیسائی بناتے رہتے تھے۔ اور بسا اوقات لوگوں کے عیسائی بنانے میں حکومت کا دباؤ بھی کام کرتا تھا۔

کلکتہ کا ریورڈ ڈیوڈ براؤنڈ سرکاری حلقوں میں بہت با اثر تھا۔ اور تمام گورنر جنرل اس کی عزت کرتے تھے۔ وہ تنخواہ نہیں لیتا تھا اعزازی طور پر گرجوں کا اس نے انتظام لے رکھا تھا۔ اس کی موت کے وقت اس سے پوچھا گیا کہ اس کی یادگار میں کتبہ کا کیا مضمون لکھا جائے۔ اس نے جواب دیا، میری یاد صرف اتنی کافی ہو کہ براؤنڈ نے کلکتہ کے مشن چرچ میں ۲۵ سال تک بائیبل کا پیغام لوگوں تک پہونچایا۔

سنہ ۱۸۰۶ء میں ہنری مارٹن (Henry Martyn) کلکتہ میں آیا۔ یہ شخص کیمبرج یونیورسٹی کا گریجویٹ اور کافی دولتمند تھا اس نے اپنی جیب خاص سے بنگال میں کئی سکول قائم کئے اور بہت سے ہندوستانیوں کو عیسائی بنایا۔ اس کا بڑا کارنامہ یہ بتایا جاتا ہے کہ اس نے عہد جدید کا ترجمہ اردو فارسی زبان میں کیا، اردو فارسی ترجمہ کی مزید صحت کے لئے ایران گیا اور زبان کے ادیبوں سے اس کی تصحیح کرا کے انگلستان روانہ ہوا۔ مگر راستہ میں مر گیا۔

لارڈ ولزلے گورنر جنرل کا خاص پادری (Claudius Buchanan) کلاڈیس بوکانین مسیحیت کا بڑا مبلغ تھا۔ اس سے پہلے مسیحیت کے لئے بنگال سے ٹراونکور تک کا دورہ کیا اور ہزاروں ہندوستانیوں کو عیسائی بنایا، اڑلیسہ میں جگن ناتھ کے مندر کے خلاف اس نے کئی سخت مضمون اخبارات میں لکھے۔ اور وہاں کے خون آشام اور خلاف انسانیت حرکتوں کے خلاف پورے زور سے آواز اٹھائی۔ اس نے ایک مضمون میں لکھا کہ جب میں جگن ناتھ کا مندر دیکھنے گیا۔

"تو پچاس میل تک سڑک پر یاتریوں کی ہڈیوں سے بٹی پڑی ہوئی تھی۔ کتے، گیدڑ اور گدھ لاشوں کو نوچ رہے تھے،
لوگ مکتی حاصل کرنے کے لئے عظیم الشان گاڑی کے پہیئے کے نیچے لیٹ کر جان دیتے تھے"
لوکانین کی کوششوں سے بائبل کا ترجمہ عربی زبان میں ہوا، اور اسے خاص طور پر شام اور مصر بھیجا گیا۔

پروٹسٹنٹ کا دوسرا دور

ہندوستان میں پروٹسٹنٹوں کا تقرر بھی پادری کلاڈیس لوکانین کی جد وجہد کا نتیجہ تھا۔ اس نے سخت کوششوں سے سنہ ۱۸۱۳ء میں برطانوی پارلیمنٹ سے منظوری حاصل کی۔

امریکن مشنری سوسائٹیاں

یوں تو سنہ ۱۶۰۱ء سے ہی ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہمراہ پادری ہندوستان میں آنا شروع ہو گئے تھے لیکن جماعتی و ذمہ دارانہ شکل میں سنہ ۱۸۱۴ء میں ہندوستان کے اندر انگلستان کی مشنری سوسائٹیوں نے قدم رکھا تھا۔ اس سے دو سال قبل امریکن بورڈ آف کمشنرز فور فورن مشن سوسائٹی کی (جو امریکہ کی سب سے پرانی مشن سوسائٹی) کی جانب سے ۱۹ مئی کو مسٹر جڈسن اور نول اپنی بیویوں کے ساتھ کلکتہ کے لئے روانہ ہوئے تھے۔ اور ۲۲ مئی کو ہول راڈ اور نوٹ فیلا[illegible] سے کلکتہ پہنچے یہ امریکہ کی طرف سے ہندوستان میں عیسائیت کی تبلیغ کرنے کے لئے پہلا قدم تھا۔

یہ چاروں مبلغین ولیم کالج کے پر جوش طلباء تھے۔ جنہوں نے سنہ ۱۸۰۶ء میں ایک زبردست طوفان کے زیر اثر اتفاقیہ طور پر عہد کیا تھا کہ وہ سخت سے سخت اور کٹر منکر مسیح (خواہ سموئیل جے ملزگیوں نہ ہو) کے کانوں تک عیسائیت کی حقانیت کو یہ پہنچائینگے چنانچہ اس تبلیغی ارادہ کے دو سال بعد انہوں نے باقاعدہ مشنری کام میں حصہ لینے کے عہد نامہ پر دستخط کئے اور سنہ ۱۸۱۰ء میں پروفیسر اسٹوورٹ سے ملے اور خواہش ظاہر کی کہ ہم کو باہر کے ملکوں میں بھیجا جائے۔ مسٹر اسٹورٹ نے یقین دلایا کہ یسوع مسیح کے نام کو پھیلانے کے لئے تم ہندوستان جاؤ ہم تمہاری مدد کریں گے۔

دوسرے دن امریکن مشن بورڈ مذکور کے کمشنر کے سامنے باہر کے ملکوں میں عیسائیت کی پروپگنڈا کرنے کی تجاویز غور و فکر کرنے کے بعد منظوری دی اس فیصلہ کے بعد ہر چہار مذکورہ اصحاب ہندوستان بھیجے گئے بتدریجاً امریکن ۱۴ سوسائٹیوں نے ہندوستان میں آکر کام کیا۔

سکاٹس مشنریاں

سکاٹس مشنریاں سوسائٹی کی جانب سے سنہ ۱۸۲۹ء میں ڈاکٹر ڈف بمبئی آیا، چند سال مشن کا سارا انتظام چرچ آف سکاٹ لینڈ کے ماتحت کر دیا، ڈاکٹر ڈف ہندوستانی ادب کا امام ہی، اس نے بڑی ریسرچ کی۔

ریوینڈ مان اینڈرسن نے سنہ ۱۸۳۰ء مدراس کے اندر ایک انگریزی درس گاہ قائم کی جو بعد میں مسیحیت کے لئے بہت بڑا مرکز بنی اور خاص طور پر عورتوں کے لئے بہت مفید ثابت ہوئی۔ سنہ ۱۸۵۲ میں انگلستان سکاٹ لینڈ، آئرلینڈ، سوئٹزرلینڈ جرمنی پروشیا متحدہ ریاستہائے امریکہ کی بائیس مشنری سوسائٹیوں کے نمائندے ہندوستان میں سیلون کے اندر کام کر رہے ہیں۔ ان میں ۴۳ غیر ملکی مشنری تھے۔

۴۸ ہندوستانی اور ان کی نگرانی میں دیسی مبلغین بازاروں میں اور چوراہوں میں بازار کے اندر تبلیغ کرتے تھے انہوں نے ۳۳۱ گرجے قائم کئے۔ جن میں ہندوستانی عبادت کرنے والے عیسائیوں کی تعداد ۱۸۴۱۰ تھی۔ سنہ ۱۸۵۲ میں عیسائی مشنری سوسائٹیوں نے ۱۳۴۶ سکول قائم کئے۔ جن میں ۴۷۵۰۴ لڑکوں کو دیسی زبان کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ان کے علاوہ ۹۳ بورڈنگ سکول تھے، جن میں دو ہزار چار سو چودہ لڑکوں کو تبلیغ مذہب کے لئے تیار کیا جاتا تھا۔ ان سوسائٹیوں نے عیسائی مبلغین تیار کرنے کے لئے ۱۲۶ مذہبی درس گاہیں قایم کر رکھی تھیں جس میں ۱۴۵۶۲ نوجوانوں کو ہندوستانی اور دیسی زبانوں میں بائبل کی مناظرانہ سکھانے والی تعلیم دی جاتی تھی، ان سوسائٹیوں نے عورتوں میں تبلیغ مسیحی کے لئے ۳۴۷ ڈے اسکول اور ۱۰۲ بورڈنگ سکول قائم کئے تھے جس میں علی الترتیب ۱۱۵۱۹ اور ۲۷۷۹ ہندوستانی لڑکوں کو دیسی زبان میں درسی تعلیم کے علاوہ

لازمی طور پر بائیبل پڑھائی جاتی تھی۔ ان کے ۲۵ عظیم الشان پریس قائم تھے، اور ان کے مصارف کا اندازہ ۲۴ لاکھ روپیہ کا کیا جاتا ہے۔ ان کے مصارف کا ۳/۴ حصہ یوربین عیسائیوں کی امداد سے حاصل ہوتا تھا، اور باقی مشن سوسائٹیاں ہندوستان سے رقم وصول کرتی تھیں ؎

Indian female سوسائٹی ہندوستانی میں سنہ ۱۸۶۸ء میں Miss Harriette. M. Bult کی مشنری ہو کر آئی اور اعلیٰ ذات کی ہندوستانی Normal shool and Instruction Society لڑکیوں کیلئے بائیکلہ میں ایک سکول قائم کیا۔

سنہ ۱۸۷۵ء میں اس نے مس سہراب جی مس ای بخی Miss E. Ritchie مس میری Miss Mary کی مدد سے بنگ وومنز کرسچین ایسوسی ایشن کی شاخ بمبئی میں قائم کی، ابتدا میں صرف یہ ہی تین عورتیں ممبر تھیں۔ مس بٹ اتوار کو لیکچر بائیبل کا دیتی تھیں، مس ویٹرز سوشل معاملات کی دیکھ بھال کرتی تھیں اور مس سہراب گجراتی اور مرہٹی زبانوں میں تبلیغ مسیحیت کرتی تھیں انہوں نے Pillan Mission پلان مشن اور Flowr Mission فلور مشن کے نام سے دو سوسائیٹیاں قائم کیں۔ پہلی سوسائٹی ہسپتال میں مریضوں کے نام پر محبت دوستانہ خطوط لکھ کر بھیجتی تھی اور انہیں محبت کے متعلق خوش نما کارڈ بھی بھیجے جاتے تھے۔ فلاورمشن کی جانب سے مریضوں کو گلدستے بھیجے جاتے تھے جن میں تبلیغ کے کارڈ آویزاں ہوتے تھے مس ویٹرز غریب آدمیوں کے لئے کپڑے وغیرہ جمع کرتی اور سیتی تھی Y. W. C. A کے دو درجے تھے۔ "فرینڈلی یونین" "پریر یونین" پہلے میں وہ عورتیں شامل کی جاتی تھیں جو مسیحیت کے زیر اثر آنا چاہتی تھیں۔ دوسرے طبقہ میں صرف عیسائی عورتیں شامل تھیں بعد میں مس وٹیس (Vittes) پونہ چلی گئی اور اس نے وہاں شاخ قائم کی۔

سنہ ۱۸۷۸ء میں کرنل Ross Lowis کی بیوی نے کلکتہ میں زنانہ مشن کا کام شروع کیا، کرائسٹ چرچ اسکول کی مس نیل (Neale) نے بنگالی لڑکیوں میں تبلیغ مسیحیت کے لئے ۱۸۸۰ء کارنواس اسکوائر میں زنانہ ہاؤس قائم کیا۔

؎ ڈاکٹر وسن۔ ہندوستان تین ہزار سال پیشتر Mullens (2)

قدیم ہند میں عیسائی تبلیغ

اکبر کے دور میں مسیحی تبلیغ کی سعی

سنہ ۹۷۹ ہجری میں ابراہیم حسین مرزا نے بغاوت کر کے قلعہ بند سورت پر قبضہ کر لیا۔ تو بادشاہی لشکر نے جا گھیرا، اور خود اکبر بھی یلغار کر کے پہونچا، فرنگی سوداگروں کے جہاز اِن دنوں آتے جاتے تھے، مرزا نے ان کو لکھا کہ اگر تم آؤ اور اسوقت میری مدد کرو تو قلعہ تمہیں دیدوں گا، وہ لوگ آئے مگر بڑی عیاری سے بہت سے عجیب وغریب تحفے ملکوں کے ساتھ لیتے آئے۔ جب لڑائی کے موقعہ پر پہونچے تو دیکھا کہ سامنے کا وزن بھاری ہے کامیاب نہیں ہو سکیں گے تو جھٹ رنگ بدل کر ایلچی بن گئے۔ کہ ہم اپنی سلطنت کی سفارت پر آئے ہیں دربار میں پہنچ کر تحفے تحائف گزارے اور خلعت وانعام کے ساتھ مراسلے لے کر رخصت ہوئے۔

اکبر کی اتحاد پسند طبیعت اپنے کام سے کبھی نچلی نہیں رہتی تھی ان دنوں اکثر ممالک یورپ اور ایشیا کے جہازوں کے لئے گوا اور سورت بندرگاہ تھی، معرکہ مذکور کے کئی برس بعد اس نے حاجی حبیب اللہ کاشی کو زر کثیر دیکر روانہ کیا، صنعتوں کے ماہر اور ہر فن کے مبصر ساتھ گئے، کہ بندرگاہ گوا میں جا کر قیام کرو اور وہاں سے عجیب وغریب فرنگیوں کے دربار کی چیزیں لاؤ، اور صنعت گر اور دستکار ممالک مذکورہ کے وہاں سے آسکیں تو ان کو ساتھ لاؤ، سنہ ۹۸۴ میں وہاں سے بہت سے تحائف کے علاوہ اہل کمال کا ایک گروہ ساتھ لائے جس وقت شہر میں داخل ہوئے، تو عجائبات کی برات لگی انبوہ کے ساتھ بیچ میں بہت سے فرنگی عیسائی اپنا ملکی لباس پہنے ہوئے اور اپنے قانون مسیحی کے بموجب فرنگی باجے بجاتے ہوئے شہر میں داخل اور دربار میں حاضر ہوئے، ان ہی کی ان عجائبات میں ارغنوں (آرگن) باجا ہندوستان میں آیا۔ اکبری مورخ لکھتے ہیں۔

پادری اکبری دربار میں

سنہ ۳۰ جلوس میں پادری فربیتون بندرگاہ گوا پر اتر کر حاضر دربار ہوا۔ بہت سے عقلی ونقلی مطالعہ سے آگاہ تھے، شاہزادگان کو ان کا شاگرد کیا، یونانی کتابوں کے ترجمہ کا سامان فراہم ہوا، اور نئے رنگ کی باتوں سے آگاہی ہوئی۔ پادری موصوف کے علاوہ ایک گروہ فرنگی ارمنی اور حبشی عیسائیوں کا آیا[1]

سنہ ۴۰ جلوس میں پھر ایک قافلہ بندر گورے آیا، عجیب وغریب نادر اشیا لایا، ان میں چند عاقل ودانشور صاحب ریاضت نصرانی تھے جن کو پادری کہا جاتا ہے۔ بادشاہ کی نوازش سے سرفراز ہوئے۔

تبلیغ مسیحی

ملا بدایونی فرماتے ہیں کہ پاپا یعنی پادری آئے ملک افریقہ کے دانایانِ مرتاض کو پادھری کہتے ہیں اور اکمل وفاضل کو پاپا۔ وہ مصلحتِ وقت کی رعایت سے احکام تبدیل کر سکتا ہے اور بادشاہ پر نہیں مار سکتا، وہ انجیل لائے اور ثالث ثلاثہ پر دلائل سنا کر نصرانیت کا اثبات کیا، اور ملت عیسوی کو رواج دیا۔ شاہزادہ مراد کو حکم ہوا کہ چند کلمے انجیل کے تیمناً پڑھے۔ شیخ ابوالفضل اس کے لئے مترجم ہوا۔ پہلا فقرہ جو بطور بسم اللہ کے تھا اس کا یہ ترجمہ ہوا۔

اے نام تو وے ژژو کرستو ژژ جیں اور کرستو یعنی اے وہ کہ تیرا نام مہربان اور زیادہ دینے بخشنے والا ہے۔

---

[1] دربار اکبری

شیخ فیضی نے اس پر دوسرا مصرعہ لگایا۔

سُبْحَانَکَ لَا سِوَاکَ یَا ھُوْ — ہم تیری تعریف کرتے ہیں۔ تیرے سوائے کوئی خدا نہیں۔

بعض مورخ دوسرا مصرعہ اس طرح سُبْحَانَکَ لَا شَرِیْکَ یَا ھُوْ لکھتے ہیں۔

دربار میں عیسائیوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دجال بتایا اور کہا کہ ان کی صفات دجال سے ملتی جلتی ہیں [1]

گرجا بنانے کی اجازت

پادریوں کی بڑی خاطر ہوئی، بادشاہ اکثر دربار میں بلاتا تھا، اور دینی و دنیوی واقعات اور معاملوں پر گفتگو میں سنتا تھا، ان ہی سے انجیل کے ترجمے کرانے چاہے اور کام بھی شروع ہوا، مگر نا تمام رہا۔ اور شاہزادہ مراد کو ان کا شاگرد کیا، ان ہی کو وہ گرجے بنانے کی اجازت ملی جن کا ذکر ڈاکٹر برنیر نے اپنے سفرنامہ میں کیا ہے کہ

"آگرہ میں ایک گرجا بھی ہے جس کو جیسویٹ فرقے کے لوگوں نے بنایا تھا اور ایک اور مکان ہے جس کو وہ کالج کہتے ہیں جس میں پچیس یا تیس گھرانوں کے بچوں کو عقائد مذہبی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ مگر مجھے معلوم نہیں کہ یہ عیسائی خاندان یہاں کس طرح جمع ہوئے ہیں شاید ان جیسویٹ پادریوں کے فیاضانہ اور مہربانہ سلوک نے ان کو یہاں سکونت پر مائل کیا ہے۔ جس زمانہ میں پرتگیزیوں کا ہندوستان میں بڑا زور تھا، ان جیسویٹ کے لوگوں کو جو ایک مذہبی گروہ ہے شہنشاہ اکبر نے بلا کر یہاں آباد کر لیا اور گزر اوقات کے لئے کچھ سالانہ مقرر کر دینے کے علاوہ لاہور اور آگرہ میں گرجا تعمیر کر لینے کی بھی اجازت دیدی (صفحہ ۳۱۶)

چنانچہ اس کی تصدیق جہانگیر کے ذیل کے فرمانوں سے بھی ہوتی ہے مذکورہ آگرہ کے گرجا میں شاہی عہد کے بہت سے فرامین متعلق عطائے اراضی برائے تعمیر گرجا قبرستان وغیرہ موجود ہیں، ان فرامین کی نقل ذیل مرقع اکبر آباد سے درج کی جاتی ہے۔

نقل فرمان:- دریں وقت فرمان عالی شان مرحمت عنوان شرف صدور و ورود یافت کہ موازی شش بیگہ زمین ازاں جملہ سہ بیگہ از موضع ..... آگرہ برائے خریف.... موی ل درو جہ انعام و نگیاں بجہت باغ و گورستان مقرر د عوض باشد برادران و کروریان حال و استقبال داستمرار تغیر و تبدل بداں .... پیش کش و جرمانہ و ضابطانہ و مہرانہ و داروغگانہ و محصلانہ ...... و قانون گوئی.... و تکرار زراعت و کل تکالیف دیوانی .... نکند و از جمیع وجوہات معاف داشتیم .... سال زنان و بیروا نچہ محدود ..... در محلی..... در عہدہ و مانند فی التاریخ ۲ ماہ ابان سنہ ۴۔

نقل فرمان ابوالمظفر محمد جہاں گیر بادشاہ غازی

حکام کرام و عمال کفایت فرجام و متصدیان جہات صوبۂ گجرات لعنایت و التفات بادشاہانہ مخصوص و مباہی گشتہ بدانند..... کہ فرمان عالی شان واجب الاذعان سرف اصدار عز ایراد یافتہ کہ پادریان فرنگی در احمد آباد یک انگریز کہ عبادت او عبادت خانہ آنہاست از برائے خود لبسازند در آں جا بطور و روش خود عبادت می کردہ باشند.... می باید کہ چوں بہ مضمون حکم جہاں مطاع گردوں ارتفاع جہاں گیری اطلاع نمایند..... مانع و مزاحم آنہا نہ گشتہ بگدار ند از برائی.... عبادت خدا انگریز لبسازند می باید کہ از فرمودہ تخلف نورزند..... در عہدہ شناسند

تاریخ ۲- مہرالہی سنہ ۷

رسالہ کمترین مریدان با خلاق اعتماد الدولہ و نوشتہ واقعہ بندہ درگاہ محمد حسین شکرانہ [2]

پادری کے آنے کی اجازت

منوچی لکھتا ہے:-

اکبر کو توپ کی چاندماری کا بہت شوق تھا اس فن میں یورپین ملازم زیادہ ماہر تھے۔ اس لئے

[1] تاریخ ذکاء اللہ [2] مرقع اکبر آباد ص ۱۳۳

اکبر کو یورپین ملازم رکھنے کا شوق ہوا، اور بہت سے سنگتراش سنار مینا کرنے والے ڈاکٹر گولنداز ملازم رکھے گئے ان میں زیادہ تر رومن کیتھولک تھے، انہوں نے بادشاہ کو عرضی دی کہ یا تو ہم لوگوں کو وطن جانے کی اجازت دی جائے اور یا ہم کو اپنی مذہبی رسومات ادا کرنے کی اجازت دی جائے۔ چونکہ پادری کے بغیر یہ لوگ رسومات مذہبی ادا نہیں کرسکتے تھے اس لئے گو اسے ایک پادری بلوا کر تعمیر گرجا کی اجازت دیدی۔

مقبرہ میں مسیحی تصویر

اکبر نے اپنے باپ کی تقلید میں اپنے لئے ایک مقبرہ بنانے کا ارادہ کیا جس کا نام سکندرہ رکھا۔ اس مقبرہ کا سنگ مرمر کا بڑا گنبد ہے۔ اکثر جگہ انسانی تصویریں منقش ہیں۔ مگر شاہ اورنگ زیب کے حکم سے ان پر اس طرح سفیدی پھیر دی گئی کہ تصویریں نظر نہیں آتیں۔

میں کئی مرتبہ اس مقبرہ کو دیکھنے گیا، باغ کے دروازہ پر حضرت عیسےٰ کے مصلوب ہونے اور حضرت مریم وغیرہ کی تصاویر بنی ہوئی تھیں، حضرت عیسےٰ کے صلیب دئے جانے والی تصویر کی داہنی جانب حضرت مریم کی تصویر بھی وہ حضرت عیسیٰ کو بہ حالتِ شیرخوارگی اپنی گود میں لئے ہوئے تھیں، چھت میں فرشتوں اور حوروں کی مختلف تصاویر تھیں۔ یہ تصویریں کسی مذہبی خیالات سے نہیں بنائی گئیں تھیں بلکہ عجائبات زمانہ شمار کی جاتی تھیں۔[1]

پادریوں سے مناظرہ

ملا بدایونی کہتے ہیں کہ: "ایک موقعہ پر شیخ قطب الدین جانسری کہ مجذوب خراباتی تھے لوگوں نے پادریوں کے مقابلے میں مباحثہ کے لئے پیش کیا۔ مجذوب مذکورہ میدان مباحثہ میں جوش وخروش سے صف آرا ہوئے کہا کہ ایک بڑا ڈھیر آگ کا دھکاؤ جس کو دعویٰ ہو میرے ساتھ آگ میں کود پڑے جو صحیح سلامت نکل آئے وہ حق پر ہے۔ آگ دھکا کر انہوں نے ایک پاپا کی کمر میں ہاتھ ڈال کر کہا ہاں "بسم اللہ" پاپاؤں نے کہا کہ یہ بات خلاف عقل ہے۔"

اس مناظرہ کے واقعہ کا "تذکرہ عالم" کا مصنف اس طرح لکھتا ہے:-

ایک دن اکبر نے مسیحی پادریوں، یہودیوں، مجوسیوں، مسلمانوں اور برہمنوں کو جمع کیا اور مباحثہ کی ٹھہرائی مسیحوں کا سرغنہ پادری ردیف تھا۔ مسیحوں نے اپنا سرپنچ ابوالفضل کو منایا، اب بحث شروع ہوئی، ابتدائی پھبتیاں ہونے کے بعد انجیل کی تحریف کے بارے میں گفتگو ہوئی [2] کچھ فیصلہ نہ ہوا، آخر پادریوں نے ایک خوفناک آگ روشن کی۔ کہ ہم انجیل ہاتھ میں لے کر آگ میں چلتے ہیں، تم قرآن شریف لے کر آگ میں چلو، مسلمان آگ کے لئے آمادہ ہوگئے۔ اس اثنا میں تو تو میں میں ہونے لگی، وقت بہت گذر گیا۔

اکبر اس مذہبی بحث کو دیکھ کر بہت خوش ہو رہا تھا۔ پادری ردیف جو پرتگال کا رہنے والا تھا۔ اور پادریوں کا سرغنہ تھا اکبر کو دیکھ کر بہت خوش ہوا کہ اب مذہب مسیحیت کی صداقت اس کے ذہن میں اتر گئی۔ پادری ردیف ابوالفضل کے پاس آیا اور کہا کہ میں پہلے تم کو دعوت مذہب مسیحی دیتا ہوں۔ جب تم عیسائی ہو جاؤ گے تو اکبر کا مسیحی ہو جانا کوئی بات نہیں ہے یہ سن کر ابوالفضل بہت ہنسا اور کہا آپ اپنے دین کو اپنے ہی سینوں میں رکھو۔ ہمارا شہنشاہ مذہبی گفتگو کا شائق ہے وہ متعصب نہیں ہے۔ مذہبی لحاظ سے سب کو ایک نظر سے دیکھتا ہے۔ آئندہ ایسی بات منہ سے نہ نکالنا[3]

عیسائیوں کا تبلیغی مشن

مناظروں کی کیفیت اور اکبر کی مذہب کے بارے میں پرتگیزی انگریز کیا رائے رکھتے ہیں ملاحظہ کیجئے۔ اکبر کسی مذہب کا پابند نہیں تھا۔ مگر اس کو دنیا کے مذاہب کی تحقیق کرنے کا شوق تھا۔ اور ان کی عبادت کی طرزوں اور عقائد سے واقف ہونا چاہتا تھا اس نے جب یہ سنا، گوا بندرگاہ پر بہت دور دراز مقام سے ایک پرانے مذہب والے جن کا مذہب ہندوستان کے کل مذہبوں سے علیحدہ ہے۔ تو اس نے ان کو بلانے اور ان سے مناظرہ کرانے

---

[1] سفرنامہ سوچی ص ۱۲۲ - [2] تاریخ ہند ذکاء اللہ - [3] تذکرہ عالم مولوی رحیم بخش ص ۱۰۶ -

کا ارادہ کیا، اس نے پرتگیزیوں کو لکھا کہ وہ اپنے مشنری مبلغین کو مع اپنی شریعت کی کتب کے یہاں بھیج دو، مغلوں کے نام سے اہلِ فرنگ کانپتے تھے۔ مگر انہوں نے اس خوف و ڈر کی کوئی پروا نہ کی بلکہ بے دھڑک یہ فیصلہ کیا کہ ایسے مقدس کام کے لئے جس میں بڑے نتیجوں کی امید ہو قدم اٹھانا چاہیئے۔ چنانچہ ۳ دسمبر سنہ ۱۵۷۸ء میں سورت پہونچے، وہاں سے شاہی استقبال ہوا۔ ۹ر فروری کو یہ مشنری مشن فتحپور سیکری میں جہاں بادشاہ رہتا تھا پہونچا، شہنشاہ اکبر کے سامنے پیش ہوئے۔ پادریوں نے حضرت عیسٰی کی تصویر پیش کی، تو اکبر نے اس کی تعظیم و تکریم اپنے مذہب اور عیسائیوں کے مذہب کی مطابق کی۔ اس کے آگے سر جھکایا، کہنیوں کو ٹیکا۔ سجدہ کیا، اور حضرت مریم کی تصویر جو جواہرات سے مزین تھی پیش کی تو بادشاہ نے کہا کہ: "ملکۂ آسمان کی کیا اچھی شبیہ ہے" اس کے بعد پادریوں نے چار زبانوں میں انجیل پیش کی تو بادشاہ نے اسے چوما اور سر پر رکھا پھر بادشاہ نے مشنریوں سے درخواست کی کہ وہ علمائے اسلام سے مباحثہ کریں، اس کو انہوں نے قبول کیا۔ مناظرہ ہوا مگر یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ باوجود دلائل فتحیاب تھے۔ لیکن دلائل نے مخالفوں پر کوئی اثر نہیں کیا، کافی عرصہ تک بادشاہ ان سے خوش خلقی سے پیش آتا رہا۔ پادری اس کو عیسائی بنانے کے ہزار جتن کرتے تھے۔ مگر کامیابی کے آثار نہیں پاتے تھے۔ ایک مرتبہ بادشاہ کے درباریوں میں سے ایک نے ان مشنریوں کو سمجھایا کہ تمہاری یہ کوشش بے کار ہے بادشاہ معلومات مذہبی چاہتا تھا اور بس۔ پرتگیزی تاریخ والوں نے مناظرہ کا وہی آگ میں کودنے والا واقعہ لکھا ہے اور لکھا ہے کہ ان پادریوں نے سوچ سمجھ کر کہا کہ مجلسوں میں ہم اپنے دلائل پیش کرتے ہیں اس لئے کہ ہم اپنے آپ کو عقل کے خلاف معضرات میں ڈالنا نہیں چاہتے۔

جب شہنشاہ کو معلوم ہو گیا کہ آگ میں کودنے کا تماشا نہیں ہو گا، اور اس کو پادریوں سے معلومات عیسوی بھی ہو گئی تو اس نے پادریوں سے ملنا بہت کم کر دیا، کابل اور بنگال کی فسادات کی وجہ سے ان کو بالکل بھول گیا، پادری بھی یہاں سے سنہ ۱۵۸۳ میں واپس چلے گئے۔

سنہ ۱۵۹۱ بادشاہ نے پھر دوسری مرتبہ مشن کو بلایا، اس مشن کو بھی ان واقعات سے واسطہ پڑا جو پہلے مشن پر گزرے تھے۔ خوب آؤ بھگت ہوئی پھر کوئی توجہ نہیں دی گئی تو وہ زیادہ نہیں ٹھہرے۔ چار برس کے بعد ان کو خط لکھ کر بلایا۔ دریائی جزیرے میں وہ شہنشاہ کے روبرو گئے۔ حضرت مریم کی تصویر جو پہلی تصویر سے زیادہ خوب صورت تھی پیش کی اس کی بادشاہ نے بہت تعریف کی، اس عہد کا اٹالین سیاح پیٹرڈ ڈیلا وے بحوالہ سیکین تحریر کرتا ہے کہ پادری ین ہیرو جو یہاں جیسوٹ عیسائیوں کے تیسرے مشن کے ساتھ تشریف رکھتے تھے۔ سنہ ۱۵۹۵ء کا ایک واقعہ نقل کیا۔

"میں اکبر بادشاہ کو حضرت مسیح اور عذرا کی تصویر دکھا رہا تھا جس وقت اس پاک تصویر پر خود ہماری نظر پڑی تو ہم نیچے جھک کر دو زانو ہو گئے۔ ہم کو دیکھ کر شہنشاہ کا پوتا یعنی شاہزادہ جو دس سال کا ہو گا اس نے اپنے ہاتھ باندھ لئے۔ اور اپنی رانوں کو جھکا لیا بادشاہ کو یہ دیکھ کر بہت مسرت ہوئی اور شاہزادے سے فرمایا کہ اپنے بیٹے کو تو دیکھیے۔ (تاریخ الہ آباد)

اس مرتبہ پادریوں کو بادشاہ کے عیسائی ہونے کی زیادہ امید ہوئی انہوں نے دیکھا کہ اس کو اپنے اسلام کی ذرہ برابر پاسداری نہیں جب روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے تو مسجدوں سے بھی روپیہ لوٹ لیتا ہے۔ یہ غلط ہے مسجدوں میں کوئی خزانہ نہیں رہتا تھا۔ مگر اسی امید کے ساتھ ناامیدی بھی نظر آئی، انہوں نے بادشاہ کو دیکھا کہ وہ آفتاب پرستی بہت محنت و مشقت سے کرتا ہے اور حماقت سے اپنی ذات میں ایک قسم کی الوہیت سمجھتا ہے۔ وہ ہر صبح کو جھروکہ میں بیٹھتا ہے اور گروہ کے گروہ اس کے آگے سجدے کرتے ہیں۔ بیمار بچوں پر دم کرتا ہے۔ آخر اس تیسری مرتبہ بھی پادری مشن نامراد واپس گیا۔

اکبر کی پادریوں سے چھیڑ خانی

پادریوں سے بادشاہ نے کہا کہ تمہارے مذہب میں عورت کا بہت احترام کیا جاتا ہے۔ اور ایک بیوی کے علاوہ دوسری بیوی کرنے کی اجازت نہیں اگر اس طبقہ کی عورتیں میں

وفاداری ہوتی اور جاں فشانی ہوتی تو تعجب کی بات نہیں تھی۔ تعجب تو یہ ہے کہ برہمن مذہب کے مطابق ایک سو زیادہ بیوی کر سکتا ہے جس سے لاپرواہی ظاہر ہوتی ہے اور قدرو منزلت میں عورت کے فرق آتا ہے مگر اس کے باوجود وہ دوستی میں وفادار اور جان نثار ہوتی ہے۔[1] پادری اس کا کوئی جواب نہ دے سکے۔

دین الٰہی میں عیسائیت کا اثر | اکبر نے کسی رواج شدہ مذہب کو اختیار نہیں کیا بلکہ ان مذاہب میں تھوڑی تھوڑی چیزیں لے کر دین الٰہی نیا مذہب قائم کیا، اس میں عیسائیوں کی جو باتیں تھیں یا جن باتوں کا اکبر کے دل پر پادریوں کا اثر ہوا وہ یہ تھیں۔

نصاریٰ کا ناقوس (گھنٹہ) بجانا اور صورت ثالث ثلاثہ کا تماشہ اور ان کے مورچنگ کا بجانا" اپنے مذہب میں جائز کیا۔[1]

"سیرت مسیح" عیسائیت کی پہلی کتاب | اسی زمانہ میں کتاب سیرت مسیح بادشاہ نے فارسی زبان میں تصنیف کرائی۔ جس کا ایک باتصویر قلمی نسخہ کتب خانۂ آصفیہ میں (حیدرآباد دکن) موجود ہے۔

دبستان المذاہب | اس کتاب میں اکبر کے مذہب الٰہی کی پوری تفصیل ہے اس کتاب کے مصنف نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا ہے۔ اس کا حال بھی کچھ معلوم نہیں ہوسکا، مگر اس کے رجحان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ آتش پرستی کا ہم نوا ہے۔ اس نے اپنی کتاب کے باب قائم کئے ہیں، ان کا نام نظر رکھا ہے، چنانچہ پہلی نظر میں خلیفۃ الحق (اکبر) کے دو معجزے نقل کئے ہیں۔ جس میں دل چسپ معجزہ یہ ہے کہ اکبر نے حضرت عیسیٰ کی طرح اپنی ماں سے بات چیت کی، اس کی تصدیق نواب عزیز خاں خان اعظم نے کی کہ میری والدہ کہتی تھیں کہ سچ ہے۔

نظر دوم میں شیعہ سنی کے بعد عیسائی اور مسلمانوں کا مباحثہ ہے، پھر مسلمان نصرانی و یہودی کا مباحثہ ہے۔ تیسرا مناظرہ ہندو مسلمان، نصرانی، یہودی اور دین الٰہی کے پیروکاروں کا تھا، اس مناظروں کی روئداد سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جملہ مذاہب ایک ہی بات پر متفق تھے کہ وہ سابقہ شاہی اہل سنت طبقہ کی مذمت کریں اور اس کی بھد اڑائیں تاکہ دین الٰہی کی ضرورت ثابت ہو جائے۔

اکبری مناظرے | دین الٰہی کو فروغ دینے کیلئے اکبر نے بحث و تمحیص کا دروازہ کھول رکھا تھا وہ ہر ایک مذہب کی اختلافی چیزوں کی ماہیت سمجھتا اور مختلف اوقات میں دین الٰہی کی محفلوں میں مباحثے کراتا تھا۔ ان مباحثوں میں پادری لوگ زیادہ حصے لیتے تھے۔

ایک روز ایک عیسائی خلیفۃ الحق (اکبر) کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ اکبر نے ایک مسلمان عالم کو طلب کیا۔ تاکہ وہ مناظرہ کریں۔ عالم کی تشریف آوری کے بعد نصرانی نے کہا کہ آپ حضرت عیسیٰ پر ایمان رکھتے ہیں، مسلمان عالم نے کہا ہاں ہم ان کو پیغمبر خدا سمجھتے ہیں اور ہمارے رسول نبی آخرالزمان جناب محمد الرسول اللہ نے ان کی تصدیق کی ہے۔ پادری نے اعتراضاً کہا کہ حضرت عیسیٰ نے فرمایا ہے کہ بہت سے لوگ میرے بعد ظاہر ہوں گے اور پیغمبری کا دعویٰ کریں گے تم ان پر ہرگز ایمان نہ لانا (یقین نہ کرنا) کیوں کہ جھوٹے ہیں۔ تم مضبوطی سے قائم رہو جب تک کہ میں دوبارہ نہ آجاؤں۔"

انجیل میں تمھارے پیغمبر محمد رسول اللہ کی کوئی خبر نہیں ہے۔ مسلمان عالم نے جواب دیا:۔ توریت و انجیل میں موجود تھی لیکن تم لوگوں نے اس پیشینگوئی کو نکال دیا۔

پادری نے دوسرا سوال کیا کہ پیغمبر کے لئے معجزہ کا ظہور ضروری ہے۔ محمد نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا مسلمان عالم نے کہا شق القمر جیسے بہت سے معجزے حضور سے ظاہر ہوئے۔ پادری بولا۔ اگر شق القمر واقع ہوا ہوتا تو دنیا دیکھتی ہر بادشاہ۔ ہر قوم، ہر طرف کے انسان دیکھتے اور تصدیق کرتے لیکن مسلمانوں کے علاوہ کوئی اور واقعہ کا تذکرہ نہیں کرتا۔

---

[1] تاریخ ہند ذکاء اللہ ص ۸۶۔

چنانچہ جو ہندو پنڈت پارسی یہودی بیٹھے ہوئے تھے ان سے پادری نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ یہ دنیا دور چہارم ہے آپ نے کسی تاریخ میں شق القمر کا واقعہ پڑھا ہے یا خود دیکھا ہے سب نے کہا نہیں دیکھا:۔

ایک دن ایک یہودی اور نصرانی کا مباحثہ ہوا۔ یہودی نے کہا کہ حضرت مریم کی دوشیزگی (معصومیت) ثابت نہیں ہے۔ تمہارے عقیدے کے مطابق حضرت عیسٰی کی پیدائش سے قبل (حضرت) مریم بخار کے نکاح میں تھیں اور (حضرت) عیسٰی کو یوسف نجار کا لڑکا کہتے تھے۔ پادری نے جواب دیا کہ صحیح کہتے ہو۔ مگر یوسف نجار کا مریم کو ہاتھ بھی نہیں لگا تھا، یہودی بگڑ کر۔ لو اکس طرح ثابت ہوا کہ وہ ان سے محفوظ رہیں اس جواب سے پادری خاموش ہو گیا۔

ایک سمجھ دار، ذہین شخص اور چند ہندوؤں کی موجودگی میں مسلمان، نصرانی، یہودی تین عالم و فاضل اکبر نے بلوائے۔ سمجھدار حکیم نے کہا کہ پیغمبروں کی نبوت چند وجوہات کی بناء پر قابل ثبوت نہیں ہے، اول پیغمبر کو چاہیئے کہ ایسی بات کہے کہ اس کو عقل قبول کرے دوئیم مہذب اور کم آزار ہو۔

(۱) موسٰی علیہ السلام نے (جن کو بزعم خود فرعون نے پرورش کیا تھا) حیلہ مکر و فریب کے ساتھ آب نیل میں غرق کیا، اس کی تو بہ قبول نہ کی حالانکہ یہ کہا جاتا ہے کہ آب نیل نے ان کو راستہ دیا اور اسی طرح زر کی طمع کی وجہ سے قارون کی توبہ قبول نہیں کی گئی اور اس کو زمین میں دھنسا دیا گیا۔

(۲) عیسٰی (علیہ السلام) جانوروں کا قتل و قمع کرتے تھے۔

(۳) محمد (صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم) عرصہ تک قریش کے قافلے کا خون بہاتے اور اپنے ہاتھوں سے جانداروں کو قتل کرتے ہے اور بیویوں سے افراط کے ساتھ میل رکھتے اور لوگوں کی بیویوں پر قبضہ کر کے ان پر ان کے شوہروں کی نگاہ ڈالنا بھی حرام کر دیتے تھے، ایسی صورت میں ان واقعات کے بعد پیغمبر کی کیا شناخت ہوگی۔

تمام لوگوں نے کہا معجزوں سے، اس نے کہا:۔ پیغمبروں کے معجزے کیسے ہوتے ہیں۔ یہودی نے جواب دیا کہ عصائے موسٰی کی طرح پھینک دو تو اژدہا بن جائے، اژدہا بننے کا مذاق اڑا گیا، اس کے بعد پادری نے مسیح کی پیدائش بلا والد کے اعجاز کا ذکر کیا۔ تو حکیم نے بے توجہی سے جواب دیا کہ آپ خود تسلیم کرتے ہیں کہ مریم کی شادی یوسف نجار سے ہوئی تھی، اب یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ یوسف کا نطفہ نہ تھا۔ مسلمان عالم نے کہا کہ قرآن میں شق القمر کے معجزہ کو بیان کیا گیا ہے، اور معراج شریف میں جانے کا واقعہ بھی کلام الٰہی میں مذکور ہے حکیم نے جواب دیا، قرآن مجید میں ہے۔

قالوا لن نؤمن لک حتی لنا من الارض ینبوعا
او تکون لک جنۃ من نخیل وعنب فتفجر الانھار
خلالھا تفجیرا او تسقط السماء کما زعمت علینا
کسفا او تاتی باللہ والملئکۃ قبیلا او یکون
لک بیت من زخرف او ترقی فی السماء ولن
نومن لرقیک حتی تنزل علینا کتابا نقرؤہ
قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا

اور (کفار) انہوں نے کہا کہ ہرگز تجھ پر ایمان نہ لائیں گے۔ جب تو زمین سے چشمہ جاری نہ کریگا یا کھجوروں کا باغ ہو۔ تیرے واسطے اور انگوروں کا پس پھاڑ دے تو نہریں اس کے درمیان۔ یا ڈال تو آسمان کو جیسا گمان کرتا ہے تو اوپر ہمارے ٹکڑے ٹکڑے یا لے آوے تو اللہ کو اور فرشتوں کو ضامن یا ہو تیرے واسطے ایک گھر سونے کا یا تو چڑھ جائے نیچے آسمانوں کے اور ہرگز نہ مانینگے ہم چڑھائی تیری کو یہاں تک کہ تو اتار لائے ہمارے لئے کتاب کہ پڑھیں ہم اسکو کہہ کیا پاک ہے پروردگار میرا نہیں ہوں میں مگر آدمی پیغام پہنچانے والا۔

اسی آیت سے ثابت ہوا کہ محمد (صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم) زمین سے چشمہ جاری نہیں کر سکتے تھے اور نہ آسمان کو پارہ پارہ ٹکڑے ٹکڑے کر سکتے تھے تو کس طرح چاند کے ٹکڑے کئے۔ جب ملائکہ کو ظہور نہیں کر سکتے تھے تو جبرئیل کا آنا کیسے یقین کیا جائے، کہ وہ ان کی آواز سنتے تھے۔

اسی طرح جب آسمان پر نہیں اڑ سکتے یا جا سکتے تھے تو معراج کا کیوں کر یقین کیا جائے، اور جب نوشتہ (کتاب) لانے سے انکاری ہیں۔ تو قرآن مجید کیوں کر نازل ہوا، اور کس بناء پر الہٰی کہا جا سکتا ہے۔

ایک مجوسی گوشہ میں کھڑا تھا، اس نے کہا کہ معجزات کا انکار نہ کرو کہ ہمارے پیغمبر آہرمن سے بھی معجزات کا ظہور ہوا ہے اور حضرت حق سے بھی معجزہ کا اظہار ہو چکا ہے اس کے بعد برہمن کے جو چلے ہوئے (دبستان المذاہب باب بحث ادیان ۲۵۸، ۲۵۹)

جہانگیر کے دربار میں نصرانیت کا زور

اکبر کی مہربانیوں اور رسالوں ٹھہرانے کا نتیجہ تھا کہ مغلوں کے دربار میں عیسائیوں و فرنگیوں کی رسائی ہو گئی تھی۔ چنانچہ جہانگیر کے دربار میں تو بہت سے فرنگی جمع ہو گئے تھے۔

اور انگریز کپتان ہاکنس جہاں گیر کا بہت منہ چڑھا تھا، وہ ترکی زبان جانتا تھا اور جہانگیر کی آبائی ترکی زبان میں بلا تکلف بولتا تھا۔ وہ سنہ ۱۶۰۸ء میں سورت آیا اور جیمس اول شاہ انگلستان کا خط جہانگیر کے نام لایا تھا۔ جہانگیر ہاکنس کا بڑا خیال رکھتا تھا۔ اس کی ہر ایک درخواست منظور کرتا تھا۔ اس کے کہنے پر سورت میں انگریزوں کو تجارت کی کوٹھی بنانے کی اجازت دی اور اس نے وعدہ کیا ان پر کوئی ظلم نہیں کریگا، اور محصول معاف ہوں گے۔ بادشاہ نے ہاکنس کو چار سو سواروں کا سردار کرا یا۔ اپنے محل میں ایک گوری عورت کو اصطباغ (عیسائی بنا کر) دلا کر ہاکنس سے کہا کہ اس سے نکاح کر لو، اس نے انکار کیا اور ایک آرمینی عیسائی عورت سے شادی کر لی اور آگرہ میں رہنے لگا۔ اور انگریز کمپنی کی مقصد برآری کے لئے کوشاں رہتا، دو برس تک وہ یہاں رہا اور ہر روز بادشاہ کا حاضر باش رہا وہ غسلخانہ میں جہانگیر کے ساتھ شراب پیتا تھا اور فرنگستان اور اپنے بادشاہ کے بارے میں معلومات پہنچاتا تھا۔ اسی ہاکنس نے مقرب خاں کی شکایت کر کے اس کا سارا اسباب قرق کرایا اور اس کو ملازمت سے علیحدہ کرایا، مگر پھر اسی جگہ پر مامور ہو گیا، اس نے طے کیا کہ انگریزوں کی تجارت ہندوستان میں نہیں جمنے دوں گا۔ اس نے پروپیگنڈا کیا، امراء کو مخالف بنایا جس سے جہانگیر نے ہندوستان میں انگریزوں کی تجارت کا ممانعت کا فرمان جاری کیا، سنہ ۱۶۱۱ء میں ہاکنس مع اپنی بیوی کے آگرہ چلا گیا۔ اس کی دو برس کی محنت خاک میں مل گئی۔

ہاکنس نے جہانگیر کے دربار کا پورا نقشہ وکیفیت اور حالات انگلستان بھیجیں جس کو مستشرقین یورپ الیشیائی مورخوں سے زیادہ معتبر سمجھتے ہیں [1]

گرجوں کے لئے زمینیں دینا

یہی درباری اثر ور سوخ تھے جس کی بناء پر آگرہ اور لاہور میں گرجوں کے لئے جہانگیر نے زمین دی تھی اور فرمان جاری کئے تھے [2]

سفارت انگلستان

سر طامس رو دربار لیمنٹ شاہ انگلستان کا سفیر بن کر سنہ ۱۶۱۵ء مع اپنے ساتھیوں کے آیا اس کا ایک ساتھی مسٹر میٹری چپن پادری بھی آیا۔ ۷ نومبر سنہ ۱۶۱۵ سے اس کی جہانگیر سے پہلی ملاقات ہوئی۔ ہزار کوششوں کے بعد اس کو شہر سورت میں تجارتی کوٹھی بنانے کی اجازت ملی۔ جہانگیر نے طامس کو خلوت میں بھی بلا لیا تھا۔ طامس کہتا ہے کہ غسلخانہ میں میں جہانگیر سے فریاد کرنے گیا، اور اپنے مطالبے رکھے۔ جہانگیر نے کہا کہ میں تمہارے لئے بھلا کر دوں گا۔ لیکن میں نے شاہ ہندوستان کی کوئی بات درست نہیں پائی۔ جہانگیر نے بہت شراب پی رکھی تھی وہ کہنے لگا کہ میں عیسائی مسلمان اور یہودیوں کا محافظ ہوں۔ وہ بہت جذبات میں بھر گیا، اور یہود، عیسائیوں اور مسلمانوں کی شریعت کے مسئلہ پر بحث کرنے لگا۔ شراب کے نشہ میں اتنا مہربان ہوا کہ اس نے کہا کہ میں بادشاہ ہوں، یہود نصاریٰ اور مسلمان اپنے تئیں مبارکباد کے مستحق ہیں، کہ میں کسی مذہب میں مداخلت نہیں کرتا وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں اور میں ان کی حفاظت کرتا ہوں! .... پادری صاحب خوش آمدید یہ گھر تمہارا ہے تم اس کی قدر کرو [3]

تبلیغ مسیحیت کی عام اجازت

طامس رو دور اکبر اعیسائیت کے بارے میں بہت مطمئن تھا۔ وہ لکھتا ہے:-

---

[1] سفرنامہ ہاکنس بحوالہ تاریخ ہند ص ۲۵۰ [2] تاریخ جہجر ص ۶۵ [3] سفرنامہ طامس رو۔

"عالمگیر بظاہر اکبر سے زیادہ عیسائی مذہب پر مائل تھا، اس نے باپ کی طرح پرتگیزیوں کو حکم دیدیا کہ وہ اپنے گرجوں اور سکولوں کو قائم کریں اور جہاں چاہیں وہاں وعظ کریں اور جو چاہیں ان کو عیسائی کریں۔ پادریوں کی باتیں جہانگیر نے یہاں تک سنیں کہ ان کو یقین ہو گیا کہ وہ عیسائی ہو گیا۔ جس حد پر باپ نہ آیا تھا یہ اس سے بہت آگے بڑھ گیا۔

جہانگیر کے دو بھتیجوں کے عیسائی بننے کا راز

اس کے دو بھتیجے دانیال کے بیٹے عیسائی ہو گئے تھے اور آگرہ میں ان کا اصطباغ ہوا، اور ان کی سواری اس طرح گرجا میں گئی کہ وہ ہاتھی پر بیٹھے اور تمام عیسائی جو ساٹھ سواروں کے قریب تھے اس کے ساتھ گئے۔ ہاکنس ان کا کپتان بنا۔ اور سینٹ جارج کا جھنڈا اس کے ہاتھ میں تھا وہ انگلستان کی عزت بڑھانے کے لئے سب سے آگے تھا۔ جہانگیر کا عیسائی مذہب پر التفات کرنا ظاہر تھا۔ عیسائی مذہب اس کو نہ روزہ رکھنے پر مجبور کرتا تھا۔ سور کے گوشت کھانے اور شراب پینے کی اجازت دیتا تھا۔

علے الاعلان بھتیجوں کا اصطباغ پانا ایک معمہ ہے اس عمل میں ہر شخص جانتا تھا کہ کوئی بھید ہے خلاف توقع وہ یوں حل ہو گیا کہ یہ بھید یوں ظاہر ہوا کہ شاہزادوں نے کہا کہ ہمارے لئے پرتگیزی عورتوں کو شادی کے لئے تلاش کیجئے۔ وہ عیسائیوں کی طرح ان کے ساتھ نکاح کرنا اور زندگی گذارنا چاہتے تھے۔ پادری اس درخواست سے ہیبت زدہ ہوئے، انہوں نے شاہزادوں کو متنبہ کیا شاہزادوں نے صلیب پادریوں کے حوالے کی اور پھر مسلمان ہو گئے۔ پھر معلوم ہوا کہ جہانگیر نے ان سے یہ درخواست کرائی تھی تاکہ وہ ان کو اپنی حرم بنا تا (سفرنامہ طامس رو)

عیسائیوں کو نجس جاننا

طامس کا ساتھی پادری ٹیری چپن بھی تھا۔ اس نے یہاں کے حالات سے جو کچھ اثر لیا، اور پرتگیزی عیسائیوں سے جو نفرت کا جذبہ دیکھا اس کو لکھا ہے :-

"مسلمانوں میں سوائے کمینوں کے کوئی ایسا نہیں ہے کہ ہمارے شفیع عیسیٰ مسیح کا نام ادب و تعظیم سے نہ لیتا ہو اس کو وہ نیک کہتے ہیں اور اسکو وہ معصوم جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس جیسے معجزے نہ اس سے پہلے کسی پیغمبر نے کئے نہ اس کے بعد میں۔ اسکو روح اللہ کہتے ہیں مگر ان کو ابن اللہ ہونے کی وجہ نہیں معلوم اس پر ایمان نہیں لاتے۔ باوجود اس کے اکثر مسلمان عیسائیوں کو نجس جانتے ہیں نہ وہ ہمارے ساتھ کھاتے ہیں اور نہ ان برتنوں میں کھاتے ہیں جن میں ہم کھائیں۔"

طامس رو اس کی تائید میں ایک واقعہ لکھتا ہے کہ :-

" جمال الدین حسینی نے میری جو دعوت کی تو صبح کو خشک ہوئی تھی، اس میں وہ میرے ساتھ کھانے میں شریک تھا لیکن جب رات کو کھانے کی دعوت ہوئی تو میں علیحدہ بیٹھا۔ چند روز کے بعد جمیل الدین حسینی کی میں نے دعوت کی اس کو کھانا کھلایا۔ جو مسلمانوں کے ہاتھ کا پکا ہوا تھا، اس نے اس کھانے کو ہاتھ نہیں لگایا جو انگریزی طرز کا بنا ہوا تھا۔

پادریوں کو جہانگیر سے امیدیں

جس طرح طامس رو نے جہانگیر کی مسیحیت پرستی کا بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے وہی باتیں پادریوں نے ڈاکٹر برنیر کو بتائیں ہیں طامس رو تو مشتبہ ہی تھا لیکن برنیر سے بیان کرنے والے پادریوں کو تو یہاں تک یقین تھا کہ جہانگیر نے انتقال کے وقت عیسائی ہو کر مرجانا چاہا تھا اور ہم کو (پادریوں کو) بلانے کا حکم دیا تھا۔ مگر لوگوں نے یہ پیغام ہم تک مطلق نہیں پہنچایا۔ ڈاکٹر برنیر کا پورا بیان انتہائی دل چسپ ہے وہ فرماتے ہیں۔

ان لوگوں کو (پادریوں کو) امید تھی کہ ہمارا مذہب کچھ نہ کچھ یہاں پھیل جائے گا کیونکہ جہانگیر حقیقت میں قرآن کے مسائل کو نہایت ناپسند کرتا تھا اور ہمارے مذہب کے مسئلے اس کو ایسے پسند آئے تھے کہ ان پر تعجب ظاہر کرتا تھا چنانچہ اس نے اپنے بھانجوں یا بھتیجوں اور مرزا ذوالکرنین (ذوالقرنین) کو جس کا ختنہ بھی ہو چکا تھا اور شاہی محل سراہی میں پرورش پائی تھی عیسائی ہونے کی اجازت دیدی تھی اور بہانہ یہ کیا تھا کہ اس کے ماں باپ عیسائی تھے کیونکہ اس کی ماں جو ایک دولتمند ارمنی کی بیوی تھی جہانگیر کی خواہش کے موافق محل میں داخل ہو گئی تھی اور یہ لوگ (پادری) یہاں تک کہتے ہیں کہ جہانگیر نے عیسائی بننے کا ارادہ اس درجہ پر

پر پہونچ گیا تھا کہ اس نے تمام دربار کو فرنگستانی لباس پہنانے کا دلیرانہ ارادہ کیا اور ایک دن خلوت میں یہ لباس پہن کر اپنے ایک بڑے امیر کو بلایا، اور اس کی اس سلسلہ میں رائے طلب کی، اس نے ایسا اندیشناک جواب دیا کہ جہانگیر نے ڈر کر یہ ارادہ چھوڑ دیا، اور اس تمام قصہ کو ہنسی کے پیرایہ پر اڑا گیا، کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ انتقال کے وقت عیسائی ہو کر مرجانا چاہتا تھا۔ اور ہم کو بلانے کا حکم دیا تھا۔ مگر لوگوں نے یہ پیغام ہم تک نہیں پہنچایا۔ لیکن اور لوگ اس امر سے بالکل انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جیسا وہ زندگی میں کسی مذہب کا پابند نہ تھا۔ ویسا ہی آخری وقت بھی تھا۔ اور باپ کی طرح اس کا بھی ارادہ تھا کہ اپنے آپ کو پیغمبر بنا کر ایک نیا مذہب جاری کرے۔ میں نے ایک مسلمان شخص کی زبانی جس کا باپ جہانگیر کا ملازم اور اس کے اُمورِ خانگی سے تعلق رکھتا تھا، سنا ہے کہ ایک دفعہ بادشاہ نے شراب کے ترنگ میں کئی بڑے بڑے ملاؤں اور ایک پادری متوطن فلارنس (اٹلی کے شہر کا رہنے والا تھا) کو جس کی تند خوئی کی وجہ سے جہانگیر نے اس کا نام "پادری آتش" رکھ چھوڑا تھا بلوایا اور جب اس نے آکر بادشاہ کے حکم کے موافق بڑی زور سے دینِ اسلام کی بطلان اور اپنے مذہب کی تائید میں گفتگو کی تو بادشاہ نے کہا کہ:۔ مسلمان عالموں اور جیسوئٹ پادریوں میں جو نزاع ہے اس کے تصفیہ کے لئے یہ عمدہ موقعہ ہے۔ اور حکم دیا کہ ایک گہرا گڑھا کھود کر اس میں آگ جلائی جائے اور پادری انجیل اور ایک ملا اپنا قرآن بغل میں لے کر اس میں کود پڑیں۔ دونوں میں سے جو بچ جائے گا۔ میں اس کا مذہب قبول کروں گا چنانچہ پادری آتش نے اس امتحان کو قبول کر لیا۔ لیکن ملا لوگ ڈر گئے۔ اور بادشاہ دونوں پر رحم کر کے اس آزمایش کے کرنے سے باز آیا"۔

یہ واقعات بالکل غلط ہیں مگر اس میں شک نہیں کہ جہانگیر کے دربار میں جیسوئٹ لوگوں کی بڑی عزت و حرمت تھی۔ اور اسی وجہ سے ان کو دینِ عیسوی کے یہاں پھیل جانے کی قوی امید تھی مگر اس زمانہ کے بعد باستثنا اس ربط و ضبط کے جو دارا شکوہ اور فادر بوزی کے باہم تھا۔ اس قسم کی کوئی امید باقی نہیں تھی   ایک دلچسپ جھوٹ   طامس کہتا ہے کہ بھتیجے مذہب اس لئے بدلنا چاہتے تھے کہ پرتگیزی عورتیں ان کے نکاح میں آجائیں (گویا ان کو کہیں لڑکیاں نصیب نہیں تھیں) تاکہ جہانگیر ان کو حرم بنالے (جہانگیر کے لئے بھی حرم عنقا نہیں تھیں۔

ایسے واقعہ کو ڈاکٹر برنیر جہانگیر کی بدنیتی نہیں بلکہ مذہب عیسوی سے جہانگیر کی محبت ثابت کرنے کے لئے جہانگیر کے بارے میں کہتا ہے کہ اس نے دو بھتیجوں کو عیسائی بنانے کے لئے بہانہ کیا کہ ان کے ماں باپ عیسائی تھے۔ یہ بیانات مہمل ہیں نہ یہ صحیح ہے کہ جہانگیر کے عیسائی بنوانے کی کوشش کی نہ یہ درست ہے کہ جہانگیر نکاح کرا کے لڑکیوں کو حرم بنانی چاہتا تھا۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ نصرانیوں کا دربار میں اثر و رسوخ پرتگیزی عیسائیوں کا زیادہ ہو گیا تھا۔

خسرو عیسائی سلطنت کا حامی ہے

سر طامس رو خسرو سے بڑا پر امید تھا مگر اس کا یقین تھا کہ خسرو عیسائیوں کا بڑا حامی ہے اس لئے کہ اس نے ایک بیوی کے علاوہ دوسری بیوی نہیں کی تھی خسرو غیر مسلموں کا اور جہانگیر مسلمانوں کا سرگروہ تھا۔ اسی اعتماد پر ایسٹ انڈیا کمپنی (جو اپنی تجارت) کو وسیع پیمانہ پر ہندوستان میں چلانا چاہتی تھی۔ طامس نے ان کے واقعات میں لکھا ہے تاکہ کمپنی یہاں کے حالات سے آگاہ ہو جائے۔

ایک وقت آنے والا ہے جب تمام ہندوستان میں کھلبلی مچ جائے گی۔ اگر خسرو کامیاب ہوا تو انگریزوں کو فائدہ ہو گا اور عیسائی سلطنت کے واسطے ایک حامی ہو گا، وہ عیسائیوں سے محبت رکھتا ہے ان کی عزت کرتا ہے۔ اگر خرم فتحیاب ہو گا تو انگریزوں کا نقصان ہو گا۔ وہ عیسائیوں سے نفرت کرتا ہے وہ بڑا متکبر، ظالم جھوٹا رہا کار ہے۔

جہانگیر منوچی کی نظر میں

منوچی جہانگیر کو تحقیق کا دلدادہ سمجھتا تھا، اس نے ان کے متعلق عجیب و غریب خیالات کا اظہار کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے مہمل باتیں اس کو مشنریوں نے بتائیں وہ لکھتا ہے:۔

(۱) جہانگیر جس قدر موسیقی رقص کا جیسا شوقین تھا اسی قدر وہ مذہب اسلام کا مخالف تھا۔ اس لئے عمداً ایسے کام کرتا تھا

جو مذہب اسلام میں کسی طرح جائز نہیں تھے۔ مثلاً روزہ نہ رکھنا۔ شراب پینا، سور کا گوشت کھانا وغیرہ، ان افعال سے وہ مسلمانوں کی تحقیر کرنا چاہتا تھا۔

(۲) ایک مرتبہ اس نے عیسائی پادریوں سے دریافت کیا کہ سور کے گوشت کا کیا مزہ ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس کا خاص مزا اور خوشبو ہوتی ہے جو اور کسی گوشت میں نہیں ہوتی۔ جہانگیر ان پادریوں کے مکان پر گیا، اور وہاں خوب شراب پی اور سوور کا گوشت کھا کر نہایت پسند کیا، اس کے بعد اس نے عام طور سے بلا اخفا ان دونوں چیزوں کا استعمال کیا، مولویوں نے کئی مرتبہ اس کو آگاہ کیا کہ شراب اور سوور کا گوشت کسی طرح بھی جائز نہیں اور صریح طور سے قرآن میں اس کی ممانعت ہے۔ مولویوں کا بار بار سمجھانا اسے ایسے ناگوار گزرا کہ ایک روز تمام مولویوں کو جمع کر کے دریافت کیا کہ کس مذہب میں شراب پینی اور سوور کا گوشت کھانا جائز ہے۔ سب نے بالاتفاق کہا کہ سوائے عیسائیوں کے تمام مذاہب ان کے استعمال کی ممانعت کرتے ہیں۔ یہ سن کر جہانگیر نے سب کے سامنے اپنا عیسائی ہونے کا منشا ظاہر کیا اور حکم دیا کہ درزیوں کو بلا کر اس کا لباس یوربین وضع کا تیار کرایا جائے اور انگریزی ٹوپی تلاش کی جائے۔ مولوی اس امر سے حیرت زدہ ہو گئے اور آپس میں مشورہ کر کے قرار پایا کہ خاموشی اختیار کر کے بادشاہ کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ مجھ سے ایسے شخص نے یہ حکایت بیان کی جو خود اس جگہ میں موجود تھے۔ ان مولویوں کو آسانی سے مرعوب کر کے ہر موقعہ پر ضداً ایسی حرکات کرتا جو ان کے خلاف ہوتیں چنانچہ اس نے خالص سونے کے سوؤ بنا کر اپنی خواب گاہ میں رکھے تھے۔ جب خواب سے بیدار ہوتا تو ان کو دیکھ کر کہا کرتا کہ ان سووروں کی تصاویر کو دیکھنا کسی مسلمان کی صورت دیکھنے سے بہتر ہے۔ جہانگیر کے انتقال کے بعد اس کے فرزند شاہ جہاں نے ان تصاویر کو قلعہ لاہور میں شاہی تخت گاہ کے سامنے دفن کرا دیا۔

ایک بات جو اس نے مسلمانوں کی دل شکنی کے لئے اختیار کی وہ روزہ سے انکار تھا۔ جیسا کہ سال بھر میں ایک ماہ مسلمان روزے رکھتے ہیں، روزہ کی حالت میں مسلمان دن میں کھاتے پیتے نہیں بلکہ تمام دن ان کا سونے میں گزرتا ہے اور رات کھانے پینے اور دیگر تفریح کے کاموں میں بسر ہوتی ہے۔ جہانگیر بالکل اس کے برعکس کرتا۔ اور اس مہینہ میں کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ دوپہر کو وہ دربار عام نہ کرتا ہو اور کم از کم دو گھنٹہ تک لوگ دق نہ ہوتے ہوں۔ جہانگیر خود بھی سب کے سامنے کھاتا پیتا اور کھانے کی چیز ان کو دیتا تھا، جن کی صورت سے روزہ دار ہونا ظاہر ہوتا تھا۔ اس سے اس کا یہ مطلب ہوتا کہ اس کا روزہ ٹوٹ جائے۔ کسی کی مجال نہیں تھی کہ کھانے سے انکار کرے، کیونکہ ممکن تھا کہ بادشاہ ناراض ہو کر اسے شیروں کے آگے ڈلوا دے۔

سفرنامہ منوچی۔ ص ۱۳۸ - ۱۳۹

بعض اشخاص کہتے تھے کہ جہانگیر عیسائی ہونا چاہتا تھا اس لئے وہ مسلمانوں کو ذلیل کرتا۔ کئی مرتبہ اس نے مولویوں کو پادریوں کے ساتھ اپنی موجودگی میں مناظرہ کا حکم دیا، اور ہمیشہ پادری غالب رہتے تھے ایک دفعہ مولویوں نے جواب سے عاجز آکر کہا کہ ہم کیا جواب دیں جو اہل علم ہیں وہ جانتے ہیں کہ ہمارے اعتراضات نہایت قوی ہیں اور انجیل میں تحریف کی گئی ہے۔ مولویوں کے علاوہ یہ بات قاضی نے بھی کہی تھی۔ پادری نے بادشاہ سے کہا میں تمام دربار میں یہ بات ثابت کرنے کے لئے تیار ہوں۔ کہ اس انجیل میں جو میرے ہاتھ میں ہے تحریف نہیں کی گئی اور یہ اصلی خدا کا کلام ہے اور یہ اسی طرح ثابت ہو سکتا ہے کہ گھاس کا ایک انبار لگایا جائے اور اس پر میں انجیل اور قاضی قرآن کیساتھ بیٹھیں پھر گھاس کے انبار میں آگ لگا دیجئے۔ اس کے بعد حضور اور تمام درباریوں کو معلوم ہو جائے گا کہ کون مذہب حق پر ہے۔

اس گفتگو سے قاضی خوف زدہ ہوا۔ کیونکہ اس کو علم تھا کہ جہانگیر کا مزاج ایسا ہے کہ ممکن ہے کہ وہ اس کا تجربہ کرنے کا حکم دے اس نے اپنا سر جھکا لیا، چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا اور ایسی دہشت طاری ہوئی کہ اس کا پائخانہ خطا ہو گیا، اور تمام دربار میں بدبو پھیل گئی، جب یہ بدبو بادشاہ تک پہنچی تو مثل درباریوں کے اس نے بھی ناک بند کر کے کہا کہ پادری اپنے مذہب کی

حقیقت ثابت کرنے کے لئے آمادہ ہے مگر خوف کی وجہ سے قاضی سے غلطی سرزد ہو گئی، اس کے بعد پادری سے کہا کہ آج تمہارا نام پادری آتش رکھا گیا۔ مذکورہ پادری کا نام جوزف ڈاکو تھا۔ مگر اس واقعہ کے بعد وہ پادری آتش کہا جاتا تھا۔ (ص ۱۴۰-۱۴۱ سفرنامہ منوچی)

منجملہ اور عمدہ کاموں کے جہانگیر کے ایک یہ بھی تھا کہ عیسائی پادریوں کے ساتھ خاص مہربانی سے پیش آتا تھا۔ لاہور میں اس نے پادریوں کو ایک مکان اور ایک گرجا دیا، اس بادشاہ کی سلطنت میں یورپ کے باشندوں کو بالکل مذہبی آزادی تھی یہ عیسائی پادری بادشاہ کے لڑکوں کو بھی تعلیم دیتے تھے۔ جہانگیر کے ایک لڑکے نے جو بادشاہ تھا۔ پادریوں کے رنج پہنچنے کی وجہ سے اس گرجے کو جلوا دیا تھا اور اس کا گھنٹہ آگرہ بھجوا دیا۔ (ص ۱۵۶ سفرنامہ منوچی)

شاہجہاں کے دور میں پرتگیزی عیسائیوں کے مظالم

بنگالے میں پرتگیزی عیسائیوں کے جہاز کی آمد سنہ ۱۵۱۶ء میں شروع ہوئی[1] بنگالیوں کے عہد میں فرنگی سوداگروں کا ایک گروہ جو سراندیپ لنکا کے رہنے والے چاٹگام میں آمد و رفت رکھتے تھے، ان لوگوں سے ہگلی کے کنارے خرید و فروخت کے نام پر چند گھر بنائے، یہ وہ جگہ ہے جہاں شہر ہوگلی آباد ہوا۔ حکام بنگالہ کی غفلت و لاپرواہی سے یہ نئی آبادی فرنگیوں کی ہی بن گئی۔ ان لوگوں نے اپنا قدم اور اس طرح مضبوط کیا کہ ایک طرف دریا تو تھا ہی باقی تینوں طرف گہری خندق کھدوا کر پانی سے بھر کر جزیرہ کی شکل بنا لی اور اس کے اندر مضبوط اور عالی شان عمارتیں بنا کر توپ بندوق اور سامان جنگ سے خوب مستحکم کر لیا۔ کہ یہ آبادی ایسی بڑھی کہ بندر چاٹگام کا بازار سرد پڑ گیا، رفتہ رفتہ ان لوگوں نے ہوگلی کی کھاڑی کے دونوں طرف جو پرگنے تھے۔ تھوڑے تھوڑے معاملے پر وہ بھی اجارے لے لئے۔ اور وہاں کی رعایا کو زبردستی اور طمع دونوں طریقے سے کرسچین (عیسائی) بنا کر فرنگستان بھیجنا شروع کیا اگر رعیت کے کم ہو جانے سے اجارہ کا روپیہ گرہ سے بھرنا پڑتا تھا۔ مگر اس کے باوجود وہ اس فعل کو ثواب سمجھ کر اس نقصان کو سوداگری کے نفع سے پورا کر لیتے۔ ان کی یہ کارروائی صرف دیہات تک محدود نہیں تھی۔ بلکہ دریا کے کنارے کا جو آدمی ملتا اس کو پکڑ کر عمل مقررہ کرتے[2]۔ مرنے والوں کا مال ضبط کرتا۔ متوفی کے نابالغ ہندو مسلمان بچوں کو عیسائی بنا کر غلام بنانا، ناواقفیت اور غلطی سے داخل ہونے پر ہندو فقیر کو تکلیف دے کر مار ڈالنا اور مسلمان فقیروں کو قید میں رکھنا اپنا شیوہ بنا رکھا تھا[3]

پرتگیزیوں کو مظالم کا جواب

یہ برا سلوک شاہجہاں ایام شاہزادگی میں دریائے بنگالہ پر دیکھ آیا تھا۔ تخت پر بیٹھتے ہی عمال و حکام اور کاموں پر قابو پاتے ہی قاسم خان کو بنگالہ کا صوبیدار مقرر کیا، اور پرتگیزی عیسائی قوم کے استیصال کا حکم دیا، اور اس "عقدہ دشوار کشا" کے کھولنے کی خشکی اور تری دونوں طرف سے حملہ کرنے کی تدبیریں بتائیں۔ صوبیدار نے شعبان سنہ ۱۰۴۱ھ کو سردار اللہ یار خاں کو مع عنایت اللہ اپنے بیٹے اور کئی سرداروں کے بردوان بھیجا اور ہدایت کی کہ بجائے ہوگلی کے یہ مشہور کریں کہ بردوان کی طرف مقام ہجلی کے خاتمے کے لئے یہ فوج آئی ہے۔ سردار بہادر کو مخصوص آباد (مرشد آباد) کے محال خاص کے بندوبست کے بہانے بھیجا، اور سمجھا دیا کہ ضرورت کے وقت اللہ یار خاں کے پاس پہنچ جانا۔ یہ احتیاطیں اس لئے تھیں کہ پرتگیزی اپنے مال و عیال کے ساتھ کشتیوں پر نہ بھیج سکیں، ان کے علاوہ یہ تدبیر کی گئی کہ چند سرداروں نے سری پور بندر سے نواڑے میں بیٹھ کر اول کھاڑی کے دہانہ کو جا کر روک لیا، اس کے بعد اللہ یار خاں نے بردوان سے دفعتاً کوچ کر کے ایک چٹگاؤں اور ہوگلی کے درمیان آ ڈیرہ جمایا، اور بہادر نے پانچسو سواروں اور پیادوں کی جمعیت سے مخصوص آباد سے آکر ہوگلی کی کھاڑی میں تنگ جگہ کشتیوں سے پل باندھ کر ان کے سمندر میں بھاگنے کا راستہ روک دیا، چاروں طرف سے گھیر کر سرنگیں کھدوائیں اول توپ اور بندوق سے لڑائی شروع کر کے آخر کار سرنگ میں آگ لگا دی، مکان کے فرنگی دھوئیں کی طرح اڑ گئے۔ اور جو کشتیوں پر بھاگے وہ پانی میں ڈوبے

---

[1] تاریخ ڈاکٹر جیمس وائز [2] بادشاہ نامہ حمید لاہوری [3] تاریخ خفی خاں۔ تاریخ ہند ذکاء اللہ جلد ہفتم ص ۱۴۴

جو کشتیوں پر پہنچے۔ وہ تلوار کی نظر ہوئے، دو ہزار مرد عورت کا جہاز جس میں بارود کا ذخیرہ تھا وہ خود پرتگیزی عیسائیوں نے جلا دیا۔ غرض عیسائی دس ہزار کے قریب بارود میں اڑے پانی میں ڈوبے، آگ سے جلے باقی نصرانی مرد عورت چار ہزار چار سو قید ہوئے اور جو رعایا کی خلقت عیسائیوں کی قید تھی ان کو رہائی ملی ۱۱ محرم سنہ ۱۰۴۲ء کو قاسم خاں یہ قیدی ان بتوں سمیت جو رومن کیتھولک عیسائیوں کے گرجوں میں ہوتے ہیں بادشاہ کی نظر گزارے جو مورتیں بعض پیغمبروں کی تھیں ان کو دبا دریائے جمنا میں ڈبو دیا اور باقی کو توڑ ڈالا۔

ڈاکٹر برنیر کی مرثیہ خوانی

اس کے بعد آپ ڈاکٹر برنیر کی مرثیہ خوانی بھی سن لیجئے، اور الزامات کی فہرست بھی دیکھ لیجئے۔

یہ لوگ پرتگیزی، ہوگلی میں جہانگیر کی مہربانی سے آباد ہوئے تھے۔ جو عیسائیوں سے بالکل تعصب نہیں کرتا تھا اور ان کی تجارت فوائد کثیر حاصل کرنے کی امید رکھتا تھا۔ علاوہ ازیں ان لوگوں نے اس سے یہ عہد بھی کیا تھا کہ ہم خلیج بنگال کو بحری قزاقوں سے محفوظ رکھیں گے۔ مگر شاہ جہاں چونکہ مذہب اسلام کا زیادہ پابند تھا۔ ان کو اس سبب سے سخت سزا دی کہ وہ نہ صرف اراکان کے قزاقوں کو جرات دلاتے تھے بلکہ خود بھی بہت سے غلام جو بادشاہی رعیت تھے اپنے پاس رکھتے تھے ان کے آزاد کرنے سے انکار کرتے تھے پہلے اس نے دھمکا کر پھسلا کر ان سے بہت سا روپیہ لیا، اور آخر ان کو احکام شاہی بھیجے تو انہوں نے اسکو قبول نہیں کیا، آخر کار محاصرہ کر کے شہر پر قبضہ کر لیا گیا اور عموماً سب کو غلام بنا کر آگرہ بھیجدیا، زمانہ قریب کی تاریخوں میں ان لوگوں کی مصیبت کی کوئی مثال نہیں پائی جاتی۔ بلکہ وہ اس گروہ بنی اسرائیل کی مصیبت سے بہت کچھ مشابہ تھے۔ جو بیت المقدس سے قید کر کے تمام بائیبل بھیجدئے گئے تھے۔ کیونکہ شاہجہاں کے حکم کی تعمیل سے نہ کوئی بچہ مستثنیٰ رہا نہ کوئی واعظ نہ کوئی درویش۔ چنانچہ حسین اور خوب صورت عورتیں تو کیا بیاہی کیا کنواری لونڈیاں بنا کر محل سرائے شاہی میں بھیج دی گئیں اور جو زیادہ عمر کی تھیں یا ان کی شکل اچھی نہیں تھی امیروں کو تقسیم کی گئیں اور کم لڑکے ختنہ ہو کر غلام بنائے گئے اور جو جوان تھے وہ بڑے بڑے وعدوں کی امید پر ہاتھی کے پاؤں سے کچلوائے جانے کی دھمکیوں سے مسلمان ہو گئے۔

آگرہ اور لاہور کے گرجوں کی مسماری

البتہ چند درویش اپنے مذہب پر قائم ہیں اور فرقہ جیسوئیٹ کے عیسائیوں اور پادریوں کی مہربانی سے جنھوں نے اس آفت کے زمانہ میں بھی گوا کا رہنا ترک نہ کیا اور بہت سا روپیہ خرچ کر کے اور دوستوں سے سعی وسفارش کرا کے اپنے فی ضانہ ارادہ میں کامیاب ہوئے۔ گوا اور مقامات مقبوضہ اہل پرتگال بھیجے گئے۔ مگر ہوگلی کے حادثے سے پہلے یہ پادری بھی شاہجہاں کے عتاب سے نہ بچے تھے۔ چنانچہ اس نے آگرہ کا عالی شان اور خوب صورت گرجا جو جہانگیر کے عہد میں ایک اور گرجا کے جو لاہور میں بنایا گیا تھا مسمار کرا دیا تھا، اس گرجا کے مینار پر ایک گھنٹہ لگا ہوا تھا جس کی آواز تمام شہر میں سنائی دیتی تھی [1] اس کے بعد ایک چھوٹا سا گرجا بغیر گھنٹے اور مینار کے تعمیر کرنے کی اجازت دیدی گئی۔

شاہجہاں کے دربار میں مناظرہ

پادری ڈوم میتھوس سلطنت مغلیہ میں تبلیغ کا کام شروع کرنا چاہتا تھا۔ اور بادشاہ سے اجازت حاصل کرنے کی غرض سے حاضر دربار ہو کر عرض کیا کہ دور دراز فاصلے سے وہ اس لئے حاضر ہوا ہے شاہ جہاں نے اس کی صورت سے معلوم کر لیا کہ راہب ہے، بادشاہ نے تمام مسلمان عالموں کو جمع کیا اور پادری سے ان کے ساتھ مذہبی گفتگو کرنے کے لئے کہا اس پر ڈوم میتھوس نے یہ تقریر کی کہ ایک غیر ملک میں مسافر کو دو آدمی ملے جن میں سے ایک سو رہا تھا، اور دوسرا بیدار تھا، میں حضور سے دریافت کرتا ہوں کہ یہ مسافر کس سے راستہ دریافت کرے۔ پادری نے یہ سوال کرنے میں یہ امر ملحوظ رکھا تھا کہ مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ مسیح زندہ ہیں یعنی جاگ رہے ہیں اور جناب محمد مصطفٰے صلعم قیامت تک آرام فرمائیں گے۔ شاہجہاں نے تمام علماء سے جواب طلب کیا، سب خاموش رہے۔ سعد اللہ خاں بھی مرد فاضل وہاں موجود تھا اس نے علماء کا سکوت دیکھ کر اندیشہ ہوا کہ پادری غالب آکر مذہب عیسوی کی کہیں تبلیغ شروع نہ کر دے۔ اور اسلام کی بے عزتی کا باعث نہ بنے۔

---

[1] سفرنامہ ڈاکٹر برنیر جلد اول ص ۳۰۱ تا ۳۰۴

اس نے بادشاہ سے جواب دینے کی اجازت لی اور کہا کہ اس مسافر کو انتظار کرنا چاہیئے کہ جو شخص سو رہا ہے وہ بیدار ہو جائے۔ دوسرا ہو تو اس سے راستہ دریافت کرلے۔

اس جواب سے سعد اللہ خاں کا یہ مطلب تھا کہ مسیح کو خود راستہ معلوم نہیں کہ وہ آنحضرت کی بیداری کا منتظر ہے۔ سعد اللہ خاں کا عالموں نے شکریہ ادا کیا (سفرنامہ منوچی ص ۱۹۵)

تقابل کر لیجئے پرتگیزیوں کے مظالم سے۔۔۔ اور ڈاکٹر برنیر کی بیان کردہ پرتگیزیوں کی معصومیت سے۔

غلط افواہوں سے تبلیغ کرنا | یہ پادری ان زیادتیوں کے بعد ہندوستانیوں کو اپنے مذہب اور دھرم سے برگشتہ کرنے اور عیسائیت کے جال میں پھنسانے اور اپنے تمدن و معاشرت کی فوقیت جتانے کے لئے بے بنیاد پروپیگنڈہ کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ علی الاعلان شرمناک قسم کی افواہیں پھیلاتے تھے چنانچہ آپ نے جہانگیر سے متعلق "توقعات جلیلہ" تو سن ہی لئے۔ اب ڈاکٹر ڈلیر (جو خود یا پادریوں کے کہنے پر عجیب و غریب قسم کی بے بنیاد باتیں اڑانے کے عادی ہیں) وہ شاہجہاں کے بیٹوں کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

> شاہجہاں کو اسلام کی طرف رغبت اپنی بیوی ممتاز محل کی وجہ سے تھی وہ پرتگیزیوں سے نفرت کرتی تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ جہانگیر کی سلطنت میں اس کے دو بیٹیوں کو پادریوں نے عیسائی بنا لیا تھا۔ یہ جوان لڑکیاں اس لئے عیسائی مذہب کی طرف راغب ہو گئی تھیں کہ خاوند کے لئے دوسری بیویاں کرنا ممنوع تھا اور حرم کی قید و بند کی بندشوں سے رہائی ملتی تھی [1]

اس واقعہ میں ذرہ برابر صداقت نہیں ہے شاہجہاں کی چھ لڑکیاں ہوئی تھیں جن میں چار حور نسا بیگم (۳ سال ایک ماہ بعد) ثریا بانو سات سال کی عمر میں) اور گوہر آرا بیگم اور حسن آراء بیگم عہد طفولیت ہی میں فوت ہو گئی تھیں۔ دو لڑکیاں بادشاہ بیگم روشن آرا بیگم زندہ رہیں۔ بادشاہ بیگم کبھی بے پردہ نہیں ہوئیں۔ آخر عمر میں باپ کی چاہیتی اور ہمنوا ہونے کی وجہ سے باپ کے ساتھ قید میں رہیں اور یہی حالت روشن آرا بیگم کی تھی وہ کبھی حرم سے باہر نہیں نکلیں اور عمر بھر اورنگ زیب کے ساتھ حکومت کے کاموں میں ہاتھ بٹاتی رہیں۔

عیسائی پرتگیزیوں کی بحری قزاقی | عالمگیر کے زمانہ میں یسوع مسیح کے نام لیوا نصرانی تبلیغ و مشنری کے نام پر کیسے مکروہ اور قبیح افعال کے مرتکب ہو رہے تھے اور اخلاق نصرانیت کا اظہار فرما رہے تھے اس کو تفصیل کے ساتھ عیسائیت کے شیدائی اور مبلغین کے مداح ڈاکٹر برنیر سیاح کی زبان سے سنئے۔

> "ارکان میں برسوں سے بہت سے نو آباد پرتگیزا ور عیسائی غلام اور دوغلے پرتگیز اور اہل فرنگ جو ادھر ادھر کے ملکوں سے آکر جمع ہو گئے تھے رہتے تھے یہ ریاست ان بدچلن لوگوں کے لئے جائے پناہ بنی ہوئی تھی جو گوآ۔ سیلان۔ کوچین ملاکا اور ہندوستان کے اور مقامات سے جو اس سے قبل پرتگیزیوں کے قبضے میں تھے یہاں چلے آئے تھے۔ اور جو بدمعاش فقیر اپنی خانقاہوں کو چھوڑ آتے تھے یا جو بد اطوار لوگ دو دو تین عورتوں نے شادی کر کے یا کسی اور بڑے گناہ کے مرتکب ہو کر بھاگ آتے تھے، یہاں ان کی بڑی آؤ بھگت ہوتی تھی۔ یہ صرف نام کے عیسائی تھے، اور ارا کان میں ان کا طرز معاشرت نہایت قابل نفرت تھا، چنانچہ بے دھڑک ایک دوسرے کو زہر دیدیتے یا قتل کر دیتے تھے۔ اور بعض اوقات اپنے پادریوں کو بھی جو سچ پوچھو تو وہ بھی ان سے کچھ کم نہ تھے مار ڈالتے تھے اور ارکان کے راجہ نے جو ہمیشہ سلاطین مغلیہ سے خوف زدہ رہتا تھا اپنے ملک کی سرحد پران کے وجود کو بمنزلہ ایک کارآمد جنگی چوکی کے سمجھ کر چاٹگام کی بندرگاہ اور بہت سی زمینیں آبادی کے لئے ان کو دے رکھی تھیں، ان بدمعاش اور بے لگام لوگوں کا ہمیشہ لوٹ کھسوٹ اور سمندری

---

[1] تاریخ ہند ذکاء اللہ جلد ۷۔

غارتگری کے سوا کچھ نہ تھا۔ چنانچہ یہ چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں چڑھ کر ادھر ادھر سمندر میں گشت لگاتے اور گنگا کی بے شمار شاخوں اور کھاڑیوں میں جا گھستے اور بنگال کے حصۂ پائین کے جزیرہ کو تباہ و برباد کرتے اور ملک کے اندر ڈیڑھ سو میل تک چلے آتے تھے۔ اور جہاں کہیں بازار لگا ہوا پاتے یا کوئی شادی بیاہ یا کوئی اور تقریب ہوئی وہاں لوٹ مار کرتے اور تمام لوگوں کو پکڑ کر لے جاتے تھے یہی لوٹ مار کی وجہ ہے کہ گنگا کا دہانہ ویرانہ و سنسان پڑا ہے اور سوائے شیروں اور جنگلی جانوروں کے اب وہاں کوئی نہیں رہتا۔"

ہندوستانیوں کی فروختگی

ان قیدیوں کے ساتھ وہ بڑی بے رحمی اور بدسلوکی سے پیش آتے تھے ان کو یہاں تک جرأت ہو گئی کہ بڈھے آدمیوں کو بے کار جان کر انہیں اور مقامات پر فروخت کرنے کے لئے لے جاتے تھے۔ جہاں سے ان کو پکڑ کر لاتے تھے اکثر دیکھا جاتا تھا کہ وہ لوگ جو کل اتفاقاً بھاگ کر ان کے ہاتھ سے بچ گئے تھے آج اپنے بڈھے باپ کو ان کے پنجے سے چھڑاتے تھے۔ ان قیدیوں کو قزاقی سکھاتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ خود قتل و غارتگری کے شائق بن جاتے تھے۔ یا ان کو گوا، کیلان، سیلون، طامس کے پرتگیزیوں کے ہاتھ بیچ ڈالتے تھے۔ بلکہ خاص بنگالہ میں ہوگلی کے رہنے والے بھی ان کے خریدنے میں کچھ تامل نہیں کرتے تھے۔ یہ ہولناک تجارت گالیس تک ہوتی تھی جو اس (۱۲) پال ماس (جو افریقہ کے مغربی ساحل کے نزدیک واقعہ ہے) کے قریب ایک جزیرہ ہے۔ یہ لوگ غلاموں سے بھری کشتیوں کی کشتیاں ارزاں قیمت پر خرید لیتے تھے۔ نہایت افسوس ہے۔ فرنگستان کی اور قوموں نے بھی چاٹگام کے ان قزاقوں کے ساتھ (جو یہ شیخی مارتے ہیں کہ ہم ایک سال کے اندر اس قدر ہندوستانیوں کو عیسائی بنا لیتے ہیں جو پادری لوگ ہندوستان میں دس دس برس بھی نہیں بنا سکتے) اس مذموم تجارت کو جاری رکھا۔ سبحان اللہ! مذہب عیسائی کے پاک دامن کو اس طرح سے متواتر توڑنا اور اس کے نواہی کی تحقیر کر کے علانیہ اس کے برخلاف عمل کرنا کیا ہی عمدہ طریقہ ہمارے دین مقدس کے پھیلانے کا ان کم بختوں نے نکالا ہے۔"[۱]

یہ تو بقول ڈاکٹر برنیر پرتگیزی غنڈے تھے۔ مگر پرتگیزی شرفاء اور ذمہ دار حکام عالمگیر کے دور میں کیا کر رہے تھے۔ کسی اعمال پران کی زندگی اور پرورش کا انحصار تھا، وہ عالمگیری دور کے مصنفین سے سنئے۔

شریف پرتگیزیوں کے عمل

پرتگیزی سمندر کے کنارے بنادر صند ہگلی کے قریب رہتے تھے۔ مسلمانوں کے لئے ایک جدا پورہ آباد کیا تھا، وہاں اذان و نماز کا رواج تھا۔ نماز بلا تشویش کے کوئی نہیں پڑھ سکتا تھا، ان کے تعلقہ میں رعایا کا کوئی آدمی مرجاتا تھا اور اس کا کو نابالغ لڑکا ہوتا اور بڑا بالغ لڑکا نہ ہوتا تو اس کے بچوں کو اپنی سلطنت کا بیت المال سمجھ کر اپنے گرجا میں لے جاتے تھے۔ پادری ان کو عیسائی مذہب سکھاتا تھا۔ خواہ وہ سید یا برہمن، ان کو عیسائی بناتے اور غلاموں کی طرح سے ان سے خدمت لیتے تھے، کسی پرسش نہیں۔ سنہ ۱۱۰۵ء میں جو مسلمان حج کو جا رہے تھے ان کو گرفتار کر لیا۔ واپسی پر گنج سوائی عالمگیری جہاز پر قبضہ کر کے اس کو لوٹا، اور جتنے مسلمان جہاز پر تھے ان کو برہنہ اور مستورات کی بے حرمتی کی جس کی وجہ سے مستورات نے سمندر کی تہ اور خنجر کی دھار کے نظر ہونا منظور کیا۔ پرتگیزیوں کا سرمایہ تجارت میں ایک لاکھ سے زیادہ نہ تھا باقی دولت کا مدار راہ کعبۃ اللہ کے جہازوں کی دست اندازی پر تھا۔[۲]

عالمگیر پر عیسائیوں کا کیا کسی غیر مسلم فرقہ کا اثر نہ تھا البتہ داراشکوہ کی وجہ سے عیسائیوں کو کچھ ہمت بندھی ہوئی تھی۔ داراشکوہ کے اس زمانہ کے عیسائیوں سے گہرے تعلقات تھے۔ وہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ دارا سچی ہے چنانچہ یورپین سیاحوں نے اسی وجہ سے یہ لکھا کہ داراشکوہ عیسائی مرا ہے، اور جب وہ مرا ہے تو اس کی زبان پر یہ الفاظ تھے کہ محمد مرا کشندو ابن اللہ مریم مرا می بخشد

---

[۱] سفرنامہ ڈاکٹر برنیر ص۳۰ جلد اول [۲] تاریخ ہند ذکاء اللہ ہشتم ۱۲۴

دارا شکوہ پادری بوزی کے (جو فرقہ جیسوٹ سے تعلق رکھتے تھے) دینی واعظوں کو سنتا تھا۔ اور کچھ اعتقاد کا بھی اظہار کرتا تھا لیکن صحیح یہی ہے جو ڈاکٹر برنیر کی رائے ہے کہ دارا شکوہ ہندوؤں کے ساتھ ہندو اور عیسائیوں کے ساتھ عیسائی تھا اور مصلحتاً وہ ایسا کرتا تھا۔ بہرحال عیسائی پادریوں نے اس کو اپنا ہی سمجھا۔ چنانچہ دملر صاحب نے پادریوں کا یقین کر کے ایک عیسائی عورت مسیح النساء کی شادی بھی اس سے کرا ہی دی اور حسب ذیل واقعہ لکھ مارا:۔

مسیح النسأ سے داراشکوہ کی شادی

مسیح النساء کچھ دنوں سے گوآ میں آ کر رہ رہی تھی داراشکوہ جو نصرانیت کی طرف رجحان رکھتا تھا اور جس کے پاس کئی پادری ملازم بھی تھے اور اکثر تنخواہ پاتے تھے۔ اس کے بارے میں پنڈتوں کا خیال تھا کہ اس پر ہمارا قبضہ ہے۔ لیکن جو عروج داراشکوہ کے دربار میں پادریوں کا تھا وہ پنڈتوں یا مسلمانوں کا نہیں تھا۔

داراشکوہ کی گوآ کے پادریوں نے دعوت کی۔ وہ جب گوآ پہونچا ہے تو وہاں کے پادریوں نے بڑے جشن منائے گویا دوبارہ حضرت عیسےٰ آسمان سے چلے آئے۔

داراشکوہ کی دعوت کا شاندار انتظام کیا گیا تھا۔ اس میں بڑے بڑے سیاح عالم، تاجر مدعو کئے گئے تھے۔ ایک طرف سولہ سترہ برس کی ایک یوربین لیڈی بیٹھی ہوئی تھی جو داراشکوہ کے ہی قریب تھی۔ داراشکوہ سے تعارف کرایا گیا۔ بتایا گیا کہ لڑکی سرکیشیا کی باشندہ ہے۔ تھوڑی دیر تک دونوں کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر شراب کا دور چلنے لگا۔ لیڈی داراشکوہ کو اپنے ہاتھ سے جام بھر بھر کر پلانے لگی۔ دو گھنٹے یہ محفل جمی۔ پھر داراشکوہ اپنی جا قیام پر آیا، ساتھ میں مسیح النسا بھی آئی۔ مکان پر پہنچ کر اس سے داراشکوہ نے دریافت کیا۔ کہ تم اصل میں کون ہو؟ یہاں کیوں کر آئی ہو اور تمہارا پیشہ کیا ہے؟۔

اس نے بتایا کہ میں اصل میں ایک سپاہی کی بیٹی ہوں جس کا شاہی خاندان سے تعلق تھا۔ میرا باپ عیسائی تھا۔ جو جنگ میں مارا گیا۔ میرا چچازاد بھائی مجھ سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ میں نے انکار کیا۔ وہ میرا دشمن ہو گیا۔ اس عرصہ میں معلوم ہوا کہ میرے دو بھائی بھی جنگ میں کام آ چکے ہیں۔ چچازاد بھائی ستانے لگے، تو میں ایک ترکی طبیب کے پاس چلی گئی اس نے مجھ کو اچھی طرح رکھا اس کے انتقال کے بعد میں ترکستان سے چلی آئی۔ وہاں سے گوآ پہونچی۔ ایک پادری نے مجھے بیٹی بنالیا۔ قصہ مختصر داراشکوہ کی اس لڑکی سے مسیحی طریقہ پر شادی ہو گئی۔ اور وہ اسے لے کر آگرہ چلا آیا۔ وہ کئی زبانیں جانتی تھی۔ اس نے داراشکوہ کی بڑی خدمت کی۔

منوچی بھی داراکو پکا عیسائی اور عیسائیوں کا ہمدرد سمجھتا ہے۔ اور وہ تو یہاں تک کہتا ہے کہ وہ عیسائی ہو کر مرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے دارا کے بارے میں جو کچھ معلومات دی ہے وہ یہ ہے:۔ میرے وقت میں تین پادری دارا کے دربار میں تھے

(۱) اسٹےل پیکا (۲) ہیڈ رد جزرٹ ساکن پرتگال (۳) ہنری کوئیس بزو۔

موخر الذکر پادری کو دارا بہت عزیز رکھتا تھا۔ اور جتنی مرتبہ وہ دربار میں آتا۔ ہر دفعہ پچاس روپے معہ دو دوشالوں کے دیتا۔ اس پادری کی تمام درباری عزت کرتے تھے۔ کئی موقعوں پر دارا نے ان پادریوں کے ساتھ شراب بھی پی۔

جب دارا خشکی سے سندھ کو پہونچا تو ایک برہنہ پا راہب مسمی میری ہیبر وڈی سیناٹری سا۔ موجود تھا جس سے میری اصفہان میں ملاقات ہوئی تھی۔ یہ نہایت نیک اور صاحب علم ہونے کے علاوہ عربی فارسی ہندوستانی زبانوں سے واقف تھا۔ دارا نے اسے بلا کر انجیل اور مذہب عیسوی پر گفتگو کی، راہب کے دلائل سن کر وہ تھوڑی دیر تک غور کرتا رہا اور پھر اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کہنے لگا۔ اگر دنیا میں کوئی مذہب حق ہے تو وہ عیسائیوں کا ہے کیوں کہ رومن اور مختلف ملکوں کے پادریوں سے میں نے اکثر گفتگو سے بھی ثابت ہوا کہ یہ بات کسی مذہب میں نہیں ہے۔ ہندو مسلمان۔ یہودیوں کے مذاہب میں بہت اختلافات ہیں۔

پھر راہب سے کہنے لگا اے مہربان باپ میں عیسےٰ مسیح سے التجا کرتا ہوں کہ وہ مجھے بادشاہ بنا دیں۔ اور میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں

کہ خاص آگرہ میں حضرت بی بی مریم کا گرجا تعمیر کرادوں گا اور تمام پادریوں کو گرجے بنانے اور آزادی سے تمام سلطنت میں انجیل کا وعظ کرنے کی اجازت دوں گا (۳۱۲-۳- منوچی)

دارا نے جب سمجھ لیا کہ اس کی زندگی کے صرف چند روز باقی ہیں تو وہ روحانی طور سے اپنی نجات کی فکر کرنے لگا۔ اس لئے اس نے محافظوں سے منت کی کہ کوئی شخص پادری بیزدکو بلالے جو مشہور آدمی ہے۔ جب محافظوں نے کچھ توجہ نہ کی۔ دوبارہ کوشش کی جب اس نے سمجھ لیا کہ یہ بیزدو نہیں لاسکتے تو اس نے کہا کہ کسی یوروپین پادری کو بلالو۔ جب اس نے یہ دیکھا کہ اس کی خواہش پوری نہیں ہو سکتی تو اس نے بہ آواز بلند چلا کر کہنا شروع کیا "محمد مرا می کشد و ابن اللہ از جان می دہد (محمد مجھ کو مار ڈالتا ہے اور خدا کا بیٹا مجھے جلاتا ہے۔"

ان الفاظ اور نیز اس فقرہ سے جو اس نے ٹھٹھہ میں پادری فری ہنیڈ روسے کہا تھا کہ اگر کوئی مذہب دنیا میں حق ہو سکتا ہے تو وہی ہے جس کی انگریزی پادری تعلیم دیتے ہیں اور اس اضطراب سے جو اسے پادری کے نہ آنے سے ہوا یہ ثابت ہوا ہے کہ دارا عیسائی ہونا چاہتا تھا۔ مجھے ان محافظوں سے جن سے میری رسم تھی یہی ثابت ہوا اور انہوں نے اس کی تصدیق کی۔ (منوچی ۳۴۵)

عالمگیر نے مسیح النساء کو اپنی بیوی بنایا

دارا شکوہ کی عالمگیر سے لڑائی ہوئی تو اس وقت مسیح النساء کے دارا شکوہ کو مشورہ دیا کہ ترکی چلے چلو۔ لیکن اس سے ملنا مناسب نہ سمجھا لڑا اور قتل ہوا۔ دارا شکوہ کا جب جلوس نکلا ہے اسوقت وہ دارا شکوہ کے پہلو میں بیٹھی تھی، دوسری جب وہ جب جلا وطنت اور جنرلے کرآتا ہے تو مسیح النساء دارا شکوہ سے علیحدہ کردی جاتی ہے۔ اس واقعہ کے چند روز بعد مسیح النساء سے عالمگیر نکاح کی درخواست کرتا ہے۔ وہ پہلے انکار کرتی ہے اور انکار بن نہیں پڑتا۔ تو نکاح ہوتا ہے۔

ڈیلر لکھتا ہے کہ یہ مسیحی خاتون سب سے زیادہ عالمگیر کو پیاری تھی ایک لڑکا مسیح النساء سے پیدا ہوا جس کا نام کام بخش تھا۔ جسکو اس زمانہ کے انگریز لوگ کام بخس کہتے تھے۔ یہ وہی لڑکا ہے جس کو عالمگیر سب سے زیادہ چاہتا تھا۔ مسیح النساء عالمگیر پر راغب نہ تھی۔ مرتے دم تک متنفر رہی۔"

ڈیلر لکھتا ہے کہ مورخ اب تک یہ نہیں جانتے کہ کام بخش اس کے بطن سے ہے۔ کوئی لکھتا ہے نواب بائی سے، کوئی ولیرس۔ کوئی سرپی سے[1] کسی مورخ نے سوائے ڈیلر اور جلال الدین کے اس عالمگیر کی مسیحی بیوی کا ذکر نہیں کیا۔ معلوم ہوتا ہے جلال الدین بھی ڈیلر کے ہی جھانسے میں آئے۔ جو ایسی بے سروپا بات لکھی۔

مبلغین مسیحی کی عالمگیری دور میں حالت

ڈاکٹر ہربر اپنے سفرنامہ کے خاتمہ پر ہندوستان کے عیسائیوں کی جدوجہد اور جہانگیر کے کامیاب دور نصرانیت کا ذکر کرکے کے بعد ہندوستان کے مبلغین کی حیثیت ہندوستان کی مذہبی حالت اور تبلیغ کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے اسلام کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے اس سے مشنری ورک کا اصل مقصد عیاں ہو جاتا ہے اور نصرانیت کی قلعی کھل جاتی ہے۔ اندازہ لگائیں نصاری کو اہل کتاب سمجھ کر دوستی کا دم بھرنے والے اندازہ لگائیں کہ ایمانی قوت دشمن کے لئے کیسی خوفناک شے ہے۔

میری دانست میں ان لوگوں کا مقصد پسندیدہ ہے۔ اور اس کام کے لئے جو یہ ایسے بعید ملک میں آئے ہیں بے شک قابل تعریف ہیں۔ خصوصاً کیپوشین اور جیسوئیٹ فرقہ کے لوگ جو اپنے عقائد مذہبی کو ہر قسم کے لوگوں پر نہایت انکسار انہ طریقے سے ظاہر کرتے ہیں۔ اور بدتمیزی اور تعصب کو چھوتے تک نہیں ہیں۔ اور عیسائی مذہب کے ہر ایک شخص سے خواہ وہ کا تھلک فرقہ کا ہو یا لون یا آرمینیا چرچ کا مقلد ہو۔ اور نسٹورین (نسطوری) ہو یا جیکوبیٹ محبت اور فیاضی سے پیش آتے ہیں۔ اور پردیسی اور مفلوک الحال عیسائیوں کی جگہ پناہ

---

[1] تذکرۂ عالم۔ ص ۱۷۵ تا ۱۷۷۔

باعث تسلی ہیں اور اپنے علم و فضل اور قابل تقلید نیک اوقاتی سے غیر مذہب کے بے ایمان اور عیاش لوگوں کے لئے باعث شرم ہیں۔ مگر بدقسمتی سے بعض ایسے بھی ہیں جو اپنے نہایت مذموم افعال سے مذہب کو بدنام کرتے ہیں۔ جن کا مشن مقدس کام کے بجائے اپنے خانقاہوں ہی میں بند رہنا بہتر ہے کیوں کہ ان کا دین و مذہب صرف ایک دکھاوا ہے۔ اور بجائے اس کے کہ ان سے لوگوں کو ہدایت ہو برعکس ان کی گمراہی کا باعث ہوتے ہیں لیکن سب ایسے نہیں اور نہ اصل مقصد کے لئے مضر ہیں۔

تجویز } اس کام کے لئے اگر ایسے لوگ تجویز ہوا کریں جو علم میں ممتاز ہوں تو بہتر ہوگا۔ میرے نزدیک یہ لوگ نہایت ضروری اور عیسائیوں کیلئے باعث فخر ہیں اور عیسائیوں پر واجب ہے کہ تمام عالم میں اپنے دین کی تعلیم و تلقین کے لئے ایسے لوگ فراہم کرے۔ جو اپنے نیک ارادوں اور عمدہ افعال و اطوار میں حواریوں کا نمونہ ہوں

ہندوستانیوں کی مذہبی پختگی کا ذکر }

مگر کہیں آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ میں اس کام کے شوق میں اس قدر محو ہوگیا ہوں کہ میں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ جس قدر حواریوں کے ایک دفعہ کے وعظ سے ایک بے پناہ اثر مرتب ہوتا تھا اتنا ہی اس زمانہ کے مشنری لوگوں کے وعظ سے بھی ممکن ہے۔ کیوں کہ بت پرست اور کافر لوگوں کے ساتھ ملتے جلتے رہنے کے باعث ان کے دلوں کی تاریکی سے مجھے اس قدر واقفیت ہوگئی ہے کہ ہرگز یقین نہیں کہ دو یا تین ہزار آدمی ایک دن میں ایمان لے آئیں گے۔ خصوصاً مسلمان بادشاہوں اور ان کی مسلم رعایا سے کسی طرح تبدیل مذہب کی امید نہیں، اور چونکہ ممالک ایشیا کے وہ سب مقامات میرے دیکھے ہوئے ہیں جہاں مشنری لوگ مقیم ہیں اس لئے میں اپنے تجربہ کی بناء پر کہہ سکتا ہوں کہ ان لوگوں کی جرأت اور تلقین کا اثر مشرکوں پر ہونا ناممکن ہے اور یقین نہیں کہ دس برس میں بھی ایک مسلمان عیسائی ہو جائے۔ یہ سچ ہے کہ مسلمان انجیل کو مانتے ہیں۔ اور مسیح علیہ السلام کا ذکر بغیر نہایت آداب و احترام کے نہیں کرتے اور بلا لفظ "حضرت" صرف "عیسیٰ" کبھی نہیں کہتے۔ اور ہماری طرح ان کا بھی اعتقاد ہے کہ وہ معجزانہ طور پر کنواری ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے۔ اور یہ کہ وہ کلمۃ اللہ اور روح اللہ تھے لیکن یہ امید کرنا عبث ہے کہ وہ اپنا وہ دین جس میں وہ پیدا ہوئے ہیں چھوڑ دیں، اور اپنے پیغمبر کے برحق نہ ہونے کو مان لیں۔ مگر باوجود ان سب باتوں کے پھر بھی فرنگستان کے عیسائیوں کو چاہیئے کہ مشنری لوگوں کی ہر ایک طرح سے مدد کریں۔ اور ان کی دعا اور ان کی طاقت اور دولت اپنے نجات دہندہ (عیسیٰ علیہ السلام) کے جلال بڑھانے میں صرف ہونی چاہیئے۔ مگر اس خرچ کا متحمل اہل یورپ کو ہی ہونا چاہیئے۔ کیوں کہ مشنری لوگوں پر اس کا بوجھ ڈالنا مناسب نہیں۔ اور اس بات کی نہایت احتیاط رہنی چاہیئے۔ کہ یہ لوگ احتیاج کی وجہ سے کسی ذلیل اور حقیر کام کرنے پر مجبور نہ ہو جائے اور صرف ان کی فارغ البالی ہی مطلوب نہیں۔ بلکہ وہ ایسی جماعت ہونی چاہیئے۔ جو مستعد ہوشیار اور نیک کردار اور ہمیشہ اثبات حق کے لئے ساعی اور نیکی کرنے کے موقعوں کی متلاشی اور جہاں کہیں موقعہ پائیں اپنے خدا کے باغ (دنیا) میں کمال مستعدی اور شوق سے محنت کرنے کی خواہشمند ہو۔ اگرچہ یہ کام ہر ایک عیسائی ملک پر واجب ہے۔ مگر کسی طرح لغو اور بے بنیاد باتوں پر یقین کرکے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ تبدیل مذہب کا معاملہ ایک آسان کام ہے۔

اسلام اور عیسائی ذہنیت }

کیونکہ (معاذ اللہ) محمد ؐ کے مذہب باطل نے جو ایک ایسا مذہب ہے کہ جس کی نفسانی خواہشوں کو ہمارا مذہب روکتا یا ایک قاعدہ کا پابند کرتا ہے۔ یہ اپنے مقلدوں کو ان کو بلا پابندی کے اجازت دیتا ہے اپنے پیروؤں کے دل پر جس مضبوطی سے قبضہ کیا ہوا ہے۔ ہم لوگ ان کا اندازہ نہیں کرسکتے۔ یہ مذہب ایک خون ریز اور بربادکن احکام کا مجموعہ ہے۔ اور بزور شمشیر قائم ہوا ہے اور اب تک دنیا میں اسی وحشیانہ ظلم و ستم سے قائم ہے۔ اس کی زہرآلود اور بربادکن ترقی کو روکنے کے لئے عیسائیوں کو وہ خوش اور ذریعے عمل میں لانے چاہئیں جو میں نے یہاں کئے ہیں۔ اگرچہ اس نہایت قابل نفرت دھوکے اور افتراء (اسلام) کا قطعی استیصال صرف خدا کے رحم اور اس کی توجہ خاص پر موقوف ہے۔ البتہ ان باتوں کو معلوم کرکے کسی قدر تسلی اور امید ہوئی ہے۔ جو پچھلے دنوں چین اور جاپان میں عمل میں آئیں یا جہانگیر کے عہد میں یہاں گزریں۔ مشنری لوگوں کو اپنے کام کی ترقی

کے لئے ایک اور پر افسوس سدِّ راہ سے مقابلے کی ضرورت ہے۔ وہ خود عیسائیوں کا خلاف ادب طریقہ ہی جو باوجود اس اعتقاد رکھنے کے کہ خدائے تعالیٰ ہماری قربان گاہ پر بطورِ خاص موجود ہے۔ اپنے گرجاؤں میں برتتے ہیں۔ برخلاف مسلمانوں کے جو نماز کے وقت مسجدوں میں باہمی گفتگو کرنا تو کیسا سر تک نہیں ہلاتے اور خدا کا خوف اور ادب ان کے دلوں پر چھایا ہوا دکھائی دیتا ہے[1]

بادشاہوں کی بیویاں عیسائی عورتیں

ان چند حکایتوں کا ذکر ضروری ہے جن میں اوباش و آوارہ گرد عیسائی عورتوں کو مشہور بادشاہوں کی بیویاں بیان کیا گیا ہے جن کا سوائے اس کے کوئی مطلب نہیں ہے کہ ہندوستان کے بادشاہوں کو رسوا و بدنام کیا جائے۔ اور یہ ثابت کیا جائے کہ عیسائیت کا درباروں اور محلوں میں بہت اثر تھا۔

یہ حکایتیں تمام تر یوروپین مصنفین کی ہیں دوسرے مستند مصنفین ان کا کوئی ذکر نہیں کرتے ان کی کتابیں ان حکایتوں سے بالکل خالی نظر آتی ہیں، اس لئے ناقابلِ اعتبار رہیں۔

یوروپین مصنفین کی ذہنیت کا اندازہ لگانے کے لئے آپ ان حکایتوں کی طرز تحریر و الفاظ مبتذل اور لوٹن پر غور کریں۔ ان کو ہم اجمال کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

اکبر کی عیسائی بیوی مریم یا میری

مریم یا میری کا باپ ولیم نامی پرتگیزی تھا اور یہ لوگ گوا میں آباد تھے۔ ولیم گوا میں بہت بڑا کیتھلک مذہب کا رہنما تھا۔ یہ لڑکی جو آئندہ اکبر شہنشاہ کی بیگم بنی نہ صرف خوبصورت نازک اندام تھی بلکہ یہ اپنے مذہب کی بڑی پاسداری اور ترویج کرتی تھی اور ہمیشہ اسے یہی خیال رہتا تھا کہ کسی طرح ہمارا مذہب پروٹسٹنٹ فرقہ سے زیادہ پھیلے اور غالب آجائے بارہ برس کی عمر میں لڑکی نے اپنی مذہبی تعلیم پوری طور سے حاصل کرلی اور اب گوا کے زنانہ مدرسوں میں جہاں مسیحیوں کے یتیم بچے پڑھنے آتے تھے معلمہ مقرر ہوئی۔

مریم اپنے والدین کے ساتھ بہت سرگرمی سے مشن کا کام کیا کرتی تھی۔ یہاں تک نوبت پہونچی کہ مشن کی آنکھیں اکبری دربار کی طرف اُٹھنے لگیں شب و روز یہ سنتی رہتی کہ اکبر کے ہاں مذاہب کو آزادی ہے اور ہر مذہب والا اپنے سوال و جواب آزادانہ کرسکتا ہے اس سے ان کے دلوں میں کرید ہوتی تھی کہ ہم بھی اپنے مذہب کا اثر مغلوں پر ڈالیں اور دی گریٹ مغل یعنی اکبر کو عیسائی کرلیں۔ مگر یہ حیران تھی کہ ہم اس کام کو کیوں کریں اور اکبری دربار میں پہنچ کر اپنے مذہب کی دعوت کس طرح دیں۔

ایک دن مریم کے باپ نے اپنے مشن کے کل ممبروں کو جمع کیا اور ان سے یہ مشورہ کیا کہ ہم مغل سلطنت میں اپنا مذہب پھیلانا چاہتے ہیں یہ ہمیں یقین ہے کہ اکبر دی گریٹ مغل اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالے گا۔

مریم کا چچا جو بہت بوڑھا تھا اور اسے پٹھان سلطانوں کی بھی پوری کیفیت معلوم ہوتی تھی زمانہ کا رنگ اور گرم و سرد خوب دیکھا تھا اور وہ مغلوں کی طبیعت اور خونخواری کو خوب جانتا تھا۔ یہ کہنے لگا ہمارے لئے یہی بہتر ہے کہ ہم اپنی جگہ قایم رہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری مشن کو زک ملے اور اس کی ممبر خواری اور ذلت سے قتل کردئے جائیں۔

مریم یہ نہیں ہوسکتا۔ اے معزز چچا میں معافی مانگ کر عرض کرتی ہوں میں نے مختلف مسیحیوں تاجروں سے اکبر اور اس کے وزراء کے مزاج کی کیفیت بخوبی سنی ہے وہ کبھی مذہب پر ناحق کسی کو نہیں ستاتا ہمیں امید ہے کہ ہمارے مشن کو وہاں کامیابی ہوگی وہ زمانہ ظلم کا اب نہیں رہا۔ ہمیں ہرگز زیبا نہیں ہے کہ ہم بے بنیاد خیالوں کو اپنے دل میں جگہ دیں اور اپنی کامیابی سے ہاتھ دھو کر بیٹھے رہیں۔ بوڑھے مسیحی یعنی مریم کے چچا نے اپنی لمبی داڑھی والا سر ہلایا اور کہنے لگا کہ مریم میں تجھے جتا دیتا ہوں کہ ابھی بچی ہو تم نے زمانہ کیا دیکھا ہے۔ نہ ہماری گورنمنٹ ایسی قوی ہے کہ وہ ہمارا انتقام لے گی یہی خداوند کا شکر یہ ادا کرتے ہیں کہ مغلوں کی نظر گوا پر نہیں ہے۔ ورنہ وہ بہت آسانی سے تخت و تاراج کرسکتے ہیں تمہیں اختیار ہے میری رائے تو یہ ہرگز نہیں ہے آگے تم جانو اور تمہارا کام۔

اس مجلس مشاورت میں یہ فیصلہ ہوا کہ ایک سفارت اکبر کے دربار میں بھیجی جائے اور اس سے اجازت لے کر آگرہ میں ایک گرجا بنوایا جائے

---

[1] سفرنامہ برنیر۔ جلد دوم ص ۲۲۱ تا ۲۲۴

اگر اکبر نے آگرہ میں گرجا بنانے کی اجازت دیدی تو ہمیں کامیابی ضروری ہے جو اس نے اجازت نہیں دی تو ہم واپس چلے آئیں گے۔ سب نے مریم یامیری کو تجویز کیا جس کی عمر اٹھارہ برس کی تھی۔

یہ مسیحی خاتون کہ جو مسیحی مشن کے ساتھ گوا سے آگرہ سے آئی وہ امیرانہ سیاہ پوشاک پہن کر اکبر کے دربار میں حاضر ہوئی اس کی وضع اور صورت سے پایا جاتا تھا کہ یا تو کسی رئیس اعظم کی بیٹی ہے یا شہزادی ہے۔ مگر صرف ایک صلیب کا نشان جو اس کے سینہ پر بنا ہوا تھا اس سے یہ پایا جاتا تھا کہ یہ کسی پادری کی بیٹی ہے۔

جس وقت یہ خاتون حاضر دربار ہوئی ہے اور اس نے شاہی ادب سے سلام مجرا کیا ہے۔ اور پھر یہ اپنی کمر کو جھکا کر ہاتھ باندھ کر کھڑی ہوئی ہے، ہے اور آگے بڑھی دست لبتہ عرض کیا۔

"حضور کو غالباً معلوم ہوگا کہ میں بندگان عالی کی خدمت میں کیوں حاضر ہوئی ہوں صرف غرض یہ ہے کہ میں بندگان عالی کی خدمت میں عرض کرکے ایک گرجا بنوانے کی اجازت لوں ہیں گو آگے تمام مسیحیوں کی طرف سے وکیل بن کر آئی ہوں۔ میں عرض کرتی ہوں کہ حضور کے مبارک زمانے میں ہر مذہب کو اسلام کی طرح آزادی دی گئی ہے۔ یہ دیکھ کر ہم کو آگے مسیحیوں کو بھی ہمت ہوئی کہ ہم بھی مذہب کو پیش کریں اور بصد لجاجت عرض کریں کہ جو استحقاق اوروں کو ملا ہے وہ ہی ہمارے مذہب کو ملنا چاہیئے"۔

یہ برجستہ تقریر اور آزادانہ عرضداشت سن کر اکبر بھی مسیحی خاتون پر لٹو ہو گیا اور اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ مذہب مسیحی جس سے اب تک اسلام سے چولی دامن کا ساتھ چلا آتا ہے کلہ بلکہ بحث کے معرکہ میں آئے اور اپنی صداقت کی دلیلیں دے"۔

اس دن تو صرف اسی قدر باتیں ہوئیں مسیحی خاتون کی حفاظت کے لئے فوراً ایک گارڈ آگیا اور تمام مہمان نوازی کے سامان اشارہ ہی سے کر دئے گئے۔ تین چار دن کے بعد اکبر نے حکیم ہمام گیلانی کے ذریعے سے مریم یامیری کے پاس پیام بھیجا کہ اگر تم شادی کرنا چاہتی ہو تو اکبر پسند کرتا ہے۔ مریم فوراً راضی ہوگئی لیکن ساتھ ہی یہ شرط رکھی میں اپنے ارکان مذہب پورے طور پر آزادی سے ادا کروں گی اور میرے کسی مذہبی فعل میں اکبر دست اندازی نہ کرے گا۔

یہ شرط فوراً منظور کرلی گئی اور مریم سے اکبر کا نکاح ہو گیا[1]۔ نکاح ہونے کے بعد جلال الدین شیروانی نے اس خط کو نقل کیا ہے کہ جو مریم نے اپنے باپ کو بھیجا ہے درج ذیل ہے۔

"میرے معزز اور قابل احترام پاپا۔ خداوند عیسیٰ مسیح کا شکر ہے کہ ہمیں امید سے زیادہ کامیابی حاصل ہوئی۔ میری آزادانہ اور عالمانہ تقریر اور خوش وضعی پر اکبر دل سے فریفتہ ہو گیا، اور اس نے اپنے خاص ہمام فیزیشین (طبیب) کے ذریعے سے پیغام شادی دیا۔ چونکہ میں نے اکبر کو اپنے اوپر فریفتہ دیکھا، اور یہ سمجھ لیا، کہ میری شادی مسیحی مشن کے لئے اچھے اور قیمتی نتائج پیدا کرے گی۔ میں نے بخوشی منظور کرلیا، اور اب میں شہنشاہ کی بیگم بن گئی محل میں داخل ہوتے ہی مجھے مریم زمانی بیگم کا خطاب ملا اور کئی لاکھ روپے کے جواہرات دوسرے دن خواجہ سرا کشتیوں میں لے کر میری خدمت میں حاضر ہوئے چونکہ میں گہنے کی عادی نہیں ہوں مجھے خوف معلوم ہوا۔ میں نے خواجہ سرا سے یہ دریافت کیا کہ کیا ہر بیگم کے لئے یہ لازمی امر ہے کہ وزنی قیمتی زیور ضروری پہنے اس نے بڑی تعظیم اور ادب سے یہ عرض کیا نہیں بیگم صاحبہ یہ کچھ ضرور نہیں شاہوں کے ہاں دستور ہے کہ جب کوئی باعصمت خاتون داخل محل ہوتی ہے تو اس کو بطور تحفہ کے شاہ کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے۔ حضور بخوشی قبول فرمائیں اور اس میں آپ کو اختیار ہے چاہے اپنے پاس رہنے دیں چاہیں پہنیں چاہے کسی کو بخش دیں۔ یہ سن کر میں

[1] - مختصر تاریخ ہند از دہلیہ۔

نے اس کا شکریہ ادا کیا، اور اب میں بآزادی اپنی زندگی بسر کر رہی ہوں۔ اکبر پانچویں چھٹے میرے پاس دو تین گھنٹے کے لئے آتا ہے۔
اور بہت مہربان ہے۔ مجھے امید ہے کہ میں بہت جلد پادری ریڈ الیف یا ردیف کو اور آپ کو بلواتی ہوں آپ تیار رہیئے گا۔ عنقریب شاہی گارڈ روانہ ہوگا جو آپ کو بڑی عزت سے گوا سے آگرہ پہنچا دیگا اور جو کچھ ہوگا وقتاً فوقتاً عرض کرتی رہوں گی۔ فقط۔

جوں ہی یہ خبر ولیم کو پہنچی وہ مارے خوشی کے کھل گیا اور اسی اپنے خداوند عیسیٰ مسیح کی لکڑی کی تصویر کے گرد طواف کرنے کا اچھا موقعہ ملا۔ ولیم نے مع اپنی بیوی اور کل کنبہ والوں کے کاٹ کی صورت کے گرد چکر کھایا اور خوب نیاز نذر چڑھائی گئی۔ ولیم نے اپنے کنبہ والوں کی دعوت کی اور گوا میں ایک دھوم مچ گئی کہ مریم شہنشاہ بیگم بن گئی۔ اب مسیحی مذہب خوب ترقی کریگا۔ ایک مورخ یہ بھی لکھتا ہے کہ مریم گو پادری کی بیٹی تھی لیکن شاہی خاندان میں ہونے کی وجہ سے اسی کا باپ گورنر گوا تھا۔ چند روز کے بعد بقول ڈیلر صاحب (مختصر تاریخ ص ۵۷) یہ خط جو اکبر نے گورنر مریم کے پاس بھیجا تھا۔ مریم ہی کی کارگزاری تھی۔

یہ خط بماہ ربیع الاول سنہ ۹۹۰ ہجری میں لکھا گیا۔ مظفر یہ خط لے کر سید تھا گوا پہونچا اور پادری ولیم گورنر گوا کو دیا۔ جوں ہی ولیم نے یہ شاہی مہر دیکھا فوراً کھڑا ہو گیا، اور تین سلام کر کے اس خط کو لے لیا، یہ خوشی ایک معمولی شے نہ تھی۔ بلکہ ایسی ممتاز خوشی تھی کہ جس نے نہ صرف گورنر کو خوش کیا۔ بلکہ تمام قوم کو فخر بخشا۔ گورنر نے تمام کیتھلک مذہب کے مسیحیوں کو مدعو کیا اور نہایت تعظیم و تکریم سے یہ خط ترجمہ کر کے سنایا گیا۔ یہ خط سن کر چاروں طرف صدائے مبارکبادی بلند ہو گئیں۔ سب مسیح والے کاغذ پر بوسہ دینے کے لئے آگے بڑھے اور انہوں نے سجدے کا سلام کر کے بوسہ دئے اور الٹے قدموں ہٹ کر چلے گئے۔ مظفر کی اس قدر خاطرداری کی کہ اکبر آتا تو اس سے زیادہ شاید نہ کر سکتے۔

کئی دن مظفر کو مہمان رکھا اور پھر یہاں ولیم نے پادری ریڈا لیف کو جسے ابوالفضل نے ردیف ر۔ لکھا ہے کئی نسخے الہامی کتابوں کے دے کر روانہ کیا۔

پادری ردیف ایک بڑا عالم اور فاضل شخص تھا۔ جوں ہی وہ اکبر کے دربار میں آیا اور اس نے مقدس بائیبل پیش کی تو بقول دیگر مورخ مختصر تاریخ ہند صفحہ ۵ کے اکبر نے ان الہامی کتابوں کو صرف تعظیم کے لئے اپنے سر پر رکھا۔ دوبارہ انہوں نے حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کی مورتیں پیش کیں اکبر نے ان پر بھی احتراماً بوسے دئے اور ان مجسم تصویروں کی بڑی عزت کی۔

ڈیلر لکھتا ہے کہ جب پادری ردیف آگرہ پہنچا تو اس دن تمام شب بحث رہی اور خوب رد و بدل ہوتا رہا۔ اس بحث میں مریم بھی موجود تھی جو ایک کمرہ میں علیحدہ بیٹھی ہوئی یہ بحث گوش گزار رہی تھی۔ بحث عالمانہ اور دل چسپ تھی ابوالفضل گویا ثالث بالخیر تجویز ہوا تھا۔ رات بھر میں کچھ فیصلہ نہیں ہوا۔ بقول مسٹر ڈیلر اکبر نے پادریوں کو اپنے محل کے احاطہ میں ٹھہرایا۔ اکبر نے صرف مریم کی سفارش پر آگرہ میں گرجا بنوا دیا۔
پادری ردیف کے آنے پر مریم نے اکبر سے عرض کر کے یہ حکم لے لیا تھا کہ پادری ردیف میری اجازت پر جب میں بلاؤں میرے محل میں بآزادی آجایا کرے، اکبر نے فوراً اجازت دیدی۔ پادری ردیف تفسیر اور فقہ مسیحی کا سبق پڑھانے علی الصباح مریم کے پاس آیا کرتا تھا، اور گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تعلیم دیکر چلا جاتا تھا۔

مریم نے آٹھویں دن گرجا میں جانے کی بھی اجازت لے لی تھی۔ جہاں وہ محافہ میں بآزادی جاکر بیٹھتی اور اپنے پادری ردیف کی پرزخ سنتی اس مباحثہ میں جو پادری ردیف سے ہوا کرتا تھا چلمن کے پیچھے بیٹھ کر ساری بحث کو گوش گذار کرتی۔ ایک دن اکبر شب کو اپنی مسیحی خاتون مریم زمانی بیگم کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور اس سے ایک دن پہلے پادری ردیف اور سید عبداللہ کا مناظرہ بھی ہو چکا تھا۔ مریم نے ادب سے دریافت کیا کہ کل کے مناظرہ کا نتیجہ کیا ہوا۔ اکبر کل تو پادری ردیف کو جواب نہ آیا۔ اور وہ خاموش ہو بیٹھے ہاں انہوں نے آٹھ دن کی مہلت مانگی ہے۔
مریم :- متعجب ہو کر حضور وہ کون سا اعتراض تھا جس کا جواب پادری ردیف جیسا فاضل اجل نہ دے سکا۔
اکبر مجھے اس اعتراض کا زیادہ خیال نہیں ہے لیکن ہاں اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ انجیل مقدس کی صحت و عدم صحت پر بحث تھی۔ سید عبداللہ نے یہ کہا تھا کہ آپ کوئی ایسا ثبوت دیجئے جس سے یہ معلوم ہو کہ اس مجلد کتاب میں وہ ہی ہدایتیں اور اقوال درج ہیں جو حضرت عیسیٰ نے

نے فرمائے تھے گو پادری صاحب نے اس کی بابت بہت کچھ کہا لیکن عبداللہ نے اعتراضوں کی ایسی بھرمار کر دی کہ پادری صاحب ساکت ہوئے پھر سوائے آٹھ دن کی مہلت لینے کے اور کچھ بن نہ آیا، یہ سن کر مریم کسی قدر خفیف ہو کر چپکی ہو رہی مریم کی اصل میں کوشش یہ تھی کہ اکبر کرسٹان ہو جائے تو میں اعلان دلوا دوں کہ اکبر فلاں تاریخ سے عیسائی ہوا۔ آج سے یہ گورنمنٹ مسیحی گورنمنٹ کہلائے گی۔ یہ بات ہی الٹی پڑ گئی۔ مریم نے اس کا جواب سوچا۔ لیکن اس کی سمجھ میں نہ آیا۔ دوسرے دن پادری ردیف کو بلا کر ساری کیفیت دریافت کی۔

جو کچھ اکبر نے بیان کیا تھا وہی اس نے بھی دہرا دیا۔ مریم نے دیکھا کہ پادری ردیف کے منہ پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں اور جوں جوں دن گزرتے جاتے ہیں ان کی جان آدھی ہوئی چلی جاتی ہے۔

ردیف۔ پیاری مریم کوئی معقول جواب اس کا بھی ہو سکتا ہے یا نہیں۔ مریم اس اعتراض پر پہلے ہی سے غور کر رہی تھی سوچتے سوچتے یہ کہا کہ اگر اس کا جواب ہو سکتا ہے تو صرف یہی ہو کہ جب مخالف آپ سے یہ سوال کرے تو آپ اس کے جواب میں یہ کہہ دیجئے گا کہ اگر یہ اصلی انجیل نہیں ہے تو پھر آپ اصلی انجیل پیش کیجئے۔ گو یہ جواب ایسا نہیں ہے کہ ساکت کر دے لیکن خواہ مخواہ جھگڑا کرنے کے لئے خاصا جواب ہے۔

یہ سن کر پادری ردیف بہت خوش ہوا، اور اسے یہ جواب اچھا معلوم ہوا۔

یہ ایک مشہور بات ہے کہ اس نے ایک تصویر سونے کی حضرت عیسٰیؑ کی بنوائی تھی۔ تصویر میں تو اس قدر لاگت نہ آئی تھی لیکن اس میں چار لاکھ روپیہ کا جواہر جڑوایا گیا تھا یہ مجسم تصویر بڑے دالان میں رکھی گئی تھی، اس کی حفاظت کے لئے آٹھ قلماقنیاں مقرر کی گئی تھیں۔ جو ہر وقت علاوہ حفاظت کے اس کی صفائی بھی کیا کرتی تھیں، روزمرہ صبح کو اُٹھ کر یہ اس تصویر کے آگے ڈنڈوت کیا کرتی اور چاشت تک انجیل کھولے ہوئے پڑھتی رہتی۔ اگر پادری ردیف آ گیا تو اس سے تعلیم حاصل کی اور نہیں اپنی کتاب کا خود ہی مطالعہ کرتی کہ ایک دن جہانگیر کھیلتا ہوا آ نکلا مریم اسوقت نہ تھی۔

جہانگیر سیدھا حضرت عیسٰیؑ کے پاس گیا اور قلماقنیوں سے دریافت کیا کہ یہ کیا چیز ہے۔ قلماقنیاں حضور شہزادہ عالم یہ حضرت عیسٰیؑ ہیں یہ سن کر سلیم کو ہنسی آ گئی اور ان سے کہا کہ مجھے غلاف اٹھا کر حضرت عیسٰیؑ کو دکھا دو۔ قبل از وقت حضرت کیوں آ گئے اور یہاں کیوں بیٹھ رہے پہلے تو قلماقنیوں نے منع کیا کہ آپ اپنی والدہ کو آ جانے دیں۔ پھر ملاحظہ کیجئے۔ لیکن شہزادہ نے نہ مانا اور غلاف اتار کر دیکھا۔ جو لعل کہ آنکھوں میں لگے ہوئے تھے وہ سلیم کو بہت پسند آئے سلیم کی عمر شاید گیارہ برس کی ہو گی۔ قلماقنیوں سے کہا کہ تم اس تصویر کی دونوں آنکھیں نکال دو یہ سنتے ہی وہ گھبرا گئیں اور دست بستہ عرض کرنے لگیں ذرا آپ تامل کریں نہیں تو ہماری جانوں پر بن جائے گی۔ بھلا ان باتوں کو جہانگیر کہاں خیال میں لاتا۔ فوراً حضرت عیسٰیؑ کی تصویر کو گرا کر آنکھیں نکال لیں یہ ڈیڑھ لاکھ روپے کے قیمتی لال تھے جو آنکھوں کے ڈھیلوں کی جگہ رکھے گئے تھے ادھر وہ لعل لے کر دروازہ کے باہر نکلا اور اُدھر مریم بھی اپنے ہال میں آئی دیکھا کہ قلماقنیاں رو رہی ہیں اور وہ تصویر چت پڑی ہوئی ہے۔ یہ دیکھتے ہی مریم کے ہوش اُڑ گئے۔ ایک دہشت سی اس کی صورت پر چھا گئی۔ کپکپاتی ہوئی لہجہ میں دریافت کیا کہ یہ کیا ہوا محافظین کیا جواب دیتیں خاموش کھڑی دیکھا کیں۔

پھر دوبارہ غصہ کے لہجے میں دریافت کیا کہ کیوں گر پڑی۔ لطف یہ ہے کہ ابھی تک آنکھوں پر مریم کی نظر نہ پڑی تھی انہوں نے ناچار ساری کیفیت عرض کر دی مریم مارے غصہ کے لال ہو گئی۔ مگر کر ہی کیا سکتی تھی آہستہ سے اس تصویر کو اٹھایا اور قلماقنیوں کو رخصت کر کے کئی گھنٹہ تک رویا کی، پھر اس نے ردیف کو بلایا اور اپنی جگر خراش رام کہانی دُہرائی۔ پادری ردیف بڑا تجربہ کار اور عقلمند تھا۔ پہلے تو خاموشی کے ساتھ سنتا رہا۔ جب مریم چپ ہو گئی تو پادری ردیف نے کہا اگر میری رائے لیتی ہو تو یہ ہے کہ تم اس بات کو زبان سے نہ نکالو۔ بلکہ ان عورتوں کو بھی منع کر دیا جائے کہ یہ بھی کسی امر کا ذکر نہ کریں۔ لازم یہ ہے کہ تم اسے گر جا میں بھیج دو اور یہاں آ کر گھو سلیم ابھی بچہ ہے۔ اس نے معمولی طبیعت اور سیدھے سادے خیالات سے یہ بات کی ہے۔ یہ فکر کا مقام نہیں ہے۔ ہم اگر کوئی نتیجہ یہاں حاصل کریں تو صرف اتحاد اور انکساری سے نہ کہ بگاڑ کر اور باہم نزع کر کے۔

مریم کو یہ نصیحت ردلیف کی اچھی معلوم ہوئی اور اس نے تمام خواصوں کو فہمائش کر دی کہ اس کا ذکر کسی سے نہ آوے اگر کہیں بھی یہ بات اڑی تو میں سخت تر اور شدید تر عذاب میں تمہیں مبتلا کروں گی۔

دوسرے دن حضرت عیسیٰ کی اندھی تصویر گرجا میں کھینچی گئی لعلوں کے بجائے نیلم کی آنکھیں جڑی گئیں سلیم نے وہ لعل اپنی ماں جودھ بائی کو جاکر دئے اور کہا کہ میں عیسیٰ کی آنکھیں نکال کر لایا ہوں۔

جودھ بائی۔ پیارے سلیم یہ کیا کہتے ہو کیسی آنکھیں اور کیسے حضرت عیسیٰ سلیم نے ساری باتیں بیان کیں کہ میں اس طرح یہ آنکھیں لایا ہوں۔ جودھ بائی نے منع کیا کہ آئندہ یہ حرکت نہ کرنا۔ تمہاری وہ بھی ماں ہیں تم سے ناراض ہوں گی۔ وہ لعل جودھ بائی نے مریم زمانی بیگم کو بھجوا دئے اور کہا کہ بچے تھے بے خیالی میں یہ فعل کیا ہے مجھے امید ہے کہ تم معاف کرو گی۔ مریم اپنے عیسیٰ کی آنکھیں لے کر اور بھی شرمندہ ہوئی ہر چند اس نے کوشش کی کہ یہ بات کسی پر ظاہر نہ ہو لیکن کہیں یہ بات چھپ سکتی تھی چند ہی روز میں کل محل میں ہوا کی طرح سے پھیل گئی اور پھر مریم کے پاس حضرت عیسےٰ کی تعزیت کے خط آنے لگے۔[1]

جلال الدین شیروانی لکھتا ہے کہ پادری ردلیف کے ساتھ جتنے مسیحی گوا سے آئے تھے سب بعد ازاں مسلمان ہو گئے اس پر پادری ڈلیف نے زہر کھا لیا، اور بے چاری مریم بھی اسی رنج و صدمہ میں راہی ملک بقا ہوئی، اس کی قبر اسی گرجا میں بنی ہوئی ہے[2]

شاہ عالم کی مسیحی بیوی مس ہنری

اس لڑکی کے حالات علی حیدر جو شاہ عالم کے ساتھ مدتوں تک رہا ہے بیان کرتا ہے مس ہنری اپنے والدین کے ساتھ کلکتہ میں سچے مذہب کی تلاش و جستجو میں رہتی تھی کچھ دن بعد ایک برہمن کی تلقین سے ہندو بن گئی۔ وہی ساڑھی باندھنا وہی تلک لگانا وہی پوجاپاٹ کرنا وہی چوکا کرکے کھانا ہندوؤں کی طرح اس نے شروع کر دیا تھا، یہ رنگ اس پر چند ماہ رہا پھر یکایک برہمن کی ناشائستگی کو دیکھ کر ایک یہودی کے سکھانے بہکانے سے یہودن ہو گئی۔ یہودیوں کے جو طور طریقے تھے سب اختیار کئے۔ انتہائی جوش اور سرگرمی دکھائی۔ یہودیت کی چند ماہ ہی گزرے تھے کہ پھر مسیحی ہو گئے۔ لیکن اس مرتبہ کیتھولک فرقہ میں ہوئی۔ پہلے پروٹسٹنٹ تھی، دو سال اور کئی مہینے عیسائی رہی پھر ہندو ہو گئی۔ لیکن اس مرتبہ اس نے بدھ مذہب اختیار کیا، یوں ہی مذہب بدلتے بدلتے وہ صوفی مشرب مسلمان ہوئی وہ لمبی لمبی لٹیں وہ نئی خوشبوؤں میں رنگین لڑیں وہ اللہ ھو کے نعرے وہی حق ہو انت حبیبی کی صدائیں تمام بنگال میں ایک دھوم مچ گئی۔ اب وہ آزادی کے ساتھ چاروں طرف پھرنے لگی۔ یہ مذہب اس کو اور مذہبوں سے اچھا معلوم ہوا۔ شاہ عالم خیمہ زن تھا کہ مس ہنری اسی حالت میں شاہی فوج میں آئی اس وقت اس کی عمر ۱۹ سال کی ہوگی۔ بظاہر وضع و صورت سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ دنیوی عیش و عشرت سے بہت دور ہے۔ اس کے پیروں میں چمڑے کے موزے نصف ساق تک چڑھے ہوئے تھے۔ ہاتھ میں دستانے اور منہ پر نقاب کھلا ہوا بہت پیارا لگتا تھا۔ علی حیدر لکھتا ہے کہ میں شاہ عالم کی خدمت میں حاضر تھا کہ چوبدار نے آکر خبر دی کہ ایک جوگن عجیب صورت و شکل کی آئی ہے۔ اسے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے وہ صرف حضور کی قدم بوسی چاہتی ہے۔

شاہ عالم عورتوں کی صحبت اور ان سے ملنے کا بہت شائق رہتا تھا۔ خوش ہو کر چوبدار سے کہا کہ اس جوگن کو بلا لو ہم ملاقات کریں گے۔ چوبدار مس ہنری کو اندر لے گیا، یہ شعلہ پیکر جس وقت خیمہ میں آئی تو اس نے نقاب اٹھا لیا، اس کے چہرہ کی تابانی اور اس کا جوبن میں نہیں بھولوں گا شباب کے چہرہ پر پورا ولولہ تھا۔ اس نے کئی بار مذہب تبدیل کیا لیکن اس کے چہرہ پر پریشانی یا گھبراہٹ بالکل نہیں تھی۔ اطمینان و سکون تھا وہ بے سر و سامان تھی لیکن چہرہ کی تازگی صاحب تموّل سے زیادہ تھی وہ آتے ہی آداب بجا لائی اس نے فارسی میں کہا کہ مجھے معاف کریں گے۔ کہ میں آپ کا وہ ادب و تعظیم نہ کر سکی جو مقرر ہے۔ میں ان باتوں سے ناواقف ہوں مجھے کبھی ایسے شاہوں سے نیاز حاصل کرنے کا موقعہ نہیں ملا۔ تم کو عام ادب و آداب معاف ہیں۔ شاہ کے یہ الفاظ سن کر مس ہنری بہت خوش ہوئی اور ذرا دور فاصلہ پر جہاں پناہ کے آگے

---

[1] تاریخ الدول جلال الدین شیروانی۔ [2] سوانحعمری اکبر مع نورتن اکبری ۲۷۔ مرزا حیرت۔

بیٹھ گئی وہ ہنستی نہیں تھی لیکن چہرہ خنداں تھا۔ اس کی آنکھیں مصفا آسمان کی طرح نیلی تھیں وہ سیاہ بال اور کاجل بھری آنکھوں کی قدر جانتا تھا۔ لیکن جب یہ حسین سراپا دیکھا تو خوش ہو گیا۔ بولا تم کہاں سے آئی ہو۔ تمہاری کیا حالت ہے مسکن کہاں ہے وطن اور مذہب کیا ہے یہ سن کر مس ہنری خاموش ہو گئی، اس لئے کوئی جواب نہیں دیا۔ شاہ عالم بولے معلوم ہوتا ہے کہ تم فارسی زبان اچھی نہیں جانتی ہو۔

مس ہنری نے کہا کہ حضور نے پے در پے اتنے سوالات کئے کہ میں جواب نہ دے سکی آپ ایک ایک سوال کریں۔

شاہ۔ تم کہاں سے آئی ہو۔ ہنری! جہاں سے میں آرہی ہوں اس کا نام مجھے معلوم نہیں۔ گاؤں، قصبہ کا نام معلوم کرنا وقت ضائع کرنا ہے یہ مجھے گوارا نہیں۔ شاہ عالم نے سوالات کئے۔ سب کے اس نے اسی فقیرانہ انداز میں جواب دئے۔ کافی دیر کی گفتگو کے نتیجے میں شاہ عالم کو معلوم ہوا کہ وہ صوفی مشرب ہے۔ اب شاہ لٹو ہوئے جاتے ہیں مس ہنری نے دریافت کیا کہ آپ کا کیا مذہب ہے شاہ عالم نے جواب دیا۔ میں الحمد اللہ محمدی ہوں۔ جب مس ہنری نے پوچھا آپ تقلیدی مسلمان ہیں یا آپ کا یقین ہے کہ جس مذہب پر میں ہوں وہ مذہب حق ہے۔

حیدر علی شادی کے اسباب نہیں لکھتے کہ کیونکر مس ہنری کی شاہ عالم سے شادی ہوئی۔ اس گفتگو کا یہ نتیجہ نکلا کہ مس ہنری دوسرے دن بادشاہ کی بیگم کہلائی۔ تین لڑکے اور لڑکیاں مس ہنری کے ہاں شاہ عالم سے پیدا ہوئیں۔ پہلے لڑکے کا یعقوب نام تھا وہ لندن جاکر مرگیا۔ دوسرا لڑکا یوسف نامی محض بے گناہی کی حالت میں ۱۲ برس کی عمر میں غلام قادر کے ہاتھوں قتل ہوا۔

حیدر علی نے مس ہنری کی شادی کے بعد کے حالات لکھے ہیں وہ شادی کے بعد حنفی مشرب ہو گئی تھی، پھر لا مذہب ہوئی۔ لامذہب بھی ہونے کے بعد اس کا دل مطمئن نہیں تھا۔ تذکرۂ عالم (۲۴۸، ۲۴۹)۔

شاہ کی بیوی رُوز یا انور جہاں

یہ مسیحی بیگم روز نامی انتہائی خوب صورت تھی۔ اس کے حالات جس نے لکھے ہیں۔ یہ انگلینڈ سے اپنے باپ کے ساتھ سورت آئی۔ یہاں کی کوٹھیوں کی حالت غیر دیکھی تو روز کا باپ دہلی آیا، جس کی معرفت دربار دہلی میں پہونچا۔ روز بھی ساتھ تھی۔ بادشاہ نے روز کو دیکھ کر بہت خاطر و مدارات کی۔ روز کے لئے شاہ نے اپنے تخت کے برابر کرسی بچھائی باتیں کیں اور انہا جہان محل میں دونوں کو کیا۔ روز کے باپ کا انتقال تین روز کے بعد ہو گیا۔ شاہ نے روز سے نکاح کی خواہش کی اس نے منظور نہیں کیا لیکن بعد میں منظور کیا تو اس شرط کے ساتھ کہ میں محل میں عیسائی ہی رہوں گی۔

شاہ عالم نے روز کو انور جہاں بیگم کا خطاب دیا۔ انور بیگم محل میں رہتی تو تھی لیکن خوش نہیں تھی قلعہ سے فرار ہونا چاہتی تھی۔ ایک دن موقعہ غنیمت جان کر بادشاہ کو فریب دیا کہ مجھ کو انگلستان بھیج دو۔ میں شاہِ انگلستان کی بھتیجی ہوں۔ دس لاکھ فوج لنڈن جاکر لاسکتی ہوں اور تم کو تمام ہندوستان کا بادشاہ بناسکتی ہوں۔ بادشاہ اس کو انگلستان بھیجنے کے لئے تیار ہو گیا۔ وہ جواہرات لے کر جب لندن کے جہاز پر سوار ہوئی تو اس نے بادشاہ کو تمام حقیقت سے آگاہ کر دیا۔ بادشاہ کو انتہائی افسوس ہوا۔ (تذکرۂ عالم صفحہ ۲۳۰ - ۲۳۱)

سلطان مریم بیگم

سلطان مریم بیگم صاحبہ قوم ارمنی ساکن بغداد مذہب عیسائی بیٹی ڈاکٹر شارٹ کی تھی۔ ان کی ابتدائی شان نزول داخل زمرہ محل معلّی حضرت خلد مکان غازی الدین حیدر ہوئی کہ تیسرا سال جلوس مسند نشینی تھا، ان کی ماں ان کو کان پور سے لے کر نصیر الدین حیدر کے آس پاس کرایہ کے مکان میں رہی سال بھر تک انگریزی لباس پہنے سڑک پر کھڑی ہو کر جناب عالی کو سلام کرتی رہی۔ جب قسمت نے یاوری کی تو ایک شب بدست میر کلو خواص کو مع سواری اور مصلحی بھیج کر بلوایا۔ ان کی ماں میر کلو سے کہتی تھیں کہ میں مایوس ہو کر کان پور جانا چاہتی تھی۔ خرچ کی منتظر تھی۔ غرض بن سنور کر محل سرائے میں داخل ہوئی۔ حکم ہوا کہ ایک جوڑا (جو تین لاکھ کا ہوئے جاؤ) اسے پہن کر ہمارے پاس آئیں۔ خلاصہ جب "مشرف بسعادت" ہو چکی تو

پانچ ہزار روپے دے کر رخصت فرمایا۔ کئی دن بعد رات کو پھر طلب کیا۔ جواہرات عطا ہوئے اس طرح کچھ دن گزرتے تو بلا بھیجتے تھے۔ ایک مرتبہ اسلام کی تلقین کی بیگم صاحبہ نے بطیب خاطر کلمہ پڑھا۔ اس کے بعد حکم ہوا کہ ہم نے تم کو بیگم کیا۔

دو برس کھانسی میں مبتلا ہونے کے بعد ۷ اپریل سنہ ۱۸۴۹ء کو انتقال ہوا۔ انتقال سے قبل ایک وصیت نامہ لکھا۔ ریزیڈنٹ کے پاس بھجوایا جس میں درج تھا کہ میں اپنے اصلی مذہب عیسائی پر تھی۔ میری ماں کی طمع نے مجھ سے اسلام قبول کرایا۔ ظاہر میں مسلمان اور باطن میں عیسائی تھی۔ اس لئے میری تجہیز و تکفین مذہب عیسوی کی مطابق کی جائے۔

نواب مبارک محل

یہ کرنل عیش کی بیٹی تھی بسماۃ چمپا کے پیٹ سے جن کا بنگلہ کانپور میں چمپا کے نام سے تھا۔ جب کرنل عیش ولایت گئے تو یہ پیدا ہوئیں ان کو طامس سپہر کے والد نے تعلیم دی تھی۔ نصرانی تھیں۔ خلد مکان نواب نذارالدولہ کی بیویوں میں شمار ہوتا تھا۔ ۳۰ جون سنہ ۱۸۴۹ء کو انتقال ہوا۔ (تاریخ اودھ جلد دوئم (۵۴-۵۵)

نصیرالدین حیدرشاہ کی بیوی مخدرۂ عالیہ

وزیرالممالک نواب سعادت علی خاں صوبہ دار اودھ کے عہد میں ایک یوروپین عیسائی مسٹر دھیرٹی فکر معاش میں لکھنؤ آیا۔ اسے وہاں کوئی ملازمت نہ مل سکی اور اس نے چند دوستوں کی مدد سے گولہ گنج میں کپڑے کی دکان کرلی۔ کچھ عرصہ کے بعد لکھنؤ کے دوسرے یوروپین سوداگر مسٹر کلوڈن کی بیٹی سے اس کی شادی ہوگئی اور اس کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اور ایک لڑکی (بعد میں یہ بھائی بہن امیر مرزا اور شرف النساء کے نام سے مشہور ہوئے) لڑکی مس ایلین وھیرٹی کی عمر ابھی چار پانچ سال کی تھی کہ مسٹر وھیرٹی نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اس کے مرنے کے بعد دوکان تباہ ہوگئی۔ بیوہ اور اس کے بچوں کی بسر اوقات کا کوئی ذریعہ نہیں رہا۔ اس زمانہ میں آنجہانی دھیرٹی کی جوان بیوہ کا مستقل تعلق ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوج کے ایک معمولی افسر ہوپکنس والٹرز سے ہوگیا۔ افسر مذکور اگرچہ تمام مصارف برداشت کرتا تھا اور باہمی تعلقات بھی زن و شوہر کے تھے لیکن اس نے مسز دھیرٹی سے شادی نہیں کی۔ اس ناجائز تعلق سے ایک لڑکی ہیلین پیدا ہوئی تھی جس نے بعد میں "مخدرۂ عالیہ" کے نام سے شہرت حاصل کی اور نصیرالدین حیدر شاہ اودھ کی محبوبہ بنی۔

آٹھ دس سال بعد والٹرز بھی مرگیا۔ مسز وھیرٹی نے نیا خریدار حسن پھانسنے کی کوشش کی لیکن اس کے باغ حسن پر چونکہ آثار خزاں طاری ہوچکے تھے اسلئے کامیاب نہ ہوسکی اور اس کا بڑا لڑکا ڈوموں اور ڈھاریوں کی صحبت میں بیٹھ کر آوارہ ہوگیا تھا۔ مسز وھیرٹی کے لئے اب لکھنؤ جیسے مرکزی شہر میں رہنا غیر ممکن تھا اس لئے وہ ایلین اور ہیلین دونوں بیٹیوں کے ساتھ (جن میں ہیلین فوجی افسر والٹرز کے ناجائز اختلاط کا نتیجہ تھی) کانپور چلی آئی جس کی حیثیت اسوقت ایک چھوٹے سے قصبہ کی تھی۔

علی بخش ذات کا ڈوم تھا۔ اور ارباب نشاط کے طائفہ میں طبلہ نوازی کے فرائض انجام دیتا تھا۔ طبلچی اچھا تھا۔ شہر کی مشہور طوائفوں کے ساتھ امیروں کے دربار میں پہنچ جاتا تھا۔ ایک دن اودھ کے با اثر امیر نواب صمصام الدولہ کی محل سرا میں رقص و سرود کی محفل گرم تھی اور علی بخش طبلہ بجا رہا تھا۔ اتفاق سے نواب صاحب کو اس کی کوئی حرکت ناگوار ہوئی اور انہوں نے ملازموں کو حکم دیا کہ علی بخش کو جوتے مار کر باہر نکال دیا جائے۔ نواب صمصام الدولہ بہت آن بان کے رئیس تھے۔ ان کے کسی معتوب دربار کو منہ لگانا دوسروں کے لئے آسان نہ تھا۔ شہر کی اونچی طوائفیں گھبرا گئیں اور انہوں نے امرائے لکھنؤ کی محفلوں میں علی بخش کو اپنے ساتھ لے جانا ترک کردیا۔ جب طبلہ نوازی کا ذریعہ معاش بند ہوگیا تو علی بخش ڈوم نے کوچبان کی حیثیت سے بیوہ مسز دھیرٹی کے خریدار حسن مسٹر ہاپکنس والٹرز کی ملازمت کرلی۔ آدمی بہت طرار اور چرب زبان تھا۔ چند ہی روز میں مسٹر والٹرز کے مزاج پر اس قدر حاوی ہوگیا کہ ان کے خانگی معاملات میں بھی اس کے مشورے شریک ہونے لگے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ مسٹر والٹرز کی داشتہ مسز دھیرٹی اور علی بخش کے درمیان پوشیدہ ناجائز تعلقات قائم ہوگئے۔

مسٹر والٹرز کی وفات کے بعد مسز دھیرٹی اپنی دونوں بیٹیوں کے ساتھ کانپور چلی گئی۔ تو علی بخش طبلچی اس کا غم مفارقت برداشت

نہ کرسکا اور خود بھی لکھنؤ کو خیرباد کہہ کر کان پور چلا گیا۔

سلطنت اودھ کے مشہور وزیر موتمن الدولہ نواب آغا میر ان دنوں معتوب و معزول ہو کر کان پور کے انگریزی علاقہ میں مقیم تھے۔ علی بخش چونکہ طوائفوں کے ساتھ طبلہ نوازی کی وجہ سے لکھنؤ کے تقریباً سب ہی معزز امیروں سے واقف تھا اس لئے نواب آغا میر کے دربار تک رسائی حاصل کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی چندروز بعد مرغی خانہ کا انتظام اس کو تفویض کردیا گیا مسز دھیرٹی کان پور میں اپنی اپنی دونوں لڑکیوں کے ساتھ بہت عسرت کی زندگی بسر کررہی تھی۔ علی بخش طبلچی نے اپنا سلسلہ معاش قائم ہو جانے پر مسز دھیرٹی اور اس کی لڑکیوں کا بارکفالت برداشت کرلیا۔ اور نواب آغا میر کی کوٹھی کے قریب محلہ گوالٹولی میں ایک چھوٹا سا مکان لے کر علی بخش اور مسز دھیرٹی غیر شرعی زن وشوہر کی زندگی بسر کرنے لگے۔

کچھ زمانہ اسی طرح گزر گیا۔ اس کے بعد کان پور کے یوروپین فوجی افسروں کی توجہ اس جانب مبذول ہوئی کہ ایک یوروپین عورت جس کے ساتھ میں دو لڑکیاں بھی ہیں ایک ذلیل طبلچی کی داشتہ بنی ہوئی ہے۔ انہوں نے اس کے خلاف ایجی ٹیشن شروع کی دوسری جانب مسز دھیرٹی کی دونوں لڑکیاں چونکہ اب جوان ہوگئی تھیں علی بخش ان کو لکھنؤ لے جاکر بیش قیمت مالی منفعت کے خواب دیکھ رہا تھا۔ یوروپین فوجی افسروں کی مخالفت اور علی بخش طبلچی کے جذبہ حرص وہوس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مسز دھیرٹی اور اس کی دونوں لڑکیوں کو ساتھ لے کر دوبارہ لکھنؤ چلا آیا۔ اور وہاں امرائے اودھ کے درباروں میں مسز دھیرٹی کی لڑکیوں کے حسن وجمال کا تذکرہ شروع کیا۔ بادشاہ نصیرالدین حیدر کا عہد تھا، رفتہ رفتہ ان لڑکیوں کے حسن وجمال کا آوازہ شہرت ان کے کانوں تک بھی پہونچا، نصیرالدین تھے بہت رنگین مزاج اور ان کا رجحان بھی یوروپین تہذیب ومعاشرت کی جانب زیادہ رہتا تھا۔ ان یوروپین لڑکیوں کو دیکھنے کے مشتاق ہوئے علی بخش کی وساطت سے تقریب ملاقات بھی پیدا ہوگئی۔ چھوٹی لڑکی ہیلن جو مسز دھیرٹی اور متوفی فوجی افسر مسٹر والٹرز کے ناجائز اختلاط کا نتیجہ تھی۔ بادشاہ کو پسند آگئی انہوں نے اسے مشرف باسلام کرکے مخدرۂ عالیہ کا لقب عطا کیا۔ اور اس سے شیعہ مذہب کے مطابق متعہ کرلیا۔ یوروپین لڑکی ہیلن یا مخدرۂ عالیہ کے ساتھ اس کی ماں، بڑی بہن اور بڑے بھائی نے بھی مذہب اسلام قبول کرلیا۔ بڑی بہن کا شرف النساء اور بڑے بھائی کا نام امیر مرزا قرار پایا بادشاہ نے اپنی "خوش دامن" مسز دھیرٹی اور اس کے آشنا علی بخش کو ڈیڑھ لاکھ روپیہ نقد اور ریزیڈنسی کے قریب ایک کوٹھی عطا کی مس ایلن یا شرف النساء بھی اپنی ماں اور اس عجیب وغریب ٹائپ کے "باپ" کے ساتھ رہتی تھی۔ علی بخش نے پہلے تو شرف النساء کے ذریعے اودھ کے کئی امیروں کو بے وقوف بنایا۔ اس کے بعد جب مسز دھیرٹی مرگئی تو کم بخت تھا آخر ذات کا کمینہ ڈوم۔ اس نے ماں کی جگہ بیٹی کو داشتہ بنا لیا۔

جس یوروپین لڑکی کی زندگی والدین کی ناجائز محبت کا نتیجہ ہوا ور جس نے پرورش بھی اس قدر ذلیل وتاریک ماحول میں پائی ہو اس کا کیریکٹر کس قدر بلند ہوگا۔ یہ اندازہ ہر شخص بآسانی کرسکتا ہے۔ چند ماہ کے اندر شاہ نصیرالدین حیدر اس عورت سے برداشتہ خاطر ہوگئے۔ اور ایک دن اسے کسی معمولی خدمت گار سے مصروف اختلاط دیکھ کر محل سے نکلوادیا۔ بہرحال بادشاہ کی ممتوعہ تھی اس کی بسر اوقات کے لئے چھ ہزار روپیہ ماہوار کا وثیقہ مقرر کیا گیا۔

مخدرہ عالیہ محل شاہی سے نکالے جانے کے بعد کچھ دن تو گولہ گنج میں ایک کوٹھی کرایہ پرلے کر رہی اس کے بعد اپنی بڑی بہن شرف اور علی بخش (جو پہلے اس کا باپ اور اب بہنوئی تھا۔) کے پاس چلی آئی۔ مخدرۂ چونکہ محل شاہی سے کافی دولت سمیٹ کر لائی تھی اور اس کا مستقل وثیقہ بھی چھ ہزار روپیہ ماہوار تھا۔ اس لئے دونوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔

جولائی سنہ ، ۱۸۳۷ء میں بادشاہ نصیرالدین حیدر نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور ان کے وفات کے پوری تین سال بعد یہ عورت نہ جانے کس شخص کی گل چینیٔ شباب کے فیض سے حاملہ ہو گئی۔ شرف النسا اور علی بخش گھبرائے۔ کہ اگر اس ناجائز حمل کی خبر کہیں حکومت کو ہو گئی تو اس کا وثیقہ منسوخ کرانے کی کوشش کی جائے گی۔ ۹ نومبر سنہ ۱۸۴۰ء کو اس کا حمل ساقط کرایا گیا۔ دوا اس قدر تیز تھی کہ مخدرۂ عالیہ تین دن تک بے ہوش رہی اور ۱۲ نومبر کو مر گئی۔ بہو اخواہوں نے چاہا کہ اس کی لاش کو شاہی قبرستان میں بادشاہ نصیرالدین کے قریب دفن کیا جا سکے۔ لیکن محمد علی شاہ تاجدار اودھ نے اجازت نہ دی اور اسے علی بخش و شرف النساء کی کوٹھی کے احاطہ میں سپرد خاک کر دیا گیا بعد میں شرف النسا نے جو اپنی بہن کے ترکہ کی وارث قرار پائی تھی قبر کے گرد چار دیواری بنوائی اور ایک چھوٹی مسجد تعمیر کی جو ریزیڈنسی کے احاطہ کے قریب اب بھی موجود ہے۔

مخدرہ عالیہ کی دولت سے علی بخش ڈوم کئی سال تک لکھنؤ اور کان پور میں عیش و آرام کی زندگی بسر کرتا رہا۔ وہ دولت کے ذریعہ حاصل کردہ اثر و رسوخ کی بناء پر رسول پور کا چکلہ دار بھی مقرر ہو گیا۔ لیکن سنہ ۱۸۴۹ء میں اسے ریزیڈنٹ کے حکم سے گرفتار کر کے بادشاہ کے حضور میں پیش کیا۔ جہاں اس پر استحصال بالجبر ڈاکہ زنی اور خیانت کے الزامات میں مقدمے چلائے گئے۔ علی بخش کو قید سخت کی سزا ہوئی اور اس کی دولت و جائداد سے ان لوگوں کے نقصانات کی تلافی کی گئی جن کو علی بخش نے لوٹا تھا جب وقت علی بخش کی محل سرا پر چھاپہ مارا گیا تو اندر سے بے شمار مظلوم لڑکیاں برآمد ہوئیں جن کو علی بخش کے ملازموں نے راستہ میں مسافر والدین سے جبراً چھین کر اپنے آقا کی ہوس رانی کے لئے پیش کیا۔ علی بخش کی گرفتاری کے بعد ریزیڈنٹ کے حکم سے یہ لڑکیاں ان کے والدین تک پہونچائی گئیں۔

انگریزی دور میں مشنری کام

مسٹر جڈسن لیٹسٹ (عیسائی طبقے میں شامل) ہونے کے بعد ہندوستان میں لیٹسٹ فرقہ کی حامیوں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ پرسبی ٹیرین طبقہ سنہ ۱۸۳۳ء میں ہندوستان کے اندر تبلیغ نصرانیت کے لئے آیا۔ سنہ ۱۶۵۶ء میں میتھوڈسٹ فرقہ نے مشنری کام جاری کیا۔ تقریباً سنہ ۱۸۷۷ء تک ہندوستان میں امریکن عیسائیوں کی مشنری چودہ سوسائیٹیاں تبلیغ کا کام انجام دے رہی تھیں سلے تاریخ مختصر کرسچین از جون فلیچر ہرسٹ (۶۱۱)

انگریز مشنریوں کی ہندوستان پر نظر

سنہ ۱۸۱۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے منشور کو تجدید کے لئے برطانوی پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیا۔ اس موقعہ سے فائدہ اٹھانے کے لئے انگلینڈ کی عیسائی انجمن ترقی علوم عیسائیت" نے آرک بشپ کی معرفت ہندوستان میں تبلیغ نصرانیت کی اجازت چاہی جس کی اجازت ان کو حاکمانہ سہولتوں کے ساتھ اب تک نہیں ملی تھی، ان کی خواہش یہ بھی تھی کہ اس دینی فرض کے لئے چیف پریزیڈنسیوں میں ایک ایک بشپ مقرر کیا جائے اس مذہبی تنظیم کی سکیم کی پارلیمنٹ میں کافی ذمہ دار لوگوں نے مخالفت کی، ان کی نظر میں اس سے ہندوستان کے امن و امان میں خلل پڑنے کا قوی اندیشہ تھا اور اس کے خطرہ سمجھتے تھے۔ اس کے باوجود اس مسئلہ پر کافی غور و خوض کرنے اور پارلیمنٹ کے دونوں ہاؤس میں مخالفانہ اور موافقانہ بیانات لینے کے بعد ہاؤس آف کامنز کی کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے انگریزی پادریوں کی نگرانی کرنے کے لئے ایک بشپ اور تین آرک ڈیکن مقرر کئے جائیں تاکہ پہلے پادری ہندوستان میں اپنی تنظیم کا جال پھیلائیں، اس تجویز کو پارلیمنٹ نے ایکٹ کی شکل میں طبع کرا کر مئی سنہ ۱۹۱۴ء میں جاری کیا۔ بشپ کا صدر مقام ایسٹ انڈیا کمپنی کے علاقوں کا کلکتہ مقرر کیا۔ یہ علاقے یورپ کے ان علاقوں سے کہیں زیادہ بڑے تھے جن پر برطانوی شہنشاہیت کا تسلط تھا۔ ان کی وسعت دہلی سے کنھیا کماری اور سندھ سے گنگا کے دھارے تک تھی۔ چار سال کے بعد سیلون بھی ان علاقوں میں شریک کر دیا گیا۔ اور کولمبو میں بادشاہ کی طرف سے (کلکتہ کے بشپ کی جانب سے نہیں) ایک آرک ڈیکن کا تعین ہوا۔ اس کے ایک سال بعد ویلز کا علاقہ بھی اس علاقوں میں شامل کر دیا گیا۔ جب یہ علاقہ بہت وسیع ہو گیا تو ایسٹ انڈیا کمپنی کو منشور میں اضافہ کرانے کی ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ مدراس سنہ ۱۸۳۵ء میں اور بمبئی سنہ ۱۸۳۷ء میں اس مرکز سے علیحدہ ہو گیا ان کی پریزیڈنسیاں علیحدہ بنادی گئیں اور کلکتہ کے مرکز سے ان کا کوئی تعلق نہیں رہا۔ سنہ ۱۹۳۷ء میں کلکتہ کے بشپ کا علاقہ فورٹ ولیم آگرہ اور بنگال کے کھادی کے پورے علاقہ اور کمپنی دوسرے علاقوں تک محدود کر دیا گیا جس سے سیلون کے بشپ کے علاقہ کا کلکتہ کے بشپ کے کوئی تعلق نہیں رہا۔ نیو ساؤتھ ویلز کے علاقہ کی نگرانی کلکتہ سے ہونا ناممکن تھی اس لئے اس کے لئے سنہ ۱۸۳۶ء بھی علیحدگی کا حکم صادر ہوا۔

تنظیمی شورش

جس طرح بتدریج ایسٹ انڈیا کمپنی علاقوں پر قبضہ کرتی چلی گئی اسی رفتار سے کلکتہ کے بشپ کے علاقوں میں اضافہ ہوتا چلا گیا پنجاب آسام، برما جس کا ۳ لاکھ میل مربع سے بھی زیادہ پر مشتمل تھا۔ کلکتہ کے بشپ کے متعلق کر دئے گئے ان علاقوں کی شمولیت نے مجبور کیا کہ ان میں تبلیغ عیسوی کرنے کے لئے نیا عملی نظام قائم ہو۔ چنانچہ پہلے بشپ ڈاکٹر مڈلٹن کو مقرر کئے گئے۔ جو ہندوستان میں نومبر سنہ ۱۹۱۴ء میں وارد ہوئے یہ ایک مشہور قابل ولائق عالم و شاعر اور تجربہ کار منتظم تھے یونیورسٹی

چھوڑنے کے بعد اس نے ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام بائبل میں یونانی آرٹیکل کا استعمال تھا۔ اس کتاب نے اس کو شہرت کے زینہ پر چڑھایا۔ سنہ ۱۹۱۱ء میں اسکو ریکٹر سنٹ پنکراس لنڈن کا مقرر کیا گیا وہیں اس نے تبلیغی کام کا تجربہ حاصل کیا۔ بعد ازاں ایسٹ انڈیا کمپنی سے اسکو ہندوستان میں عیسائیوں کی تنظیم کرنے کا کام دیا گیا۔ آٹھ سال بشپ کی حیثیت سے اس نے تین پریزیڈنسوں کے دورے کئے، وہ آگرہ اور دہلی میں نہیں آیا اس لئے کہ ان علاقوں میں گرجے نہیں تھے اس کے دورے کا کلکتہ پر بہت اثر ہوا۔ سنہ ۱۸۱۵ء میں اس نے سوسائٹی ترقی علوم عیسائیت کی بنیاد ڈالی سنہ ۱۸۱۹ء میں ایک تو ی سکول جاری کیا جو بعد میں سینٹ تھمس کے نام سے ایک تعلیمی ادارہ کی شکل اختیار کر گیا، اسی سال سنگلی ٹامل، مدراس اور سیلون کے پادریوں کے استعمال کے لئے دعاؤں کی کتابیں چھاپی گئیں ۱۸۲۰ء میں اس نے اپنے ہاتھوں سے بشپ کالج کی بنیاد ڈالی جس سے ہندوستان میں مشنری (تبلیغ عیسوی) کے کام میں بڑی مدد ملی۔ ڈاکٹر مڈلٹن نے سنہ ۱۸۲۱ء کے اندر سینٹ جون کے گرجوں میں ایک لیکچر دیا۔ جس میں عیسائیت کی روحانی ترقی اور عیسائیت کے پھیلانے کی سکیموں کے خاکے پیش کئے۔ بشپ مڈلٹن ۸ جولائی سنہ ۱۸۲۲ء میں انتقال کر گئے اس، کا جانشین سب سے پہلا عیسائی شاعر ہیبر نامی مقرر ہوا۔ اس کی شہرت کا باعث اس کی ایک نظم فلسطین ہوئی جو اس نے شیلڈ و نین تھیٹر لنڈن میں سنہ ۱۸۰۳ء میں سنائی جس کا سننے والوں پر انتہائی اثر ہوا، اور مقبولیت عام ہوئی، اس نے بہت سی عیسائی نظمیں لکھیں۔

۲۲ اپریل سنہ ۱۸۲۳ء کو شروب شائر چھوڑ کر جون سنہ ۱۸۲۳ء میں کلکتے کے بشپ مقرر ہوئے۔ چھ ماہ تک کلکتہ میں رہے اس دوران میں انہوں نے ڈم ڈم بستی جہاں عیسائی بسائے تھے تقریریں کیں۔ ۹ اپریل ۱۸۲۴ء میں دورہ پر گئے۔ اس دورہ کا مقصد پادریوں میں ڈسپلن قائم کرنا اور تبلیغی پروگرام کو تیز کرنے اور پادریوں کی اخلاقی حالت کو درست کرنا تھا۔ دہلی میں اس نے بادشاہ سے ملاقات کی اور ایک مجلد بائیبل اور دعاؤں کی کتاب بادشاہ کو دی دہلی سے پہلے الہ آباد، کان پور پہنچے دہلی سے بڑودہ سورت بمبئی پونہ تھانہ، گالے، کولمبو ہوتے ہوئے (مدراس) پہنچے۔ نوآبادیات کے پادریوں اور مشنریوں کی ایک مجلس میں شامل ہوئے، اس میں ان ہندوستانی نوابوں کے لئے جو نئے عیسائی بنائے گئے تھے قوانین بنائے گئے۔ سیلون سے مدراس کے آرڈیکن کے ساتھ مدراس کے گرجوں کا دورہ کیا۔ بشپ ہیبر نے اپنے رپورٹ میں شکایت کی ہے۔ تنجور کو چھوڑ کر باقی سب علاقوں میں مشن کا کام بہت کمزور ہے راجہ تنجور کی مدد کی وجہ سے تبلیغی کام شباب پر ہے۔ بشپ ہیبر کی تندرستی اچھی نہ ہونے کی وجہ سے زندگی نے زیادہ ساتھ نہیں دیا۔ اپریل سنہ ۱۸۲۶ء میں ترچناپلی پہنچے یہاں ان کو مرگی کا دورہ پڑا آخر کلکتہ پہنچنے کے ایک روز بعد مر گئے۔

ان کے بعد دو بشپ ڈاکٹر جیمز اور ڈاکٹر ٹرنر مختصر مدتوں کے لئے آئے۔ ڈاکٹر جیمز نے ۱۷ جنوری سے ۲۱ اگست سنہ ۱۸۲۸ء تک بطور انچارج کے کام کیا، اسی دوران میں تبلیغ عیسوی بائبل کی تقسیم، عیسائیوں کے سکولوں کی درستگی۔ یتیم خانوں اور پبلک اسکولوں کی اصلاح میں بڑی سرگرمی دکھائی لیکن کچھ عرصے بعد پٹنے کا سفر کرتے ہوئے فوت ہو گئے۔ ان کے جانشین بشپ ٹرنر سنہ ۱۸۳۰ء میں انہوں نے بہت سے یتیموں کے سکول قائم کئے۔ آپ ہی خیراتی سوسائٹی کے بانی ہیں۔ اس سوسائٹی کا جو روپیہ آتا ہے اس میں سے ½ ہندوستانیوں میں تبلیغ کرنے کے لئے خرچ کیا جاتا ہے آپ بھی زیادہ دن خدمت نہ کر سکے اور سنہ ۱۸۳۱ء میں فوت ہو گئے ان کی جگہ ڈاکٹر ولسن براجمان ہوئے جنھوں نے سابقہ پادریوں کے مقابلے میں ریکارڈ مات کیا اور ۲۶ برس تک اس جگہ پر مامور رہے کئی مفت سکول جاری کئے پادریوں کی ایک جماعت بنائی اور تبلیغی پروگرام اور مذہبی عروج کے لئے تن دہی سے کام کیا۔ اور ہندوستان کے لوگوں پر پادریوں کا رعب و دبدبہ قائم کرنے میں کامیاب ہوئے۔

ان کے بعد ڈاکٹر کاٹن سنہ ۱۸۵۸ء میں بشپ بنائے گئے۔ یہ ایک بہترین مناظر اور بحث و مباحثہ میں دلچسپی لینے والا بشپ تھا جو اردو میں بہترین تبلیغی تقریر کرتا تھا۔ اس نے تقریروں سے گرجا کے میدان میں مسیحیت کا زبردست پروپگنڈا کیا اور پہاڑی علاقوں

علاقوں میں اسکول قائم کئے دس سال کے بعد سنہ ۱۸۶۸ء میں ندی میں ڈوب کر مرگیا۔

بشپ کاٹن کے بعد بشپ مل میں کلکتہ کے بشپ مقرر ہوئے۔ یہ شخص کئی زبانیں جانتا تھا اور انتہائی محنتی تھا۔ راولپنڈی میں ۱۵ مارچ کو سنہ ۱۸۷۶ء میں فوت ہوا۔ ان کے بعد ڈاکٹر ایڈورڈ رول جونس مقرر ہوئے۔ گرجائیں بنائیں اور عیسائی مذہب میں ہندوستانیوں کو لانے کی کوشش کی۔ کتنے گرجا بنائے اور کتنی ہندوستانی تعداد پر عیسائیت کا اثر پڑا اور پادریوں کی کیا تعداد تھی۔ یہ حسب ذیل نقشے میں دیکھئے۔

سال	پادری	کلکتہ	مدراس	بمبئی	کولمبو	جملہ
۱۸۱۴ سنہ	بڑا پادری	۱۵	۱۲	۵	...	۳۲
۱۸۳۰ سنہ	بڑا پادری	۳۸	۲۸	۱۵	...	۷۶
۱۸۴۵ سنہ	چھوٹا پادری	۵۳	۲۸	۲۲	۵۰	...
”	دوسری پادری	۵۰	۵۱	۱۰	۱۵	۲۳۳
۱۸۷۶ سنہ	چھوٹا پادری	۹۰	۴۰	۳۱	۱۰	...
”	دوسری پادری	۱۵۳	۱۶۰	۲۸	۵۳	۵۶۵

گرجے

سال	گرجے	کلکتہ	مدراس	بمبئی	کولمبو	جملہ
سنہ ۱۸۱۴ء	”	...	...	...	...	۱۰
سنہ ۱۸۳۰ء	”	۱۶	۱۱	۹	...	۳۶
سنہ ۱۸۴۵ء	”	۸۴	۲۴	۱۶	۱۰	۱۳۴
سنہ ۱۸۷۶ء	”	۲۳۳	۴۸	۲۷	۱۳	۱۲۱

ہندوستان کے لارڈ پادری

سال	کلکتہ	سال	مدراس	سال	بمبئی
سنہ ۱۸۱۴ء	ٹی ایف میڈلٹن، ڈی ڈی	سنہ ۱۸۳۵ء	ڈی کرائی ڈی ڈی	سنہ ۱۸۳۶ء	ٹی کار۔ ڈی۔ ڈی
سنہ ۱۸۲۲ء	ایچ ریبر ڈی ڈی	سنہ ۱۸۳۵ء	جے ایف سپنسر ڈی ڈی	سنہ ۱۸۵۱ء	ڈبلیو ہارڈنگ ڈی ڈی
سنہ ۱۸۲۷ء	جے۔ ٹی۔ جیمس ڈی، ڈی	سنہ ۱۸۴۹ء	ٹی ولسٹری، ڈی، ڈی		
سنہ ۱۸۳۲ء	ڈی ولسن، ڈی، ڈی	سنہ ۱۸۶۱ء	ایف گل، ڈی، ڈی		
سنہ ۱۸۵۸ء	جے ای۔ ایل، کوٹن، ڈی ڈی				
سنہ ۱۸۶۷ء	آر ملین، ڈسی ڈی				
سنہ ۱۸۷۶ء	ای۔ آر۔ جونسن ڈی، ڈی				

عیسائیت کی روشنی پھیلانے والی جماعت

یہ جماعت لنڈن میں سنہ ۱۶۹۸ء میں قائم ہوئی۔ اس کا مقصد مذہب عیسائی کی تبلیغ کرنا اور مسیحیت کو ترقی دینا تھا اس جماعت نے سنہ ۱۸۲۵

یں انجیل اور دعاؤں کی ۲ ۶۶۹ ۳ ۶ جلدیں اور ۶۵۹۶۳۱۹ کتابیں اور ٹریکٹ تقسیم کئے اسی سال اس جماعت نے ۵ ہزار پونڈ انگلستان میں گرجا بنانے اور ۳ ہزار پونڈ ٹریننگ اسکول قائم کرنے کے لئے خرچ کئے اور اسی طرح ایک رقم کثیر بیرون یورپ ممالک (ہندوستان وغیرہ) میں عیسائیت کو فروغ دینے کے لئے اٹھائی گئی۔

سنہ ۱۸۷۵ء میں اس جماعت کی آمدنی کتابوں کی فروختگی اور چندوں سے چالیس ہزار پونڈ تھی سنہ ۱۸۷۶ء میں اس سوسائٹی نے پندرہ ہزار پونڈ ہندوستان میں نئے گرجوں اور نئے عیسائی بنانے یعنی تبلیغ عیسوی پر خرچ کیا۔

کلکتہ میں اس جماعت کے ماتحت "کلکتہ کے پادریوں کی جماعت" کے بانی بشپ مڈلٹن نے سنہ ۱۸۱۵ء میں قائم کی جس کے صدر خود بشپ اور نائب صدر کلکتہ کے ارڈیکن تھے۔ دو کمیٹیاں بنگال ورنیکولر اور این ڈبلیو ورنیکولر کمیٹی اسی جماعت کے زیر اثر بنائی گئیں۔ اس سوسائٹی کے زہر پھیلانے کا اندازہ اس کے کام سے ہو سکتا ہے جو اس نے کلکتہ میں انجام دیا۔ سنہ ۱۸۷۲ء میں اس نے اپنے گودام سے ۴۹ ۱۰۳-۱ انجیلیں اور دعاؤں کی کتابوں کی تقسیم کی۔ سنہ ۱۸۷۳ء میں یہ تعداد ۸۱۰۶۵ تک پہونچ گئی مگر سنہ ۱۸۷۴ء میں یہ تعداد ۲۵۲۱۹ کے عدد لکھوانے لگی تھی سنہ ۱۸۷۲ء پادریوں کی کمیٹی کی جانب سے ۶-۱۴-۷۷ سکول ماسٹروں اور پادریوں کو دئے گئے۔ سنہ ۱۸۷۳ء میں ۷-۷-۱۵۰۰ سنہ ۱۸۷۴ء میں ۷-۷-۸۴۰ سنہ ۱۸۷۵ء میں ۰-۰-۶ ۱۶۹۰ اور سنہ ۱۸۷۶ء میں ۹-۱-۲۷۱۴۔

اس سوسائٹیوں اور کمیٹیوں کے فنڈ تمام پر مذہبی کتابوں کے چھاپنے، تبلیغی پروگراموں اور مشرقی زبانوں میں بائیبل چھاپنے اور گرجوں کے قائم کرنے میں خرچ کئے جاتے تھے سنہ ۱۸۷۵ء میں اس سوسائٹی کے ڈپو کی کتابوں کی فروختگی سے ۸-۱۳-۱۲۹۰۰ کی آمدنی ہوئی۔

بیرون یورپ نئے عیسائی بنانے والی جماعت

یہ جماعت سنہ ۱۷۰۱ء میں بادشاہ ولیم سویم کے حکم سے قائم ہوئی جس کا مقصد بیرون یورپ (ہندوستان وغیرہ) میں عیسائیت کی تبلیغ کرنا اور اس کے واسطے فنڈ کی فراہمی اور خرچ کا معقول انتظام، اور دیگر ملکوں میں گرجوں کی تعداد بڑھانا تھی۔ ہندوستان میں اس جماعت کی پادری کمیٹی سنہ ۲۳-۱۸۲۲ء میں قائم ہوئی جس کے بانی و صدر بشپ ھیبر اور اس کے نائب صدر آرک ڈیکن کلکتہ تھے

اس جماعت نے شمالی ہندوستان کے علاقوں میں جو کام کیا ان کی تفصیل یہ ہے۔

سنہ ۱۸۲۵ء میں اس جماعت نے بشپ ھیبر کے مشورے سے بھاگلپور میں پادری کرسچن کو پادری مقرر کیا۔ ڈبلیو مرٹون کو جو سب سے پہلا بنگالی مبلغ (مشنری) تھا۔ جن سراہا کا پادری بنایا اسی سال کانپور پر السیٹ انڈیا کا قبضہ ہوا۔ جہاں کا پادری سنہ ۱۸۳۲ء میں جے کارشو کو بنایا گیا۔ تیز پور اور آسام پر قابض ہونے کے بعد گرجے اور سکولوں کا قیام ہوا۔

اس کے دو سال کے بعد برما میں بھی تبلیغی پروگرام کو وسعت دی گئی۔ سنہ ۱۸۷۲ء میں مشن نے کرن اور رنگون میں گرجے بنائے دہلی میں سنہ ۱۸۵۴ء سے تبلیغی پروگرام کی ابتدا کی۔

غدر کے زمانہ میں پادری اور ان کے دو ساتھیوں کو قتل ہونے پر تبلیغی کام بند کر دیا گیا تھا لیکن امن کے بعد پھر جاری کیا گیا۔ چھوٹا ناگپور میں تبلیغی پروگرام بڑی کامیابی کے ساتھ چلا۔ چنانچہ اس جدوجہد کا حسب ذیل نقشہ ہے۔ جو سنہ ۱۸۷۵ء میں پادریوں کی کوشش سے ہندو اور مسلمانوں کے عیسائی بننے کی شکل میں بنا۔

صفحہ ۴۹ پر ملاحظہ فرمائیے۔

تصدیق نامہ کی منزل عیسائی	غیر شادی شدہ	شادی شدہ	بپتسمہ لینے والے	عشائے ربانی کھانے والے	داخل شدہ عیسائی	عیسائی بننے والے	مسیحی لٹریچر پڑھنے والے	مسیحیت کی تعلیم کے طالب علم	چھوٹے گرجا	گرجا	کارکن	مبلغ	مقامات
۷	۱	۲	۹	[illegible]	۱۲۳	۱۴	۲	۱	۰	۲	۲	۲	آسام (تیزپور)
		۲۶	۶۴	۴۹۲	۱۳۰۸	۷۲	۲۱	۳	۶	۲	۷۵	۲	باری پور، مگراہٹ (بنگال)
۵	۴	۱	۰	۹۵	۱۴۷	۸	۲	۰	۰	۱	۳	۲	کلکتہ کتھیڈرل
۱۳	۴	۴	۳	۵۷	۱۷۷	۲۱	۰	۱	۰	۱	۰	۱	ہندوستانی
۰	۷	۲	۱	۳۰	۱۰۴	۷	۲	۱۱	۱	۹	۹	۱	ہاوڑہ
..	۸۳	۴۳	۱۲۳	۸۶۴	۱۶	۵۸	۱۵	..	۸	۱	۲۴	۳	نالے گنگ
..	..	..	۲	۱۲	۲۸	۱	۰	۰	۰	۱	۱	۱	منڈالے برما
..	۱۳	۱۰	۲۵	۴۱	۳۸۰	۲۵	۰	۵	۰	۱	۸	۲	رنگون
..	..	..	۲	۱۲	۳۵	۱۴	۲۰	۱	۵	۰	۱	۱	ٹیٹ میو
..	۱	۰	۰	۴	۸	۳	۰	۳	۰۰	۰	۱	۰	ٹنگوہ
۱۵۴۸	۶۸	۸۰	۴۶۷	۳۴۰۲	۸۳۸۴	۱۳۸۹	۴۲	۰	۵	۴	۳۴۲	۱۵	چھوٹا ناگپور
۶	۰	۲	۶	۶	۲۲	۹	..	۱	۰	۱	۰	۱	بندا۔ نورتھ۔ ویسٹ صوبہ
۸	۱۲	۶	۶	۳۶	۱۲۰	۲۴	۰	۱	۰	۱	۰	۳	کان پور
۶	۱۵	۱۸	..	۱۱	۱۰۲	۲۱	۰	۰	۰	۰	۰	۱	اسراجور، اور پھناگے
۰	۴	۰	۳۵	۱۳۰	۲۲۳	۴۶	۳۲	۰	۶	۱	۴	۲	دہلی
۱۵۹۴	۲۷۴	۱۹۸	۱۷۳۵	۵۱۱۶	۱۳۰۷۹	۱۷۰۲	۱۱۶	۱۶	۲۶	۱۶	۴۷۱	۳۷	ٹوٹل

اس جماعت نے سنہ ۱۸۷۱ء میں زیادہ عیسائی بنائے بلکہ اس سے قبل زیادہ عیسائی نہیں بنے اس سال سے قبل ہندوستانی عیسائی ۹۹۶۲ تھی وہ سنہ ۱۹۷۱ میں ۱۳۰۷۹ تک پہونچ گئی جاں پہلے ۳۵۶۵ عیسائیت کے امیدوار تھے وہ سنہ ۱۸۷۲ء میں ۵۱۱۶ ہوگئی۔

سنہ ۱۸۷۱ء میں جو عیسائی ہوچکے تھے۔ وہ ۱۰۸۷ تھے۔ چونکہ سنہ ۱۸۷۵ء میں ۱۷۰۲ ہوگئے۔

چرچ مشن سوسائٹی

سنہ ۱۷۹۹ء میں لندن کے اندر اس سوسائٹی کا قیام ہوا، اس کا مقصد افریقہ اور یورپ کے ملکوں میں عیسائیت پھیلانا تھا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد اس نے اپنے حدود میں توسیع کرلی اور افریقہ اور یورپ کے باہر بھی قدم رکھنا شروع کر دیا تھا۔ سنہ ۱۸۰۷ء میں اس سوسائٹی نے ڈھائی پونڈ ہندوستان میں نصرانیت کی تبلیغ کرنے کے لئے بھیجا اور تین پادری براؤن، بکنن (ایسٹ انڈیا کمپنی کے پادری) اور مسٹر اڈنی کو کلکتہ بھیجا، انہوں نے یہ رقم ہندوستان کے مفتوحہ زبانوں میں انجیل کے ترجموں پر خرچ کی۔

کلکتہ میں ہندوستانیوں میں تبلیغ کرنے کے لئے یہ سوسائٹی سنہ ۱۸۱۴ء میں قائم ہوئی سنہ ۱۸۱۵ میں کیدر پور اور ڈم ڈم

میں اپنے اسکول کھولے و راِنڈین مشن کمیٹی سنہ ۱۸۱۶ء میں بنائی گئی جسکے صدر کلکتہ کے بشپ بنائے گئے۔ اور سکرٹری جے ولیبنڈ مقرر ہوئے۔ اسی سوسائٹی کی طرف سے بنگال میں جو پہلے مبلغین (مشنری) آئے، ان میں گرین وڈ اور شروٹر کا نام لیا جاتا ہے جو کلکتہ میں جون سنہ ۱۸۱۶ء میں وارد ہوئے۔ گرین وڈ تعلیمی کام میں مصروف ہوگئے۔ کچھ عرصہ بعد تبت چلے گئے جہاں چار سال بعد فوت ہوگئے۔ سنہ ۱۸۱۹ء میں انگلینڈ سے ایک پریس بھی بھیجا گیا جس کے ذریعہ بیس سال تک مسیحی لٹریچر شائع کیا گیا۔ سنہ ۱۸۲۱ء میں اس سوسائٹی نے اپنا ہیڈ کوارٹر مرزا پور میں قائم کیا، اور یہاں بہت سی اپنی عمارتیں تعمیر کیں ستمبر سنہ ۱۸۲۳ء میں اس سوسائٹی نے چرچ مشنری ایسوسی ایشن قائم کی جس سے سکول اور گرجے قائم کرنے میں بہت مدد ملی سنہ ۱۸۲۴ء میں ہندوستانی عورتوں میں یسوع مسیح کا پروپیگنڈا کرنے اور مسیحیت کی تبلیغ کے واسطے لیڈیز سوسائٹی فور نیٹیو فیمیل ایجوکیشن قائم کی جس کی سرپرست لیڈی ھیسٹنگز مقرر ہوئیں سنہ ۱۹۲۵ء میں عبد المسیح جسے سنہ ۱۸۱۱ء میں عیسائی بنایا گیا تھا اور جس کے بارے میں ابتدائی سوسائٹی کی رپورٹ میں بشپ ھیبر پادری باؤلے وغیرہ نے اس کے کام کی بڑی توصیف کی ہے لکھتا ہے۔

اس کا اسلامی نام شیخ صالح تھا۔ اور دہلی کے سربر آوردہ مسلمانوں میں کرتھا۔ وہ شاہ اودھ کے دربار میں ر. جواہرات کا داروغہ تھا۔ جب وہ کان پور میں تھا تو ہنری مارٹن سربازار منادی کر رہا تھا۔ وعظ کو سن کر مذاہب کی چھان بین کا شوق پیدا ہو گیا اس نے ثابت سے جو ہنری مارٹن کے ساتھ انجیل کا اردو کرتا تھا۔ درخواست کی کہ مجھے اپنا کاتب بنا لو جوں جوں وہ انجیل کے ترجمہ کی کرتا گیا اس کی روحانی پیاس بجھتی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سنہ ۱۸۱۱ء میں پادری ڈیوڈ براؤں کے ہاتھوں اس نے کلکتہ کے پرانے گرجا میں بپتسمہ کیا جب کوری آگرہ میں مقرر ہو گیا تو اس کو اپنے ساتھ چرچ مشنری سوسائٹی کا واعظ بنا کرلے گیا، عبد المسیح ہندوستان میں سی ایم سی کا پہلا کارندہ تھا۔ اس نے آگرہ میں بڑی محنت کی سولہ ماہ کے اندر پچاس ہندو اور مسلمان مسیحیت کے حلقہ بگوش ہوگئے سنہ ۱۸۱۴ء میں اس کی تصویر بھیجی گئی جو چرچ مشن میں اب تک لٹکتی ہے۔ عبد المسیح کے خطوط جو انگلستان باقاعدہ جاتے تھے نہایت دلچسپ تھے۔ سوسائٹی کے احباب ان کو شوق سے پڑھتے تھے۔ عبد المسیح چرچ مشنری سوسائٹی کا پہلا میڈیکل مشنری تھا۔ کیونکہ وہ طبابت جانتا تھا۔ اور دور دور سے لوگ اس کے پاس علاج کے لئے آتے تھے بشپ مڈلٹن نے اس کو قسیس کے عہدے پر مقرر کرنے سے ہندوستانی ہونے کی بناء پر انکار کر دیا تھا لیکن اس کے جانشین بشپ ہیبر کو دیسیوں کے تقرر پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ اور اس نے ۳۰ نومبر سنہ ۱۸۲۵ء کو اس کو خادم الدین کے عہدہ پر سرفراز کیا جو سنہ ۱۸۲۷ء میں ۱۴ سال کی خدمت کے بعد فوت ہوا۔"

بشپ ہیبر کی موت کے بعد سوسائٹی کے کام میں بڑی رکاوٹ پڑ گئی۔

سنہ ۱۸۹۵ء میں اس سوسائٹی کی جانب سے کھڈرل میں مشن کالج قائم کیا گیا۔ جو کلکتہ کے بڑے تعلیمی اداروں میں شمار کیا جاتا ہے بستہ ۱۸۱۶ء میں ضلع بردوان میں بھی تعلیمی کام شروع کیا گیا۔ لیکن یہاں مبلغین (مشنریز) سنہ ۱۸۲۰ء تک نہیں آئے۔ سنہ ۱۸۳۱ء جے جے ویسٹر بوخھ کو یہاں کا انچارج بنایا گیا۔ یہاں عیسائیوں کی ایک آبادی پہلے قائم ہو چکی تھی اب اس ضلع میں کئی اسکول قائم کئے گئے ایک یتیم خانہ بھی کھولا گیا۔ سنہ ۱۸۱۷ء میں دی کوری پادری کو بنارس کا انچارج بنایا۔ اور اسی سال اس سوسائٹی کو جے نرائن سکول کو اپنے نام تبدیل کرانے میں کامیابی حاصل ہوئی یہ سکول ایک بڑے متمول راجہ کے نام پر ہے۔ اس علاقے کے سب سے پہلے پادری سنہ ۱۸۲۱ء میں ٹی مورس تھے۔ یہاں فضا پیدا کرنے والے پادری سمتھ لی لوشر اور دیگر پادری تھے۔ سوسائٹی کے اس علاقہ میں کامیاب اور شاندار اسکول ہیں اور دو عیسائیوں کے گاؤں ہیں دو گرجے ہیں جن کے انچارج ہندوستانی پادری ہیں۔

گورکھپور میں تبلیغی کام سنہ ۱۸۲۳ء میں شروع ہوا اسوقت وہاں سوسائٹی کا ایک بڑا یتیم خانہ اور ایک وسیع عیسائیوں کا گاؤں بھی ہے کرشن نگر میں سوسائٹی کی جانب سے سنہ ۱۸۳۱ء میں پہلا مشن قائم کیا گیا۔ دوسرے سال وہاں پادری ڈیر مقرر ہوئے

یہاں کئی ایسے سکول قائم ہوئے جن میں سے پادری بنکر دورہ پر جاتے تھے۔
سنہ ۱۸۳۱ء میں ہندوستانیوں عیسائیت کی طرف خاص توجہ دی اور اس سال تین مہینہ کے اندر ہی تین ہزار عیسائی بنائے گئے۔ اعظم گڑھ میں سنہ ۱۸۳۱ء میں تبلیغ کے کام کا آغاز ہوا۔ آگرہ کے ضلع میں پادری کری کی طرف سے سنہ ۱۸۱۲ء سے تبلیغی کام جاری تھا۔ ان کے تبلیغی کام میں عبدالمسیح بہت امداد واعانت کرتے تھے جن کو کری صاحب کے جانے کے بعد آگرہ کا انچارج بنایا گیا۔ سنہ ۱۸۳۹ء میں آگرہ کے اندر پادری ہورنل آئے جنہوں نے ایک ہندوستانی عیسائیوں کے لئے ایک گرجا قائم کیا۔ اور بہ عجلت ایک سینٹ جون کالج کی بنیاد رکھی۔ سنہ ۱۸۳۹ء کے قحط کے موقعہ پر مشن کی طرف سے آگرہ کے نزدیک سکندرہ میں ایک بڑا یتیم خانہ کھولا گیا جس کے ساتھ سنہ ۱۸۴۰ء میں ایک پریس بھی لگا دیا گیا۔ سنہ ۱۸۴۲ء میں سکندرہ میں ایک گرجا بنایا گیا۔
یوپی میں کام کی رفتار حسب ذیل رہی اور ضلع کے مرکزوں کا قیام اس طرح پر کیا گیا۔
سنہ ۱۸۵۰ء میں بھاگلپور۔ اور جبلپور میں سنہ ۱۸۵۴ء۔ متھرا میں سنہ ۱۸۵۶ء۔ لکھنؤ میں ۱۸۵۸ء۔ الہ آباد میں سنہ ۱۸۵۹ء۔ فیض آباد میں سنہ ۱۸۶۲ء اور اسی سال دم گڈیم سی پی میں۔ سنہ ۱۸۶۴ء میں علی گڑھ میں مشنری کام شروع کئے گئے۔
سنہ ۱۸۴۳ء میں سوسائٹی نے کوٹ گرہ (ہمالیہ) میں ایک سکول قائم کیا۔ جہاں سے عیسائیت کی تبلیغ ہوتی تھی۔ سنہ ۱۸۵۴ء میں کوٹ لڑکے قریب کانگڑہ میں جب گورنمنٹ کا قبضہ ہوگیا تو مشنری کا جال پھیلایا گیا۔
پنجاب میں سوسائٹی کا کام مختلف ضلعوں میں حسب ذیل سالوں میں شروع کیا گیا۔
امرتسر میں سنہ ۱۸۵۲ء میں۔ ملتان و پشاور میں سنہ ۱۸۵۵ء میں ڈیرہ اسمٰعیل خاں سنہ ۱۸۶۰ء میں۔ سری نگر سنہ ۱۸۶۳ء اور بہت سے مقامات پر ڈاکٹر الس لی اور اس کے جانشین ڈاکٹر میکوں کی طرف سے بڑی تیزی کے ساتھ کام کیا گیا۔
سنہ ۱۸۶۷ء میں لاہور کے اندر عیسائیت کی تبلیغ کے ساتھ ایک اسکول قائم ہوا۔
سنہ ۱۸۶۲ء میں اس سوسائٹی کی جانب سے سنتھال (جنگلی قوموں میں) تبلیغ کے کام کا نیا میدان تجویز کیا اور ان کے ضلعوں میں گرجے اور اسکول قائم ہوئے۔ تال جھاری اس علاقہ کا تبلیغی ہیڈ کوارٹر مقرر ہوا۔
چنانچہ یکم اکتوبر سنہ ۱۸۷۴ء سے ۳۱ دسمبر سنہ ۱۸۷۵ء تک پندرہ ماہ میں اس سوسائٹی نے ہندوستانیوں میں کتنی تعداد میں کس کس مقام پر عیسائی بنائے ان کی تعداد حسب ذیل نقشہ میں ملاحظہ ہو۔

مقامات	عیسائیت کے قریب اشخاص	نو عیسائی	طالب مذہب عیسوی	گرجا میں شامل ہونے والے
ٹرینٹی چرچ کلکتہ۔	۲۰	۳۶۴	۳۰	۱۲۵
کرائسٹ چرچ کلکتہ	۔	۳۸	۳	۲۵
کدھ پور	۲	۱۶۹	۳	۵۱
ٹھاکر پور	۲۳	۲۸۷	۵	۵۸
کسٹو پور	۱۰	۱۵۷	۱	۳۰
اگرپارہ	۲۰	۱۸۸	۰	۴۹
بردوان اینڈ کو	۶	۸۷	۱	۳۵
برنگر اور بن ہوگلی	۵	۲۴	۱	۹
کرشن گھور	۲۷	۱۴۱۴	۰	۱۲۵

مقامات	عیسائیت کے قریب اشخاص	نو عیسائی	طالب مذہب عیسوی	گرجا میں شامل ہونے والے
کپڈیگا	۴۰	۹۰۸	۰	۳۳
بچیرہ	۳۷	۷۵۶	۰	۳۶
رتناپور	۲۵	۹۱۲	۰	۳۶
بھولوپور	۳۵	۱۳۹۱	۰	۸۴
جوگندو	۱۶	۳۵۲	۰	۳۴
سولو	۲۱	۹۲۴	۰	۴۶
پہنا اور رنا گھٹ	۱	۲۳	۰	۸
سنتھالیہ تلجھاری	۱۲۴	۹۴۹	۳۵	۳۹۸
گڈا	۱۴	۱۸۶	۰	۶۰
ہرن پور	۳۸	۱۵۸	۹	۶۷
بھاگلپور	۳۲	۳۰۷	۰	۷۸
بنارس	۲۳	۴۵۶	۰	۱۰۷
چنار	۱	۳۶	۰	۳۸
اعظم گڈھ	۴	۳۵	۱	۱۴
گورکھپور	۴۸	۵۳۱	۴	۱۷۵
الہ آباد	۳۳	۴۸۴	۰	۱۳۵
آگرہ	۱۷	۲۴۵	۰	۷۹
سکندرہ	۱۷	۴۳۹	۴۷	۱۴۲
متھرا	۴	۴۴	۵	۲۱
علی گڈھ	۹	۲۵	۱	۱۳
بلندشہر	۰	۳۲	۰	۲۰
میرٹھ	۱۶	۳۰۴	۰	۱۷۳
اکلا	۱	۳۹	۰	۱۷
ان فائلڈ	۱۵	۳۴۶	۲۳	۱۵۷
جبل پور	۱۳	۱۲۵	۳	۳۰
لکھنؤ	۴۱	۳۴۵	۰	۱۳۷
فیض آباد	۴	۵۵	۳	۲۴
کرئی گھر	۵	۴۸	۰	۲۱
کنگرہ	۲	۶۷	۲	۲۵
امرتسر	۴۰	۲۰۱	۱۸	۸۰

گرجا میں شامل ہونے والے	طالب مذہب عیسوی	نو عیسائی	عیسائیت کے قریب	مقامات
۹۹	۷	۲۹۱	۱۳	لاہور
۱۲	۲	۱۶	۳	ملتان
۳۱	۳	۱۰۸	۹	پشاور
۹	۱	۱۸	۳	ڈیرہ اسمٰعیل خاں
۴	۰	۸	۱	پونہ
۲۹۴۵	۲۱۱	۱۲۹۵۴	۸۲۰	کل

چرچ مشنری سوسائٹی اور شمالی ہندوستانی مشنری کے ماتحت اینگلو ورنیکولر کالج اور اسکول جس قدر ہیں ان کی تعداد سنہ ۱۸۵۷ء میں ۳۶۶ تھی اور یہ سب عیسوی مذہبی سکول کہلاتے تھے اس میں عیسائی استاد ۵۸ تھے اور غیر عیسائی استاد ۲۶۶ کی تعداد میں تھے۔ اس سوسائٹی کے سکرٹری سنہ ۱۸۷۶ کی رپورٹ میں لکھتے ہیں۔

سنہ ۱۸۷۱ء میں سکولوں کے اندر ہندوستانی عیسائیوں کی تعداد ۱۰۳۰ تھی جو کہ سنہ ۱۸۷۵ء میں ۱۳۱۶۴ تک پہونچ گئی ہے۔ پہلے عیسائیت کے امیدوار ۲۲۳ تھے مگر اب ۲۹۴۳ ہیں سنہ ۱۸۷۱ء میں جو لوگ عیسائی بننے کے بالکل قریب پہونچ گئے تھے۔ ان کی تعداد ۶۹۶ تھی، سنہ ۱۸۷۵ء میں ۸۲۰ ہوگئی وہ نوجوان نوعمر عیسائی جو سنہ ۱۸۷۱ میں ۱۸ بنے تھے وہ اب ۱۴۱ کی تعداد میں عیسائی بنے ہیں۔

اگر ہم اپنے اسکولوں میں طالب علموں کی تعداد کا اندازہ لگائیں اور پھر غریب ہندوستانیوں کے ۳۳۵۹۶۹ کے چندے دیکھیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے مشن نے ان پانچ سالوں میں نئے عیسائیوں کی تعداد اور تبلیغ میں نہایت شاندار کامیابی حاصل کی ہے جن کی ہمیں بہت خوشی ہے۔

سنہ ۱۸۷۵ء میں چرچ مشنری سوسائٹی کے پاس مقامی فنڈ کے علاوہ جنرل فنڈ میں ۴۴۲۲۱۴ روپے تھے۔ اس میں انگلینڈ کی سوسائٹی نے ۳۲۲۹۹۴ روپے کی مدد کی تھی۔

(۴) کلکتہ ڈیوسکن ایڈیشنل کلرکی سوسائٹی اس سوسائٹی کو سنہ ۱۸۴۱ میں بشپ ولسن نے قائم کیا اس کے صدر بشپ کلکتہ اور نائب صدر آرک ڈکن اور ڈبلیو اینسلی تھے اس سوسائٹی کی غرض تھی کہ جہاں حکومت پادری نہیں بھیج سکتی تھی وہاں یہ سوسائٹی پادری کا انتظام کرتی تھی۔ اس سوسائٹی کو سنہ ۱۸۷۵ء میں ۵-۹-۵۱۴۲۰ کی آمدنی ہوئی تھی۔

(۵) کلکتہ ڈیوسکن چرچ بلڈنگ فنڈ اس فنڈ کی ابتدا ایسٹ وس نے سنہ ۱۸۳۴ء میں کی جس کے ٹرسٹیوں میں آرک بشپ کلکتہ اور وہاں کے آرک ڈیکن تھے سنہ ۱۹۷۵ میں اس فنڈ سے حسب ذیل گرجوں کو حسب ذیل رقومات کی امداد دی گئی

الہ آباد مشن کو ۱۰۰۰ - استنبول کو ۱۵۰۰ - نینی تال کو ۷۵۰ - جمال پور ۴۰۰ - مقدس لوگوں کی یاد میں جو گرجا کانپور میں بنا اسکو جو گرجا کانپور میں بنا اس کو ۱۵۰۰ - جے پور کو ۱۰۰۰ - ٹونڈلہ کو ۱۰۰ - کل ۱۰۹۰۰

سنہ ۱۸۷۶ء میں سٹیلونگ کو ۱۲۰۰ - بلاسور کو ۴۰۰ - جلپی گوری کو ۴۰۰ اس کے علاوہ اس فنڈ سے ڈیوسز کے علاقہ میں ۱۱۲ گرجوں کی عمارت کی مرمت کرنے کے لئے مدد دی گئی۔

(۶) بائیبل سوسائٹی یہ بائیبل سوسائٹی سنہ ۱۸۰۴ء میں قائم ہوئی جس کی غرض تھی کہ بائیبل چھاپنا اور اس کی تعریف و توضیح

کے لئے کتابیں شایع کرنا۔

(۷) شراب کے خلاف سوسائٹی شراب کے زیادہ استعمال کو کم کرنا اور اس اصول کو منوانے کی کوشش کرنا کہ شراب نہیں پینی چاہیئے۔ خواہ ماننے والا شراب پیتا ہو، اس سوسائٹی کی شاخیں بمبئی احمدآباد، نیا گاؤں۔ مدراس رنگون، سیالکوٹ، الہ آباد، فتح گڈھ، جبل پور وغیرہ میں تھیں۔

(۸) مذہبی کتابیں شایع کرنیوالی سوسائٹی یہ جماعت سنہ ۱۸۶۲ء میں عیسائیت کے پروپیگنڈا کرنے اور ان کی مذہبی کتابیں شایع کرنے کے لئے قائم کی گئی۔ اس کے صدر میجر جنرل ٹیکلی گن تھے۔

(۹) ڈیوسکن بیرچ گوائلڈ (۱) سنت پال کھتڈرل مشن گوائڈل، اس کے ۱۹ ممبر ہیں اور سکرزی ولٹن ڈی، ریڈ مہر (۲) سنت جونسن گوائلڈ ۱۹ مارچ سنہ ۱۸۷۵ء میں بنایا گیا اس کا صدر سنٹ جونسن کا سنر پادری تھا۔

(۱۰) دی گوائلڈ آف ہولی سٹینڈرڈ اس کے سرپرست علیلی مسیح ہیں اور اس سوسائٹی کا مقصد فوج میں مذہب کی تبلیغ کرنا اور سپاہیوں کے اندر گرجا اور خدا کا خوف پیدا کرنا اور جو عیسائیت کو چھوڑ کر کوئی اور دوسرا مذہب اختیار کرلیتے تھے انہیں رجوع کرانے کے لئے کوشش کرنا۔ اور ان کے اندر عیسائیت کی محبت پیدا کرنا اور سپاہیانہ خودداری کے جذبات کو ابھارنا تھا۔ سمجھانا بجھانا سپاہی کو زیب نہیں دیتا، کہ وہ گھڑی گھڑی اپنے خیالات بدلے اور مذہب کے تبدیل کرنے کا مجرم بنے۔ یہ سوسائٹی بہارن نام کی جماعت سے متعلق ہے جس کا نام فلسطین کے بادشاہ کے نام پر رکھا گیا ہے۔ اس بادشاہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کو ایک رات الہام ہوا اور آسمان کے اندر صلیب کا نشان دکھائی دیا جس میں لکھا تھا "ان وس کنکر" اس سے فتح کرو۔ اس خواب کے بعد بادشاہ کو جس قدر فتحیابی اور کامرانیاں ہوئیں اسی جھنڈے کی بدولت ہوئیں۔ یہ سوسائٹی سنہ ۱۸۷۳ء میں ہندوستان میں قائم ہوئی۔ چھاؤنیوں میں اس کی شاخیں ہیں۔ کلکتہ کے سنٹ پال دیوسنر کے وارڈ میں "۱۶۴" عیسائی پچھلے سال سے زیادہ درج ہیں۔ اس کی پندرہ شاخیں ہیں جن میں حسب ذیل لوگ عیسائی بنائے گئے ہیں۔

آگرہ میں ۳۲۔ بارک پور میں ۹۔ کان پور میں ۵۔ ڈلہوزی میں ۶۔ دیناپور میں ۷، فیروز پور میں ۲۷۔ فورٹ ولیم میں ۲۳ — فیض آباد میں ۵۔ لکھنؤ میں ۴۳۔ نیا گاؤں میں ۳۔ پشاور میں ۱۶۔ رنگون میں ۴۱، سبھاتو ۴۱۔ سیالکوٹ ۷ اور بھیٹ مالیو میں ۱۵ کو نصرانیت کے دائرہ میں داخل کیا گیا۔

پادریوں کی رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ بہت سے وہ سپاہی جو ڈھل مل یقین ہوتے ہیں، وہ اس سوسائٹی کی کوششوں سے مضبوط اور پرجوش بن جاتے ہیں، اور ان میں سپاہیانہ شان ٹپکنے لگتی ہے۔ موقعہ بموقعہ ان لوگوں کو پادری کی طرف سے مدد ملتی ہے اس سوسائٹی کا ہیڈ کوارٹر فورٹ ولیم کلکتہ اور فیروزپور رہے۔

(۱۱) جماعت انسداد بیرحمی حیوانات اس کے سرپرست ہزایکسیلنسی لارڈ لائیٹن وائسرائے ہند تھے اور کلکتہ کا لبشپ ہے (۱۲) کلکتہ کے مزدور ملاحوں کی کلب۔

(۱۳) کلکتہ کے ہسپتالوں کی نرسوں کا ادارہ اس کا مقصد یہ ہے کہ بڑے بڑے ہسپتالوں میں نرسوں سے خدمت کرانے کے لئے ان کو تیار کرنا اور جس جس ہسپتال میں نرسوں کی ضرورت ہو ان میں نرس تیار کرکے بھیجنا۔

(۱۴) کلیریکل لائبریریاں کھتڈرل لائبریری لبشپ ولسن نے بنائی اور لبشپ کالج لائبریری لبشپ مڑلس نے سنہ ۱۸۲۰ء میں قائم کی اس لائبریری مختلف زبانوں کی تین کتابیں ہیں۔

(۱۵) بیگم سمرو کلرجی ٹرسٹ اس ٹرسٹ سے پادریوں کو مدد دی جاتی تھی اور ان مذہبی جماعتوں کو مدد دی جاتی

تھی جو حکومت سے تعلق نہیں رکھتی تھیں، اس فنڈ کا دوسرا حصہ غریب عیسائی اچھے خاندان کے مستحق عیسائی اور غربت کی وجہ سے تعلیم سے محروم رہنے والے بچوں کو تعلیم حاصل کرانے پر خرچ کیا جاتا تھا۔

(۱۶) **نبٹلے بیکوسٹ ٹرسٹ** | اس ٹرسٹ سے ان عیسائی غرباکو بارہ روپے ماہوار تک کی مدد دی جاتی ہے جو تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں اس کی سود کی آمدنی دو گرجوں کے ٹرسٹیوں کو ملتی ہے۔ اس کے ٹرسٹی کلکتہ کے لشپ اور آرڈیکن ہیں۔

(۱۷) **امدنا پورشن فنڈ** (۱۸) **ڈھاکہ پادری فنڈ** | گرجوں کی مرمت وصفائی اور چھوٹے پادریوں کے گرجے کے چھوٹے ملازموں کو اس فنڈ سے مدد دی جاتی ہے۔ یہ فنڈ ڈھاکے ایک رئیس مسٹر جون ہولو نے وقف کیا ہے۔

(۱۸) **ویٹ برحیٹ میموریل ٹرسٹ** | یہ روپیہ ان لوگوں کو دیا جاتا ہے جو بنگالی زبان میں مذہبی عمدہ قسم کے گانے بنائیں جو عوام کو پسند ہوں اور ان کے لئے باعث کشش ہوں۔ یہ ٹرسٹ ایک بردوان کے مشنری مسٹر جے، اے ویٹ برتھ کی جائداد ہے۔

(۱۹) **دہلی مشن فنڈ** | یہ دہلی کے اندر تبلیغی کام میں صرف ہوتا ہے۔

(۲۰) **کھتیڈرل مشن فنڈ** | یہ فنڈ گرجوں کے آس پاس عیسائیوں کے جو مکانات ہیں ان کی خدمت کے اور مرمت کے لئے اور اسکول ماسٹر اور اسسٹنٹوں کی امداد میں خرچ کیا جاتا ہے۔

(۲۱) **اے نیٹو پاسٹورنٹ فنڈ** | بشپ ولس کی یادگار میں سنہ ۱۸۵۸ء میں قائم ہوا۔

(۲۲) **الہ آباد بلھاری پٹنا نگ نیٹو پاسٹوریٹ فنڈ** | تینوں فنڈ عیسائیوں کی مدد کے لئے تھے اس فنڈ کے سود سے امداد دی جاتی تھی۔

(۲۳) **ونٹ ایڈومن فنڈ** | چالیس ہزار روپیہ کی رقم مسٹر ولیم ونٹ (جو کہ سول سروس بنگال میں ملازم تھے) دی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ دیسی عیسائی اور دیسی زبانوں میں عیسائیت کی تبلیغ میں خرچ کیا جائے۔

(۲۴) **ایلرٹون اینڈ ومنٹ فنڈ** | کلکتہ کا آرڈیکن اس کے ٹرسٹی تھے مسٹر ایلرٹون نے کلکتہ کی زندگی میں عورتوں کے اندر عیسائیت کی تبلیغ کے لئے بہت کوشش کی تھی یہ فنڈ بھی عیسائی یتیم بچوں اور عیسائی عورتوں کی مدد کیلئے تھا یا بیمار اپاہج لوگوں کیلئے

(۲۵) **بائیبل کے ترجمہ کا فنڈ** | یہ فنڈ کالجوں اور سوسائیٹیوں کو انگریزی اور غیر ملکی زبانوں میں بائیبل کے ترجمے کرانے کے لئے صرف کیا جاتا ہے۔ اس فنڈ کے ٹرسٹی بشپ کالج کی کونسل ہے۔

(۲۶) **کروان اور کے فنڈ** | پادری ایچ کروان جو کلکتہ کے پادری تھے انہوں نے ایک رقم خیرات کی اس کے بعد ڈاکٹر کے پرنسپل بشپ کالج نے ایک عطیہ دیا، ان دونوں رقموں کے سود کو لشپ کالج کے آس پاس کے گرجوں کے غریب دیسی پادریوں پر خرچ کیا جاتا ہے۔

(۲۷) **صیبر ایگزبیشن** | بشپ صیبر کی یاد میں یہ ٹرسٹ قائم کیا گیا ہے۔ اور اس کا مقصد ان طلباء کی امداد کرنا ہے جو لشپ کالج میں پادری بن کر تبلیغ کرنے کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔

(۲۸) **ڈسٹرکٹ چیریٹیبل سوسائٹی** | سرپرست لارڈ لشپ کلکتہ تھے اس کا مقصد کلکتہ کے غریب عیسائیوں کی امداد کرنا اور مالی مدد دے کر عیسائیت کی طرف مائل کرنا۔ اس کی کونسل میں جج ہائی کورٹ اور کلکٹر وغیرہ شامل تھے۔

(۲۹) **لیڈی ولیم فنڈ** | سنہ ۱۸۳۵ء میں فنڈ قائم ہوا۔

(۳۰) دوارکا ناتھ ٹیگور فنڈ (۳۱) لبسٹ مسٹر انگلش چیریٹی

غریب اندھوں کے لئے سنہ ۱۸۴۰ میں و ۱۸۵۴ء میں ان محتاجوں کے لئے جو روزی نہیں کما سکتے ان دونو فنڈ سے پانچ روپے ماہوار سے زیادہ نہیں دیا جاتا تھا۔

(۳۲) پرنس زہرالدین چیریٹی

یہ فنڈ بلا فرقہ و مذہب کی تمیز کے غریبوں کو تقسیم کیا جاتا تھا۔ پانچ روپے ماہوار سے زیادہ نہیں ملتا تھا سنہ ۱۸۵۶ء میں قائم ہوا تھا۔ کلکتہ کے لشپ اور آرڈیکن کلکتہ اس کے ٹرسٹی تھے۔

کیتھولک مشنری

مذکورہ سوسائیٹیوں کا تعلق پروٹسٹنٹ فرقہ سے ہے دوسرا پرانا اور بڑا فرقہ رومن کیتھولک کا ہے جس کی مشہور و معروف اور قدیم ترین سوسائٹی "اے ملیشن اسٹریجے" نے ہی ہندوستان میں سنہ ۱۶۷۲ میں پہلا قدم رکھا۔

اس کے علاوہ رومن کیتھولک کی حسب ذیل مشن سوسائیٹیوں نے ہندوستان میں مسیحیت کی تبلیغ کی اور سابقہ جماعتوں کی نقش قدم پر چلیں۔

(۲) **میلان بنیری فور فورن مشن**۔ سنہ ۱۸۵۰ میں قائم ہوا۔ ہندوستان میں اس کا عملی میدان ۔حیدرآباد اور کشن گڑھ بنا۔

(۳) **مل ہل سوسائٹی**:۔ سنہ ۱۸۶۶ میں بنی۔ اس کا حلقہ عمل پنجاب کشمیر، لداخ ۔تبل گوئے تھا۔

(۴) **جے سوٹس مشن**:۔ اس کی جد وجہد کا دائرہ ۔بمبئی۔ پونہ۔ کلکتہ، مادورہ منگلور، ترچناپلی تھا۔

(۵) **فرانسیسی کن مشن**:۔ یہ فرانسیسی سوسائٹی تھی ۔آگرہ۔ لاہور۔ الہ آباد میں اس نے کام کیا۔

(۶) **کرجے لائٹ مشن**:۔ دیرا پولی۔ کلون میں عیسائیت کا پرچار کیا۔

رومن کیتھولک فرقہ ہندوستان میں کس تعداد مشنری پادری وسکول، امدادی سوسائیٹیوں اور گرجوں کے ساتھ عیسائیت کی داغ بیل ڈالنے میں مستغرق تھی۔ اس کی تعداد فرقہ پروٹسٹنٹ کے اداروں پادریوں وغیرہ سے زیادہ ہے انسائیکلوپیڈیا برٹنیکا (۲) ۳ جلد ص ۲۷۶ کی تحقیق ملاحظہ ہو

تبلیغی کام کے حلقے ۳۵ - گرجے ۴۷۵۶ - پادری یوربین ۸۲۶ - غیر یوربین پادری ۱۵۵۰ - سکول ۲۵۶۲ - خیراتی سوسائٹیاں ۱۶۲ -

ان دو فرقوں کے علاوہ پرسبیٹرین ۔بپٹسٹ ۔لنثورینس بھی فرقوں نے ہندوستان کے مختلف مقامات پر مرکز قائم کر رکھے تھے۔ چنانچہ پرسبٹیرین کے فرخ آباد فتحپور، مین پوری اور الہ آباد میں ہیڈ کوارٹر ہیں۔

پادریوں کی تعداد

فرقہ پروٹسٹنٹ کے یوربین پادری سنہ ۱۸۷۵ میں کل ۶۰۱ اور صرف مدراس میں ۲۰۲ بتائے جاتے اسی طرح کیتھولک فرقہ کے یوربین پادریوں کی تعداد ۸۲۶ بیان کی جاتی ہے۔ علاوہ دیگر چھوٹی سوسائیٹیوں کے۔ اگر ان سوسائیٹیوں کے بھی کم از کم ۷۵ پادری شمار کئے جائیں تو پندرہ سو کی تعداد بنتی ہے۔ چنانچہ اس تعداد کی بہت احتیاط کے ساتھ ہندوستان کے اس دور کا اخبار نور الانوار نمبر ۳۴ جلد ۲۰ مطبوعہ ۲۳ راگست ۱۸۹۵ء تائید کرتے ہوئے مزید قوت کا بھی تذکرہ کرتا ہے۔

پادریوں کی مکتی فوج

ہندوستان میں ۱۵ سو ولایتی پادری صاحبان کی تعداد ہے جو اپنے کام میں مصروف ہیں۔ جو لوگوں کو عیسائی بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں مکتی فوج کے ایسے دستے ہیں جن کا کام یہی ہے اب دیسی پادریوں اور مشنریوں کو قیاس کرنا چاہئے کہ کس قدر ہوں گے۔ کیونکہ دیسی مشنری اور پادری ایک ایک ولایتی پادری کے ماتحتی کام کرتے ہیں۔

پادریوں کی تنخواہ

ہندوستان میں پادری ایک نواب کی طرح ٹھاٹ سے زندگی گزارتے تھے۔ وہ یسوع مسیح کی خدمت کے قابل اس وقت بنتے تھے جب ان کو ایک رقم کثیر دی جاتی تھی۔ ان کو کام کرنے کا صلہ معمولی نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ ان کی تنخواہ ایک چیف کمشنر کی تنخواہ کے برابر ہوتی تھی۔ وہ روپیہ پانی کی طرح بہاتے تھے۔ ہر قدم، ہر حرکت پر ان کو بے حساب

..... روپیہ ملتا تھا ان کی ماہوار آمدنی کا اوسط یہ تھا۔

ایک آرڈیکن	(لارڈ پادری)	دو ہزار روپے ماہوار
سینیر چیپلن	(بڑا پادری)	ایک ہزار روپے ماہوار۔
جونیر چیپلن	چھوٹا پادری	پانچ سو روپے ماہوار

اگر کسی پادری کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہو جائے تو پیدا ہوتے ہی ۱۵۶ روپے ماہوار
اگر لڑکی پیدا ہو تو پیدا ہوتے ہی ۲۵۰ روپے ماہوار

سفر الاؤنس گرجی مین (پادری) فی میل پیدل آٹھ آنہ اور ریل کے ذریعہ ایک میل تین آنہ الاؤنس کا حقدار سمجھا جاتا تھا۔ چیپلن کو بارہ آنہ پیدل، اور ۳ آنہ ریل فی میل ملتا تھا بعض ضلعوں کے پادریوں کے لئے مستقل الاؤنس بچاس روپے ماہوار مخصوص کر دیا گیا تھا۔

اگر سمندر کے ذریعہ پادری سفر کرتا تھا تو جہاز کا پہلے درجہ کا ٹکٹ ملتا تھا اور نوکر ساتھ جاتے۔ جتنے دن جہاز میں سفر کرتے تین روپے روز کھانے کا الاؤنس دیا جاتا تھا۔ پادری کی بیوی کے لئے ۸ فی میل پیدل اور ۳ آنہ ریل فی میل خرچ دیا جاتا تھا۔ بارہ سال سے زیادہ کے بچے پبلک کام کے لئے سفر کرتے تو ۴ آنہ فی میل پیدل۔ یا ریل سے جاتے تو فی میل ۳ الاؤنس دیا جاتا تھا۔

بارہ سال تک کے بچے کو ڈاک ۲ آنہ ۱۰ اور پیدل ۹ پائی الاؤنس ملتا تھا [۱]

گویا اگر کسی پادری کے ایک بیوی ایک لڑکا اور دو لڑکی ہوتے تو سفر کرنے کی صورت میں پونے دو ہزار روپے کی رقم کے حقدار سمجھے جاتے تھے اور ان کو یہ رقم دی جاتی تھی۔

تنخواہ ماہوار سینیر چیپلن	۱۰۰۰
الاؤنس ماہوار ایک لڑکا	۱۵۶
” دو لڑکی	۵۰۰
ماہوار سفر چیپلن بیوی اور بچے	۱۶۵۶

مشنری سکول :۔ حسب ذیل سکول تمامتر مشنری سوسائیٹوں کے ماتحت ہیں۔

کلکتہ فری سکول سنہ ۱۷۵۷ء میں میر جعفر سے کلکتہ کی لوٹ کے عوض جو جرمانہ وصول کیا گیا تھا اس سے یہ مدرسہ قائم کیا گیا۔ اس کا بندوبست گورنر کے ماتحت تھا جس میں سینٹ جون کلکتہ، دو گورنمنٹ کے نمائندے اور چندہ دینے والوں کے باقی نمائندے شامل تھے۔ اس ادارہ آنریری سکریٹری پادری ایس بی ٹیلر ایم اے تھے۔ اور ہیڈ ماسٹر اور سپرنٹنڈنٹ مسٹر ایل ڈبلیو گز تھے اس کا لڑکیوں کا اسکول ایک عورتوں کی کمیٹی کے ماتحت تھا۔ ہیڈ مسٹرس مس کی ناظر۔ اس اسکول میں ۱۸۰ لڑکے اور ۹۰ لڑکیاں شروع میں داخل ہوئیں۔

ان سکولوں میں پانچ سال سے دس سال تک کی لڑکیاں اور لڑکے داخل کئے جاتے تھے۔ مذہب کی کوئی قید نہیں تھی۔ ہر مذہب کا بچہ داخل کیا جاتا تھا۔ یہ سکول چرچ آف انگلینڈ فاؤنڈیشن سوسائٹی کے اہتمام سے چلتا ہے ان کی پالیسی کا مکمل طور پر دخل ہے اس کے طالب علموں کو لازمی ہے کہ اس کی عیسوی مذہب کی دعاؤں میں شامل ہو۔ اس کو دُہرائیں اور بائبل کی تعلیم بھی لازمی طور پر حاصل کریں۔

بشپ کالج اس کالج کو سنہ ۱۸۱۹ء میں بشپ مڈلٹن نے قائم کیا جس کا مقصد نوجوان طالب علموں میں مشنری کام پھیلانا اور ساتھ ہی مشنری کام کے لئے سکول ماسٹر ٹیچر تیار کرنا ہے اس کے ہر طالب علم کو قسم کھانی پڑتی تھی کہ وہ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد مشنری کاموں میں ضرور حصہ لے گا اور اس کے عوض اس کو یہ سکول خرچ دیگا۔ اس کے پرنسپل جے ڈبلیو تھے۔ ماسٹر و یکنٹ فیلو۔ ویکنٹ بالو

---

[۱] کلکتہ ڈیکنز کلینڈر اینڈ ڈائرکٹری سنہ ۱۸۷۷ء ص ۳۴۳ [۲] کلکتہ ڈیکنز کلینڈر اینڈ ڈائرکٹری سنہ ۱۸۷۷ء ص ۱۱۹۔

حیرلال ہیڈ ماسٹر بابو سریہ چرپال تھے۔

کلکتہ نورمل سکول زنانہ مشن
اس کے سرپرست کلکتہ کے بشپ تھے اور سکرٹری اور خزانچی مسٹر ای ایف ہریسن تھے۔ سنہ ۱۸۷۶ میں ۳۷۳ لڑکیاں تھیں اس اسکول کا مقصد عیسائیت کا پیغام ہندوستان کی عورتوں کے گھر گھر تک پہونچانا تھا۔ نارمل سکول کے طالب علموں کو تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد عورتوں میں کام کرنے کے لئے تیار کیا جاتا تھا۔ تاکہ وہ بعد میں عورتوں کے اندر عیسائیت کا پیغام پہنچائیں۔ اس سکول کی ماسٹر عورتیں سکول کے وقت کے علاوہ دیگر اوقات میں کلکتہ کی ہندو عورتوں میں جاتی تھیں اور عیسائیت کا پروپیگنڈا کرتی تھیں۔

بمبئی ایجوکیشنل سوسائٹی سکول
سنہ ۱۸۱۵ء میں قائم ہوا جس کا مقصد بچوں کو عیسائیت کے اصولوں کی تعلیم دینا، اور سوسائٹی کا لائق ممبر بنانا ہے اس کے طالب علم یتیم یا فوجیوں کے ناجائز بچے ہوتے ہیں اس اسکول کے دو حصے ہیں ایک لڑکوں کا اور دوسرا لڑکیوں کا۔ شروع میں دو سو لڑکے اور ۱۵۰ لڑکیاں اس میں داخل تھیں۔ اس کے تمام طالب علموں کے لئے لازم تھا کہ عیسائیوں کی دعاؤں میں شامل ہو اور اس کو دُھرائیں۔ گورنمنٹ اس اسکول کو ۴۰۴ روپے ماہوار کی مدد دیتی ہے یہ سکول بمبئی ایجوکیشنل سوسائٹی کے ماتحت ہے۔

سینٹ جیمس سکول کلکتہ
سنہ ۱۸۱۸ء میں قائم ہوا، اس کا انتظام بشپ کلکتہ کی بنائی ہوئی کمیٹی کے ماتحت تھا۔ اس کمیٹی کے صدر جھولو آنریری سکرٹری۔ ایف آر۔ بوائنگ تھے یہ سکول چرچ آف انگلینڈ کے پرنسپل کی مذہبی ہدایتوں کے ماتحت چلتا تھا۔

بنارس جے نرائن کالج
اس ڈی سکول کو سنہ ۱۸۱۸ء میں عیسائیوں نے اپنے نام تبدیل کر لیا تھا جے نرائن ایک متمول راجہ تھا۔ جس نے اس اسکول کو قائم کیا تھا بعد میں چرچ سوسائٹی کے اہتمام میں یہ سکول چلنے لگا تھا۔

دارجلنگ سنٹ پال سکول
کلکتہ میں سنہ ۱۸۴۸ء کے اندر قائم ہوا، اور سنہ ۱۸۶۴ء میں دارجلنگ تبدیل کر دیا گیا اور کلکتہ یونیورسٹی سے متعلق کر دیا گیا۔ بسناور (کسولی) سنہ ۱۸۴۷ء میں لارڈ لارنس نے یتیموں اور فوجیوں کے ناجائز بچوں کی پرورش کے لئے جاری کیا۔ یہ سنہ ۱۸۵۷ء میں گورنمنٹ کا ادارہ بن گیا۔

آگرہ سینٹ جونسن کالج
سنہ ۱۸۵۰ء میں قائم ہوا جو چرچ مشن سوسائٹی کی ماتحت ہے سنہ ۱۸۶۱ء میں کلکتہ یونیورسٹی سے متعلق کیا گیا اور دونوں پروفیسر پادری ہیں۔

پریزیڈنسی کالج
سنہ ۱۸۵۵ء میں قائم ہوا۔ دہلی سینٹ سٹیفن ہائی سکول سنہ ۱۸۵۷ء میں قائم ہوا جس کا تعلق سرول یورپ نئے عیسائی بنانے والی جماعت سے ہے اس کا پرنسپل پادری تھا۔ شملہ بشپ کاٹن سکول کی سنہ ۱۸۵۷ء میں ابتدا ہوئی اور پڑھائی ۱۶ مارچ سنہ ۱۸۶۳ء سے شروع کی گئی۔

کدار پور سینٹ اسٹیفن سکول
سنہ ۱۸۵۹ء میں قائم ہوا۔ اس کے سپرنٹنڈنٹ کدار پور کے پادری تھے۔ لاہور ہائی سکول خوربوائز سنہ ۱۸۶۲ء میں بنا۔ سابقہ گورنر نے اس کے انتظام کے لئے ایک کمیٹی مقرر کر دی تھی الہ آباد بوائے ہائی اسکول سنہ ۱۸۷۰ء میں بشپ کے ماتحت کیا گیا۔ لاہور سینٹ جونس ڈیوینیٹی سکول سنہ ۱۸۷۰ء میں قائم ہوا اس کے پرنسپل پادری ڈبلیو ہوپر تھے۔

لاہور سینٹ جونس ڈیوینٹی سکول
سنہ ۱۸۷۰ء میں قائم ہوا۔ اس کے پرنسپل پادری ڈبلیو ہوپر تھے۔

ہندوستان میں لٹریری تبلیغ کی سعی
جوں ہی ہندوستان میں پادریوں نے قدم رکھا ان کو عیسائیت کے پروپیگنڈہ کی فکر ہوئی انہوں نے ہندوستانی زبانوں کو جاننے اور ان میں نصرانی لٹریچر تقسیم کرنے

کے لئے اردو زبان کی واقفیت کو ضروری سمجھا چنانچہ ایک عیسائی جان جوشوا کٹیلر نے جو غالباً ہالینڈ کا باشندہ (ڈچ) تھا اردو کی پہلی گرامر لکھی۔

اردو گرامر

یہ عیسائی سنہ ۱۷۱۱ء میں ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کا ڈائرکٹر مقرر ہوا۔ تین سال سورت میں شاہ عالم سنہ ۱۷۰۸ء اور جہاندار شاہ سنہ ۱۷۱۲ء کے دربار میں بھی ڈچ سفیر کے طور پر حاضر ہوا۔ لاہور، دہلی، آگرہ کی سیر کی، اس زمانہ میں آگرہ میں ڈچ تاجروں کا ایک کارخانہ سورت کے ماتحت تھا۔ اس شخص نے صرف و نحو اردو کے نام سے اردو زبان کی گرامر غالباً سنہ ۱۷۱۵ء میں لکھی جس کو ڈیوڈ مل نے سنہ ۱۷۴۳ء میں شایع کیا یہ کتاب لاطینی زبان میں ہے۔ ہندوستانی الفاظ اور عبارتیں رومن حروف میں ہیں۔ اس کتاب میں حضرت عیسیٰؑ کی مشہور دعا کا اردو ترجمہ بھی درج ہے اس کو بھی بطور نمونہ لکھا جاتا ہے۔

" ہمارے باپ کہ وہ آسمان میں ہے پاک ہوئے تیرے نام۔ آوے ہم کون ملک تیرا۔ ہوئے رار؟ تیرا جوں آسماں تو جس میں روٹی ہمارے نتھی۔ ہم کو آس دے اور معاف کر تقصیر اپنی ہم کو۔

اس کے بعد پادری بنجمن شلٹز نے لاطن زبان میں اردو کے قواعد گرامر) لکھی جو سنہ ۱۷۴۴ء میں طبع ہوئی اس کے بعد یہ گرامر لکھی گئی۔

(۳) ھیڈلے نے سنہ ۱۷۷۲ء میں اردو گرامر صرف و نحو لکھی۔

(۴) پرتگالی زبان میں ایک اردو کی قواعد سنہ ۱۷۷۸ء میں گریمیٹیکا اندوستانا کے نام سے شایع ہوئی۔

(۵) ڈف نے قیام ہندوستان کے زمانہ میں ایک گرامر اردو کی لکھی اور لنڈن میں شایع کی۔ یہ شخص سنہ ۱۷۸۵ء میں ہندوستان آیا۔

(۶) کتاب روبک نے ایک اور کتاب ترجمان اردو کے نام سے لکھی جس میں زبان اردو کے قواعد درج ہیں۔ یہ پہلی بار لنڈن سنہ ۱۸۲۴ میں چھپی اور سنہ ۱۸۴۱ء میں لندن و پیرس میں شایع ہوئی۔

(۷) جیمس آر بالنٹن نے ہندوستانی گرامر لکھی مطبوعہ سنہ ۱۸۴۲ء۔

(۸) ریونڈر جی اسمال نے ہندوستانی گرامر مرتب کی مطبوعہ لندن سنہ ۱۸۴۷ء۔

حروف ہجی پر سب سے پہلے ہل نے سنہ ۱۷۴۴ء میں ایک مختصر کتاب تصنیف کی۔

اردو لغت

جی اے فرنز نے سنہ ۱۷۴۸ء میں ایک کتاب لکھی جس میں اردو کے حروف ہجی کا دیگر ممالک کے حروف سے مقابلہ کیا۔ ملک اٹلی کے ایک پادری کیسیانو بیلی گانی نے سنہ ۱۷۶۱ء میں حروف ہجی پر ایک رسالہ الفابیم برھمانکم کے نام سے لکھا۔

اسی دور میں ڈکشنری (لغات تیار کی گئی، اس میں بھی پہل ایک عیسائی مشنری ایم ٹی ہیس نے کی۔ ۱۷۰۴ء میں اردو لغات مرتب کی پھر سنہ ۱۷۷۳ء میں فری گس نے اردو انگریزی لغت لکھی۔ پھر ڈاکٹر جان گل کرائسٹ نے سنہ ۱۷۹۳ء یزی ہندوستانی ڈکشنری مرتب کی، اس کے بعد اہل یورپ نے کثرت سے اردو لغت لکھے جس میں یہ کتابیں ممتاز ہیں۔

(۱) کپتان جوزف ٹیلر نے اردو انگریزی لغت لکھی جس میں ڈاکٹر ولیم ہنٹر بھی شریک کار رہے۔ پہلی بار سنہ ۱۸۰۸ء میں کلکتہ سے پھر سنہ ۱۸۲۰ء ولیم کارمیکائل اسمتھ نے اس پر نظر ثانی کر کے مختصر ایڈیشن شائع کیا۔

(۲) گلڈون نے فارسی اردو ڈکشنری مرتب کی مطبوعہ ۱۸۰۹ء

(۳) کپتان روبک کی لغت جہاز رانی لکھی جس میں جہاز رانی کے متعلق اصطلاحات اردو انگریزی میں جمع کیں۔ اور ایسے الفاظ اور فقرے بھی جمع کئے جو میدان جنگ میں اور فوجی بارکوں میں ہندوستانی سپاہیوں کے ساتھ گفتگو کرنے میں کام آئیں اس میں اردو قواعد کے متعلق ایک ضمیمہ شامل کر دیا۔ یہ کتاب کلکتہ میں سنہ ۱۸۱۱ء میں چھپی۔

(۴) جان شکسپیر کی اردو لغت سنہ ۱۸۱۳ء میں (۵) ڈنکن فوربس کی اردو لغت سنہ ۱۸۴۷ء میں (۶) فرانسیسی رٹرینڈ کی اردو لغت سنہ ۱۸۵۸ء

(۷) ڈاکٹر فیلن کی چار ڈکشنریاں سنہ ۱۸۸۳ء سے سنہ ۱۸۸۰ء تک (۸) بلیٹ کی اردو ہندی ڈکشنری سنہ ۱۸۸۳ء۔

اردو پریس

گرامر جاننے اور لغت کی تیاری کے بعد پریس (چھاپہ خانہ) کی بے حد ضرورت پڑی، ضرورت کیا پڑی۔ صحیح معنی میں دقت

ہی یہ تھا چنانچہ پریس کے بھی درشن مسیحی مشنروں کے طفیل ہوگئے، یورپ کے مسیحی مشنری اپنے ساتھ ٹائپ کی چھپائی لے کر آئے۔ تاکہ ہندوستانیوں کے لئے عیسائیت کا تبلیغی لٹریچر تقسیم کرنے کے لئے چھاپا جائے۔

سب سے پہلے دلندیزی مبلغوں ڈچ مشنری نے مدراس میں ٹائپ (لوہے کے) حروف کے چھاپے خانے قائم کئے۔ یہ ٹائپ رومی رسم الخط تھا۔ اس لئے ہندوستانیوں کے لئے بے کار تھا۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے چنانچہ ضرورت نے فارسی ٹائپ کو ایجاد کیا۔ اور کلکتہ گزٹ فارسی حروف کے ٹائپ میں چھپنا شروع ہوا۔ جو فارسی زبان میں نکلتا تھا، اور دہلی دربار کی باقاعدگی کے ساتھ اس میں خبریں درج ہوتی تھیں۔ کلکتہ گزٹ کی اشاعت بابت ۴ مارچ سنہ ۱۷۷۴ء کا تذکرہ کیا گیا ہے جس میں دہلی مغل دربار کی اطلاعات نمایاں طور پر ملتی ہیں۔ کچھ عرصہ تک یہی ٹائپ طباعی اغراض کے لئے استعمال کیا جاتا رہا۔ چنانچہ فورٹ ولیم کالج اور ھگلی بری کالج کی تمام مطبوعات اسی ٹائپ میں چھپتی تھیں۔ لکھنؤ میں نواب غازی الدین حیدر کے زمانہ سنہ ۱۸۱۴ء میں ٹائپ کا مطبع قائم ہوا۔ اور دہلی میں سنہ ۱۸۳۷ء میں ٹائپ کا پریس کھولا گیا۔ اور ۱۷۹۶ء میں گوٹبرگ کے ایک موجد مسمی سینی فلوڈ نے پتھر کی چھپائی (لیتھو گرافی) کا طریقہ ایجاد کیا۔ اس لئے یہ طریقہ بہت جلد ہندوستان میں عام ہوگیا اور سب سے پہلے لیتھو کا سنگی مطبع ایک انگریز مسٹر آرچر نے کانپور میں سنہ ۱۸۳۰ء میں قائم کیا۔ اس سال کے بعد تمام ہندوستان میں لیتھو کے چھاپے خانے کھلنے لگے۔ سنہ ۱۸۴۹ء میں صرف ممالک مغربی و شمالی یعنی موجودہ دہلی پنجاب و آگرہ میں ۲۳ مطبع تھے جن میں سے صرف ۱۲ لکھنؤ میں تھے۔

انجیل کے ترجمے

ان عیسائی اور یورپین دماغوں نے اردو ہندی وغیرہ کی گرامر (لغت) کی طرف اتنی توجہ اتنے شغف کے ساتھ کیوں دی ظاہر ہے کہ بائبل کو گھر گھر پہنچانا تھا۔ چنانچہ ان کاوشوں کے بعد پادری شلز جس نے پہلے اردو کی لغت تیار کی اس نے ہی خود سنہ ۱۷۴۸ء میں چار سال کے بائبل کا اردو ترجمہ کیا اسکے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی نے سنہ ۱۸۳۰ء میں انجیل کا ترجمہ جو میرزا فطرت نے کیا تھا شایع کروایا .... بعد پادری مارٹن نے انجیل کے عہد جدید کا ترجمہ۔ سنہ ۱۸۱۴ء میں یونانی زبان سے اردو زبان میں کیا۔ پھر سرامپور کے مشنریوں نے پوری بائبل کا ترجمہ پانچ جلدوں میں سنہ ۱۸۱۶ء تا سنہ ۱۸۱۹ء تک شایع کیا۔

کتابیں اور ٹریکٹ

فرنگیوں نے ہندوستان میں پاؤں جماتے ہی ہندوستان کی تمام قوموں پر نصرانیت کا تسلط و غلبہ کرنے کے لئے جماعتی تنظیم کے ساتھ زبانی پروپیگنڈہ کے علاوہ تحریری یعنی کتابی اور ٹریکٹ کی شکل میں پروپیگنڈا کرنا شروع کر دیا تھا۔ ابتداء میں وہ صرف انجیل اور انجیل کی مختصر دعائیں چھپواتے اور عوام میں مفت تقسیم کرتے تھے۔ چنانچہ لارڈ ولزلی کے دور سنہ ۱۷۹۸ء میں کتب مقدسہ انجیل وغیرہ کا ترجمہ مشرقی زبانوں میں کرنے اور ان کو ہندوستان میں تقسیم کرنے کا کام باقاعدہ نظام میں آگیا تھا اور کلکتہ بائبل سوسائٹی فورٹ ولیم کالج میں قائم کی گئی جس کی سرپرستی لارڈ ولزلی نے بڑی مالی امداد دیکر کی۔ بعد میں ہر ایک وائسرائے حتیٰ کہ لارڈ ھیسٹنگز ۱۸۱۳ء لارڈ ولیم بنٹنگ سنہ ۱۸۲۸ء اور لارڈ سر چارلس مٹکاف نے سنہ ۱۸۳۵ء نے بھی اعانتِ خصوصی سے سوسائٹی کو نوازا۔

سنہ ۱۸۰۴ء میں دوسری برٹش اینڈ فورن بائبل سوسائٹی نے بائبل چھاپنے اور اس کی اشاعت و وضاحت اور قدسیت و عظمت کی تبلیغ کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ اسی طرح بتدریج مسیحی لٹریچر شایع کرنے کے لئے حسب ذیل سوسائٹیاں وجود میں آئیں۔

(۱) ریلیجن بک سوسائٹی کلکتہ۔ صدر ریجرز میلیگن   (۲) کرسچین نالج سوسائٹی کلکتہ۔

(۳) اگزیلری بائیبل سوسائٹی کلکتہ   (۴) نارتھ انڈین سوسائٹی مرزاپور

(۵) نارتھ انڈیا ٹریکٹ سوسائٹی   (۶) مدراس ٹریکٹ سوسائٹی

(۷) کرسچین ورنیکولر ایجوکیشنل سوسائٹی آف انڈیا۔

پریس ان سوسائٹیوں نے آغاز میں ہندوستان کے مختلف پریس اور انگلینڈ کے چھاپے خانوں سے چھپائی کا کام لیا۔ جب دقت زیادہ ہونے لگی تو سنہ ۱۸۷۹ء میں چرچ مشن سوسائٹی نے انگلینڈ سے ایک پریس ہندوستان میں منگوایا جس کو اپنے ہیڈ کوارٹر مرزاپور میں لگایا۔

اسی سوسائٹی نے سنہ ۱۸۴۰ء میں سکندرہ آگرہ کے نزدیک ایک بڑا یتیم خانہ کھولا جس کے ساتھ ایک پریس عرفان سکول پریس کے نام سے جاری کر دیا۔ ان پریسوں کے دیکھتے دیکھتے اور سوسائٹیوں نے بھی پریس لگانے شروع کر دئے جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) مطبع امریکن مشن لکھنؤ (۲) پریسبیٹرین مشن پریس الہ آباد (۳) بپٹسٹ مشن پریس کلکتہ۔
(۴) مطبع امریکن مشن لدھیانہ (۵) الہ آباد مشن پریس (۶) این سی عرفان پریس الہ آباد
(۷) مطبع تھامسن کالج روڈ رڑکی۔

پریس لگنے کے بعد ان سوسائٹیوں نے کثیر التعداد لٹریچر شایع کر کے ہندوستانیوں میں تقسیم کیا۔ عیسائیت کی روشنی پھیلانے والی جماعت کی صرف تین سال کی رپورٹ ملاحظہ ہو۔

سنہ ۱۸۷۲ء میں ۱۰۳۰۶۲ انجیلیں اور دعاؤں کی کتابیں تقسیم کیں۔ سنہ ۱۸۷۳ء میں یہ تعداد ۱۰۶۵ ۸ تک پہونچ گئی تھی اور سنہ ۱۸۷۴ء میں ۲۵۲۱۹ کتابیں ہندوستانیوں کو دی گئیں۔

مشنری کس طرح کتابیں تقسیم کرتے تھے۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے عیسائیوں کا مشنری اخبار کوکب ہند اار دور من لٹریچر کیم اگست سنہ ۱۸۷۹ء میں لکھتا ہے

" فقط ایک سوسائٹی کے ۸۰ مسیحی کتب فروشوں نے جن کا آغاز تیرہ برس سے ہے بائیبل و دیگر رسالجات مذہب مسیحی دیہاتوں میں جہاں انجیل سنانے والے کم جاتے ہیں اور شہر کی گلی کوچوں میں چار لاکھ روپے کی قیمت کے فروخت کئے۔

گزشتہ ایک سال کے دوران میں ڈیڑھ لاکھ رسالے تقسیم ہوئے اور لاکھ سے زیادہ کتابیں فروخت کی گئیں۔ ان مرد اور عورتوں سے جو یہ کتابیں خریدنے آئیں کتابیں فروخت و تقسیم کرنے والوں نے مسیحی بننے کی درخواست کی"

قیمت بھی کس شرح سے لی جاتی تھی اس کی وضاحت عیسائی اخبار "نور افشاں" ۱۷ جولائی سنہ ۱۸۷۹ء ص ۲۲۷ ان الفاظ میں کرتا ہے۔

" یہ سب لوگ جانتے ہیں کہ بہت سے برسوں سے اس ملک میں عیسائی اپنی کتابیں ہندوؤں اور محمدیوں کو مفت دیتے ہیں۔ یا ان کی قیمت کا چوتھائی حصہ لیتے ہیں۔ اور مدرسے بھی قائم کر کے لڑکوں کو اپنی کتابیں سکھاتے ہیں"

گارسان دتاسی اپنے خطبات میں کرسچین ورنکولر ایجوکیشن سوسائٹی کے اغراض و مقاصد بیان کرتے ہوئے ان کی مطبوعات کی کثرت کا حال لکھا ہے

" انجمن کی طرف سے ایک بڑی تعداد مطبوعات کی شایع ہو چکی ہے۔ ہمارے خیال میں مسیحی مذہب کی نشر و اشاعت کے سلسلے میں ہندوستان میں اب تک جس قدر مطبوعات شایع ہوئی ہیں ان میں سے ایک تہائی اس انجمن نے طبع اور شائع کرائی ہیں۔ انجمن کا اہم مقصد یہ ہے کہ بیس کروڑ نفوس جو ہندوستان میں بستے ہیں ان کی تعلیم و تلقین کا انتظام کرے یہ ان ہی کی زبان میں ہو (خطبات ۶۰۰)

فہرست مشنری کتب ان سوسائٹیوں نے بائیبل اور دعاؤں، مناجات اور گیتوں کے علاوہ ہندوستان کے دیگر مذاہب خصوصاً ہندو مسلمانوں کے مذہب، ان کی کتاب برگزیدہ قرآن مجید اور اس کے پیغمبر محمد الرسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی کے خلاف اور دین مسیحیت کی حقانیت و صداقت کو جتانے کے لئے حسب ذیل کتب شایع کی ہیں۔

نمبر	نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
۱	میزان الحق (فارسی)	پادری سی جے فانڈر	یہ کتاب سنہ ۱۸۴۳ء میں مطبع امریکن مشن لدھیانہ میں طبع ہوئی پہلے فارسی بعد میں سنہ ۱۸۶۸ء میں اردو میں شائع ہوئی فارسی میں چھوٹی تقطیع ۳۴۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ (ک۔ش)
۲	طریق الحیات (فارسی)	ایضاً	۱۸۴۷ء میں فارسی کی سکندرہ عرفان پریس آگرہ میں اس کے بعد اردو میں چھپی ضخامت ۲۲۷ سائز ۱۸×۲۲ (ک۔ش)
۳	مفتاح الاسرار (فارسی)	ایضاً	
۴	حل الاشکال (اردو)	ایضاً	کشف الاستار کتاب استفسار معہ مراسلات مولانا آل حسن، مولانا عبداللہ کے جواب میں سنہ ۱۸۷۴ء امریکن مشن لکھنؤ میں چھپی ۳۰۲ صفحات پر مشتمل ہے۔
۵	رسالہ تحقیق دین حق	پادری اسمتھ	این سی عرفان پریس الہ آباد سنہ ۱۸۴۳ء میں نارتھ انڈین ٹریکٹ اینڈ سوسائٹی کے زیر اہتمام یہ کتاب چھپی صفحات ۹۳ ہیں۔ (ک۔ا۔ش)
۶	ابطال دین محمدی بمقابلہ دین عیسوی	پادری ایل، جے، بے	سنہ ۱۸۵۴ء میں یہ کتاب پرسبیٹیرین مشن پریس الہ آباد میں شائع ہوئی۔
۷	رسالہ اصل فرائض زوال دین محمدی	پادری جے ولسن	سنہ ۱۸۳۹ء میں مشن پریس الہ آباد میں طبع ہوئی۔
۸	شریف السبتین	منشی رجب علی	یہ ۶۴ صفحہ کا رسالہ سنہ ۱۸۶۷ء میں امریکن مشن پریس لکھنؤ میں شائع ہوا۔
۹	تعلیقات	پادری عماد الدین	اس کتاب کو ریلیجس بک سوسائٹی نے شائع کیا۔ (ک۔ش)
۱۰	ہدایت المسلمین	ایضاً	سنہ ۱۸۶۸ء میں مطبع نور لاہور میں چھپی یہ کتاب حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ (ک۔ش)
۱۱	حقیقی عرفان	ایضاً	یہ کتاب بھی مطبع نور میں سنہ ۱۸۶۸ء میں شائع ہوئی۔
۱۲	تلخیص الاجابت یا تاریخ محمدی	ایضاً	یہ گندی اور ناپاک کتاب جس میں حضور کی سوانحعمری انتہائی شرمناک حیثیت کی ناقابل اعتبار لٹریچر کی بنیاد پر لکھی گئی ہے۔ آفتاب پنجاب پریس امرتسر میں کرسچین نالج سوسائٹی کے اہتمام سے سنہ ۱۸۷۱ء میں چھپی۔ (ک۔ش)
۱۳	تلخیص الاحادیث یا تعلیم محمدی	ایضاً	یہ دوسرا حصہ عقائد و عبادات اسلامیہ۔ معاملات محمدیہ اور قصص دینیہ سے متعلق ہے اس میں مؤلف نے ہر چیز کی تردید و اعتراض اور اس کا مذاق اڑانے کی کوشش کی ہے یہ کتاب سنہ ۱۸۸۰ء میں وکیل ہندوستان پریس امرتسر میں کرسچن نالج سوسائٹی کی جانب سے چھپی۔ ؎
۱۴	مکاشفات	پادری عماد الدین	سنہ ۱۸۷۰ء میں طبع ہوئی۔
۱۵	نغمۂ طنبوری	ایضاً	
۱۶	تحقیق الایمان	ایضاً	مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ازالۃ الاوہام کے جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے یہ کتاب وکیل ہندوستان پریس امرتسر میں چھپی پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی کے اہتمام میں طبع ہوئی۔ (ک۔ش)
۱۷	عقوبت الضالین	ایضاً	

؎ ک۔ش، کا مقصد یہ ہے کہ یہ کتاب مولانا کے کتب خانہ میں موجود ہیں۔

؎ ازالۃ الاوہام مولانا رحمۃ اللہ

نمبر	نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
۱۸	آثار قیامت	پادری عماد الدین	یہ بھی مذکورہ پریس اور سوسائٹی نے شایع کی سنہ ۱۸۷۷ء میں۔ (ک۔ش)
۱۹	من انا	"	یہ ۴۲ صفحہ کا رسالہ حضرت عیسیٰ کی تعریف میں ہے۔ مفید الارواح پریس امرتسر میں ٹریکٹ سوسائٹی پنجاب نے سنہ ۱۸۷۴ میں شایع کیا
۲۰	رسالہ تثلیثۃ الکتب	کپتان ولیم رابرٹسن ایکن	قرآن مجید کی رد میں یہ کتاب سنہ ۱۸۷۲ء میں لدھیانہ مشن پریس میں چھپی۔ (ک۔ش)
۲۱	تفتیش الاسلام	جان اجرس ہنڈ ماسٹر کنگھل	
۲۲	نیاز نامہ	پادری صفدر اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر	نارتھ انڈیا ٹریکٹ سوسائٹی نے مشن پریس الہ آباد میں سنہ ۱۸۷۷ء میں شایع کرائی (ک۔ش)
۲۳	رسالہ الٰہی براہین	پادری عمونل رجب علی	مخالفت دہریت میں یہ رسالہ لکھا گیا سنہ ۱۸۶۹ء میں چھپا۔
۲۴	آئینہ اسلام	پادری رجب علی۔	
۲۵	تصدیق الکتاب	پادری ٹی جے سکاٹ	سنہ ۱۸۷۴ء میں مشن امریکن پریس میں سنہ ۱۸۷۴ء میں شایع ہوئی۔ (ک۔ش)
۲۶	علم الٰہی عقلی	ایضاً	دہریت کی مخالفت میں یہ کتاب مطبع امریکن مشن لکھنؤ میں سنہ ۱۸۷۷ء میں چھپی (ک۔ش)
۲۷	مسیح الدجال	ماسٹر رامچندر	اس کتاب میں حضور اقدس کو نعل اور بچر دلیلوں سے دجال ثابت کرنے کی کوشش کی گئی
۲۸	رسالہ تحریف القرآن۔	ایضاً	
۲۹	کلید آدم	ماہو لونس سنگھ	حضرت آدم اور یسوع مسیح کی تعریف میں یہ کتاب لکھی گئی ہے اس کتاب پر سر ولیم میور ہر رنے مولف کو انعام دیا تھا۔ یہ کتاب نارتھ انڈیا ٹریکٹ سوسائٹی نے امریکن مشن پریس میں شایع کرائی۔ (ک۔ش)
۳۰	اصلیت قرآن	عبد اللہ آتھم۔	
۳۱	رسالہ اظہار عیسوی	پادری ٹھاکر داس	
۳۲	دینی و دنیاوی تاریخ کا مجموعہ	پادری کینٹس راڈھیڈ	۱۸۷۶ء میں مشن پریس الہ آباد میں چار سو صفحات پر مشتمل چھپی۔
۳۳	رسالہ سیرت المسیح و المحمد	پادری ٹھاکر داس	
۳۴	عدم ضرورت قرآن	ایضاً	
۳۵	رسالہ شہادت قرآنی	سر ولیم میور	
۳۶	رسالہ مراۃ القرآن	پادری محبوب مسیح	

ان کتابوں میں سب سے پہلی غیر مہذب اعتراضات سے بھرپور اور زہریلی کتابیں میزان الحق، طریق الحیات، اور مفتاح الابرار ہیں۔ یہ کتابیں سلسلہ وار پادری فانڈر نے شایع کی ہیں۔ یہی وہ تیزابی کتابیں ہیں جن کی تمام مصنفین نے تقریباً ڈھٹائی کے ساتھ نقل کی اور ان غیر شریفانہ اعتراضوں سے اپنی کتابوں کو آلودہ کیا ہے۔

چنانچہ ان تمام کتابوں میں متنازعہ فیہ مسائل اور اعتراضات ایک ہی قسم کے ہیں۔ ایک ہی خباثت کو بار بار مختلف عنوانات اور ناموں یا عبارت کے ساتھ دہرایا گیا ہے۔

مسلمانوں پر جن اعتراضات کی بوچھاڑ کی گئی ہے وہ یہ تھے۔

(۱) قرآن مجید اصلی نہیں ہے اس میں تحریف و تبدیلی ہوئی۔

(۲) قرآن مجید میں کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ توریت اور زبور سے سرقہ کی گئی ہے، اس کے علاوہ اس میں جو کچھ ہے وہ یہودیوں کی خرافات ہے۔

(۳) نبی کی نبوت کے لئے معجزے ضروری ہیں۔ محمد رسول اللہ سے کسی معجزہ کا ظہور نہیں ہوا اس لئے وہ نبی نہیں تھے۔
(۴) محمد رسول اللہ کی رسالت کی کوئی پیشینگوئی کتب عہد عتیق و جدید میں نہیں ہے اس لئے وہ پیغمبر نہیں تھے۔
(۵) کتاب مقدس کے مطالب قرآن و حدیث کے خلاف ہیں اس لئے قرآن کتاب الٰہی نہیں ہے۔
(۶) اسلام جھوٹ کی تعلیم دیتا ہے۔
(۷) قرآن مجید کی آیات ایک دوسرے کے مخالف اور متضاد ہیں اس لئے قرآن کلام الٰہی نہیں ہے۔
(۸) قرآن میں گناہ کی معافی کا کوئی وسیلہ نہیں ہے۔
(۹) اسلام جہاد (بزور شمشیر) کے ذریعہ پھیلایا گیا۔
(۱۰) محمد رسول اللہ کو وحی نہیں آتی تھی بلکہ وہ مرگی کی بیماری تھی جس میں وہ مبتلا تھے۔
(۱۱) قرآن مجید کی جھوٹی آئتیں۔
(۱۲) حضور اقدس کی ذات اقدس پر شرمناک و ناز یبا الزامات و حملے۔
(۱۳) انجیل اور کتب عہد عتیق میں منسوخ نہیں ہوئی اور نہ اس میں تحریف ہوئی۔
(۱۴) قرآن مجید انجیل کے الٰہی کتاب ہونے کا اقراری ہے۔
(۱۵) نجات مسیح کے راستہ پر ہے۔

ان اعتراضات کے مطالعے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہر معترض کی ذہنیت ایک ہی غلاظت میں سنی ہوئی ہے۔ سب نے رذیلوں ننگوں کے معیار سے نبی آخرالزماں رحمۃ للعالمین کو بدنام و رسوا کرنے کی ناپاک و ناکام کوشش کی اور اپنے بدباطن اور ناپاک ظرفوں کو آشکارا کیا ہے بعض نے تو حد کر دی۔ شرافت و انسانیت و اخلاق کو بالائے طاق رکھ کر انتہائی گندہ دہنی اور ذہنی غلاظت کے ساتھ حضور انور کی ذات والا صفات پر انتہائی غیر شریفانہ کمینہ اور غیر مہذب حملے کئے ہیں۔

ان میں پادری عماد الدین کا گندہ قلم زیادہ گستاخ اور ان کی کتاب تلخیص الاحادیث بے بنیاد الزام و بہتانوں سے زیادہ سیاہ نظر آتی ہے۔ یہ بے لگام پادری حضور اقدس کی شان میں لکھتا ہے :۔

"(آپ) نفسانی لذائذ خاص کر شہوت کے ایسے پابند تھے۔ کہ گویا دنیا میں اسی کام کے لئے آئے تھے۔ کنیزک اور باندی سے نکاح نہ کرنا بے نکاح اس سے ہم بستر ہونا۔ جو عورت حضرت کو نہ کرے اس کو جبراً جورو بنانا۔ (یہ کام حضرت کا تھا)" نعوذ باللہ۔

یہی پادری بہتان لگاتا ہے :۔

ایک روز جمعہ کے دن محمد صاحب اس (اپنی بیوی جویریہ) کے پاس آئے۔ مطلب ہم بستر ہونے کا تھا۔ مگر عورت روزہ سے تھی۔ اور روزہ کی حالت میں صحبت کرنا جائز نہیں ہے۔ حضرت نے اس کا روزہ اس حیلے سے افطار کرایا کہ اس کو کہا کہ کل جمعرات کو بھی روزہ رکھا تھا کہ نہیں کہا نہیں رکھا۔ فرمایا تو اب روزہ توڑ ڈال اور صحبت کر۔ (نعوذ باللہ۔)

یہی پادری اپنی کتاب تلخیص الاحادیث کے صفحہ ۲۲۱ پر کہتا ہے۔

محمد صاحب کے بستر کے نزدیک ایک پیالہ رکھا تھا جس میں رات کو پیشاب کیا کرتے تھے ایک رات اس میں پیشاب کیا صبح ام ایمن لونڈی سے کہا اس پیشاب کو باہر پھینک دے وہ بولی اس میں پیشاب نہیں ہے وہ پیالہ خالی رکھا ہے کیونکہ رات کو مجھے پیاس لگی تھی میں نے اسے پی لیا۔ حضرت نے اس کو اس نالائق مکروہ حرکت سے منع نہیں کیا۔ بلکہ خوش ہو کر ہنسے اور کہا کہ اب تیرے پیٹ میں کبھی درد نہ ہوگا۔ اور نہ دھونے اور کلی کرنے کا بھی اسے حکم نہیں دیا۔ دوسری ایک عورت برکہ نام نے ان کا پیشاب نوش کر لیا۔ اس سے بھی حضرت خوش ہوئے اور کہا تو کبھی بیمار نہ ہوگی۔ اور ایک مرد نے

بھی حضرت کا پیشاب پیا تھا اور ایک حجام نے حضرت کا خون بیماری کا نکلا ہوا پیا تھا حضرت نے اس سے کہا اب تو کبھی بیمار نہ ہوگا۔ حالانکہ خود حضرت اسی ناپاک خون سے بیمار تھے۔

ان الزامات سے اندازہ لگائیے کہ حکومت ایسی تصنیفات کی موجودگی میں اپنے آپ کو حکومت کا اہل کہہ سکتی ہے، اور اپنے ہم مذہب مبلغین اور پادریوں کو ایسے افعال و حرکاتِ شنیعہ کے کرنے کی اجازت دیتے ہوئے اپنے آپ کو رعایا پرور، نیک نیت مہذب اور غیر جانبدار ثابت کر سکتی ہے دنیا کی تاریخ میں ایسی گندہ تصنیفات اور ساز شانہ شیطنت کی مثال کسی سلطنت میں نظر نہیں آئے گی۔

اخبارات و رسائل کتابوں کے علاوہ اخبارات و رسائل بھی نکالے گئے جن کا مقصد بھی یہی تھا کہ ہندوستان کے مذاہب اور ان کے رشیوں اور منیوں کا مضحکہ اڑایا جائے اور اپنے مذہب کی قدوسیت و فضیلت جتائی جائے۔ اس کام کے لئے عیسائیوں کے کون کون سے رسالے اور اخبارات نکلے وہ یہ تھے۔

(۱) سماچار دین:۔ اس کو سیرامپور کے پادریوں نے سنہ ۱۸۱۸ء میں جاری کیا۔ (داستان تاریخ اردو)

(۲) خیر خواہ ہند:۔ یہ رسالہ مرزاپور کی امریکن مشنری جو پروٹسٹنٹ فرقہ سے تعلق رکھتی تھی سنہ ۱۸۴۷ء میں نکالا جو فارسی اور لاطینی رسم الخط میں چھپتا تھا۔ اس رسالہ کے ایڈیٹر پادری ماتھر مذکورہ سوسائٹی کے مشہور مصنف تھے۔ جن کی مذہب عیسوی پر کافی کتابیں شایع ہو چکی ہیں اور خاص طور پر رومن خط کی بائبل کے پہلے مرتب ہیں اس اخبار میں نہ صرف امریکی مشنری سوسائٹی کے بھی بلکہ ہر فرقہ کی پروٹسٹنٹ مشنریوں کے مضامین ..... شایع ہوتے تھے اسکا مقصد تبلیغ مذہب نصاریٰ ہے۔

(۳) محبوب ہند:۔ پنڈت ماسٹر رامچندر داس نے یہ رسالہ ۱۸۵۲ء میں نکالا ہے انہوں نے اس کے علاوہ فوائد الناظرین پرچہ بھی جاری کیا۔ یہ وہ ماسٹر صاحب ہیں جن کے عیسائی ہونے پر ۱۱ر جولائی سنہ ۱۸۵۲ء میں شہر کے اندر بڑا غلغلہ پیدا ہوا تھا۔ اور طالب علموں میں مشن اسکولوں میں اپنا نام لکھانا بند کر دیا تھا[۱]

(۴) شملہ اخبار شملہ سے شایع ہوا، یہ اخبار سر ہربرٹ ایڈورڈ کی سرپرستی میں نکلتا تھا، اس کا اجراء سنہ ۱۸۵۳ء میں ہوا۔ یہ اخبار اردو کا تھا۔ لیکن چندہ دینے والے ہندو زیادہ تھے۔ اس لئے اس کی طباعت دیوناگری میں ہوتی تھی۔ سرپرست موصوف کی خواہش تھی کہ تمام ہندوستان عیسائی بن جائے۔ موصوف کی تحریک پر ان مدارس میں، جہاں برطانوی نظم و نسق کی تعلیم دی جاتی تھی۔ انجیل کی تعلیم لازمی قرار دی گئی، آپ کا کہنا تھا کہ انجیل کی حیثیت مستند ادب کی ہے[۲]

(۵) بادراد:۔ سنہ ۱۸۵۹ء میں یہ رسالہ جاری ہوا۔ یہ روبین خیالات کا موئید بمبئی کی مسیحی انجمن کا رسالہ ہے۔ اس نے ان لوگوں کے لئے جو تین ہزار روپے کے اخراجات کے متحمل ہو سکتے ہیں انگلستان جانے کی استدعا کی اس کے ساتھ یہ بھی لکھا کہ جن لوگوں سے میں مخاطب ہوں ان میں یہ اعتراض کریں گے کہ ہمارا مذہب خطرہ میں پڑ جائے گا لیکن وہ مذہب ہی کیا جسے ہم زمین کے ایک سرے سے دوسرے تک نہ لے جاسکیں۔[۳]

(۶) خیر خواہ خلق:۔ یہ اخبار سنہ ۱۸۶۳ء سے نکلنا شروع ہوا ہے مہینہ میں دو مرتبہ آگرہ میں سکندرہ (یتیم مشنری) چھاپے خانے سے شایع ہوتا تھا۔ یہ چھوٹی تقطیع میں صرف ایک ورق دو کالم میں چھپتا ہے۔ یہ بالکل مذہبی قسم کا اخبار ہے۔ اس کا مقصد دین مسیحی کی اشاعت ہے اس سے سرورق پر یہ الفاظ لکھے ہوئے ہیں:۔

"خدا کا خوف دانائی کی ابتدا ہے اور مذہبی آدمی کے نزدیک علم اور احتیاط ہم معنی ہیں"

سیاسی چیزوں کے علاوہ اس میں مذہبی تاریخی علمی مضامین ہوتے ہیں اور کبھی کبھی لیتھو میں تصاویر بھی ہوتی ہیں ۱۵ر دسمبر سنہ ۱۸۶۳ء کے پرچے میں بڑ کے درخت کی ایک تصویر دی اور اس کا مطلب سمجھایا ہے

---

[۱] مرحوم کالج دہلی [۲] خطبات گارسان دتاسی ص ۱۸۱ [۳] ایضاً ۲۵۲۔

(۷) لوک مترا ہندی) یہ رسالہ دیوناگری رسم الخط میں شایع ہوتا ہے اور سکندرہ کے مطبع میں چھپتا ہے۔ جہاں خیر خواہ خلق چھپتا ہے۔ یہ پہلی جنوری ۱۸۶۳ء سے نکلنا شروع ہوا۔ چھوٹی تقطیع میں دو کالم پر ہوتا ہے یہ رسالہ ماہانہ ہے۔ رسالہ کا مقصد تبلیغ و اشاعت مذہب عیسوی ہے۔ اس کے ایڈیٹر کا نام پردۂ خفا میں ہے۔ لیکن اس کے مضامین کے معیار اور سنسکرت دعوؤں اور ہندی چوپاؤں کے حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ یقیناً وہ کوئی ہندو عالم ہیں جنھوں نے دین مسیحی قبول کیا ہے۔ یہ رائے گارسان دتاسی کی ہے ہو سکتا ہے کہ لکھنے والا ایڈیٹر ماہوار تنخواہ پر کام کرتا ہو اور مسیحی نہو، اس صورت میں اس کا نام نہ دینا کوئی ضروری بات نہیں ہے اور یہی اغلب بھی ہے۔

(۸) مواعظ عقبےٰ:۔ یہ سنہ ۱۸۶۷ء سے دہلی سے شایع ہونا شروع ہوا ہے اسکی ادارت دونوں عیسائی ہندوؤں کے ہاتھ میں ہے۔

(۹) حقائق عرفاں:۔ یہ مسیحی تبلیغ کا ماہوار رسالہ ہے جس کی ادارت کے فرائض عماد الدین نے انجام دئے ہیں۔ یہ امرتسر سے شایع ہوتا ہے جہاں کا مدیر باشندہ ہے۔ اس میں امرتسر کے مسلمانوں سے خطاب کیا جاتا ہے جنوری سنہ ۱۸۶۷ء سے اس کی اشاعت شروع ہوئی ہے۔ ہر اشاعت میں مسیحی مذہب اور حضرت مسیح کے متعلق مقالے ہوتے ہیں، لاہور کے مطبع آفتاب پنجاب میں طبع ہوتا ہے۔

(۱۰) مخزن مسیحی:۔ یہ رسالہ ماہانہ ہے اور لاطینی رسم الخط میں جولائی سنہ ۱۸۶۷ء سے شایع ہوتا ہے اس کے مدیر الہ آباد کے پادری جے جے دانش ہیں۔ اس رسالہ کا خطاب ہندوستانی عیسائیوں کی طرف ہوتا ہے۔ یہ بہت سستے داموں میں دیا جاتا ہے، ویسے ہر اشاعت کی قیمت تین آنہ۔ اس کے مضامین نصیحت آموز اور ان کا معیار بلند ہے، اب تک ان کے جتنے رسالے شایع ہوئے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی زبان فصیح اور صاف اردو ہوتی ہے اور اہم مذہب عیسوی کی کتب کے ترجمے ہوتے ہیں۔

(۱۱) میور گزٹ:۔ میرٹھ کا ماہوار اردو رسالہ ہے اسے ضمیمۂ جلوۂ طور سمجھنا چاہئے۔ یہ رسالہ سنہ ۱۸۸۸ء سے شایع ہونا شروع ہوا۔ اس کی سرپرستی سر ولیم میور کرتے ہیں۔ رسالہ کا نام موصوف کے نام پر ہے، یہ چھوٹی تقطیع کا ۸ صفحہ پر ہوتا ہے اور رسالہ کے پہلے صفحہ پر یہ مقولہ بطور عنوان درج ہے "کل جدید لذیذ"

(۱۲) جلوۂ طور:۔ یہ اخبار میرٹھ سے شایع ہوتا ہے اور مطبع سلطان المطابع میں طبع ہوتا ہے یہ بڑی تقطیع پر شائع ہوتا ہے اور ۸ صفحہ پر مشتمل ہے۔ ہر صفحہ پر ۲ کالم ہیں۔ سرورق بطور عنوان چار اس مضمون کے ہیں:۔

"اِس اخبار کے ذریعے کوہ سینا کی سی تجلی پیدا ہوگی جس نے حضرت موسیٰ جیسے جلیل القدر پیغمبر کی آنکھیں خیرہ کر دی تھیں۔ باوجود نام و اشعار کے اس کے ایڈیٹر ایک ہندو رائے گنیش لال ہیں [۱]

کوکب عیسوی:۔ گارسان دتاسی اپنے خطبات میں لکھتے ہیں کہ میرٹھ کے اخبار عالم مورخہ ۲۶ اگست سنہ ۱۸۶۸ء میں اس کے متعلق اعلان مری نظر سے گزرا۔

ان کے اخبارات و رسائل کے علاوہ اور بھی ذیل کے اخبارات نکلتے تھے۔

(۱۳) پنجاب ریویو امرتسر۔ ایڈیٹر پادری رجب علی۔

(۱۴) نور افشاں۔ لدھیانہ [۲]

(۱۵) شمس الاخبار۔ لکھنؤ۔

(۱۶) بمبئی گارجین۔ بمبئی۔

---

[۱] خطاب گارسان دتاسی ص ۶۷۹ [۲] منشور محمدی۔

مشنری جال پھیلانے میں حکومت کا ہاتھ

یہ کہنا کہ حکومت ہند کا تعلق انگلستان وغیرہ کی مشنری سوسائٹیوں سے نہیں تھا بالکل غلط ہے۔ یہ حقیقت ہے اگر ان کا ان سے تعلق نہ ہوتا تو نصرانیت کو جو تھوڑی بہت کامیابی ہوئی اس کا عشر عشیر بھی نظر نہ آتا۔

حکومت کی مشنری پالیسی

حکومت ہند نے مشنری سوسائٹیوں کا پورا پورا ساتھ دیا بلکہ تقریباً ہر ایک مشنری کام ان کی پالیسی ان کے مشورے اور ان کے اشاروں سے ہوا یہی نہیں بلکہ مشنری ورک کا مقصد ہی پولیٹکل تھا۔ چنانچہ واقعات و حالات شاہد ہیں کہ حکومت ہند نے قانون سے، طاقت سے، دولت سے، اپنے عملہ کے افسران سے پادریوں کی تبلیغ میں حصہ لیا۔

یہی وہ پالیسی ہے جس کا اظہار مسٹر منگلس ممبر پارلیمنٹ کی ذیل کی تقریر سے ہوتا ہے۔ جو اس نے سنہ ۱۸۵۷ء کے آغاز میں پارلیمنٹ کے دارالعوام میں کی تھی اور جس نے آتش جہاد کے مشتعل کرنے میں خاص حصہ لیا تھا۔ اس کی تقریر صاف بتاتی ہے کہ عیسائی بنانے کی تحریک میں ہندوستان کے ملازم انگریز اور مشنری عیسائیوں سے لے کر پارلیمنٹ تک ملوث تھی اور ان کا ہاتھ تھا۔ وہ ببانگ دہل اپنی اور حکومت کی دلی آرزو کا اظہار کرتا ہے۔

"خدائے تعالٰی نے ہمیں یہ دن دکھایا ہے کہ ہندوستان کی سلطنت پر انگلستان کا قبضہ ہو تاکہ عیسٰی مسیح کی فتح کا جھنڈا ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک لہرائے۔ ہر شخص کو اپنی تمام قوت تمام ہندوستان کو عیسائی بنانے کی عظیم الشان کام کی تکمیل میں صرف کرنی چاہیئے، اور اس میں کسی قسم کا تساہل نہیں کرنا چاہیئے۔" [۱]

حکومت کی مشنریوں کو مالی عملی مدد دینا

چنانچہ حکومت اور حاکم مشنریوں کو مالی اور سرکاری مدد دیتا تھا۔ اور اس وقت دیتا تھا جب کہ قانوناً پادریوں کو مذہب اور تعلیم کی اشاعت کی ممانعت تھی۔ اور انہوں نے خلاف قانون طریقہ پر چارلس گرانٹ کے ذریعے سنہ ۱۷۹۹ء میں سیرامپور کے علاقہ کے اندر مسیحیت کی تبلیغ کا کام پوشیدہ طور پر مسٹر کیری کے ساتھ شروع کر رکھا تھا۔

اس دور میں امداد دینے والا کوئی چھوٹا موٹا غیر ذمہ دار حاکم نہ تھا۔ لارڈ ولزلی وائسرائے تھا۔ جو معمولی مدد نہیں بلکہ مشنریوں کے کاموں کی سرپرستی کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے ہی مسٹر کری کو جو مشنریوں کا سرغنہ تھا۔ فورٹ ولیم کالج میں سنسکرت کا پروفیسر مقرر کر دیا تھا جس میں وہ مشن کے فرائض بھی انجام دیتا تھا۔ لارڈ ولزلی کی سرپرستی میں سنہ ۱۷۹۸ء سے بائیبل وغیرہ کے ترجمے مشرقی زبانوں میں کرنے کا کام فورٹ ولیم کالج میں شروع ہو گیا تھا۔ اور باقاعدہ کلکتہ بائیبل سوسائٹی قائم ہو گئی تھی اس کی فہرست کے چندہ میں بڑی رقم لارڈ ولزلی نے بھیجی تھی۔ اس سوسائٹی کے فنڈ کی اعانت و امداد لارڈ ھیسٹینگز نے سنہ ۱۸۱۳ء میں لارڈ ولیم بن ٹنک نے سنہ ۱۸۲۸ء میں اور سر چارلس مٹکاف سنہ ۱۸۳۵ء نے بھی کی۔

لارڈ ڈلہوزی کے عہد حکومت میں اس بات کی انتہائی کوشش کی گئی کہ انگریزی تہذیب واخلاق اور ان کی عادات واطوار کو رواج دیا جائے۔ اس کے لئے بڑے بڑے شہروں میں انگریزوں نے اپنی منظم کوشش کی کہ عورتوں کو بے پردہ کیا جائے اور عیسائی مذہب کی طرف ان کو راغب کیا جائے، اس کام میں ہندوستان کے انگریزی افسروں کے بیویوں نے بھی مدد کی اور انگلینڈ

---

[۱] حکومت خود اختیاری

میں جو عورتیں تھیں انہوں نے بھی اس فنڈ میں حصّہ لیا، اور مالی مدد دی چنانچہ لارڈ ڈلہوزی کے پاس انگریزی اور تعلیمی سکیم کا ڈھانچہ بنایا گیا۔ جس کی ابتدا، یتیموں اور لاوارث لڑکیوں کو عیسائی بنا کر کی گئی [۱] گورنمنٹ کے ایک ممبر بی تھون صاحب سنہ ۱۸۴۹ء میں کلکتہ کے اندر ایک مدرسہ قائم کیا۔ جب بی تھوں کا انتقال ہو گیا تو گورنر انس کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا۔ بعد اس کی باگ ڈور لیڈی کیننگ کے ہاتھوں میں سونپ دی گئی۔

فوجی افسران کا مشنری کام کرنا

لارڈ کیننگ کے عہد میں انگریزی فوجی افسروں نے یہ اپنا مشغلہ بنا رکھا تھا کہ وہ فوجی مسلمان اور ہندوؤں میں عیسائیت کی تبلیغ کرتے تھے وہ جب ہندوؤں میں بت پرستی کرتے دیکھتے اور مسلمانوں کی زبان سے حضرت عیسےٰ کو خدا کا بیٹا کا انکار سنتے تو وہ فرض سمجھتے تھے کہ ہم حواریوں کا کام مستعدی سے کریں ان کا منشا تھا کہ سب انسان ان کے مانند ہیں اس کی بھی روح کی نجات ہونی چاہیئے۔ اور کوئی خارجی حالت ایسی نہیں جو ہم کو خدا کی تبلیغ کرنے سے منع کرے وہ اپنے ایک ہاتھ میں آرڈر بک (سپاہ کے حکموں کی کتاب) اور دوسرے ہاتھ میں بائیبل لے کر سپاہیوں میں گشت لگاتے پھرتے تھے اور نصرانیت کے اصول سمجھاتے تھے۔ چنانچہ لفٹنٹ کرنل ویلر جو ایک رجمنٹ کا کمانڈر تھا بڑے فخر کے ساتھ کہتا ہے۔

> بیس سال سے زیادہ یہ میری عادت رہی ہے کہ تمام غیر عیسائی قوموں کے سپاہیوں کو بغیر کسی تمیز کے عیسائی اصولوں کو سمجھاتا ہوں۔ عیسائی بننے کی ترغیب دیتا ہوں، گھنٹوں وعظ کہتا ہوں۔ گویا مسیح کا سپاہی بن کر خدا کے احکام اور سرکار کمپنی کا نام ہاتھ میں لے کر .... سناتا ہوں" [۲]

خود لارڈ کیننگ نے خالص مشنری تعلیم دینے والے سر بریا ہمووڈ کے بیپٹسٹ کالج کو جو سنہ ۱۸۱۸ء میں ان ہی کے عہد حکومت میں قائم ہوا تھا۔ چندہ دیا تھا اور اس کے اول پیٹرن بھی آپ ہی مقرر ہوئے۔ اس اسکول کی بھی بہت سے وائسروں نے مالی وعلمی ہمدردی و مدد کی۔

چرچ مشن کو امداد دینے کا اعتراف

تعلیمی اداروں کی امداد زیادہ قابل اعتراض نہیں ہو سکتی ان ہی حالتوں میں نظر انداز بھی کیا جا سکتا ہے لیکن وہ ادارے جو خالص دوسرے مذہب کی بیخ کنی کرنے، ان کی توہین و مذمت کرنے، ان کے بزرگان دین کا تمسخر اڑانے کے لئے قائم ہوئے ہیں۔ مثلاً چرچ مشن سوسائٹی ہو، جو صرف غیر عیسائیوں کو عیسائی بنانے کے فرائض انجام دیتی ہو، اس کو چندہ دینا اس سے ہمدردی کا اظہار کرنا اس سے متعلق ہونا یہی معنی رکھتا ہے کہ حکومت کا تعلق اس جماعت سے ہے اور اس کے مقاصد سے وہ اتفاق رکھتی ہے۔

چنانچہ مشن سوسائٹی کو جسکو ڈاکٹر ڈف نے ہندوستان میں قائم کیا تھا۔ پہلے لارڈ ڈلہوزی اس کے بعد لارڈ کیننگ نے چندہ دیا جس پر ملک کے ہر حصے سے اعتراضات ہوئے (اور حکومت اور مشنریوں کی ساز باز کی پول کھول گئی تب آخر مجبور ہو کر لارڈ موصوف نے حاکمانہ ڈھٹائی (جس میں حمایت کی جھلک نظر آتی تھی) کے ساتھ صفائی کچھ اعتراف غلطی کیا کہ:-

> "میں اس بات کو کہ جو گورنمنٹ کے اعلیٰ حکام ہیں ان کو ان افعال سے دور رہنا چاہیئے جن کو اس کی حکومت و اقتدار کا اظہار جیسے لوگوں کو اپنے مذہب بدلنے کی ترغیب و تحریص ہو لیکن وہ سکول جو ہر مذہب کے طلباء کے لئے جاری ہوں اور کسی پر سختی نہ کرتے ہوں اور معاندت .... کو بے حتیار کرنے ہوں وہ گورنر جنرل کی امداد و اعانت سے اس لئے محروم کئے جائیں کہ اس کے مشنری مہتمم ہیں میں اس مقولہ کو قابل قبول اور اعتراض کو قابل تسلیم نہیں سمجھتا"۔ [۳]

مشنری ورک میں ظاہری پالیسی

یہ صحیح ہے کہ بظاہر حکام بالا یہی اعلان کرتے تھے کہ مشنری کاموں میں افسران کو دلچسپی نہیں لینی چاہیئے پروپیگنڈا یہی کرتے تھے کہ حکام بالا اور حکومت اس کو پسند نہیں کرتی۔ لیکن عملاً بباطن پادریوں کی امداد کو ضروری سمجھتے تھے۔ اور عیسائی بنانے کی تحریک میں حصّہ لیتے تھے۔ چنانچہ سنہ ۱۸۲۳ء کی آنریبل

[۱] تاریخ عروج عہد سلطنت ہند حصہ سوم ۲۰۰ [۲] ایضاً ۲۰۱۔

ایم انفنٹن اور آنریبل ایف وارڈن کی متفقہ یادداشت سے یہ پول کھل جاتی ہے۔ اور صحیح پالیسی سامنے آجاتی ہے وہ گورنمنٹ کو لکھتے ہیں کہ:-

"ہم نے ذلیلوں کی ذہانت کے چشمے خشک کر دیئے ہماری فتوحات کی نوعیت ایسی ہے کہ اس نے نہ صرف علمی و ترقی کے تمام ذرائع ختم کر دیئے ہیں۔ بلکہ قوم کے اصلی علوم بھی گم ہو جانے اور پہلے لوگوں کی ذہانت کی پیداوار فراموش ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اس الزام کو دور کرنے کے لئے کچھ کرنا چاہیئے"

کیا کرنا چاہیئے۔ وہ بھی سن لیجئے۔ یہ حکام کیا کریں گے۔

"میں علانیہ نہیں تو در پردہ پادریوں کی حوصلہ افزائی کروں گا۔ اگرچہ مجھے گورنر صاحب سے اس بارہ میں اتفاق ہے کہ مذہبی امور میں امداد کرنے سے احتراز کیا جائے۔ تاہم جب تک ہندوستانی لوگ عیسائیوں کی شکایت نہ کریں۔ تب تک اس کی تعلیم کے مفید ہونے میں ذرا شبہ نہیں اگر تعلیم سے ان کی رایوں میں ایسی تبدیلی پیدا نہ ہوسکے کہ وہ اپنے مذہب کو لغو سمجھنے لگیں تاہم اس سے وہ زیادہ ایماندار اور محنتی رعایا تو ضرور بن جائے گی۔

(تاریخ متکلم ص ۱۰۴)

اسی طرح پنجاب کے حکام اعلیٰ ہنری لارنس، جان لارنس، رابرٹ منٹگمری، ڈانلڈ میکلوڈ۔ ہربرٹ ایڈورڈز۔ رینل ٹیلر، جان نکلسن وغیرہ نے امریکن مشن سوسائٹی کی پوری اعانت کی مذہبی اور بائیبل کی تعلیم دلوانے میں ان کا ہاتھ بٹایا[1]

حکام کا ذاتی اثر ڈالنا

اسی پر بس نہیں کیا جاتا تھا بلکہ حکام شہر اور افسران فوج اپنے ماتحتوں سے مذہبی باتیں کرتے تھے اپنی کوٹھیوں پر بلا کر پادریوں سے مذہب کی تلقین کراتے تھے۔ پادری لوگ ان لوگوں کے شہ دینے اور حمایت کرنے سے کانسٹیبلوں کو ساتھ لے کر مسلمانوں کے وعظوں اور ہندوؤں کی کتھاؤں میں جا کر اعتراضات کرتے اور مذہبی پیشواؤں کی برائی و توہین کرتے تھے۔

لفظ نصاریٰ کہنے پر پھانسی

حکام مشنریوں کی دل جوئی کرنے والے عالموں کو جو مشنریوں کو نصاریٰ کہتے تھے قانونی شکنجہ بھی استعمال کرتے تھے۔ چنانچہ انگریزوں کو لفظ نصاریٰ کہنے پر قانوناً ہندوستانیوں باغی قرار دیا گیا۔ اور ان کو سزائیں دی گئیں تاکہ پادریوں کا رعب و دبدبہ بڑھے اور کوئی شخص ان کی شان کے خلاف بات نہ کہہ سکے اور پادری لوگ بآسانی ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے میں کامیاب ہو جائیں چنانچہ لفظ نصاریٰ کی خونی داستان مولانا حالی کی قلم سے سنئے:-

"بعض اضلاع میں مسلمانوں کی بعض تحریریں ایام غدر کی ایسی پیش ہوئیں جن میں انگریزوں کو لفظ نصاریٰ سے تعبیر کیا تھا۔ حکام نے اس لفظ کو بھی بغاوت کا لفظ سمجھا اور اس کے لکھنے والوں کو سزائیں دی گئیں انگریزوں نے یہ خیال کیا کہ جس طرح یہودی حضرت عیسٰے کو حقارت سے ناصری (یعنی قریۂ ناصریہ کا رہنے والا) کہتے تھے اسی طرح مسلمانوں نے انگریزوں کو نصاریٰ کے لفظ سے یاد کیا ہے"

سرسید نے اس غلطی کو رفع کرنے کے لئے فوراً ایک مختصر رسالہ تحقیق لفظ نصاریٰ میں لکھا، اور اس کو اردو انگریزی میں چھپوا کر حکام اور گورنمنٹ کو اس کے مضمون سے مطلع کیا۔ سرسید نے بتایا کہ نصاریٰ کا لفظ ناصرہ سے مشتق نہیں بلکہ نصر سے مشتق ہے اور یہی اور مسلمان اس وجہ سے کہ قرآن سے ایسا ہی ثابت ہوتا ہے اسکو نصر سے مشتق سمجھتے ہیں نہ ناصرہ سے کیونکہ قرآن میں صاف آیا ہے کہ حضرت عیسٰے نے کہا مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ تو انصاریوں نے کہا نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ اور اسی لئے حواریوں کی پیروی کرنے والوں اور عیسٰی پر ایمان لانے والوں کو اسی صفت کے ساتھ جس کی حواریوں نے حامی بھری تھی موصوف کیا گیا اور ان پر انصاری کا اطلاق کیا گیا ہے قرآن مجید میں کہیں قریہ ناصریہ کا ذکر نہیں آیا۔ اور نہ کہیں حضرت عیسٰی کو ناصری کہا گیا ہے اس کے علاوہ قرآن مجید سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عیسائی

---

[1] صلیب کے علمبردار ص ۵۸

آنحضرت صلعم کے زمانہ میں خود اپنے تئیں نصاری کہتے تھے جیسا کہ سورۂ مائدہ کی اس آیت میں بیان ہوا ہے۔

وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَھُمْ مَّوَدَّۃً لِّلَّذِیْنَ آمَنُوا الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰی — اے محمد صلعم تو پائے گا اہل کتاب میں سے سب سے زیادہ مسلمانوں کا دوست ان کو جس کا قول ہے کہ ہم نصاری ہیں۔

جب یہ رسالہ شایع ہوا تو کسی انگریزی اخبار میں یہ لکھا گیا تھا کہ سید احمد خاں کا بیان غلط ہے کیونکہ کسی شخص کو نصاری کہنے پر سزا نہیں ہوئی۔ اس پر ایک معزز یورپین افسر نے اس کا جواب دیا اور یہ لکھا کہ خود ہمارے سامنے ایک شخص کو اسی جرم میں پھانسی دی گئی۔ (حیات جاوید ۹۰۔ جلد اول)

حکام کا قانون سے مشنریوں کو مدد دینا

سابقہ ہندوستان میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی ہندو عیسائی ہو جاتا تھا تو اس کو شاستر کے مطابق ہندو محروم الارث کر دیتے تھے جس سے پادریوں کو آسانی کے ساتھ ہندوؤں کے عیسائی ہونے میں وقت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ لارڈ ریڈنگ نے اس دقت کا سدباب کرنے کے لئے ایکٹ ۲۱ سنہ ۱۸۵۰ء نافذ کیا کہ اگر کوئی ہندو عیسائی ہو جائے تو وہ حقوق اور وراثت سے محروم نہ ہو سکیگا۔

اس ایکٹ سے نومسلم بھی فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا۔ اس لئے اس میں غیر مذہب کا کوئی آدمی اگر مسلمان ہو جائے تو اس کو اپنے مذہب کی رو سے جو اس نے اختیار کیا ہے اپنے مورثوں کا متروکہ جو غیر مذہب میں تھے لینا منع تھا۔ کوئی عیسائی اگر مسلمان ہو جاتا تو اس کو ورثہ کا حقدار نہیں رکھا تھا (رسالہ اسباب بغاوت ہندوستان)

اس ایکٹ کی غرض صرف عیسائی مذہب قبول کرنے والوں کو فائدہ پہنچانے کی تھی اور عیسائی بننے کی رکاوٹ دور کرنا تھی۔ تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ عیسائی بن سکیں۔

ہر فوجی داڑھی منڈوائے

حکام نے مسلمانوں اور ہندوؤں کے مخصوص مذہبی نشانوں کو مٹانے اور ختم کرنے کی کوشش کی تاکہ ان کی شان مذہب اور دھرم ختم ہو جائے۔ اور ہندوستانی اپنے مذہب میں کمزور ہو کر بالآخر انگریزی معاشرت و تہذیب کے شیدائی بن کر نصرانیت کے طور و طریقے اور بالآخر نصرانی مذہب اختیار کر لیں۔

چنانچہ سنہ ۱۸۰۸ء میں پہلی بار مقام ویلور صوبہ مدراس میں سر جان کرادوک کمانڈر انچیف نے اپنے فوجی قوانین میں چار باتیں اضافہ کیں۔ اور حکم دیا کہ ماتھے پر تلک (قشقہ) نہ لگائیں۔ کان میں بالا اور بالیاں نہ پہنیں۔ ڈاڑھیاں منڈائیں۔ چہارم اپنی ہندوستانی وضع کی ٹوپیوں کو چھوڑ کر انگریزی ہیٹ پہنیں (تاریخ میجر باسو)

حکام فوج ہی نے داڑھی منڈوانے کا حکم نہیں دیا تھا۔ بلکہ جیل کے افسران بھی قیدیوں کے لئے ضروری سمجھتے تھے کہ جیل میں قدم رکھتے ہی اپنی داڑھی منڈوا دیں اور قینچی کی نذر کر دیں چنانچہ جیل میں داخلہ کے بعد مولانا محمد جعفر تھانیسری کو سب سے پہلے یہ روح فرسا سانحہ پیش آیا۔ آپ لکھتے ہیں:۔

"جیل کے دستور کے مطابق مقراض ہماری داڑھی مونچھ اور سر کے بال وغیرہ تراش کر منڈی بھیڑ سا بنا دیا۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ مولوی یحییٰ علی صاحب اپنی داڑھی کے گرے ہوئے بالوں کو اٹھا کر کہتے تھے کہ افسوس نہ کر تو خدا کی راہ میں پکڑی گئی اور اس کے واسطے کتری گئی۔"[1]

جیل کے افسران خاص طور پر عیسائی تہذیب کے پرچارک تھے۔ سمجھتے تھے کہ جیل میں انسان بے بس ہوتا ہے اس لئے انہوں نے داڑھی منڈوانے کے علاوہ کھانے کے طریقوں میں اپنی تہذیب کے مطابق تبدیلی کی اور قیدیوں کو عیسائیت کا پیروکار بنانا چاہا۔

جیل میں پہلے دستور تھا کہ قیدی کو خوراک کے پیسے مل جاتے تھے۔ اور وہ اپنا کھانا خود اپنے ہاتھ سے بنا لیتے تھے لیکن حکومت نے

---

[1] تواریخ عجیب عرف کالاپانی۔

اس کو گوارا نہیں کیا۔ ایک جگہ کھانا بنوانے کا آرڈر دیدیا۔ قیدیوں میں اس بات کو بُرا سمجھا گیا۔ وہ سمجھ گئے کہ حکومت پہلے ان کی ذات ایمان کو خراب کرنا چاہتی ہے، پھران کو عیسائی بنائے گی کیونکہ اس صورت میں کھانا پکانے والا بھنگی چوڑا چمار بھی ہوسکتا ہے بلکہ ہوگا جس کے پکائے ہوئے کھانے سے ہمارا مذہب وایمان خراب ہوجائے گا۔

قیدیوں میں اس سے بے چینی پیدا ہوئی یہاں تک کہ شاہ آباد، سارن و پٹنہ کی جیلوں میں بڑے دنگے فساد ہوئے۔ بالآخر حکومت کو قیدیوں کے سامنے جھکنا پڑا۔

اسی قسم کا جھگڑا حکام کی اسی قسم کی ذہنیت کی وجہ سے جیل میں لوٹے کی تبدیلی کی وجہ سے ہوا۔ پہلے ہندو مسلمانوں کے استعمال کے لئے ایک برنجی لوٹا دیا جاتا تھا۔ جو پانی پینے کے کام آتا تھا۔ حکم ملا کہ اس کی جگہ مٹی کا برتن رکھیں اور اس برنجی لوٹے کو اپنے پاس نہ رکھیں۔ یہ لوٹا عیسائیت کی نشانی تھی۔ قیدیوں نے یہی سمجھا کہ عیسائی بنانے کی تیاری ہے۔ انہوں نے اس کے لئے انکار کیا۔ آرہ جیل میں یہاں تک نوبت آگئی کہ جیل میں جھگڑا ہوا۔ اور قیدیوں پر گولی چلائی گئیں اور مظفرپور تروہٹ میں بلوہ ہوگیا

(تاریخ عروج عہد سلطنت ہند حصہ سویم ۲۰۶)

انسداد غلامی کے نام سے یتیموں پر مشنریوں کا قبضہ کرانا

انگریزی حکام نے جس طرح بقایا قانون اصلاح رسوم کے نام سے بنائے اور ان سے ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے کا کام لیا اسی طرح یتیموں کو عیسائی بنانے کے لئے اوران پر قبضہ کرنے کے لئے انسداد غلامی کا حربہ استعمال کیا، اور یتیموں پر اس قانون کے نام سے قبضہ کیا، یہ سلسلہ سنہ ۱۸۳۷ء سے جاری رہا ہر قحط پر لاوارث بچوں پر قبضہ کرتے تھے۔ ہندوستانی ان کو غلام بنالیں گے اس لئے مشینری ان کے مالک بن جاتے تھے۔ ان کو مشنری سکولوں میں نصرانیت کی علی الاعلان تعلیم دی جاتی تھی اور کسی ہندوستانی ادارہ کو ہاتھ نہیں لگانے دیتے تھے۔ یہ ظلم اس دور کے لوگوں کے دلوں پر نقش تھا۔ لیکن حکومی و مظلومی کا بول بالا تھا۔ وہی کیا جو کچھ ظالم حاکم نے کیا۔ بہرحال یہ اندوہناک داستان بھی قوم کے مرثیے لکھنے والے حالی کی زبان سے سنئے۔

مرادآباد کے کلکٹر نے اپنے ضلع کے قحط کا انتظام سرسید کے سپرد کردیا تھا تو سرسید نے صاف کہہ دیا تھا کہ میں اس شرط پر انتظام کرتا ہوں کہ جتنے لاوارث بچے آئیں گے ان میں جتنے مسلمان ہوں گے وہ مسلمانوں کو اور جتنے ہندو ہوں گے وہ ہندوؤں کے سپرد کئے جائیں گے چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، جتنے لاوارث بچے آئے وہ ہندو مسلمانوں کے سوا کسی مشنری کو نہیں لینے دیئے مگر حسب ہدایت اسٹریچی صاحب کے جو بچہ جس کے سپرد کرتے تھے اس سے ایک اقرار نامہ لکھوالیتے کہ ہم اس بچہ کو لونڈی غلام نہیں بنانے کے۔ ہوشیار ہونے کے بعد جہاں اس کا جی چاہے رہے اور جہاں چاہے چلا جائے۔

لیکن ہنوز قحط کا انتظام ختم نہیں ہونے پایا تھا کہ جان اسٹریچی مرادآباد سے بدل گئے اور مسٹر پاورجن کی جگہ آئے مشنریوں نے اسٹریچی کے سامنے تو دم نہیں مارا۔ مگران کے جاتے ہی مسٹر پاور سے سرسید کی شکایت کی اور یہ چاہا کہ تمام لاوارث بچے۔ جو ہندو مسلمانوں کو دئے گئے ہیں واپس لئے جائیں، اس زمانہ میں مسٹر الگزنڈر شیکسپیر جو سرسید کے نہایت دوست تھے مرادآباد میں جج تھے۔ انہوں نے سرسید کو ہرچند سمجھایا کہ جتنے لڑکے اور لڑکیاں خاص تمہاری سپرد کی گئی ہیں وہ تم سے نہیں لی جائیں گی۔ مگر اور لوگوں پر اعتماد نہیں ہوسکتا کہ وہ اس کو لونڈی غلام نہیں بنائیں گے۔ مگر سرسید نے ہرگز نہ مانا اور کہا کہ میں نے اسی شرط پر قحط کا انتظام اپنے ذمہ لیا تھا۔ لاوارث بچے مشنریوں کو نہیں دئے جائیں گے۔ اور اسٹریچی صاحب گورنمنٹ میں رپورٹ کوچکے ہیں کہ لاوارث بچوں کا اس طرح بندوبست کیا گیا ہے اس کے خلاف کیونکر ہوسکتا ہے۔ مجھے جس طرح یہ گوارا نہیں کہ ایک سید کا بچہ مشنریوں کو دیا جائے اسی طرح یہ بھی گوارا نہیں کہ ایک چمار کا بچہ ان کو دیا جائے۔

مسٹر پاور کو جب سرسید کی ناراضگی کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے اس معاملہ پر غور کرنے کے لئے انگریزوں اور ہندوستا

نیوں

کی ایک کمیٹی بنائی چونکہ اس زمانہ میں ہندوستانی حد سے زیادہ ڈرے ہوئے تھے۔ اور سہمے ہوئے تھے اور انگریزوں کے خلاف کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا سرسید اور ایک دو ممبران کے سوا تمام کمیٹی کا اتفاق ہو گیا کہ جتنے بچے ہندو مسلمانوں کے سپرد کئے گئے ہیں۔ وہ واپس لئے جائیں کیوں کہ ان پر ہرگز اعتماد نہیں کہ وہ ان کو لونڈی غلام نہ بنائیں گے۔ آخر کار کمیٹی کی یہ رپورٹ منظور ہو گئی اور تمام لاوارث بچے ہندو مسلمان سے واپس لے کر مشنریوں کو دلوا دئے گئے۔ سرسید کے ہاں بھی پانچ لڑکے اور لڑکیاں رہتی تھیں اور ان کی بیوی ان کو کمال شفقت سے رکھتی تھیں۔ سرسید نے پہلے اس سے کہ کوئی ان سے مانگنے آئے فوراً ان کو کلکٹر کے پاس بھیج دیا۔ یہ یتیم چودہ ہزار تھے[1]

حکام کا نماز پڑھنے سے روکنا

یہ افسران عیسائیت کے اس قدر دیوانے تھے کہ مسلمانوں کو نماز بھی پڑھتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے تھے یہ نماز پر پابندی لگانے کو نصرانیت کی بڑی تبلیغ سمجھتے تھے اور اس میں رکاوٹ ڈالنے کو کار ثواب جانتے تھے۔ چنانچہ سرسید کے ایک نہایت عزیز اور خالص دوست کو ایک زمانہ میں ایسے ہی افسر سے سابقہ پڑا جو نماز پڑھنے پر تعرض کرتا تھا اس امر کی اطلاع انہوں نے سرسید کو کی ان کو اس سلسلہ میں سید صاحب لکھتے ہیں۔

کل میں سارے دن متردد رہا۔ کیوں کہ تمہارا کوئی خط نہیں آیا تھا۔ آج خط آیا۔ اور حال معلوم ہوا۔ گو میں کسی وقت کی نماز پڑھتا ہوں اور کسی وقت نہیں پڑھتا اور وقت بے وقت کا بھی خیال نہیں کرتا۔ اور دو دو اکٹھی بھی ملا کر پڑھ لیتا ہوں ریل میں جتنا سفر ہو مجھ سے ادا نہیں ہو سکتی۔ یہ سب باتیں مجھ میں ہیں، اور نالائقی اور شامت اعمال سے ایسی سستی نماز میں ہے۔ مگر تم نے اس معاملہ میں جو کچھ کیا نہایت بُرا کیا، نماز جو خدا کا فرض ہے اس کو ہم اپنی شامت اعمال سے جس خرابی سے ہو ادا کریں یا قضا کریں۔ لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ تم نماز نہ پڑھو اس کا صبر ایک لمحہ بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ بات سنی بھی نہیں جاسکتی میری سمجھ میں نماز نہ پڑھنا گناہ ہے۔ جس کے بخشے جانے کی توقع ہے اور کسی شخص کے منع کرنے سے نہ پڑھنا یا سستی میں ڈالنا میری سمجھ میں کفر ہے جو کبھی نہ بخشا جائے گا۔ تم کو تو پہلے ہی خود اپنی شامت اعمال سے ایسا طریقہ اختیار کرنا تھا جو کبھی اس قسم کی بحث نہ آتی اور جب ایسا طریقہ اختیار نہ کیا تھا تو پھر گھگھیانا اور گڑگڑانا، اور حضور رخصت ہی دیں۔ تنخواہ کاٹ لیں کہنا واہیات تھا۔ تراق سا استعفیٰ دے دینا تھا صاف کہہ دینا تھا کہ میں اپنے خدائے عظیم الشان قادر مطلق کے حکم کی اطاعت کروں گا۔ نہ آپ کی۔ کیا ہوتا نوکری میسر نہ ہوتی فاقے مر جاتے نہایت اچھا ہوتا۔ (حیات جاوید ۲۲۴ جلد دوم)

حکام کا مشن سکول میں داخلہ کی ترغیب دینا

تعلیم کے نام پر سنہ ۱۸۵۷ء ہی سے نصرانیت کا پروپیگنڈا اسکول میں حاکم اعلیٰ گورنر نے شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ اس زمانہ میں کلکتہ کے اندر لوٹ مار ہوئی تو میر جعفر سے جرمانہ وصول کیا گیا، اس جرمانہ سے کلکتہ فری سکول قائم کیا گیا اس سکول کے مہتمم گورنر مقرر ہوئے۔ اس اسکول میں لڑکیوں کی تعلیم کا بھی بندوبست تھا۔ کلایو گورنر کی موجودگی میں اس مدرسہ کی تعلیم کی غرض یہ قرار پائی کہ اس میں ہر قوم کا بچہ داخل ہو سکتا ہے جس کی عمر پانچ سال سے دس سال تک ہو اس طالب علم کے لئے یہ لازمی قرار دیا گیا تھا کہ ہر طالب اس کی عیسوی مذہب کی دعاؤں میں شامل ہو گا اور بائیبل کی تعلیم بھی لازمی طور پر حاصل کریگا۔

اس مدرسہ کے علاوہ مشن کے جس قدر مدرسے تھے ان میں نصرانیت کی تعلیم حاصل کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ بشپ کالج سنہ ۱۸۱۹ء کے ہر ایک طالب علم کو قسم کھانی پڑتی تھی کہ وہ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد مشنری کاموں میں حصہ لے گا۔

کلکتہ نورمل سکول اور زنانہ اسکول کے طالب علموں کو تعلیم پانے کے بعد عورتوں میں کام کرنے کے واسطے تیار کیا جاتا تھا۔ تاکہ وہ بعد میں عورتوں کے اندر عیسائیت کا پیغام پہنچائیں۔

---

[1] حیات جاوید ۹۳، ۹۴

بمبئی ایجوکیشنل سوسائٹی سکول: جس کا مقصد بچوں کو عیسائیت کے اصولوں کی تعلیم دینا تھا۔ اس کے تمام طالب علموں کے لئے لازم تھا کہ عیسائیوں کی دعاؤں میں شغل ہوں اور اس کو دہرائیں۔

مشن کے سینکڑوں سکولوں میں داخل ہونے کے لئے حکام ضلع ترغیب دیتے تھے خود جا کر شامل ہوتے تھے اندازہ لگاتے تھے کہ کون کون شامل ہوا، لوگ اپنے بچوں کو شامل نہ کرتے تو مجبور کیا جاتا تھا حکماً داخل ہونا پڑتا تھا[1]

مشن سکولوں میں لڑکوں کو انجیل پڑھ کر ان سے سوال کیا جاتا تھا کہ تمہارا خدا کون ہے اور نجات دلانے والا کون ہے۔ عیسائی مذہب کے مطابق جواب دینے والوں کو انعام دیا جاتا تھا، دیہاتیوں کے لئے دیہاتی مکاتیب تھے پرگنہ وزیٹر اور ڈپٹی انسپکٹر مجبور کرتے تھے۔ ڈپٹی انسپکٹر جب دورہ پر آتے تھے تو ان کو کالا پادری کہتے تھے اور ان سے ڈرتے تھے کہ یہ ہمارے دین اور مذہب ہم سے چھڑا دیگا۔

ایک طرف تو یہ دیہاتی مکاتیب مشتبہ دوسری طرف چھوٹی نوکریوں کے لئے بھی ڈپٹی انسپکٹر یعنی کالے پادریوں کے سرٹیفکیٹ کی ضرورت ہوتی تھی اس لئے کہ حکومت مانگتی تھی جس کا مقصد تھا کہ پادری کو خوش کرو۔ وہ کب خوش ہوتے جب یسوع مسیح کو نجات دہندہ مانتے تھے۔

انگریزی تعلیم کے نام پر عیسائیت کی تعلیم

انگریزی تعلیم دینے میں بھی یہی غرض تھی انگریزی کے نام پر تمام حکام اور حکومت در پردہ مشنری کام میں پورا پورا حصہ لے رہی تھی نام تھا انگریزی تعلیم کا۔ اور کام تھا عیسائیت کی تبلیغ کا چنانچہ آنریبل مسٹر چارلس گرانٹ ڈائرکٹر کمپنی ہندوستان میں انگریزی زبان جاری کرنا چاہتے تھے انہوں نے اس کی غایت یہ بیان کی تھی[2]۔

> یہ بالکل انگلستان کے اختیار میں ہے کہ وہ ہندوؤں کو بتدریج ہماری زبان سکھائے اور بعد میں اسی کے ذریعے ہماری فنون فلسفہ مذہب کی تعلیم دے۔ مگر بلاشبہ سب سے اہم تعلیم جو ہندوؤں کو ہماری زبان کے ذریعے ملے گی۔ وہ ہمارے مذہب کی معلومات ہوگی مسلمانوں نے اپنی سلطنت کے زمانہ میں ہندوستان کے کیریکٹر میں کوئی تبدیلی نہیں کی اور ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیا اس اندیشہ سے کہ تعلیم پھیلنے سے کسی زمانہ میں ہماری حکومت متزلزل نہ ہو جائے اور ہمارے فوائد کو نقصان نہ پہنچے، ہمیں ہندوستانیوں کو سچے مذہب (یعنی مذہب عیسوی) سے اور بہترین اخلاق سے اور علوم و فنون کے اصول سے محروم نہیں کرنا چاہیئے۔"

سنہ ۱۸۱۶ء میں انگریزی زبان کے ذریعے عیسائیت کو فروغ دینے کے لئے پادریوں اور کلکتہ کے ایک گھڑی ساز مسٹر ڈیوڈ ہیر نے ہائیکورٹ کے چیف جسٹس سر ہائیڈ ایسٹ کی امداد سے اور کلکتہ کے غیر متعصب و موحد رئیس راجہ رام موہن کی سرتوڑ کوششوں سے اینگلو انڈین کالج کلکتہ میں قائم کیا، جس میں انگریزی پڑھانے کی ابتدا کی گئی۔ اس کے بعد آگرہ کالج، سینٹ اسٹیفن کالج کلکتہ، اجمیر کالج۔ بنارس کالج۔ بریلی، دہلی کالج، ڈکہ کالج، لاہور گورنمنٹ کالج۔ پٹنہ کالج۔ مدہام پور کالج۔ کیننگ کالج لکھنؤ۔ ہگلی کالج۔ کرشن نگر کالج وغیرہ بنائے گئے جن کی تعلیم کے نتیجے پبلک کے لئے انتہائی پریشان کن ثابت ہوئے۔ سب سے پہلے خاص لاہور میں سنہ ۱۸۶۶ء میں تین لڑکے مسیحی ہوئے پادری پی، سی ایل ان میں سے ایک تھا۔ اس پر لاہور شہر میں بڑا شور و غوغا ہوا۔ کالج کے طلباء نے پڑھنا چھوڑ دیا، اور کالج میں صرف سات طلبا رہ گئے۔ ہندو مسلمانوں نے ہزاروں کی تعداد میں مخالفانہ مظاہرے کئے۔ دہلی میں بھی یہی ہوا۔ ماسٹر رام چندر اور چمن لال کے عیسائی ہونے سے شہر میں ہیجان پیدا ہو گیا۔ اس خبر کے پھیلتے ہی شہر میں پھیلنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام لڑکوں نے اپنے نام سکول سے کٹوا لئے[3] سنہ ۱۸۴۸ء کے اندر بہت سے لوگ عیسائی ہوئے تو ہندوؤں نے عیسائیوں کے گھر لوٹے۔ اس قسم کے واقعات بیدن ہندوستان کے گوشوں میں ہوتے تھے۔ عوام میں آگ لگی تھی لیکن حکومت کی تعلیمی سب کمیٹی اپنی رپورٹوں میں اپنے مقصد کی تکمیل پر خوشی کا اظہار کرتی تھی۔ اور حکام اپنے مقصد نصرانیت کی تبلیغ

---

[1] اسباب بغاوت ہندوستان [2] مسلمانوں کا روشن مستقبل [3] صلیب کے علم بردار [4] مرحوم دہلی کالج۔

کرنے میں کامیاب ہوتے نظر آرہے تھے۔ چنانچہ سنہ ۱۸۳۱ء کی سرکاری تعلیمی کمیٹی رپورٹ میں یوں شادیانے بجائے گئے تھے۔

ہندو کالج کی حوصلہ افزائی کی طرف توجہ کرنا اس تعلیمی سب کمیٹی کے خاص مقاصد میں سے رہا ہے اس سے جو نتائج حاصل ہوئے وہ امید سے زیادہ ہیں انگریزی کی واقفیت میں ترقی کے ساتھ اخلاقی اثرات بھی نمایاں ہوئے اور اچھے خاندان اور قابلیت کے بہت سے نوجوانوں میں ہندو مذہب کی بندشوں سے آزاد ہونے کے لئے بے چینی اور اپنے رسوم کی طرف سے بے اعتنائی کا علانیہ اظہار کیا جارہا ہے غالباً دوسری نسل میں کلکتہ کے ہندوؤں کے خیالات اور محسوسات میں بڑی مادی تبدیلی ہو جائے گی؛ [1]

یہ شادیانے حق بجانب تھے کیونکہ کیفیت یہ تھی کہ ہندو کالج میں انجیل و نصرانیت کی اس قدر زیادہ تعلیم تھی کہ انگلستان کے کسی پبلک سکول میں نہیں تھی۔ [2]

مقصد چونکہ تمام ہندوستان میں عیسائیت کا پھیلانا تھا وہ صرف ہندو کالج کی تعلیم سے پورا نہ ہوتا تھا اس لئے مقدس کو پورا کرنے کے لئے حکومت منظر عام پر آگئی اس نے قطعاً بادشاہانہ اصول اور رعیت کے حقوق آزادی کا خیال نہیں کیا متعصب و فرقہ پرست بنکر اس رکیک چولہ کو پہن کر لارڈ ڈہٹینگ کے ریز ولیوشن مورخہ ۷ مارچ سنہ ۱۸۳۵ء کا اعلان کیا گیا۔

گورنر جنرل با اجلاس کونسل کی یہ رائے ہے کہ حکومت برطانیہ کا بڑا مقصد اہل ہند میں یورپین لٹریچر اور سائنس کی اشاعت کرنا ہے اور جس قدر رقوم مقاصد تعلیم کے لئے مخصوص ہیں وہ صرف انگریزی تعلیم پر صرف ہونی چاہیئں۔

ہز لارڈ شپ با اجلاس کونسل کو یہ اطلاع ملی ہے کہ کمیٹی نے رقم خطیر مشرقی کتب کے طبع میں صرف کی ہے۔ ہز لارڈ شپ با اجلاس کونسل ہدایت کرتے ہیں کہ آئندہ ان رقوم کا کوئی جزو اس کام میں نہ لایا جائے۔

ہز لارڈ شپ ہدایت کرتے ہیں کہ وہ تمام رقوم جو ان اصلاحات کی رو سے کمیٹی کے قبضے میں آئیں وہ آئندہ دیسی لوگوں میں انگریزی زبان کے ذریعے سے انگریزی علم و ادب اور سائنس کی اشاعت میں صرف کی جائیں۔

اسی پالیسی بنانے میں حکومت ہند انتہائی عریاں ہوگئی اور آخر لارڈ میکالے نے جب دیکھا کہ مندرجہ بالا ریز ولیوشن یعنی انگریزی تعلیم کی مخالفت میں نصف ووٹ ہیں اور معاملہ ڈانواڈول ہے تو انہوں نے اپنا فیصلہ کن ووٹ انگریزی تعلیم یعنی نصرانیت کی تبلیغ کے حق میں دیا۔ وہ پالیسی کیسی تباہ کن تھی وہ خود لارڈ میکالے کی زبان سے سن لیجئے۔ جو انہوں نے پوشیدہ طور پر اپنی والدہ کی چٹھی میں لکھی تھی۔

میرا پختہ عقیدہ ہے کہ اگر تعلیم کے متعلق ہماری تجاویز پر عملدرآمد ہوا تو تیس سال بعد بنگال میں ایک بت پرست بھی باقی نہیں رہے گا۔ [3]

اسی زہر دینے کے بعد جسم ہندی پر تیزاب ڈالا گیا، یعنی گورنمنٹ کی جانب سے اشتہار شایع ہوا:-

جو شخص مدرسہ کا تعلیم یافتہ ہوگا اور فلاں فلاں علوم و زبان انگریزی میں امتحان دیکر سند یافتہ ہوگا۔ وہ نوکری میں سب سے زیادہ مقدم سمجھا جائے گا۔ چھوٹی چھوٹی نوکریاں بھی ڈپٹی انسپکٹروں کے سرٹیفکیٹ پر جن کو لوگ ...... کالا پادری سمجھتے تھے منحصر ہوگئیں۔ [4]

اس سے زیادہ پادریوں کی اور کیا کھلی ہوئی حمایت ہوسکتی ہے۔

حکومت کی اس حامیانہ پالیسی کا سوائے اس کے اور کیا اثر ہوسکتا ہے کہ پادری لوگ من مانی کارروائیاں کریں قرآن مجید کو مٹانے کی کوشش کریں اور لوگوں کو خوشی و لالچ سے نہیں بجز عیسائی بنائیں نہ بنیں تو ان کا اغوا کر لیں اڑا کر لے جائیں اور نئی نئی قسم کی بدعتوں سے آخر کار لوگوں کو ایمان کی برکت کا پانی پلا کر خراب کریں۔ تفصیل وار واقعات سن لیجئے۔ اور منطبق کر لیجئے۔ نصرانیت کو فروغ دینے کی پالیسی حکومت نے

---

[1] تاریخ التعلیم از محمد ص ۳۵ [2] بیان سر فریڈرک ہیلڈ [3] تاریخ تعلیم سجر ماسو ۱۰۵ [4] در باب بغاوت ہند۔

ہمیشہ سے رکھی ہے۔

قرآن مجید میں تحریف کی سعی کرنا

جب ابتدائی انگریزی عمل داری میں پادری لوگ آئے تو انہوں نے یہ سمجھ کر کہ ہندوستان میں مطبع نہیں ہے قلمی نسخوں پر قرآن مجید کا دار و مدار ہے تو مسلمانوں سے قرآن مجید بڑی بڑی قیمتوں پر خریدنے لگے۔ یہ خرید برسوں جاری رہی چنانچہ میرٹھ اور دہلی کے نواح کے معمر لوگوں نے اس بات کی تائید کی۔ ایک بزرگ نے بیان کیا کہ ایک پادری میرے دوست تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ تم اس قدر نسخے کیوں خرید رہے ہو۔ بڑے اصرار کے بعد انہوں نے راز فاش کیا کہ یہاں کے مشن کی یہ رائے ہے کہ ان لوگوں سے نسخے خرید لیجئے پھر جب نایاب ہوں تو لندن سے مختلف نسخے قرآن مجید کے طبع کرا کے یہاں کے مسلمانوں کے ہاتھ فروخت کئے جائیں جس سے مسلمانوں میں قرآن مجید کے معاملہ میں بڑا اختلاف پڑ جائے گا۔ اور عیسائیت عروج حاصل کرے گی۔ اس بزرگ نے ان کو سمجھایا کہ یہ خبط ہے اس سے کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔ لاکھوں مسلمانوں کے دلوں میں یہ محفوظ ہے اور مسلمان اس کے حافظ ہیں۔

(راوی مولانا عبدالحق محدث دہلوی حاشیہ بر تفسیر حقانی ص ۸۴)

پادریوں کی کارستانیاں

"سیاں بھے کوتوال ڈر کاہے کا" کے مصداق پادری لوگ آزاد تھے۔ ایک تو حکومت ان کی اور "عیسیٰ کی خدائی" کے لئے وہ ہر ایک فعل کو جائز سمجھتے تھے۔ وہ جو کچھ کرتے تھے اس پر اس زمانہ کے اخبارات نکتہ چینی کرتے تھے ان کی پولیں کھول کر اپنا فرض ادا کرتے تھے بھیجنے والے تنقید نگار کمال کے تھے۔ تھرتھری سی پیدا کر دیں لیکن حکام کے کان پر جوں نہیں رینگتی تھی۔ اخبارات کی صدا صدائے گنبد بن جاتی تھی۔ اسی پادریوں کی خود مختاری اور حکام کی غفلت دہمنوائی کی تفصیل اخبار الاخیار دہلی نسیم آگرہ کے حوالے سے لکھتا ہے۔

پادری لوگوں کی زبردستی اب تو حد سے گزر گئی کہ ہر طرح کے اغوا اور غلانے کے لئے اور گمراہ کرنے کے لئے پیدا کرتے جاتے ہیں۔ انجیل کی تقسیم اور منادی سے پیٹ نہ بھرا تو سکول جاری کئے۔ انجیل کی روزمرہ کی پڑھائی کی پھر بھجن بنائے۔ تب مستورات یعنی میم لوگ بھجن سناتے دستکاری کے حیلے سے جانے لگیں۔ پھر بازاروں اور میلوں میں کرسچین بھجن گانے لگے۔ پھر ستار وغیرہ باجا لے کر لوگوں کو متوجہ کیا، وہ بھی گرچہ تعجبات سے نہیں معلوم ہوا۔ یعنی سوائے قحط زدوں کے بہت کم خوشی سے کرسچین ہوئے پھر اب گیروا کپڑے پہن کر اور فقیر بن کر کام کرنا شروع کیا اور مدرسوں سے جب خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا تو ہسپتال جاری کئے مردانہ بھی اور زنانہ بھی، زنانہ کی کارسازی سنئے کہ جب مریض جمع ہو جاتے ہیں تو ان کا حال دریافت کر کے نسخے تیار کئے جاتے اور پھر سب کو بھجن سنائے جاتے ہیں مسیح کی عظمت سمجھائی جاتی ہے کہ مسیح نے فلاں مردہ زندہ کیا۔ فلاں معجزہ ایسا کیا۔ اس کے بعد ان کو دوا دی جاتی۔ دوا تو دوا ہے بلکہ گرجا میں منہ دھونے کی کلی وغیرہ کا پانی جسے پلا کر کرسچین بناتے ہیں وہ پانی بھی دعا سے علیحدہ دیا جاتا ہے اس کا نام "برکت کا پانی" رکھا گیا ہے۔ یہ کیسی ایمانداری ہے پادریوں کی کہ وہ خلاف مذہب جبراً لوگوں کو نادانستہ طور پر پلاتے ہیں۔ ۱۵ فروری سنہ ۱۸۸۸ء ۳ جمادی الآخر سنہ ۱۳۰۵ھ چہار شنبہ جلد ۲ نمبر ۷ صفحہ ۵۔

"انسان چور" مشنری

جب کہ یسوع قوم پر نثار ہو گیا ہو، اپنا خون، گوشت قوم کی نجات کے لئے چڑھا چکا ہو اور نجات دہندہ سب کے پاپ کی ذمہ داری لے چکا ہو اور آسمان پر موجود ہو تو پادریوں کو کس بات کی فکر تھی۔ دھڑلیے ہندوستانیوں کو اغوا کر کے عیسائی بناتے تھے۔ اور یسوع کی بھیڑوں کی تعداد میں بڑھانے میں جھجکتے نہیں تھے۔ چنانچہ پا بجولاں عدالت میں لائے گئے۔ عدالت نے سزا دی اپیل ہائی کورٹ میں گیا تو ثقاہت کا بھانڈا پھوٹا۔ اور مغرب کے اخلاق کی بزرگی کے دعوے کی اصلیت عیاں ہو گئی اخبار میں لوگوں نے پڑھا:۔

پٹنہ مشنری کا مقدمہ کلکتہ ہائی کورٹ میں مشنریوں کے خلاف ہوا۔ کلکتہ ہائی کورٹ کی عدالت ماتحت مسٹر کونن کی کل راؤں کو قائم رکھا۔ اس کی رائے تھی۔

کل مشنری باستثنا بعض "انسان چور" ہیں جب وہ معمولی طریقے سے عیسائی بنانے میں کامیاب نہیں ہوتے تب وہ لڑکوں کو ان کے والدین کے گھروں سے مکر اور فن سے بھگا کے لے جاتے ہیں وہ بڑی جواد عیسائی ہیں کہ لڑکوں کو ان کے والدین سے دن دہاڑے چُرا لیتے ہیں۔ (اخبار الاخیار۔ دہلی۔ م ۷ رمضان شریف سنہ ۱۳۰۶ھ جلد ۳ نمبر ۱۸ ص ۴)

سنگین مجرموں کی عیسائیت کی وجہ سے رعایت

اس مقدمہ میں معلوم ہوتا ہے کہ عدالتِ ماتحت اور ہائی کورٹ عیسائی نہیں تھی ورنہ ملزمان باعزت رہا ہوتے اور اگر کوئی پولیس میں عیسائی ہوتا تو مقدمہ عدالت میں ہی نہ جاتا کیونکہ ملزمان یسوع کے نجات یافتہ تھے، یہ تو لڑکے تھے اگر کسی نوجوان لڑکی کا اغوا کر لیتے تو کوئی توجہ نہ دی جاتی۔ صرف عیسائی ہونا کافی تھا چنانچہ حکام ایسا ہی کرتے تھے جس کی تصدیق اخبار قیصری رام پور کی خبر

"میاں محمد اعظم قاضی ٹیچر پرائمری سکول قصبہ سردر پرگنہ شکر گڑھ ضلع گورداسپور نے ایک جمیلہ اور ذی عزت عورت کو بوساطت اغوا کر کے لے گئے آخر الامر تہی دست ہو کر پھر دولت خانہ را بنول تحصیل شکر گڑھ میں روپوش ہو کر اوقات بسر کرنے لگے، آخر ش اندھے کو اندھیرے میں بہت دور کی سوجھی ۲۵ ر دسمبر سنہ ۱۸۸۷ء بڑے دن قصبہ نارروال ضلع سیالکوٹ میں دونوں سیاروں ماہ پاروں نے بخوشی مذہب عیسائی اختیار کیا، اور "ہم، تم" کرنا شروع کر دیا۔ اب گورنمنٹ بھی ڈھیلی ہو گئی اس جزو کو نقل کرنے کے بعد اخبار الاخبار اپنی کتنی صحیح و معقول تنقید کرتا ہے:۔

"کیسا عیسائی ہونا مجرموں کو سزائے جرم سے بھی بری رکھ سکتا ہی اگر یہی رنگ ہے تو مجرموں کے لئے عیسائی مذہب ایک ایسا قلعہ ہے کہ جس وقت چاہے اس میں جا کر پناہ لے لے" (۲۲ جنوری سنہ ۱۸۸۸ء م ۷ جمادی الاول سنہ ۱۳۰۵ھ جلد ۲ نمبر ۲ صفحہ ۵)

جامع مسجد کو گرجا میں تبدیل کرنے کا ارادہ

پادریوں کو جب حکام کی یہ شہ ملی تو ان کو زعم ہو گیا انہوں نے سمجھا کہ حکومت ہماری ہے کون بولنے والا ہے۔ ہماری بات حکومت کی بات ہے کون ٹال سکتا ہے چنانچہ اسی زعم پر جب دہلی میں سنہ ۱۸۵۷ء غدر میں عہدۂ بشپ قائم کرنے کا سوال در پیش ہوا۔ اسوقت یہ تجویز ہوئی کہ شاہجہانی مسجد "جامع مسجد" کو گرجا میں تبدیل کر دیا جائے بشرطیکہ وہ موجودہ شورش (غدر) کے شدید حملے سے محفوظ رہ جائے"۔[۱]

کل ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے کی آگ لگانے والی سازش

اسی طرح پادری اینڈ منڈ نے دارالامامت کلکتہ سے عام لوگوں کو اور علی الخصوص سرکاری بڑے بڑے ملازموں کو چٹھیاں بھیجیں جس کا مطلب یہ تھا کہ اب تمام ہندوستان میں ایک عملداری ہو گئی تار برقی سے سب جگہ کی خبر ایک ہو گئی ریلوے سڑک سب جگہ کی آمد و رفت ایک ہو گئی مذہب بھی ایک ہی چاہیئے اس لئے مناسب ہے کہ تم لوگ بھی عیسائی ایک مذہب ہو جاؤ۔

سر سید جو اس وقت زندہ تھے۔ تمام حالات سے واقف تھے اور خاص طور پر سرکاری ملازموں کی ٹولی کے رہبر و رہنما مانے جاتے تھے۔ ان کے دلوں سے پورے پورے واقف بھی تھے۔ اسوقت جو بے چینی سے کیفیت پیدا ہوئی اس کی حالت لکھتے ہیں۔

"میں سچ کہتا ہوں کہ ان چٹھیوں کے آنے کے بعد خوف کے مارے سب کی آنکھوں میں اندھیرا آ گیا۔ پاؤں تلے کی مٹی نکل گئی سب کو یقین ہو گیا کہ ہندوستانی جس وقت کے منتظر تھے وہ وقت آ گیا اب جتنے سرکاری نوکر ہیں اول ان کو کرسٹان ہونا پڑیگا۔ اور پھر تمام رعیت کو سب لوگ بے شک سمجھتے تھے کہ یہ چٹھیاں گورنمنٹ کے حکم سے آئی ہیں۔ آپس میں ہندوستانی اہل کاران سرکاری سے پوچھتے تھے کہ تمہارے پاس بھی اطلاع آئی ہے اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ تم بھی لالچ کے سبب کرسٹان ہو گئے۔ ان چٹھیوں نے یہاں تک ہندوستانی اہل کاروں کو الزام لگایا کہ جس کے پاس چٹھیاں آئی تھیں وہ مارے شرمندگی اور بدنامی کے چھپاتے تھے اور انکار کرتے تھے کہ ہمارے پاس تو نہیں آئی لوگ جواب دیتے تھے کہ اب آ جائے گی کہ کیا تم سرکار کے نوکر نہیں ہو اگر سچ پوچھو تو یہ چٹھیاں تمام ہندوستان کے شبہات کو پکا اور مستحکم کرنے والی تھیں چنانچہ انہوں نے کر دیا اور اسکے گارسان دتاسی

مٹانے کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ اس چٹھی کا مکمل مضمون یہ تھا۔

بخدمت تعلیم یافتہ باشندگان ہند

معلوم ہوتا ہے کہ وہ وقت آگیا ہے کہ اس مضمون پر سرگرمی کے ساتھ غور کیا جائے کہ سب لوگوں کو ایک ہی مذہب اختیار کرنا چاہیے یا نہیں۔ ریلیں، دخانی جہاز اور تار برقی نہایت تیزی کے ساتھ دنیا کی تمام قوموں کو ملا رہی ہیں جس قدر قومیں زیادہ ملتی جلتی ہیں اسی قدر زیادہ اس کے نتیجہ کا یقین ہوتا جاتا ہے کہ تمام لوگوں کی ایک ہی حاجتیں ہیں ایک ہی اندیشے ہیں اور ایک ہی امید و بیم ہیں اور یہ بات بھی متیقن ہے کہ موت سب کے لئے اس تباین کو ختم کر دیتی ہے۔

تو پھر کیا ایسے وسائل نہیں ہیں جن سے زندگی کے رنج اور تفکرات کم ہو سکیں اور جن سے تمام لوگوں کو موت کے وقت آرام مل سکے کیا یہ فرض کر لینا معقول ہے کہ ہر ایک قوم کی رہنما الیٹ محض قیاس کے ذریعے سے اپنے واسطے راستہ نکالنا چاہیے یا جس خدا نے سب کو بنایا ہے اس نے اپنے خاندان کے مختلف لوگوں کے لئے موجودہ اور آئندہ خوشی حاصل کرنے کے لئے مختلف طریقے مقرر کئے ہیں تب تک بات نہیں ہو سکتی مذہب عیسوی ہی ایسا مذہب ہے جو خدا کے پاس سے براہ راست الہام کے ذریعے سے آنے کا دعویٰ کرتا ہے اور یہی ایسا مذہب ہے جس سے دنیا میں اور دوسری دنیا میں جس کا حال اس پہ منکشف ہوتا ہے خوشی حاصل ہو سکتی ہے دنیا کے کسی دوسرے مذہب کو ممتاز کرنے کے لئے اس میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے کہ یہ انسان کے دل اور عقل سے اپیل کرتا ہے اور دنیا میں صرف یہی مذہب ہے جو محض دلیل کے زور سے پھیلا جو قومیں اس مذہب پر عقیدہ رکھتی ہیں سب سے زیادہ غور و خوض کرنے والی اور دنیا میں سب سے زیادہ شائستہ ہیں بہر کیف اس مذہب کو حق حاصل ہے کہ اس پر غور کیا جائے۔

چونکہ ہم نے خود اس سے نہایت بڑی برکتیں حاصل کی ہیں اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ اور لوگوں کو بھی ان کے حاصل کرنے کی ترغیب دی جائے اور اس لئے یہ سنجیدہ اور سرگرم اپیل آپ سے کی جاتی ہے کہ بطور خود آپ اس مضمون کو امتحان کریں، اس مذہب کی تائید میں بے شمار دلیلیں ہیں مگر اس مضمون میں ان میں سے صرف ایک پر بحث کی جائے گی۔ مگر وہ ایک امر کو مستحکم کرنے کے لئے بالکل کافی ہوگی۔

ایک شخص یسوع نامی ملک یہودیہ کے ایک مقام بیت لحم میں تقریباً ۱۹۰۰ برس گذرے پیدا ہوا تھا وہ عالی خاندان اور دولتمند نہ تھا۔ لیکن اس نے اس بات کا دعوےٰ کیا ہے کہ مجھ کو خدا نے بھیجا ہے تا کہ میں لوگوں کو صرف وہی راستہ بتاؤں جو خدا کی طرف رہنمائی کرے گا اس ملک میں تین سال وعظ کرتے پھرنے کے بعد سلطنت رومانے یہودی علماء کی درخواست پر اس کو مار ڈالا یہاں تک سب جانتے ہیں جس طرح جولیس سیزر کی موت ایک امر واقعی ہے اسی طرح یسوع مسیح کی موت بھی ایک امر واقعی ہے اور کسی شخص کو نہ ایک میں شبہ ہے اور نہ دوسرے میں یہودی جو یسوع اور اس کی تعلیم کے سب سے بڑے دشمن ہیں اس پر فخر کرتے ہیں اور یہ سب سے بہتر شہادت ہے جس کی ہم خواہش کر سکتے تھے۔ اس کے پیرو کہتے ہیں کہ وہ مر کر دوبارہ زندہ ہوا یہ ایک بڑا واقعہ ہے جس پر تمام مذہب عیسوی منحصر ہے اگر یہ سچا ہے تو انجیل بھی سچی ہے کیونکہ کوئی شخص مر کر زندہ نہیں ہو سکتا جب تک خدا کی مدد شامل حال نہ ہو اور خدا اس شخص کو ہرگز مردہ سے زندہ نہ کریگا۔ جس کی زندگی اور تعلیم اس کو پسندیدہ نہ ہو اگر یہ غلط ہے تو انجیل بھی غلط ہے۔

ہم نہایت ادب اور سرگرمی سے آپکو تاکید کرتے ہیں کہ آپ اپنی تمام توجہ اس مسئلہ پر مبذول فرمائیں کہ آیا یسوع زندہ ہوا یا نہیں ہمکو اس امر پر گواہ لانے چاہئیں اور وہ حسب ذیل ہیں۔ پیٹر، جان، متھیو، متھیاس، ٹومس، جیوڈ، میری میگڈلین، یاکلیوفس، اور بالسو اور جن کے نام اب معلوم نہیں ہیں بہت سے ان میں خاص دوست تھے جو یسوع کی موت سے پہلے تین سال تک متواتر اس کے ساتھ رہے تھے اس لئے وہ اس کی شناخت میں غلطی نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے اس کی وفات سے پچاس دن کے اندر اندر آ کر ظاہر کیا کہ وہ اسی جگہ اور ان ہی لوگوں میں جنھوں نے اسکو مصلوب کیا تھا دوبارہ پیدا ہوا۔

اگرچہ اس بات کے ظاہر کرنے میں ان کا کچھ فائدہ نہ تھا بلکہ ہر چیز کے کھو بیٹھنے کا خطرہ تھا یہاں تک کہ جانوں کے بھی ضائع ہونے کا احتمال تھا مگر اس پر بھی انہوں نے کئی ہزار آدمیوں کو اس بات کا یقین کرنے کی ترغیب دی کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سچ ہے یہاں تک کہ وہی لوگ اس کو نہیں مانتے تھے اور حقیر سمجھتے تھے اور اس سے نفرت کرتے تھے اب اس کے نام کی عزت اور پرستش کرنے لگے۔

جب تک وہ زندہ رہے نہ صرف یہودیہ میں بلکہ تمام سلطنت روما میں اس واقعہ کا ذکر کرتے رہے۔ بہت سے لوگوں نے اپنی صداقت کو اس طرح ثابت کیا کہ اس بات کے کہنے کے عوض میں اپنے لئے موت اور سخت اذیت گوارا کی۔ جب کہ وہ صرف یہ کہہ کر چھوٹ سکتے تھے کہ یہ بات جھوٹ ہے۔ اگرچہ وہ جاہل اور ان پڑھ تھے مگر انہوں نے تمام سلطنت روما میں ہزاروں کو ایسی ترغیب دی کہ وہ ان کا یقین کرنے لگے اور اپنے مذہب ترک کر کے باوجود لوگوں کی نفرت اور قتل ہونے کے اس مذہب کو جس کی وہ تعلیم دیتے تھے قبول کر لیا۔ دنیا کی آرام و عزت کا وعدہ نہیں دلاتے تھے کہ جس سے لوگوں کو ان کے یقین کرنے کی ترغیب ہو بلکہ معاملہ برعکس تھا۔ ان کے نزدیک یہ کافی نہ تھا کہ ان کے خیالات کی برائے نام پیروی کی جائے۔ بلکہ وہ انکسار اور پاکیزہ زندگی چاہتے تھے جسے قدرتاً سب لوگ ناپسند کرتے ہیں وہ کہتے تھے کہ یہ نیا مذہب بھی کسی کو (مرنے سے) نہیں بچا سکتا۔ اگرچہ ان کو خود اس بات سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ اور دوسروں کو بھی یہی تعلیم دی کہ ان کو بھی کسی فائدہ کی نہیں رکھنی چاہیئے۔ تاہم انہوں نے یسوع مسیح کے دوبارہ زندہ ہونے والے مؤثر طریقے سے یقین دلایا کہ یہ مسئلہ جس کا ان پڑھ ماہی گیر غریب بخار کے بیٹے کی نسبت وعظ کیا کرتے تھے۔ سلطنت روما کے زاویہ گوشوں سے تمام سلطنت میں ان کی موت کے بعد بھی پھیل گیا، اور اس نے ہر ایک مذہب کو اگرچہ زمانہائے دراز سے اسکو مانتے چلے آتے تھے اکھاڑ پھینکا۔

یسوع مسیح کے دوبارہ زندہ ہونے کے ثبوت میں ہمارے پاس ان لوگوں کی شہادت موجود ہے۔ جو اس مسئلے کے واعظ نہیں ہوئے۔ ان سپاہیوں نے جو قبر پر پہرے کے لئے مقرر کئے گئے تھے۔ اس واقعہ کو دیکھا (یہودی) عالموں نے اس بات کا تذکرہ کیا۔ انہوں نے جسم کے غائب ہونے کی وجہ بتانے کے لئے جس کو جب تسلیم کرتے تھے ایک بیہودہ حکایت کا گھڑ لینا ضروری تھی۔ صرف عوام الناس کی شہادت جس کی ہر شخص خواہش کر سکتا ہے۔ ہمارے پاس موجود نہیں ہے کہہ۔ بحث ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ یسوع نے عام طور پر سب لوگوں کے سامنے اور خصوصاً ان لوگوں کے سامنے جنہوں نے اس کو مصلوب کیا تھا۔ اپنے آپ کو ظاہر نہیں کیا، اس کے مختلف وجوہات بیان کئے جا سکتے ہیں جو اس مسئلہ کی ماہیت ہے جس کی وہ تلقین کرتے تھے۔ اور کئے گئے ہیں، ان وجوہات کا بیان کرنا اس وقت ناممکن ہے۔ لیکن یہ خیال رکھنا چاہیئے۔ کہ اس شہادت کا موجود ہونا اس واقعہ کی سچائی پر کچھ اثر نہیں ڈالتا۔ اگرچہ بہت سے آدمیوں نے جو اس کے جواب کو اچھی طرح جانتے تھے اس کو دیکھا اس سے باتیں کیں اور اس کے ساتھ کئی موقعوں پر کھانا کھایا تو یہ سوال کرنا کہ کیا وجہ ہے اور لوگوں نے اس کو نہیں دیکھا۔ درحقیقت ان کو متزلزل نہیں کر سکتا۔ جہاں کہیں وہ ظاہر ہوا تمام لوگوں نے جو اس وقت وہاں موجود تھے اس کو دیکھا چنانچہ ایک موقعہ پر پانسو آدمیوں تک نے دیکھا۔ پس ظاہر ہے کہ یہ ایک خیالی نہیں واقعی بات تھی ایک شخص مسمی ٹامس نے کہا کہ جب تک میں اس کے ہاتھوں میں میخوں کے اور پہلو میں برچھے کے سوراخوں کو اپنے ہاتھ ڈال کر نہ دیکھوں گا اسوقت تک یقین نہیں کروں گا کہ وہ ہمارا پرانا دوست ہے مگر اس کی بھی تسلی ہو گئی ہم نہایت سرگرمی کے ساتھ التجا کرتے ہیں کہ آپ ان واقعات...... پر غور کریں اور اگر شہادت میں کچھ نقص ہو تو ہمیں بتائیں ورنہ اس بات کو تسلیم کریں کہ یسوع مسیح مردہ سے زندہ ہوا اور انجیل پر ایمان لائیں

یسوع مسیح کے دوبارہ زندہ ہونے سے سب لوگوں کا اس امر کا یقین ہوتا ہے کہ خدا نے ایک دن ایسا مقرر کیا ہے جبکہ وہ راستبازی میں دنیا کا انصاف کریگا، اسوقت تم اس کے سامنے کھڑے ہو گئے اور بری خیالات گندے الفاظ اور بد اعمال کی جن کے تم مجرم ہوئے جواب دہی کرنی پڑیگی کیا تم ایسا کرنے کے لئے تیار ہو، کوئی متنفس نہیں جو کہ تیار ہو لیکن جو شخص یسوع مسیح کو اپنا نجات دہندہ مانے گا اس کے تمام گناہ بخشدئے جائیں گے کیونکہ اس کے اعتقاد کے ساتھ ہی پاکی بھی عطا ہو جاتی ہے پس وہ خوفناک دن کی جوابدہی کے لئے بھی تیار ہو جائے گا۔

چونکہ تم اپنی ابدی خوشی کی قدر کرتے ہو ہم تمکو تاکید کرتے ہیں کہ اس بڑے مضمون کی آزمائش کرو اور خدا سے دعا کرو کہ وہ روح القدس کی تعلیم کے ذریعے سے تم کو ٹھیک طور پر اس کام کرنے کے قابل بنائے اس بات پر تخلیہ میں غور کرو اور اس کو اور دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر بھی جن کے نام بھی چٹھی لکھی گئی ہو اور اپنی طرف اس ایک امر پر مبذول رکھو کہ آیا وہ لوگ اعتبار کے

قابل ہیں یا نہیں جنہوں نے یہ کہا ہے کہ ہم نے یسوع مسیح کو مردہ سے زندہ ہونے کے بعد دیکھا اگر ایسا کروگے تو تم کو تمام اصول شہادت سے اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ یسوع مسیح بے شک مر کر زندہ ہوا، اور اس لئے انجیل سچی ہے اور یہی ایک خدا کی طرف سے الہامی کتاب ہے پس دلیر بنو اور کھلم کھلا ایمان لاؤ۔ کیونکہ یسوع نے خود کہا ہے جو کوئی مجھ سے اور میری لفظوں سے اس بدکاری اور گنہ گاری کی زندگی میری روگردانی کریگا، اس سے ابن آدم بھی جب وہ پاک فرشتوں کے ساتھ اپنے باپ کے جلال میں آئیگا روگردانی کریگا۔ ہماری تمنا ہے کہ اس ملک میں گھر جاؤں کو ہندوستانیوں سے بھرا ہوا دیکھیں جہاں نہ صرف غیر ملک کے لوگ بلکہ تمہارے وطن بھی انجیل کی خوشخبری کی باقاعدہ طور سے منادی کریں وہاں عورتوں اور مردوں کو بھی اپنے گناہوں سے توبہ کرنے اور اپنے خدا کی ملاقات کے لئے تیار ہونے کی تاکید کی جائیگی وہاں بچوں کو اخلاق اور سچائی کی تعلیم دی جائیگی اور اس دنیا میں اپنے چال چلن کی درستی کرنے اور دوسری دنیا کے لائق بنانے کے واسطے پاکی اور نجات کی سبق پڑھائے جائیں گے اور وہاں یہ بھی بتایا جائے گا کہ موت اب ایسا دشمن نہیں رہا جس سے آئندہ ڈرنا چاہئے۔ کیوں کہ ہمارے نجات دہندے یسوع مسیح نے اس کا ڈنک نکال دیا ہے اور اس کو نیست و نابود کرکے انجیل کے ذریعہ زندگی اور حیات ابدی کو روشن کر دیا ہے خدا نے ہی ہمیں کو یقین دلایا ہے کہ اب بھی یہی حال رہے گا۔ ہم اس وقت کے آنے کی خواہش کرتے ہیں جبکہ لوگ بخوبی اس کو سمجھ جائیں گے کیونکہ اسی نسل میں یہ بات ہو گیا یہ احمقانہ ذلیل اور خراب بت پرستی کے مقابلے میں جس سے یہ دین آلودہ ہو رہی ہے بے حد ترقی نہیں ہوگی۔ ہم تم کو عقل مند سمجھ کر کہتے ہیں جو کچھ ہم کہتے ہیں اس کو جانچ لو۔

لوہے سے داغ کر عیسائی بنانا

وحشیانہ بہیمانہ جنگلی دور کے ظلموں کی بھی اس دور میں مثال ملتی ہے۔ قصبۂ کریم نگر حیدرآباد (دکن) میں پادریوں کا ظلم عام تھا زبردستی جسم پر لوہے کے داغ دے کر لوگوں کو عیسائی بنایا جاتا تھا۔ دینی مناظرہ سنگمنڈ صہ ۲ از مولانا شرف الحق صاحب مرحوم۔

مسلم وقف سے عیسائیت کو فروغ دینا

مسلمانوں کے ان سرمایوں کو جو وقف کئے جا چکے تھے اور جن کا مصرف دین اسلام کی تبلیغ میں صرف کرنا تھا اسکو علی الاعلان حکومت ہند اپنے مذہبی کاموں میں صرف کیا کرتی تھی۔ چنانچہ تحریک وہابیان کے نام پر مسلمانوں سے انتقام لینے اور مسلمانوں کو بدنام کرنے والے ڈاکٹر ڈبلیو، ڈبلیو ھنٹر نے اپنی کتاب "ہمارے ہندوستانی مسلمان" میں اعترافانہ طریقہ پر حقیقتوں کو آشکار کیا ہے اور واقعات سے ثابت کیا ہے کہ انگریز نے ناانصافی ہی نہیں کمینگی کا ثبوت دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

"مسلمانوں کے اس الزام کا جواب نہیں دیا جاسکتا کہ ہم (انگریز) نے ان کے تعلیمی اوقاف کا ناجائز استعمال کیا اس حقیقت کو چھپانے سے کیا فائدہ کہ مسلمانوں کے نزدیک اگر ہم اس جائداد کو اس مصرف کے لئے ہمارے قبضہ میں دی گئی تھی ٹھیک ٹھیک استعمال کرتے تو بنگال میں ان کے پاس آج بھی نہایت اعلیٰ اور شاندار تعلیمی ادارے موجود ہوتے سنہ ۱۸۰۶ء میں ہگلی کا ایک دولتمند مسلمان فوت ہو گیا اس نے اپنی جائداد کا بڑا حصہ مصرف خیر کے لئے چھوڑا تھا لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں اس کے دو امانتداروں نے آپس میں جھگڑنا شروع کر دیا۔ جو سنہ ۱۸۱۰ء میں بڑھتے بڑھتے یہاں تک ہو چکا کہ ایک دوسرے کے خلاف بددیانتی کے مقدمات دائر ہو گئے! اس پر ضلع کے انگریز کلکٹر نے عدالت کے فیصلہ تک اس جائداد کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ یہ مقدمات سنہ ۱۸۱۶ء تک چلتے رہے۔ آخر کار گورنمنٹ نے ان دونوں امانتداروں کو بے دخل کر دیا، اور جائداد کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لیا، ایک امانتدار تو خود گورنمنٹ بن بیٹھی اور دوسرا امانتدار وہ جسے مرضی کی مطابق نامزد کیا گیا ہوا اگلے ہی سال اس ساری جائداد کا دوامی پٹہ لکھا گیا اور ہر دوامی پٹہ دار سے ایک معقول رقم حاصل کی گئی، ان ادا شدہ رقوم کی میزان مع اس آمدنی کے جو دوران مقدمہ میں جمع ہوتی رہی ایک لاکھ لاکھ ستاون ہزار پونڈ ہے (تقریباً ۲۱ لاکھ روپیہ) مزید براں ۱۲ ہزار پونڈ (تقریباً ڈیڑھ لاکھ) سے اوپر کی رقم جو اس وقت تک جائداد مذکورہ کی سالانہ آمدنی سے بچالی گئی۔

یہ وقف مصرف خیر کے لئے کیا گیا اس کے مصارف وصیت نامہ میں درج تھے مثلاً بعض مذہبی فرائض اور رسوم کی ادائیگی ہگلی کی عظیم الشان مسجد کی مرمت، قبرستان، بعض وظائف اور اسی قسم کے دوسرے مذہبی ادارے وغیرہ وغیرہ۔

اس سرمایہ سے ایک غیر مسلم کالج بنانے کی ہر کوشش وصیت کنندہ کی منشار کے مطابق ایک الحادی کام تھا۔ لیکن حکومت ہند نے ایسا ہی کیا، اور اس جائداد کو جو اسلامی نقطہ نگاہ سے مصرف خیر پر خرچ کرنے کے لئے وقف کی گئی تھی ایسے ادارہ پر صرف کیا گیا جو اپنی ساخت ہی میں اسلامی اصولوں کے خلاف تھا۔ اور جس سے مسلمان عملی طور پر مکمل خارج ہو گئے۔ اسوقت اس کالج کا پرنسپل ایک معزز انگریز ہے۔ جو عربی اور فارسی کا ایک حرف بھی نہیں جانتا۔ وہ ایک خاص اسلامی وقف کو ایسی تعلیم میں خرچ کر رہا ہے جسکو ہر مسلمان نفرت سے دیکھتا ہے یہ اس کی تنخواہ پندرہ سو پونڈ سالانہ ہے۔ یہ غلطی حکومت کی ہے جو ۳۵ سال سے متواتر اس بہت بڑے تعلیمی فنڈ کا جان بوجھ کر غلط استعمال کر رہی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ چند سال ہوئے اس انگریزی کالج کے تین سو طلباء میں سے ایک فی صدی بھی مسلمان نہ تھے۔ اور گو یہ شرمناک تناسب اسوقت سے کم ہو رہا ہے، ایک سول افسر نے جس نے اس مقدمہ کا بغور مطالعہ کیا ہے لکھتا ہے: مجھے یقین ہے اس حقارت اور بے غیرتی میں مبالغہ سے کام لینا بہت ہی مشکل ہے۔ جو برٹش حکومت کے خود اپنے طرز عمل سے پیدا کر رکھی ہے۔

یہ بات صحیح ہو یا غلط مگر مسلمانوں کو بہر حال یقین ہے کہ حکومت نے اس معاملہ میں ان سے ایک بہت بڑی ناانصافی ہی نہیں بلکہ کمینگی کا ثبوت دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے جذبات افسوس اور شکایت سے اسی طرح قائم ہیں (۲۵۸ تا ۲۶۲)

قاضی کی برطرفی

وقف کے سرمایوں پر قبضہ کے ساتھ مذہبی اختیارات سے مسلمانوں کو محروم کر دیا گیا، اسلامی حکومت میں قاضی کے فرائض منصبی میں فوجداری دیوانی اور شرعی عدالت کے فرائض داخل تھے شروع میں جب انگریزوں نے اس ملک پر قبضہ کیا تو عدالتی نظام کو جاری رکھنے کے لئے بڑی حد تک مسلمانوں کی شریعت پر بھروسہ کیا تھا۔ اس لئے قاضی کا عہدہ برقرار رہا اس کی قانونی اہمیت بھی انگریز نے تسلیم کر لی تھی جس کے فرائض کے دفعات کے متعلق ۲۵ دفعات کی طویل فہرست بنگال بورڈ آر نمبر ۴ سنہ ۱۷۹۳ء ، آر XII سنہ ۱۷۹۳ء وغیرہ کتابوں میں مل سکتی ہے چونکہ قاضی کی حیثیت مسلمانوں کے شخصی اور مذہبی قوانین میں انتہائی ضروری تھی، اس لئے علمار جمہور کا فیصلہ تھا کہ ہندوستان دارالاسلام اسوقت تک سمجھا جائے گا۔ جب تک ہندوستان میں قاضی برقرار رہیں گے لیکن جب ان کو علیحدہ کر دیا جائیگا تو یہ ملک دارالحرب بن جائیگا۔

اس اہم مذہبی مسئلہ پر جب انگریز نے غور کیا تو پریشان ہو گئے، اور سنہ ۱۸۶۳ء میں ایک گورنر نے اعتراض کیا کہ ہم ان قاضیوں کے اس مقدس حیثیت کو تسلیم نہیں کرتے چنانچہ سالبقہ قانون منسوخ کر دئے گئے اور حکومت نے ان قاضیوں کا باقاعدہ تقرر بند کر دیا۔ شروع میں قانون کے نفاذ میں ڈھیل بڑی لیکن سنہ ۱۸۶۴ء میں فیصلہ ہوا کہ حکومت وقت ہی قاضیوں کا تقرر کر سکتی ہے مسلمان اس بات کے مجاز نہیں کہ از خود کسی کو قاضی منتخب کریں۔ گویا اس ایکٹ نے اس قوم سے ان کے قوانین کا ایک اہم عہدہ دار چھین لیا جس کے فرائض تھے انتقال ناموںکی تسوید تعریف عقد، نکاح اور دوسری مذہبی فرائض اور مراسم کی بجا آوری۔

حکومت ہند نے ان قانونی اور غیر قانونی طریقوں سے اور اپنے اثرات مال و دولت اور طاقت و قوت سے عیسائیت پرستی کے جذبے سے نہیں بلکہ ملوکیت پرستی کا تسلط جمانے کے لئے اس ملک میں دینی عصبیت اور مخصوص مفاد پیدا کرنے کی سعی کی جس کی مثال تاریخ میں ملنا مشکل ہے۔

شہروں اور دیہاتوں میں تقریری پروپیگنڈا

رسائل وکتب و پمفلٹ کے علاوہ تقریری یعنی لسانی طریقہ پر بھی مسیحیت کی تبلیغ مشنری کرتے تھے یہ طریقہ تمام طریقوں سے پر اثر اور زود اثر ثابت ہوا۔ کوئی جگہ شہر یا دیہات اس سے نہیں چھوٹا صرف ایک سال سنہ ۱۸۸۳ء میں جو تبلیغ کا کام مشنریوں نے دیہات اور شہر میں کیا وہ ان کی رپورٹوں میں ملاحظہ کیجئے!

دیہاتوں میں تبلیغ

پادریوں کے ماتحت دیہات کے لئے بہت سے بریچر اور مشنری ہوتے ہیں، جو دیہات میں پروپگنڈا کرتے ہیں پروپگنڈا کرنے کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ شہر سے پادری اپنی ٹولیاں دیہات میں لے جاتے ہیں اور دیہات کے کارکنوں کے ساتھ تبلیغ میں لگ جاتے ہیں عام طور پر نئے دیہات میں جس میں واقفیت نہیں ہوتی۔ دیہات کے بڑے درخت کے سایہ میں مبلغین کی ٹولی بیٹھ جاتی ہے، جو بھجنوں سے تبلیغ کا سلسلہ شروع کر دیتی ہے پہلے عوام کے مشہور بھجن گائے جاتے ہیں۔ بعد میں عیسیٰ مسیح کی تعریف والے بھجن سنائے جاتے ہیں دیہات والے جب شناسا ہو جاتے ہیں، تو گھروں کی جھونپڑیوں میں ٹولیاں براجمان ہو جاتی ہیں اور چپالوں پر بیٹھ کر وعظ و نصیحت اور مسیحی دعائیں دھرائی جاتی ہیں، عام طور پر دیہاتی عورتیں برآمدہ میں بیٹھ کر تبلیغی پیغام اور دعائیں سنتی ہیں [1]

عام دیہاتیوں سے پادری اور مشنری لوگ مذہبی گفتگوئیں کرتے ہیں، گفتگوؤں کا ڈھنگ دھونس افگن ہوتا ہے جن کو ان پر اثر ڈالنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے ہندوؤں میں چونکہ گانوں اور بھجنوں کی عزت کی جاتی ہے اس لئے ان میں کرشن کے گیت بھی گائے جاتے تھے تاکہ ان کا دل موہ لیں اور ان کو یہ اندازہ ہو جائے کہ یہ بھی کرشن کے پجاری ہیں بعض مرتبہ گھڑیال بھی یہ ٹولی استعمال کرتی ہے، ڈھول بھی کبھی کبھی استعمال کیا جاتا۔ غرض جہاں جس چیز کی ضرورت سمجھتے ہیں اور اس سے فائدہ کا یقین ہو جاتا ہے تو کرتے ہیں۔ میلہ تو کوئی چھوٹنے نہیں لازمی طور پر میلے میں جاتے ہیں اور کرشن اور عیسائی ایک ہیں کا سبق سناتے ہیں تاکہ ہندو خوش ہوں اس طرح مسلمانوں سے بھی اہل کتاب ہونے کا رشتہ ناتہ جوڑتے ہیں، اور نادان مسلمانوں کو اپنی طرف کھینچنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔

فصل کے دن جب بیج ڈالا جاتا ہے تو کھیتوں میں جاکر دعائیں مانگتے ہیں۔ کہ فصل اچھی ہو، دیہاتی کیا چاہتا ہے اچھی فصل وہ اس دعا میں شریک ہونے کے لئے جوق در جوق آتا ہے۔ دل سے شریک ہوتا ہے اور پادریوں کو اپنا بڑا ہمدرد اور اپنے کھیت کا بڑا ہی خواہ سمجھنے لگتا ہے [2]

پادری اس دن سے بھی نہیں چوکتا جس دن فصل کٹتی ہے پہنچ جاتا ہے اور اپنی دعاؤں کی اثر کی کامیابی کا چرچا کرکے ایک ایک دو مٹھی اناج لیتا ہے اور مشن کی آمدنی میں اضافہ کرتا ہے۔

پادری کا یہ طریقہ عام پروپیگنڈا کرنے کا ہے لیکن ٹھوس پروپگنڈا کے لئے وہ دوسرا وقت نکالتا ہے اس میں وہ دیہاتیوں سے ملتا ہے ان کے بچوں کو گودیوں سے لے کر ان کا منہ دھلاتا ہے، ان کی آنکھوں کے چیپڑ پوچھتا ہے۔ پاؤں سے مٹی صاف کرتا ہے۔ اور صابن لگا کر ان کو نہلاتا ہے اس طرح نہاؤ، صاف کر دیتا کر ان کو صابن تقسیم کرتا ہے اس سے کپڑے دھونے بھی بتاتا ہے اس طرح وہ ایک ایک خاندان ہر روزانہ آکر محنت کرتا ہے کسی کے ہاں بچہ جنا جاتا ہے تو وہ خود دائیوں کا کام کرتا ہے، حاملہ کی دوائی حمل آسانی کے ساتھ نکالنے کی ترکیب بتاتا ہے، کوئی بگڑی ہوئی صورت دیکھتا ہے تو خود اس کی تدبیروں میں مددگار ثابت ہوتا ہے، یوں وہ ان میں آکر ان کے دلوں کا مالک بنتا ہے، آہستہ آہستہ ان کو صفائی وستھرائی کی طرف ہاتھ پاؤں دھونے کی جانب عنت دلاتا ہے روزانہ کی ہدایتوں اور کوششوں سے ان کی حالت سدھرتی ہے ذہنیت بدلتی ہے اور وہ اپنے آپ کو ایک عمدہ اور صحت بخش حالت میں پاتے ہیں۔

اسوقت پادری پوچھتا ہے۔ تم لوگوں نے یہ بھی جانا کہ تم کس نے پیدا کیا ہے، کون تمہارا بنانے والا اور دنیا کی نعمتوں کو پیدا کرنے والا ہے۔ وہ لوگ اس پادری کی جنھوں نے ان پر محبت کی تھی ان کی خستہ حالی کے دور کرنے کا باعث بنا تھا۔ باتوں پر غور کرتے ہیں۔ اپنے ذہن پر زور دیتے ہیں اور ذہن کی حیثیت کے مطابق جواب بھی دیتے ہیں۔ اور پادری کی بات کا یقین کرکے یسوع مسیح کی قدوسیت کے قائل ہو جاتے ہیں اور آہستہ آہستہ بتدریج چار یا پانچ سال میں اس قابل بن جاتے ہیں کہ انکو پادری بپتسمہ دے اور یسوع مسیح کی بھیڑوں کے غول میں داخل کرے [3]

یہ لوگ ابتدائی طور پر اپنی طرف راغب کرنے کے لئے کشش کی چیز پیش کرتے ہیں خواہ وہ مذہباً ناجائز ہی کیوں نہو۔ چنانچہ

---

[1] چرچ مشن سوسائٹی کی سنہ ۱۸۸۳ کی رپورٹ [2] ایضاً۔

[3] بنگال سنہ ۱۸۸۳ کی سالانہ رپورٹ

عیسائیت میں زیادہ شادیاں جائز نہیں ہیں اور مسلمانوں میں چار شادیاں ہو سکتی ہیں اس لئے ان کو اس ایک بیوی کی پابندی کے خوف سے نکالنے کے لئے اور اسی طرف لینے کے لئے یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ تم کو شادی کرنے سے منع نہیں کریں گے تاکہ وہ خوش ہوں اور پھندے میں پھنسنے کے لئے دیر نہ لگائیں۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ بنگال کے پادریوں نے بنگالی مسلمانوں کو بہکانے کے لئے یہ عام طور پر کہنا شروع کر دیا تھا کہ ہم تم کو زیادہ بیویاں کرنے سے منع نہیں کریں گے [1] اگر تم عیسائی ہو جاؤ گے تو اُن مبلغین کو جو دیہات میں کام کرتے ہیں تنخواہ دی جاتی ہے لیکن زیادہ نہیں اٹھارہ روپے ماہوار چنانچہ بنگال کے دیہات میں تین کام کرنے والے بھیم، شام، سدھ کو بھی اٹھارہ روپے ماہوار ملتے تھے۔

عیسائی بنانے کے لئے کوششیں مہینہ دو مہینہ سال دو سال نہیں ہوتیں بلکہ سالوں چلتی ہیں اگرچہ ان کی شکل مسلسل و تواتر کی نہیں ہوتی۔ لیکن جب موقعہ پڑتا ہے مہینہ دو مہینہ کے بعد سال بھر کے بعد وہ اپنے شکار کو نہیں چھوڑتے۔ چنانچہ ایک عیسائی لال سنگھ کو عیسائی بنانے کے لئے اسی صورت سے اٹھارہ سال کوشش کی گئی یہ شخص جوتہ صاف کرنے کی مزدوری کرتا تھا، اس کا خاندانی پیشہ اونٹ چلانا تھا جب یہ اٹھارہ سال کے بعد عیسائی ہوا تو پادریوں نے بڑی خوشیاں منائی تھیں [1]

گورکھپور مشن کا یہ وسیع علاقہ ایک مشنری کے اہتمام میں ہے جس کا نام پادری ایچ اسٹرن ہے۔ ۱۶۰ میل کے بڑے ضلع میں ۱۶۰ میل چوڑے اور ۳۰ لاکھ کافروں کی بستی میں یہ تنہا ایوان جلبسٹ پادری ہے۔ جو تبلیغ کرنے کے لئے جاتا ہے اور ہمیشہ خدا سے دعا کرتا ہے۔ کہ خدا اچھا کام کرنے والوں کو بھیج۔

گورکھپور کے سکول میں جو بشارت پور اور بستی میں ہیں ۱۰۹۷ لڑکے اور ۱۳ لڑکیاں پڑھتی ہیں جن میں ۲۸۸ عیسائی ہیں۔ اس ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر نے بڑی محنت جاں فشانی سے کام کیا ہے پانچ طالب علموں نے دسمبر میں میٹرک کا شاندار ریکارڈ کے ساتھ امتحان پاس کیا ہے اور گیارہ طالب علم ورنیکولر مڈل کلاس میں پاس ہوئے۔

ان لڑکے اور لڑکیوں کے سکول کے علاوہ یتیم خانہ بھی ہیں۔ تیز اور ہوشیار لڑکے اینگلو ورنیکولر سکول میں پڑھتے ہیں اور دیگر طالب علم جوتے بنانے درزی وغیرہ کی دستکاری یتیم خانہ میں سیکھتے ہیں۔ کچھ بچوں کو بشارت پور کے انگریزی زراعتی بستی میں زمین دے کر آباد کر دیا جاتا ہے یا اس کو اسٹرن پور کی زراعتی بستی میں بھیج دیا جاتا ہے اس گاؤں کے بارے میں مسٹر اسٹرن لکھتے ہیں۔

سنہ ۱۸۸۳ء میں خدا کی دعاؤں کے واسطے اسٹرن پور میں ایک گرجا ۲۷ دسمبر کو سنٹ جون ڈے کو قائم کیا۔ اس مشن کی تاریخ میں یہ دن یادگار رہے گا دو سال قبل یہاں گنجان جنگل تھا جہاں اب عیسائیوں کی بستی ہے۔ دوران سال میں اس میں آٹھ بڑے مکان بنائے اور اب یہاں سولہ کے قریب مکان ہیں۔ گرجے سے دور سکول روم بھی ملحق ہیں۔ چھ سو دیسی عیسائیوں نے اس کی افتتاحی رسم میں حصہ لیا، یہاں عیسائیوں نے گرجے کو سجا رکھا تھا۔ جگہ کی قلت کی وجہ سے کئی بار دعائیں کی گئیں اس علاقہ کے مجسٹریٹ مسٹر کینیڈی جو ایک مشنری کے بیٹے ہیں اس موقعہ پر موجود تھے۔ دعا کے بعد اور دو پہر کو دعائیں ہوئیں اس کے بعد لوگ عیسائی بنائے گئے اور تین عیسائی بچوں کو مذہب میں داخل کیا گیا۔ جو اس بستی میں پہلی فصل تھی ایک لڑکا دس سال کا تھا۔ اور دو بہت چھوٹے کچھ دنوں کے پیدا شدہ بچے تھے، اس کے بعد دو یتیم جوڑوں کی شادیاں ہوئیں جو اسی گاؤں میں آباد ہو گئے تھے۔ اس کے بعد نہایت لذیذ کھانا کھایا پھر آتشبازی چھوٹی اس یوم میں قریب کے گاؤں کی کافر آبادی نے بھی حصہ لیا، دوران سال میں جو عیسائی بنائے گئے اس کے بارے میں مشن سکول کی حسب ذیل شہادت پیش کی جاتی ہے۔

مشن میں تیرہ شادیاں ہوئیں۔ چودہ ذات بچے اور ۳۸ عیسائی بنائے گئے ان میں تین بڑی عمر والے تھے۔ ان تین میں ایک کاستھ بھی تھا۔ جو گورکھپور کا باشندہ تھا۔ اور مشن سکول گورکھپور کا طالب علم بھی رہ چکا تھا۔ اور بہت عرصہ

تک وہاں کے رائج سکول میں پڑھتا بھی رہا۔ اس کے دل پر عیسائیت کا اثر بہت عرصہ پہلے پڑ چکا تھا مگر اس نے اپنا مصمم ارادہ گذشتہ سال ظاہر کیا اور عیسائی ہو گیا۔ جو اب جمال پور میں ٹیچری کا کام کرتا ہے اس کا بڑا بھائی بھی دو سال ہوئے عیسائی ہو چکا تھا۔ اپنی زندگی کے پہلے دور میں اپنے بڑے بھائی کی طرح بڑا گناہ گار تھا، عادت شنیعہ سے جب یہ بیماریوں کے چکر میں پھنسا تو اس نے عیسائی بننے کا فیصلہ کیا، ان مصیبتوں کے ایام میں میں اس کے گھر گیا اور میں نے اس کی صحت و تندرستی کے لئے دعا مانگی اور میں نے اس سے کہا کہ ایک لاپرواہ فضول خرچ اور بے بہرہ بچے کی طرح اب بھی تم اپنے باپ کے گھر آجاؤ اس نے قسم کھائی کہ میں بچ گیا اور زندہ رہا تو عیسائیت کا صاف اعلان کر دوں گا اس کے وعدہ کے کچھ دن بعد ہی وہ صحتیاب ہو گیا۔ تندرستی کے بعد ابتدائی تعلیم پا کر عجلت کے ساتھ عیسائی بن گیا۔

عیسائی بننے کے وقت اس نے بہت سے کافروں کے سامنے اپنی تمام زندگی کی کہانی سنائی اور اس نے بتایا کہ میں کیوں عیسائی بن رہا ہوں اس نے کہا کہ میں کافی عرصہ سے عیسائی بننے کے خیال میں تھا لیکن اس بیماری میں عیسائیوں کی دعا کی پاکیزگی و اثر نے مجھ کو موہ لیا، اسی دن میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں عیسائی بن جاؤں۔ مجھے انتہائی خوشی ہے کہ اب میں عیسائی بن گیا۔

دوسرا آدمی ایک بہت چھوٹی ذات کا ہے یہ شخص ایک بنل کے بیوپاری کے خاندان میں نوکر ہو گیا، اس کی گھر کی مالکہ اس پر خاص مہربان تھی۔ اس نے اس کو تھوڑی بہت انگریزی سکھائی، یہاں وہ اسکو اسکاٹ لینڈ اپنے ساتھ لے گئی۔ جہاں وہ ایک سال رہا اس کے خاندان میں مذہبی خیالات کے سخت لوگ تھے۔ گھر کی مالکہ نے اس کو عیسائیت کی دعائیں سکھائیں، وہ ہراتوار اور دوسرے دنوں میں بچوں کے ساتھ گرجا گھر جایا کرتا تھا۔ بہت عرصہ تک اس نے اپنے مالک کو کچھ نہیں بتایا۔ ایک دن دوسرا انگریز خاندان جو انگلینڈ سے ہندوستان آ رہا تھا اس نے اس کو ملازم رکھ لیا، یہ خاندان گورکھپور سے ۴۰ میل کے فاصلہ پر آباد ہے۔ میں نے اس سے ملاقات اس موقعہ پر کی جبکہ اس خاندان کے ایک ایک بچے کو بپتسمہ دیا جاتا تھا، اس دن اس نے بھی عیسائی بننے کی خواہش کی، اس کے مالک نے اس کی بڑی تعریف کی اور اس کو ابتدائی تعلیم کے لئے گرجا بھیجنے کا وعدہ کیا۔ پچھلی نومبر میں یہ ہمارے پاس آیا اور تعلیم کے بعد عیسائی بنا لیا گیا۔ عیسائی ہونے کے بعد وہ بہت خوش ہوا، اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس کی آخری خواہش پوری ہوئی۔

گورکھپور سے ایک شخص آیا جس نے اپنے سارے خاندان کے ساتھ عیسائی بننے کی تمنا ظاہر کی مگر میرے دل پر اس کی بات کا اعتماد نہیں ہوا۔ میں نے سنا ہے کہ وہ کسی دوسرے مشن میں عیسائی ہو گیا ہے یہ شخص بھی ہمارے سکول کا طالب علم تھا۔ اور بیس سال سے ہمارے گرجا میں آمد و رفت رکھتا تھا۔

اس کی بیوی نے اس کی مخالفت کی، وہ ویدانتی تھی اور مذہب سے انکار کرتی تھی اس کو اس کے خاوند نے بہت سمجھایا۔ اور مجبور کیا کہ وہ عیسائی ہو جائے اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ اپنے خاوند کی مرضی کے سامنے جھک جائے"۔

بہت سے لیکچر لکھنؤ کے بابو رامچندر بوس نے انگریزی میں دیئے جن میں بہت سے لوگ شامل ہوئے شامل ہونے والے لوگ معلومات کے خواہشمند نظر آتے تھے۔ لیکچر کے بارے میں اسٹرن صاحب لکھتے ہیں:-

ایسے لیکچر وقتاً فوقتاً بہت ضروری ہیں، اگر ہم ہندوستانی لوگوں کو اپنے اندر شامل کرنا چاہتے ہیں تو ایسے لیکچروں کا بندوبست ہونا چاہیئے جن میں ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے جو تعلیم یافتہ اور قابل ہوں اور جن پر کسی قسم کا بار نہ ڈالا جائے۔ ہندوستانی تعلیم یافتہ لوگوں کے دماغ تیز اور بڑے چست ہوتے ہیں اگر ان کے دل و دماغ پر عیسائیت کے اصولوں کا اثر ڈالا جانا ضروری ہے تو ان کے سامنے دماغی قابلیت کے عیسائی کو پیش کیا جائے۔ تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کے پر کرنل الکاٹ کی روحانیت اور عیسائیت کے خلاف تعلیم کا زبردست اثر ہے۔ ہندوستانی دماغ بڑا منطقی اور باریک بین ہوتا ہے۔ ان کے سامنے مذہب کو موٹی شکل میں

پیش کرنا بے کار ثابت ہوتا ہے۔ میرے پاس بہت سارے تعلیم یافتہ ہندوستانی آئے ہیں جن پر موسیقی کا بہت زبردست اثر ہے جن کا عقیدہ ہے کہ موجودہ دور میں نئے مذہب کی سخت ضرورت ہے جس میں سب مذاہب کے لوگوں کو شامل ہونا چاہیئے۔

الٰہ آباد اس سٹیشن کا کام دو مرکزوں سے کیا جاتا ہے ایک دیسی عیسائی کے گاؤں میور آباد جو سر ولیم میور کے نام پر ہے دوسرا دیسی عیسائیوں کی بستی میں ہے اس حلقے کے انچارج پادری ڈیوٹ موہن ہیں جن کو پادری رحیم بخش کی مدد حاصل ہے۔ یہ اپنا عیسائی سکول بہت عمدگی سے چلا رہے ہیں اور اس کے ساتھ اور مشنری کام بھی انجام دیتے ہیں۔

سینٹ پالز یونٹی سکول پادری ڈبلیو ہوپر اس کے پرنسپل اور وائس پرنسپل مسٹر ھیکڈ ہیں ان کو دیسی عیسائی مدرسوں اور عیسائی مولویوں سے بھی مدد ملتی ہے جو عربی سکھاتے ہیں سنسکرت سکھانے کے لئے بھی پنڈت مقرر ہے اس سکول میں تعلیم پانے والے لڑکے ۷۰ تھے۔ تمام مذہبی تعلیموں کا ذریعہ دیسی زبان ہے یہاں عیسائیوں کو بھی تعلیم دی جاتی ہے۔

ڈاکٹر ہوپر مدرسہ کی تعلیم کے اثر کے بارے میں لکھتے ہیں۔

" اس ملک میں عیسیٰ مسیح کے اصولوں کو پھیلانے والے لوگوں کا اثر آہستہ آہستہ عوام میں پھیلتا جاتا ہے عیسیٰ مسیح کا پیغام ان کے دلوں سے دماغوں تک پہونچ رہا ہے ان ہندوستانی کافروں میں کچھ پڑھے لکھے منطقی لوگوں کے علاوہ دوسرے غیر عیسائی لوگ عیسائیت کی تعلیم اور رس بھرے گانوں سے کھنچے آتے ہیں اور ہمارے پیغامات و تعلیم کا زبردست اثر ہو رہا ہے اس واسطے مذہبی تعلیم کا معیاری داخلی ہونا اتنا مفید نہیں ہے جتنا ہمیں اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے، کہ ہم عیسائیت کے پیغامات کو ان کے دلوں کی گہرائیوں تک پہنچا دیں، ہمارے یہاں بہت سے غیر عیسائی لوگ دوست ہیں جو ہمارے مذہب کو خوب سمجھ گئے ہیں ہماری دعاؤں اور دوسرے کاموں میں شامل ہوتے ہیں، اب ہم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ جو لوگ عیسائی گانے نہیں سیکھنا چاہتے۔ انہیں نہیں سکھائیں گے اور اس کی جگہ ان کو دوسری تعلیم دیں گے۔ یہ بھی بندوبست کر رہے ہیں کہ جو طالب علم کھیل کود گانے اور مذہبی تعلیم میں سالانہ امتحانات کے نتائج میں اچھے نمبر سے پاس ہوں ان کو وظیفے دیں گا ناہندوستانی سامان ساز کے ساتھ سکھایا جاتا اور ولایتی گانا اور ولایتی تعلیم خاص طور پر وائس پرنسپل خود دیتے ہیں یہاں بہت سے طالب علم شادی شدہ ہیں اور بیوی بچوں کے ساتھ رہتے ہیں جس سے اچھا اور مفید نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بچوں اور بیویوں کے دلوں میں بھی مشنری کاموں کا اثر کاموں کی طرف رغبت و کشش پیدا ہوتی ہے اور محبت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

طالب علموں کی میٹنگز پیر کی دوپہر کو پرنسپل صاحب طالب علموں کی ایک میٹنگ میں گئے، جہاں حساب اور خدا کی سلطنت اور دنیا کی ہر دلعزیزی کا دلچسپ پیرایہ میں خاکہ پیش کیا، یہ میٹنگ عیسائی گاؤں کے ارد گرد کے علاقوں میں کی جاتی ہے، جہاں عیسائی اور دوسرے لوگ خاصی تعداد میں شامل ہوتے ہیں اس سال جاپان اور ایشیا میں ہونے والی مشنری کے کاموں سے ہم نے ان کو آگاہ کیا، میٹنگ کے بعد اہم سیاسی خبریں اور بحث و مباحثے بھی ہوئے۔ عوام کے بہت سے عجیب و غریب خیالات تو اٹھا اور نا واقفیت کو دور کیا، ہم عوام کو یہ بھی بتاتے ہیں۔ کیا سیاسیات اور خدا کی سلطنت کا باہمی تعلق کیا ہے۔ جمعرات کی دوپہر کو پرنسپل صاحب نے اس علاقہ میں خدائی سلطنت کی کامیابی کے دعا مانگی جمعہ کو ایک اور دعا کی میٹنگ کی اس میٹنگ میں خاص طور پر لوگوں کو موقعہ دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی اپنی دعائیں لکھ کر لائیں اس میں ضرورت کے متعلق تقریر کر دی جاتی تھی۔ اور لوگوں کی روحانی شخصیت کو ترقی دینے اور عیسائیت کے دائرے میں لانے کے لئے کوشش کی جاتی تھی، کوشش کس طرح کی جاتی تھی اس کے بارہ میں رپورٹ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

طالب علموں کے رشتہ داروں کو مذہبی تعلیم پرنسپل صاحب نے طالب علم کے بیوی اور بہنوں کے لئے بائیبل کی جماعت کی ابتدا کی ہے ہفتہ میں ایک مرتبہ ماؤں کی میٹنگ کی جاتی ہے۔ جہاں انہیں کئی دلچسپ

مضامین اور بائیبل کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ہم نے بچوں کو بائیبل یونین بھی بنا رکھی ہے جہاں بچے آتے ہیں اور ان کے ذہن میں بائیبل کی ابتدائی باتیں اتاری جاتی ہیں۔

بچوں بیویوں اور ماؤں کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ اپنے روزانہ کام کے علاوہ بائیبل پڑھا کریں۔ بائیبل کی جماعت میں پرنسپل صاحب سوال وجواب کئے جاتے ہیں، خاص طور پر انجیل کے ان حصوں کے بارے میں پوچھنے کی اجازت ہوتی ہے جو انہوں نے ہفتہ میں مطالعہ کئے تھے۔ اس سے لوگوں کے دلوں میں بائیبل کے مسائل کی دلچسپی بڑھ جاتی ہے، عموماً یہ سوالات بہت دلچسپ ہوتے ہیں جس سے دیسی عیسائی عورتوں کے فطری رجحان کا اظہار ہوتا ہے سب سے زیادہ جو کام اس وقت انجام دیا جاتا ہے وہ روزمرہ کی عورتوں کی گھریلو تکلیفوں کے دور کرنے کے ذرائع پر غور ہوتا ہے۔ اور تجویزیں طے ہوتی ہیں۔

طالب علموں کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو بائیبل سکھانے کی کلاسیں لگتی ہیں اس کی انچارج ایک نیک اور عیسائی عورت (جو کہ ایک سکول کے ملازم کی بیوی ہے) یہ کلاس پرنسپل صاحب کے گھر کے برآمدہ میں لگائی جاتی ہے اس کی نگرانی پرنسپل صاحب کی بیوی کرتی ہیں اس کلاس کا بچوں پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے اور بچے دماغی طور سے ترقی کرتے ہیں اس سے بچوں کے اندر ڈسپلن کا فائدہ بھی پیدا ہوتا ہے۔

خاص کوشش

ایوان جلبٹ کام کے بارے میں پرنسپل صاحب رپورٹ کرتے ہیں۔

وائس پرنسپل نے سارے سکول کی طرف سے ۲ جنوری سے ۲۴ جنوری تک ہونے والے ماگھ کے میلے کے لئے جو گنگا سنگم الہ آباد میں ہوتا ہے خاص پروگرام تیار کیا ہے۔ کمبھ کے میلے پر دور دور سے بڑی بھاری تعداد میں یاتری آتے اور جمع ہوتے ہیں، اس نادر موقعہ کے بارے میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس کو نہ کھویا جائے۔ چنانچہ سکول کی تعلیم کتابی بند کر دی گئی اور تمام مدرس وطالب علم میلے کے تبلیغی کام کے لئے وقف کر دئے گئے۔

مسلسل تبلیغ

منگل اور جمعہ کو طالب علم اور ان کے استاد اور دو پادری پرنسپل صاحب کی مدد کرنے کے لئے پانچ علیحدہ علیحدہ الٰہ آباد کے مقامات پر تبلیغ کے لئے بھیج دئے گئے۔ وہ دو تین تین کی ٹولیاں نو عیسائی لوگوں کے پاس ملاقات کرنے کے لئے بھیجی جاتی ہیں جس کا بہت اچھا اثر ظاہر ہوتا ہے اس سے نو عیسائیوں اور طالب علموں کے باہمی تعلقات پیدا ہوتے۔ اور استوار ہو جاتے ہیں واقفیت کا دروازہ کھل جاتا ہے ہم اس علاقہ میں بہت خاموشی کے ساتھ کام کرتے ہیں۔

ہم نے ایسی اسکیم تیار کی ہے جس کے مطابق اس جگہ کئی کئی عنوانات و مسئلوں پر لیکچر دئے جائیں، پہلے ایسا ہوتا تھا کہ ایک ہی مذہبی مسئلہ وعنوان پر بار بار کافی دیر تک تقریروں کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

چنانچہ اس صبح کے وقت ہر روز شہر میں عیسائیت کے عنوان پر بولتے تھے۔ چونکہ یہ ایک پکا برہمن ہے یہ عیسائیت کے فلسفہ کی مہارت حاصل نہیں کر سکتا۔ مگر اس کے برہمن ہونے کا ہی بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔ عام لوگ چونکہ برہمن کی عزت کی نظر سے دیکھتے ہیں اس لئے ایک مذہبی واعظ کی حیثیت سے قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

وائس پرنسپل صاحب اپنی رپورٹ میں لکھتے ہیں۔

۲ جنوری کو ہم نے تبلیغ کا کام شروع کیا اور ۲۴ جنوری تک ہم سکول سے غیر حاضر رہے ہماری پارٹی میں سولہ آدمی تھے۔ جن میں ایک مولوی اسسٹنٹ ٹیچر، عیسائی پنڈت اور گیارہ طالب علم اور ایک گول پورٹر تھا۔ ہم پرانے عیسائی طریقہ "پٹیارکل" کی طرح ٹینٹو میں رہے اور اپنا سارا سامان اونٹنیوں پر لاد کرے جاتے رہے۔ آگے آگے کیٹیچسٹ (سائل مبلغ) پیدل یا گھوڑے پر چلتا تھا۔ میں اور میری بیوی اور بچے گاڑی پر چلتے تھے۔ ہمارا روزانہ کا پروگرام یہ تھا۔

دیہاتی تبلیغ

سات بجے ہم دعا مانگتے۔ میں اونٹوں کو تیار کرنے کے لئے پیچھے رہ جاتا۔ ہم چار میل سے زیادہ روزانہ نہیں چلتے تھے، تھوڑے تھوڑے فاصلے کے مقامات پر رک جاتے تھے اور یہاں سے پھر آس پاس کے گاؤں میں جاتے ایک

بجے تنبو لگا دیتے تھے۔ اور اپنا کھانا تیار کرتے تھے۔ دوپہر کو کھانا کھانے اور آرام کرنے کے بعد طالب علم آس پاس کے گاؤں میں پہلے چلے جاتے وہاں مل کر دعائیں مانگتے جب وہاں سورج غروب ہو جاتا تو ہم جادو کے لیمپ سے تصویریں دکھاتے۔ سب سے پہلے ہم دیسی طرز کے عیسائی گانیں گاتے اس کے بعد عیسیٰ مسیح کی پیدائش کی تصویریں دکھاتے اور طالب علم ان کی تاریخ بیان کرتے پھر بھجن گایا جاتا اور عیسائی مسیح کی زندگی کے بارے میں اور تصویریں دکھاتے ایک اور بھجن کے بعد عیسیٰ مسیح کی موت اور دوبارہ زندہ ہونے کا واقعہ سنایا جاتا اور اس کی معجزانہ حیثیت کی وضاحت کی جاتی۔ ہم اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ کوئی فضول بحث نہ چھڑ جائے۔ ہم اپنی طرف سے کوئی جھگڑے کی بات نہیں کرتے تھے مگر اس کے باوجود بحث و مباحثے کبھی نہ کبھی دو چار ہو جاتے تھے۔ جب کبھی بحث ہوتی تھی ہم نے دیکھا کہ لوگوں کی تعداد بڑھ جاتی تھی، اور لوگ بڑے غور و خوض سے کان لگا کر مباحثہ سنتے تھے۔

ہم سب پھول پور گئے اور یہاں سے دو ٹولیوں میں تقسیم ہو گئے، ایک ٹولی دائیں طرف میرے ساتھ گئی اور دوسری ٹولی جون بسنٹ کے ماسٹر کے ساتھ چلی گئی دو ہفتوں کے دورہ کے بعد ہم الہ آباد سے کچھ دور ایک جگہ ملے ان تینوں ہفتوں کے دوران میں ہم نے چار سو گاؤں اور بارہ سو آدمیوں میں تبلیغ کی جس کا تفصیل کے ساتھ تذکرہ مشکل ہے۔

اس موقعہ پر میں ایک نوجوان راجپوت امیدوار کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو آریہ سماج کا ممبر ہے اس نے لوگوں کے سامنے کہا کہ۔ وہ یہ ثابت کر سکتا ہے کہ وید جھوٹے ہیں وہ میرا اچھا دوست بن گیا ہے، وہ جب کبھی الہ آباد آتا ہے تو مجھ سے ضرور ملتا ہے آج کل وہ دنیاوی دھندوں میں پھنسا ہوا ہے اس کے مذہب سے اسکو کوئی واسطہ نہیں ہے۔

ماگھ میلے کے موقعے پر ٹھیک ہم گنگا جمنا کے سنگم پر پہونچ گئے۔ اور ندیوں کے دہانے پر شامیانے لگا دئے گئے۔ یاتری لوگ بڑی تعداد میں ہمارے پاس آنے جانے لگے۔ ہم ان کو بٹھاتے ان کی آرام و عزت کا خیال رکھتے اور خوش آمدید کہتے۔

ہندو پنڈتوں نے اپنی مذہبی کتابوں کو ہمارے سامنے پڑھا اور ان کا مطلب بیان کیا، ان میں ایک کتاب پریاگ مہاتیو پریاگ کی اہمیت پر جو سنسکرت کی بڑی مشہور کتاب ہے وہ بھی پڑھی گئی الہ آباد کے تمام پروٹسٹنٹ مشنریوں کے تنبو بھی ریت میں لگے ہوئے تھے۔ پادری اور کنجیٹ اکر تبلیغ کرتے تھے آریہ سماجیوں نے بھی ہماری نقل میں تنبو لگا کر کام شروع کیا ہے۔

اس موقعہ پر تبلیغ کا کیا اثر ہوتا ہے یہ بتانا مشکل ہے کیونکہ ہم اس موقعوں کو بیج ڈالنے کے لئے استعمال کرتے ہیں جس کے پھل کی امید آئندہ پر چھوڑ دیتے ہیں۔

مناظرہ سوسائٹی

میں نے ہو پر صاحب سے طالب علموں کو بحث و مباحثہ سکھانے والی جماعت کی اجازت لے لی۔ بازار وغیرہ میں ہمارے مناظر عام عملی بحثوں کے نکتوں اور باریکیوں کو نہیں سمجھتے۔ اور اطمینان بخش جواب نہیں دے سکتے۔ میں نے یہ محسوس کیا کہ تبلیغ کے لئے صرف نکتہ چینی اور تنقید ہی ضروری نہیں بلکہ نہیں مباحثوں کے لئے بھی چاق و چوبند اور چوکنے اور حاضر جواب ہونے کی ضرورت ہے جس کی تعلیم ضروری ہے۔

ہماری مناظرہ سوسائٹی کا مقصد بھی یہی ہے کئی مرتبہ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ان مباحثوں کا ہماری خلاف الٹا اثر پڑا ہے اس لئے ان موقعوں پر یہ جاننے کی کوشش کرتا ہوں کیا کمزوریاں ہیں جن کو دور کیا جائے اور وہ کیا گر ہیں جن سے لیکچر و اعتراض میں دلچسپی اور مقبولیت پیدا کی جائے۔ ہمارے مناظر صرف دیسی عیسائیوں کی میٹنگ میں بولنے کی قابلیت و لیاقت رکھتے ہیں مجھ کو خوشی ہے کہ ہم نے بحث و مباحثے کرنے کی تعلیم دینے کی کلاسوں کے کام کا آغاز کر دیا ہے۔

مناظرہ کی تعلیم

بحث و مباحثہ کرنے کی تعلیم ہم اس طرح دیتے ہیں ایک دعا کے بعد ہم اپنا کام شروع کرتے ہیں سب سے پہلے ایک طالب علم اپنا منتخب مضمون پڑھتا ہے، اس کے بعد دو طالب علم اس پر اعتراضات کرتے ہیں پھر سلسلہ وار تمام جماعت بحث و مباحثہ کرتی ہے ہر ایک ممبر کو کوئی نہ کوئی اعتراض کرنا پڑتا ہے جس کے لئے پانچ منٹ مقرر ہوتے ہیں اب تک ہم نے ان عنوانوں پر بحث کی ہے

(۱) مناظروں میں اعتراضوں کا جواب کس طرح دینا چاہیئے۔

(۲) غیر عیسائیوں کے اعتراضات کیا ہوتے ہیں؟

(۳) غیر عیسائیوں میں روحانی ترقی کیوں کر ہو۔؟

(۴) دیسی عیسائیوں میں مذہبی ترقی کس طرح کی جائے؟

ان مضامین پر بحث و مباحثے بہت اچھے و مفید ہوتے ہیں اور میں کہہ سکتا ہوں کہ اس میں ہمیں کامیابی ہوئی بہت عرصہ سے اس بات کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں کہ اچھے پڑھے ہندوستانیوں میں تبلیغ کے لیکچروں کا انتظام ہونا چاہیئے۔ جو افسوس سرمایہ کی کمی کی وجہ پوری نہیں ہوتی۔

ہم نے الہ آباد کے پڑھے اونچے طبقے کے پلیڈر، بیوپاری، کلرک اور انگریزی جاننے والے لوگوں پر کوئی توجہ نہیں دی ہے۔ ہم اگر ان میں عیسائیت کی تبلیغ کریں تو کامیابی لازمی ہو۔ ہمیں اس ضروری کام کی طرف توجہ دینی چاہیئے

آگرہ آگرہ میں مشنری کام دوسرے علاقوں کے مقابلے میں وسیع پیمانہ پر ہوتا ہے۔ یہاں مشنری کام کی دو شاخیں ہیں ایک تعلیم اور دوسری ایوان جلیبیٹ دونوں ایک دوسرے کے لئے معاون و مددگار ثابت ہوتی ہیں اس کے علاوہ دیسی عیسائیوں کو ہدایت دینے اور پروگرام بنانے کی ذمہ داری بھی ان شاخوں کے انچارج پادری سی جی ڈبل پر ہے اس علاقہ آگرہ اور گرد و نواح کے علاقوں میں دس لاکھ سے زیادہ آبادی ہے یہاں کا اسٹاف آگرے کے چماروں میں بھجن اور اسکول کے ذریعے تعلیم دیتا ہے۔ گلیوں میں جاکر عیسائیت کے اصول سناتا ہے میلوں میں جاتے اور موسم سرما میں دیہاتوں کا گشت لگاتے ہیں۔

"بہت دنوں کے بعد پانی پر پھینکی ہوئی روٹی ملے" کے مقولہ پر حسب ذیل واقعہ ہے جس کو پادری سی جی ڈبل لکھتے ہیں۔
پچھلے سال دسمبر کے مہینہ میں جب ہم پچھم کی طرف بیسر کو جا رہے تھے تو ایک جگہ قیام ہوا پچھلے سال یہاں کے لوگوں نے مذہبی لیکچروں کو اُچٹتے ہوئے دل سے سنا اور کوئی توجہ نہیں دی۔ بلکہ یہاں کے افسران نے بھی ہماری مخالفت کی ابھی پچھلے ہفتہ جب ہم یہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہاں سے تمام بڑے بڑے افسران تبدیل ہو چکے ہیں۔ نہیں بلکہ تبدیل کر دئے گئے ہیں" جب میں بازار میں جا رہا تھا تو اچانک۔ مجھ سے ایک آدمی نے کہا کہ علاقہ کا بڑا پروفیسر آپ کو یاد کرتا ہے۔ کیونکہ ان کا خیال ہے کہ آپ ان کے بڑے واقف ہیں میں اس کے پاس گیا تو اس نے بہت آؤ بھگت کی اور بڑی محبت کے ساتھ ملا۔ اور مجھ کو یاد دلادیا کہ ۲۳ سال ہوئے کہ وہ میرے پاس ملاقات کے لئے بھی بہت آیا کرتا تھا وہ جے نرائن سکول بنارس میں پڑھتا تھا آہستہ آہستہ مجھے یاد بھی آگیا اور میں پہچان گیا کہ یہ وہی باتونی لڑکا تھا جو کئی بار میرے پاس آیا، ۳۲ سال پہلے مجھے ایک منتر والے مکان کی بھی یاد آگئی جہاں اس سے ملاقات ہوتی تھی اب یہ لڑکا بڑا آدمی اور بڑا افسر ہو گیا، اس نے میرا شکریہ ادا کیا کہ بچپن میں آپ اس پر بہت مہربان تھے۔ جب اس کو معلوم ہوا کہ میری بیوی میرے ساتھ آئی ہے تو اس نے اس سے ملنے کی خواہش کی۔ میں نے اسکو بتایا کہ وہ بیماروں میں دوائی تقسیم کرنے کا کام کر رہی ہے جس کے لئے اس نے ہم کو ایک بڑی رقم خیرات کی دیا اگلے دن وہ ہمارے تنبو میں آیا، چلتے وقت اس سے خواہش کی آئندہ دورہ پر آئیں تو میرے ہاں ٹھہریں۔ اور دعا کا طالب ہوا۔

ایک دوسری جگہ کوراگڑھ میں ایک دیسی مسلمان افسر سے ملاقات ہوئی جو میرے پیارے وینس پادری کا شاگرد تھا۔ اس سے بھی ہماری بہت دلچسپ باتیں ہوئیں۔

عیسائیوں کی مخالفت

جہاں ایک طرف دیسی سرکاری افسران ہمارے مشنری کاموں کے بہت خلاف نظر آتے ہیں دوسری طرف یہ دیکھ کر بھی حوصلہ افزائی ہوتی ہے کہ ان کے درمیان ایسے بھی لوگ ہیں جو ہمارے خیالات کے ہیں اور عیسیٰ مسیح کی تلاش میں ہیں۔

عورتوں میں تبلیغ

عورتوں کے بارے میں لکھتے ہیں:-

"میں خدا کا بے حد شکر گزار ہوں کہ میری بیوی عورتوں میں بائیبل کی تبلیغ کے لئے ہمارے دوروں میں بڑی مددگار ثابت ہوئی جب ہم دیہاتوں میں گزرتے تو میں دیکھتا ہوں کہ کس طرح ان کو غریب مفلس دیہاتی عورتیں گھیر لیتی ہیں پہلے یہ ڈرتی اور خوف زدہ ہوتی ہیں بعد میں یہ سہمی ہوئی نزدیک آتی ہیں، بہت سی عورتیں پہلے پہل دیکھ کر بھاگتی ہیں۔ کیوں کہ ان کو امید نہیں ہوتی کہ کوئی شریف گھر کی عورت ان کے پاس آکر ان کے ساتھ ہمدردی کر سکتی ہے یا بھلائی دکھا سکتی ہے۔

چماروں اور بھنگیوں میں تبلیغ

دو سال کے اندر ہم نے چماروں اور چوہڑوں میں اپنا کام تیز کیا، اس کی رفتار بڑھائی، ان کے پاس ہم بھجنوں اور ایک گھر سے دوسرے گھر تک ملاقات کے ذریعے بائیبل کے پیغامات پہنچاتے تھے۔ مسٹر ڈوبل نے اپنی مددگار عورتوں کے ساتھ عورتوں کے اندر کام شروع کر دیا ہے۔ نو عیسائی بنانے کے متعلق وہ بیان کرتے ہیں۔ کہ:-

اس سال ہم نے پانچ عیسائی بنائے۔ سب سے پہلے ایک مسلمان ہمارے پاس آیا جبکہ ہم دورہ کر رہے تھے۔ یہ دیسی فوج میں مصر بھی ہو آیا تھا، جو مہینوں کی مذہبی ہدایات اور تعلیم کے بعد ایک دیسی پادری نے اسے عیسائی بنایا۔
دوسرا شخص ابراہیم مسلمان تھا۔ اس نے ہمارے ڈیوینٹی سکول میں داخلہ کی کوشش کی لیکن یہ اپنی پچھلی زندگی کے بارے میں اطمینان بخش حالات نہ بتا سکا، اس لئے اس کے بارے میں کافی شک ہے اور ہم پڑتال کر رہے ہیں اس کی سابقہ زندگی کے حالات معلوم کرنے کے لئے اس کے بعد داخلہ کا فیصلہ ہوگا۔ ایسے تجربے بڑے تکلیف دہ ہوتے ہیں۔ مگر بعد میں جب "خدائی نور" دلوں تک پہنچ جاتا تو خوشی بھی ہوتی ہے۔ دو چوہڑوں کو بھی ہم نے تعلیم کے بعد بپتسمہ دیا۔ (یعنی عیسائی بنایا) اس میں ایک عورت بھی ہے جو میری بیوی کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔ یہ بہت کمزور عورت ہے جو دائم المریض ہے۔ پچھلے دنوں میں نے اس کے قابل رحم حالات کو سن کر فیصلہ کیا کہ ایسے ضرورتمند کو عیسائیت کے فیض سے محروم نہیں کرنا چاہیئے، حالانکہ اس کے خلاف کئی باتیں پائی جاتی تھیں۔

عورتوں کے سکول

مس ایوانگر چار شہروں میں سکولوں کا کام کر رہی ہیں ان میں تین سکول ہیں اور ایک مسلمان لڑکیوں کے لئے ہے، یہ تینوں سکول ہندوستانی عورتوں میں تعلیم پھیلانے کا بڑا ذریعہ ہیں مسٹر ایوانگر ای پورٹ ہیں کہ عیسیٰ مسیح کے حکموں کی سچائی ایک ایسی چیز ہے کہ جس سے دنیا متمتع ہوتی ہے۔

سینٹ جون کالج اور عیسائی لڑکوں کا اسکول

سال کے آخر میں پادری سی جی ڈویل ولایت جا چکے ہیں۔ وہ سنہ ۱۸۶۰ء سے سوسائٹی کا کام کر رہے ہیں ان کی رپورٹ تو نہیں آئی مگر اس کی پہلی رپورٹوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشنری سکولوں اور کاموں کے بارے میں کامیابی کا اظہار کرتے ہیں۔ کہ اب عیسائیت کی صداقت ہندوستانیوں کے دل و دماغ اور گھروں میں پہنچ رہی ہے۔ ہمارے طالب علموں میں سچائی کا نور چمک رہا ہے اور جن کے پاس ہم نہیں پہنچ سکتے تھے وہ خود ہمارے پاس آرہے ہیں۔ ان کے جانشین۔ جی آئی اے پار جینز مقرر ہوئے ہیں، ان کے مددگار پادری ایچ لوئیس اور پادری اے ایچ رائٹ بنائے گئے ہیں۔

سکندرہ

سکندرہ کا یتیم خانہ جس میں ۲۰۶ لڑکے اور ۲۱۰ لڑکیاں پرورش پاتے ہیں۔ پادری جے ارہاٹ اس کے انچارج

ہیں اس کے ماتحت ان کی لڑکی مس شلٹر، مس نلک مس وہال اور بڑا مدرسین کا اسٹاف ہے جو تعلیم و تربیت کے فرائض انجام دیتا ہے جن میں دو اندھے مدرس بھی ہیں ان تعلیمی اداروں کو چندہ کی فراہمی کی مصیبت کے علاوہ قدرتی سزاؤں کے ساتھ انہیں سوسائٹی کا کارآمد، ذمہ دار ممبر بننے کی تعلیم بھی دینی پڑتی ہے اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہوتے اپنی زندگی چلانے کے طریقے بھی بتائے جاتے ہیں ان کی باہمی شادیوں کا انتظام بھی کیا جاتا ہے۔

اس سال قرب و جوار اور سکندرہ میں ہیضہ پھیلنے کی وجہ سے اس ادارہ کا خاص کام نہ ہو سکا۔ یہاں مختلف صوبوں سے یتیم آتے ہیں جن کو حکومت دو روپے ماہوار وظیفہ دیتی ہے امید ہے کہ سی پی حکومت ہر مد ان کی جاری رکھے گی، اس سال تمام چھوٹے چھوٹے یتیم خانوں کے بچوں کے لئے ایک مرکز سکندرہ کا یتیم خانہ بن گیا جس کا مقصد محنت و بھاگ دوڑ اور اخراجات کم کرنا ہے۔

کاشتکاری سکھانا

یتیم خانے کے بچوں کو مانڈلہ بھیجا گیا جہاں ایک ایسٹ انڈین نے انہیں کاشتکاری سکھانے کا ذمہ لیا ان کو اس میں کامیابی نظر نہ آئی تو ایک ماہ کے بعد وہ بچے سکندرہ واپس بھیج دیا گیا ان میں سے دو بڑے باغبانی سیکھ رہے ہیں اور باقی سکول جا رہے ہیں۔ بہت سے بچے ہندی کی تعلیم پاتے ہیں، پادری صاحب کا کہنا ہے کہ ان کو اس میں ہوشیار بنا کر آہستہ آہستہ پریس کمپوزنگ بھی سکھانا چاہتے ہیں۔ بچے بہت ذہین ہیں۔ تابعدار، پڑھنے سے ذوق رکھنے والے ہیں اور خاص طور پر لڑکیاں لکھنے پڑھنے میں خاص شوق کا ثبوت دیتے ہیں۔ جو محنتی ہیں۔

متھرا بندرابن

یہ ہندو دھرم کے دو زبردست گڑھ ہیں۔ جہاں کہ مسٹر زینکر ریذیڈنٹ مشنری کام کرتے ہیں۔ بندرابن اور متھرا ایسے گڑھ ہیں جن کے خلاف ہم اپنی طاقتوں کو مجتمع کرنا چاہتے ہیں فی الحال اس علاقہ میں ہمارا مشنری کام فوجی چوکی سے مشابہ ہے۔ نتیجہ کچھ نہیں ہے۔ اس علاقہ میں اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ جیسا کہ مسٹر زینکر کی رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے۔

کٹر ہندو

مغربی تہذیب سے بالکل بے بہرہ متھرا کا علاقہ اتری تجیجی علاقوں سے بھی گیا گزرا علاقہ ہے جس کی وجہ مشنری کاموں میں بہت سی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہم نے ابتدائی کام یہاں شروع کیا ہے۔ اس جگہ پر ان لوگوں کا قبضہ ہے جو ہندو مذہب کے ٹھیکیدار اور مالک ہیں انہوں نے عجیب و غریب طرح کی رکاوٹیں ڈال رکھی ہیں یہ لوگ "ہندوؤں کے بھی ہندو ہیں" جن کا تعصب ہر درجہ بڑھا ہوا ہے۔ یہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں کے لوگوں کے ساتھ تعلق بھی پیدا کرنا نہیں چاہتے اور اپنے آپ کو ان سے بہت اونچا سمجھتے ہیں، اس علاقہ میں ذات پات کا کوئی سوال نہیں ہے۔ ایک ذات صرف برہمنوں کی رہتی ہے۔ چھوٹی ذاتیں کوئی حوصلہ نہیں رکھتیں اس لئے کہ وجود کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ یورپین تعلیم کو یہ بری نظر سے دیکھتے ہیں جدھر نظر اٹھا کے دیکھئے۔ جو بے اور لوگوں کا رواج ہے چھوٹی قوموں میں کوئی ترقی کرنے کی کسی کو خواہش نہیں اور اپنی اسی حالت میں مگن ہیں اور اپنی قسمت یہی سمجھتے ہیں۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا کوئی حل ہمارے پاس نہیں ہے ان لوگوں کے سامنے دنیا کا تجربہ اور دلیل سب بے کار ہیں۔ دوسرے علاقوں میں جہاں ہم پست اقوام کو ابھارنے میں کامیاب ہوتے ہیں یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ نیچی ذات کے لوگ ہم سے بات کرنا ہم کو چھونا اپنی بے عزتی سمجھتے ہیں اس وجہ سے ان لوگوں سے تعلق پیدا کرنے کا موقعہ نہیں ملتا۔ دھرم اور برہمنوں کا رعب ان پر اتنا زبردست ہے کہ ہماری ایک نہیں چلتی۔

عیسائیوں کی بے بسی

ہم تعلیم ترقی کے بارے میں جو لکھیں اور اپنے ادارے کے نکالنے کے بارے میں لکھتے ہیں تو اس کا ان پر کوئی اثر نہیں کیونکہ یہ جس حالت میں ہیں اس میں خوش ہیں، ان کا خیال ہے کہ ہماری ذات برہما کی بنائی ہوئی ہے۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ یہ لوگ برہمنوں کے جنگل میں پھنسے ہوئے ہیں۔

ہماری جد و جہد کا مقابلہ بہت سخت ہے۔ ہمیں یہ جان کر بہت افسوس ہوتا ہے کہ متھرا اور بندرابن جو ریلوے لائن پر ہیں وہاں تعلیم کی روشنی ابھی تک کیوں نہیں پہونچی اور یہ لوگ پجاری اور پنڈوں کے جنگل میں کیونکر پھنسے ہوئے ہیں۔

میرا یہ خیال ہے کہ بیوپاری لوگ جن کو اور صوبوں میں جانے کا موقعہ ملتا ہے ان میں رجعت پسندانہ خیالات ضرور گھر کریں گے

اور وہ ایک دن ذات پات کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند کریں گے۔

مگر وہ دن بھی ابھی بہت دور ہیں۔ عیسائیت کا اس میں کتنا ہاتھ ہوگا۔ یہ میں نہیں کہہ سکتا۔ مگر ہمیں محنت اور ایمان داری کے ساتھ اپنا حملہ جاری رکھنا چاہیئے۔ ہمیں کوئی بھی پادری ایک بھی مشنری بلا معقول تنخواہ کے یہاں نہیں بھیجنا چاہئے بمعاونوں اور کافی سرمایہ کی بڑی تعداد میں ضرورت ہے۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر روز نئے مندر بنتے ہیں۔ ہزاروں یاتری ہندوستان کے کونہ کونہ سے بڑے بڑے فاصلوں سے آتے ہیں میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ ان دونوں گڑھوں میں ہندوازم کو شکست دینا ناممکن سا ہے۔ کیوں کہ ان برھمنوں کا دماغ کافی تیز چست اور مقابلہ میں خطرناک ہیں، کہا جاتا ہے کہ متھرا اور بندرابن میں سال میں آنے والوں کی تعداد کچھ گھٹ رہی ہے اس کا ایک بہت بڑا سبب پنڈے پجاریوں میں اخلاقی گراوٹ اور لالچ ہے۔ یہ بہت اہم چیز ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس سے برہمنوں کی مقبولیت کو بڑی ٹھیس پہنچائی جاسکتی ہے۔

آگرہ کے ایک باشندہ سے میں نے جو بات سنی وہ یہ کہ متھرا اور بندرابن میں مذہبی مسافروں کی تعداد سال کے سب مہینوں میں ایک سی ہوتی ہے۔ یہاں ایک مالدار ہندو بینکر نے ساٹھ لاکھ روپے کی قیمت سے ایک عظیم الشان مندر بنوایا ہے۔ جس میں ایک دن میں دس ہزار کا اوسط چڑھاوا آتا ہے۔

جس شان اور عیش و عشرت کے ساتھ یہاں کے سینکڑوں پنڈے پجاری رہتے ہیں اس سے پتہ لگتا ہے کہ ان لوگوں نے زمین پر بھی بہشت بنا رکھی ہے میرے سننے میں یہ بھی آیا ہے کہ یہ پانڈے پجاری خفیہ طور پر انجیل پڑھتے ہیں۔

حالتِ پشیمانی میں اطمینان

مسٹر زنیکر جب متھرا اور بندرابن میں ٹھہرے ہوئے تھے تو ایک ہندو جو کبھی کبھی ان سے ملاقات کرنے آتا تھا اس نے یہ بتلایا کہ ایک لائبریری کلب کوسی میں قائم کی ہے۔ یہ کوسی بیوپار کا ایک مرکز ہے اور بندرابن سے کچھ دور بھی ہے۔ یہاں تعلیم یافتہ ہندوستانی لیکچر دیتے تھے۔ اور عوام کو تلقین کرتے تھے کہ وہ تعلیم پائیں۔ اور ہندو مذہب کی بہت سی جو خرابیاں ہیں ان کو دور کریں۔

مسٹر زنیکر نے اس سے پوچھا کہ یہ کلب اب کیوں بنا ہے جب کہ مندروں میں ہونے والی برائیاں بہت عرصہ سے جاری ہیں اس نے کہا کہ یہ سب عیسائیت کا اثر ہے۔ بندرابن میں ہم نے مشن اور بائبل کے پرچار کا مرد اور عورتوں میں بہت اچھا بندوبست کر رکھا ہے جب عوام نے محسوس کیا کہ ایسی کلب ہونی چاہیئے۔ تب ہی قائم ہوئی انہی بہن کی مشنری کاموں کے بارے میں مسٹر زنیکر لکھتے ہیں :-

دوائی بیماروں کو دینا

مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ شہر میں انجیلی عورتوں کا کام بہت اچھے طریقے سے چل رہا ہے عورتیں اچھی تعداد میں آنے لگی ہیں ہم عوام میں دوائی تقسیم کرتے ہیں اور دوسری عیسائی عورتیں مشنری کام میں حصہ کافی طور پر لیتی ہیں

علی گڈھ

پادری اسٹیورڈ چار دن میں جا کر بھجن گاتے ہیں اور سابقہ سال کی رپورٹ دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ ان میں شامل ہونے والوں کی تعداد اچھی رہی ہے۔ اسکول میں آنے والے ہندو اور مسلمانوں کی تعداد بھی بڑھ رہی ہے۔ ان جلسوں میں تیار کی ہوئی تقریریں کی جاتی ہیں اور بھجنوں کے درمیان پادری اور پادری کا عملہ لیکچر دیتا ہے۔ ہندوستانی گیت بھی گائے جاتے ہیں

میرٹھ

مارچ سنہ ۱۸۸۳ء کو پادری جے، جی ہرمن ہارنل یورپ چلے گئے اُن کی جگہ پادری جے، ایچ ویبر نے مشن کا چارج لیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ:- میرٹھ کے مشن کا کام اتنا وسیع اور پیچیدہ ہے کہ اس کی واقفیت حاصل کرنے کے لئے ہی ایک عرصہ چاہیئے۔ ہم نے دوران سال میں سب محکموں میں بڑی سرگرمی سے کام کیا، ہمیں پتہ لگا کہ بہت سے گرجوں اور دعاؤں کے مقامات میں ہماری سخت ضرورت ہے جو بغیر عملہ کے بڑھائے قابو میں نہیں آسکتا۔ مشن کمپاؤنڈ میں سنٹ ٹامس گرجا ہے۔ چھاؤنی میں سینٹ پال کا گرجا ہے اور بلیا، کنگ کھیڑا اور ریلوے اسٹیشن کے قریب گاؤں میں بھی تین چھوٹے چھوٹے گرجے ہیں۔ اکلہ میں ایک چھوٹی سی عیسائی بستی

اور گرجا ہے۔ اور دہرہ دون سے ڈیڑھ سو میل کے فاصلہ پر ایک خوب صورت گرجا بنا ہوا ہے ان کے علاوہ غازی آباد۔ بلکہ مسوری بھی ہماری مشنری کاموں کے اچھے اڈے ہیں۔ عیسائی لڑکوں کے واسطے بورڈنگ ہاؤس ہے اور عیسائی لڑکیوں کے لئے مسٹر ہیبر بندوبست کر رہی ہیں

سکول

عیسائی نوعمر لڑکے اور لڑکیوں کے ساتھ میں پڑھوانے والا سکول مشن کے احاطے میں ہے اور ایسا ہی سکول اینڈ فیلڈ میں بھی جاری ہے اور کئی چھوٹے چھوٹے اسکول اور ورنیکولر اسکول غازی آباد اور دوسرے سٹیشنوں پر ہیں۔ عیسائیوں میں غیر تربیتی وجہالت کی وجہ سے کئی قسم کی برائیاں جو کیک کھڑا۔ ملینا میں خاص طور سے ظاہر ہوتی ہیں۔ دیسی عیسائی ایجنٹ ان کی مدد کرتے ہیں اور وہ سکولوں اور دیگر عمارتوں کی مرمت بھی کرا رہے ہیں اس کے علاوہ حساب کتاب کی بھی جانچ پڑتال کرتے ہیں۔

سب سے اہم شکایات مسٹر ہارن کیا کرتے تھے کہ مذہبی معاملات میں دیسی عیسائی بہت لاپرواہ ہیں، ان میں روحانی طاقت اور جنون نظر نہیں آتا۔ جس کی بنا پر مشن کا کام بڑی دقتوں کے ساتھ چلتا ہے ہارنل صاحب فرماتے ہیں کہ:-

ریڈر کی تعلیم

ان دقتوں اور کمزوریوں کو دور کرنے کے لئے ہم نے مشن اور گرجوں کا کام حسب ذیل طریقوں سے کراتے ہیں۔

(۱) ہر مہینے کے دوسرے اتوار کو پرانی رسم کے مطابق جب ریڈر لوگ اپنی تنخواہ لینے آتے ہیں تو بدھ تک ان سے دعائیں کرائی جاتی ہیں پھر کا حساب تنخواہ میں لگ جاتا ہے۔ پیر کی شام کو سب ہم مل کر گرجوں میں دعا کرتے ہیں۔ دس بجے رات تک ہم گھٹنوں کے میں بیٹھ بیٹھ کر الگ الگ دعائیں مانگتے ہیں۔ اور اس کے بعد ہم سب جمع ہو کر دیسی گانے گاتے ہیں۔ اور تمام لوگوں کو مخاطب کر کے لیکچر دیا جاتا

عیسائی ماسٹر اور کیٹچسٹ کی تعلیم

اس طرح ہی اگلے دن ملتے ہیں اور شام کے وقت پھر کسی دلچسپ مذہبی نغموں پر ان کو لیکچر دیا جاتا ہے اور لیکچروں میں ہمارے ہائی سکول کے عیسائی ماسٹر، کیٹچسٹ بھی حصہ لیتے ہیں۔ اور اس کا نہایت مفید اثر پڑتا ہے۔ ہم نے محسوس کیا ہے کہ دیسی عیسائیوں کی مدد کرنی چاہیے۔ میں نے دیکھا ہے کہ اس سے دیسی عیسائیوں میں مذہبی جوش و محنت اور عقیدت پیدا ہو جاتی ہے۔

(۲) عیسائی کیٹچسٹوں کی مدد کے واسطے ہم نے ہفتہ میں دو بار بائیبل میٹنگوں کا بندوبست کیا ہے جن میں باہر سے آنے والے عیسائی بھی شامل ہوتے ہیں۔

(۳) ہمارے آس پاس کے مرکزوں میں بھی بائیبل جماعت شروع کر دی گئی ہے۔ ہفتہ میں تین مرتبہ ہوتی ہیں

(۴) مس ویمبر آس پاس کی عورتوں کو جمع کر کے ہفتہ میں ایک مرتبہ بائیبل کی کلاسیں چلاتی ہیں اور بڑے پیمانہ پر ہر ماہ میں ایک بار بائیبل کلاسیں ہوتی ہیں۔

چمار کے عیسائی بننے کا شاندار تذکرہ

البتہ مسٹر ویمبر کا بہت سا وقت دیسی عیسائیوں کی طرف لگ جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے ان کو دوسری شاخوں کے لئے وقت نہیں ملتا۔ آس پاس کے میلوں میں ہم جاتے ہیں اور وہاں مستعدی کے ساتھ تبلیغ کا کام کرتے ہیں موانہ میں ایک نو عیسائی کے بارے میں دلچسپ ذکر بیان کرتے ہیں۔

ایوان جلسٹ مشنری کا کام بلا روک ٹوک جاری ہے۔ ہمارے کیٹچسٹ روزانہ بازار میں دو مرتبہ جاتے ہیں اور رات میں سے دو مہینے میں ایک ہفتہ جاتے ہیں، چاہے گرمی ہو یا سردی ہو ان کا مقررہ دورہ ضرور لگتا ہے۔ یہ کام بڑی دلچسپی سے کیا جاتا ہے۔ پچھلے دنوں مسوری سے واپس آنے کے بعد ایک شخص جس کی عمر ۴۰ سال کی تھی میرے پاس آیا۔ اس نے بیان کیا۔ کہ میں عیسائی ہونا چاہتا ہوں۔ بہت عرصہ ہوا جب کہ آپ کا ایجنٹ میرے دیہاتی مکان پر پہنچا تھا اور اس نے اپنا پیغام بھی دیا تھا۔ میں سکول میں بھی گیا تھا۔ میں نے وہاں سے ایک کتاب لے کر پڑھی تھی جس کو میں نے ایام قحط میں فروخت کر دیا تھا۔

اب مجھے ایک خواب دکھائی دیا کہ میں وہ کتاب لے کر پڑھ رہا ہوں۔ میں نے خواب دیکھنے کے بعد ہیڈلے کے پاس گیا۔ اس کے پاس وہ کتاب تھی اس کتاب کو پڑھنے کے بعد میں نے فیصلہ کیا۔ کہ میں بھی عیسائی بن جاؤں۔ مجھے کسی مدد کی ضرورت نہیں ہے میں

پاس چار روپے چار آنے ہیں اور میں اپنی روزی بخیر و خوبی چمار گیری کر کے کما سکتا ہوں۔ میرے گھر میں اور کوئی نہیں۔ میری بیوی مر چکی ہے۔ اور میرے لڑکوں کی شادی ہو چکی ہے۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں یہاں سے بے عیسائی بنے واپس نہیں جاؤں گا۔ اس کی ایمانداری کے ثبوت میں مجھ کو کیمبرج مشن دہلی سے بھی ایک چٹھی ملی، اسی دوران میں میں نے دو ریڈروں کو اس کے گاؤں میں بھیجا کہ اس کے متعلق معلومات حاصل کریں۔ انہوں نے بھی اطمینان بخش رپورٹ دی اس کے بعد میں نے اس کو عیسائی بنایا۔

عیسیٰ مسیح کے یوم پیدائش کو وہ ہمارے ہاں آیا۔ اس نے ہم سے اپنی پریشانیوں کا ذکر کیا کہ راسخ برادری اور گاؤں والے کیسے ستاتے ہیں اور کنوئیں پر سے پانی نہیں بھرنے دیتے۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم جلدی دورہ پر اس گاؤں میں جائیں گے۔

اینگلو ورنیکولر سکول بہت اچھی طرح چل رہا ہے لڑکیوں کا بورڈنگ ہاؤس بھی شاندار نتیجہ کا حامل ہے جس کا بندوبست ایک مشنری سوسائٹی نارمل اسکول بنارس کی تعلیم یافتہ استانی کر رہی ہے۔

اودھ یہاں ریذیڈنٹ مشنری کی دلچسپی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ کیونکہ فیض آباد اجودھیا کے نزدیک ہے۔ جو ہندوؤں کا بڑا تیرتھ ہے۔ پادری آر۔ آر۔ جی۔ والٹن اور اس کی لیڈی بنارس سے اس سال نہیں آئے۔ اس واسطے اس رپورٹ میں ہم ان کا ذکر نہیں کرتے۔

سنہ ۱۸۸۳ء میں یہاں کا مشنری کام پادری الیف ایبل کے ہاتھ میں تھا۔ جو چھٹی پر گئے ہوئے ہیں۔

رانچی رانچی جس کو چھوٹا ناگپور کہتے ہیں یہ بہار صوبہ کا ایک ضلع ہے اس میں عیسائیوں کی تین مشنری جماعتوں نے خاص طور پر اراؤن اور منڈا دو جنگلی قوموں میں کام کیا۔ یہاں یہ قومیں قدیم سے رہتی ہیں، ان کو یہاں کا قدیم ترین باشندہ مانا جاتا ہے۔ یہ دکھنی ہندوستان سے یہاں آکر بسے یہ سیاہ فام، مادر زاد ننگے لوگ جنگلوں میں رہتے تھے جو وحشت و بربریت کا نمونہ تھے۔ کوئی شریف و شہری انسان ان کو نظر آجاتا تھا تو پھاڑ کھاتے تھے۔ اب تقریباً ایک لاکھ انسان اور شہری بن چکے ہیں تعلیم و اخلاق و تہذیب سے و مدنیت سے آشنا ہو چکے ہیں یقیناً ان کو انسان بنانا اور ان میں کام کرنا قابل تعریف کام ہے۔ ان قوموں میں جن مشنری جماعتوں نے کام کیا وہ (۱) جرمن مشن (۲) انگلش مشن (۳) رومن کیتھولک مشن ہیں جن کے کاموں کی مختصر تفصیل یہ ہے۔

جرمن مشن کے چار پادری مسٹر شش، مسٹر ورت، مسٹر وچ اور مسٹر یان ۳۱ دسمبر سے پہلے کلکتہ سنہ ۱۸۴۴ء میں پہنچے ان کو بھیجنے والا مسٹر یوہ نیس گورنر برلن کا باشندہ تھا۔ جو سنہ ۱۷۷۳ء میں پیدا ہوا تھا۔

یہ پارٹی ۲ نومبر ۱۸۴۵ء کو رانچی پہنچی ان مشنریوں نے رانچی کے موجودہ احاطہ کو مہاراج جگناتھ شاہ دیو سے بندوبست لے کر خود اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ اس عمارت میں سب سے پہلی قبر پادری تھیان کی بنی۔ شروع میں مشنری پارٹی یہاں تبلیغ کرنے میں ناکام نظر آتی تھی۔ ناامید ہو چکی تھی کہ جون سنہ ۱۸۵۰ء میں چار اراؤں مسٹر تھیا کوٹا کا نوین بوڑھے، کرنڈ کا گھرن۔ چتا کنی کا کیشو اور بندھو یہ وہ پہلے اشخاص ہیں جو عیسائی بنے اور انہوں نے مشنریوں کی ہمت افزائی کی، اس کے بعد انہوں نے کام شروع کیا۔ اس کے بعد دو منڈے باگمین کا سادھو اور والا لوگ کا مانگتا۔ منڈے بھی بپتسما پا گئے۔ چنانچہ ان کا نام ایشوردت اور کرشنا سندر رکھا گیا۔

۱۸ نومبر سنہ ۱۸۵۱ء میں گوسنر صاحب کے حکم سے یہاں کے مشنریوں نے موجودہ رانچی گرجے کی بنیاد ڈالی اس کے بانی پادری ہیر جوگ تھے۔ جو مشنری کے نام سے مشہور تھے، گرجا گھر تیار ہونے کے بعد بڑے دن اس کا افتتاح کیا۔ کچھ امید کی جھلک نظر آئی لیکن بغاوت کی وجہ سے پادری صاحبان اسکول کے لڑکے لڑکیوں کو کلکتہ چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ امن قائم ہوتے پر رانچی آئے اور مذہب پھیلانے کا کام تیزی سے کرنے لگے، گوسنر صاحب کا ۲۰ مارچ سنہ ۱۸۵۸ء کو انتقال ہونے کی وجہ سے کام میں پھر رکاوٹ پیدا ہوگی۔ لیکن اس کام کو ایلو جرگہ کے علاقہ بابو پولس نیموں نے سنبھالا۔ چنانچہ وہی پہلے شخص ہیں جن کو ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے پادری کا خطاب ملا۔

مسٹر ہوٹیلی نے منڈاری زبان سیکھ لی پھر انجیل کو منڈاری زبان میں شائع کرایا۔ عیسائی ہونے کے بعد ان کی تعلیم کا بھی انتظام

کیا گیا۔ پہلے رانچی شہر میں پرائمری سکول کھولے گئے۔ یہ ہی سکول سنہ ۱۸۸۴ء میں مڈل ورنیکولر اور سنہ ۱۸۹۶ء میں ہائی اسکول ہوگیا۔ جرمن مشن کے مالک گوسنر صاحب تھے۔ اس لئے اسکول کا نام بھی گوسنر ہائی اسکول رکھا گیا۔ رانچی مشن ہیڈکوارٹر کی شاخیں برجو، گوبند پور، لوہر دگا، ٹکڑا، ٹوکاہ۔ گملا کنکیل، تماڑ۔ کوربجور وغیرہ میں ہیں۔ تعلیم کے علاوہ علاج کے لئے ہسپتال کھولے گئے۔ سنہ ۱۹۰۰ء صرف اس مشن نے بیس ہزار عیسائی بنائے تھے۔

انگلش مشن جس کو سینٹ پال کیتھڈرل مشن کہا جاتا تھا۔ اس نے بھی اپنے گرجے کی سنہ ۱۸۶۷ء میں بنیاد ڈال دی تھی اسی سال تین منڈا اون اپنے نام (۱) مارکس ھیم ردم (۲) پربھو سہائے بودرا، اور انھاہیں ٹوٹی بدل کر اور عیسائی بن کر تبلیغ کا کام انجام دیا۔ جرمن مشن کی طرح اس مشن کے بھی کئی گرجے اسپتال اور سکول قائم ہوئے۔ موجودہ انگلش مشن ہائی اسکول پہلے مڈل انگلش سکول تھا۔ وہ سنہ ۱۹۰۶ء میں ہائی اسکول بنا۔

رومن کیتھولک مشن رانچی میں قائم ہوا۔ جا بجا سے کچھ اراؤں اور منڈا بپتسمہ پاکر آئے تھے۔ ان لوگوں نے بھی یہاں اپنا گرجا بنانا شروع کیا۔ سنہ ۱۸۷۷ء میں رانچی شہر میں رومن مشن کا گرجا تھا۔ اسی وقت ایورین فادر لک نام کے پادری ڈورونڈہ میں پہنچ کر وہاں کے اراؤں اور منڈا سپاہیوں کو اپنی مذہب کی ہدایت و تبلیغ کرنے لگے۔ سنہ ۱۸۸۲ء میں اس مشن نے سرباد ماگ میں گرجا بنایا۔ ڈورونڈہ کے مذہب قبول کئے ہوئے سپاہی جمگائی میں جاکر مسیحیت کو پھیلانے گئے۔ سنہ ۱۸۸۵ء میں لیتھیبس پادری نے تورپا میں ایک مشن کھولا۔ آج کل ان لوگوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی ہیں۔ کافی مقامات پر گرجا، ہسپتال اسکول وغیرہ بنائے گئے ہیں۔ اسکولوں میں دستکاری کی تعلیم خاص طور پر دی جاتی ہے۔

ہندوستان میں مشنری کام کرنیوالے پادریوں کے

حالات زندگی

(۱) ڈاکٹر سی. جی. فانڈر
(۲) طامس والپی فرینچ
(۳) پادری چارلس ولیم فورمن ڈی ڈی
(۴) بشپ جارج ایلفرڈ لیفرائے۔
(۵) رابرٹ کلارک
(۶) پادری عمادالدین ڈی ڈی
(۷) پادری کالی چرن چیٹرجی ڈی ڈی
(۸) اینڈرو گورڈن ڈی ڈی
(۹) پادری وارث الدین ایم، بی، اے
(۱۰) ٹامس ہنٹر شہید
(۱۱) پادری دینا ناتھ۔
(۱۲) ڈاکٹر جے، سی، آر یوئنگ
(۱۳) پادری جی ایل ٹھاکر داس
(۱۴) ڈاکٹر تھیوڈور لاٹسن پنیل
(۱۵) پادری طالب الدین بی اے
(۱۶) پادری (ماسٹر) رام چندر پانی پتی۔

ڈاکٹر سی جی فانڈر

کارل گوٹلیب فینڈر پورا نام ہے سنہ ۱۸۰۳ء میں مقام ڈیلنگن میں پیدا ہوئے جو ورٹم برگ جرمنی میں واقع ہے اس کا باپ نانبائی کا کام کرتا تھا وہ لاطینی زبان سیکھنے کے لئے بچپنے میں داخل کر دیا گیا تھا۔ اسی لڑکپن کے زمانہ میں وہ دینداری کی طرف راغب تھا۔ خاص طور پر پادری فریڈرک کی تعلیم کا اس پر بہت اثر ہوا، اور اس کو مسیحی مبلغ بننے کا شوق دامنگیر ہو گیا جس کی وجہ سے وہ سنہ ۱۸۲۰ میں بائیبل مشنری کالج میں پانچ سال تک علم الٰہیات کا مطالعہ کرتا رہا۔

فینڈر کو مختلف زبانیں سیکھنے کی تمنا تھی۔ ارٹے کالج کی کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ اس کو ایشیائی زبانوں میں کتاب مقدس کا ترجمہ کرنے کے لئے بھیجا جائے لہٰذا سنہ ۱۸۲۵ء میں وہ دو دو مشنریوں کے ساتھ آرمینا کے ملک کے ایک قصبہ شعرشا میں بھیجا گیا۔ جو بحیرہ اسود اور بحیرہ کیسپین کے درمیان ہے شوشا کا مشن مسلمانوں کے لئے تھا۔ فانڈر صرف ۲۲ سال کا تھا اس کو تین زبانیں سیکھنی پڑیں۔ یعنی ترکی تاتاری آرمینی اور فارسی وہ مسلمانوں میں مسیحی اصولوں کا پروپیگنڈہ کرتا تھا۔ ان ہی ایام میں اس نے میزان الحق سنہ ۱۸۲۹ء میں پہلے پہل جرمن زبان میں لکھی، اس کا ترجمہ پہلے فارسی پھر انگریزی اردو، مرہٹی، ترکی عربی زبان میں ہو گیا۔

سنہ ۱۸۲۹ء میں وہ ایک مشنری کے ساتھ بغداد گیا کیوں کہ اس کو عربی سیکھنے کا شوق تھا۔ اس زمانہ میں بغداد میں انجیل کی اشاعت کی ممانعت تھی وہاں وہ عربی سیکھا تھا۔ اسوقت میزان الحق آرمنی ترکی تاتاری اور فارسی زبانوں میں ترجمہ ہو چکی تھی۔

سنہ ۱۸۳۱ء میں وہ ایک قافلہ کے ہمراہ ایران کی طرف روانہ ہوا۔ تمام قافلہ میں وہ اکیلا عیسائی تھا۔ کاروان والے اس کو ملائے فرنگ کہتے تھے۔ کرمان ہوتا ہوا وہ اصفہان پہنچا۔ وہاں اس نے یہودیوں اور مسلمان اور آرمینیوں کو مسیحی کتب تقسیم کیں اور تبلیغ نصرانیت کی۔

سنہ ۱۸۳۳ء میں وہ طہران سے ہوتا ہوا واپس شوشا کی طرف چلا گیا۔ وہاں سے وہ شملی اور یا گیا۔ پھر تبریز کا راستہ اختیار کیا اس جگہ اس نے ایک آزاد خیال ایرانی منشی کی میزان الحق کی نظر ثانی کرنے میں مدد لی۔ مدد چالاکی سے اس طرح لی کہ ایرانی ملا کو معلوم نہ ہوسکے کہ یہ کتاب رد اسلام میں ہے۔ آخر میں جب ملا کو معلوم ہوا تو ملا نے کہلا بھیجا ہمیں افسوس ہے کہ یہ کتاب قرآن مجید کے خلاف ہے اگر ہمیں اس ناپاک مضمون کی اطلاع ہوتی تو ہم مدد کرنے کا کبھی وعدہ نہ کرتے۔"

سنہ ۱۸۳۳ء میں وہ واپس اپنے گھر جرمنی گیا۔ اس سال اس کی شادی مریفہ ریوس سے ہو گئی جو ماسکو کے ایک سینٹر ممبر پارلیمینٹ کی بیٹی تھی، اس کو بھی زبان کی تحصیل کا خاص ملکہ تھا۔ سنہ ۱۸۳۴ء میں دونوں میاں بیوی شوشا آئے۔ سنہ ۱۸۳۵ میں فانڈر کی بیوی فوت ہو گئی۔ اسی سال عیسائیوں کی شرارت اور فتنہ انگیزیوں کی وجہ سے شوشا میں تبلیغی کام کی ممانعت کر دی۔ اور اس طرح ایک سلطنت نے شوشا کا مشن بند کر دیا۔

ہندوستان میں

فانڈر اور کریس سنہ ۱۸۳۷ء میں ہندوستان بھیجے گئے اور ایران اور خلیج فارس سے ہوتے کلکتہ پہنچے۔ وہاں چرچ مشنری سوسائٹی کے مشنری دائی براؤ اور ربردوان کے مشنری وائٹ بیرنخٹ نے ان کا خیر مقدم کیا۔ سنہ ۱۸۴۰ء میں فانڈر اور کریس نے بائیبل کمیٹی سے قطع تعلق کر لیا۔ اور چرچ مشنری سوسائٹی کی جانب سے آگرہ بھیج دئے گئے۔ ہندوستان پہنچتے پر ہی فانڈر نے اردو سیکھی اور میزان الحق کو مکمل کر دیا۔ بمبئی اور کلکتہ کے احباب کی مدد سے اس نے اپنی فارسی تالیفات چھپوا کر بنارس آگرہ اور بمبئی روانہ کیں۔

عبدالمسیح

فانڈر نے دوسری شادی ایک انگریز خاتون سے کی یہ خاتون بھی ایک مشنری تھی آگرہ میں انہوں نے سنہ ۱۸۴۱ء کے آخر میں شہر کے درمیان میں نہایت گنجان جگہ میں رہائش اختیار کی۔ یہ مکان بشپ کوری نے خرید کر سی، ایم۔ ایس

کو نذر کر دیا تھا۔ اس گھر میں ہنری مارٹن کا شاگرد عبدالمسیح کام کر رہا۔ فانڈر لوگوں میں مسیحیت کی منادی کرتا تھا وہ روزانہ آگرہ اور اس کے گرد و نواح میں جاتا اور بائبل تقسیم کرتا اور ہندو مسلمانوں میں نصرانیت کی تبلیغ کرتا تھا۔

سنہ ۱۸۴۵ء میں آگرہ کے ایک سرکاری افسر مولانا آل حسن نے میزان الحق کے جواب میں کتاب استفسار لکھی لکھنو کے ایک مولانا نے فنڈر کی کتاب مفتاح الاسرار کے جواب میں کشف الاستار لکھی جس کا جواب الجواب فانڈر نے حل الاشکال دیا۔ اور حل الاشکال کا جواب مولوی موئید الدین صاحب احمد آبادی نے دیا۔

سنہ ۱۸۴۵ء میں وہ دریائے جمنا کی راہ دہلی پہنچا یہاں علماء اسلام کے ساتھ شاہی مسجد میں مناظرہ ہوا۔ سنہ ۱۸۵۱ء میں جرمنی میں گیا۔ وہاں سے سنہ ۱۸۵۳ء میں واپس آیا یہاں پادری فرنچ جو آگرہ مشن کالج کا پرنسپل تھا پادری فانڈر سے ملاقات ہوئی۔

مولانا رحمت اللہ اور فانڈر کا مناظرہ

اپریل ۱۸۵۴ء میں آگرہ میں فانڈر کا مناظرہ مولانا رحمت اللہ صاحب سے ہوا۔ (جس کی تفصیل مولانا رحمت اللہ کے حالات میں ملاحظہ ہو) آگرہ کلیسا میں سنہ ۱۸۴۸ء میں فانڈر نے ایک پنچایت قائم کی۔ پنچایت کے شرکاء کو کلیسا منتخب کرتی تھی۔ پنچایت کے ممبر جرج دار ڈن کا بھی کام کرتے تھے اور تادیبی امور کو سرانجام دیتے تھے۔ جب کوئی شخص بپتسمہ چاہتا تھا تو اصطباغ سے پہلے پنچایت کی صلاح لی جاتی تھی۔ جماعت کے شرکاء باقاعدہ چندہ دیتے تھے جس کا انتظام پنچایت کے ہاتھوں میں ہے۔

سنہ ۱۸۵۴ء میں چرچ مشنری سوسائٹی کے فیصلے کے مطابق پشاور میں مشن قائم کیا۔ جہاں فانڈر اور پادری رابرٹ کلارک کو روانہ کیا۔ کلارک اسکول میں کام کرتا تھا اور فانڈر مشنری ورک کرتا تھا۔ فانڈر نے پشاور کے تمام علماء کو میزان الحق بھیجی تو انہوں نے ہاتھ لگانے سے انکار کر دیا۔ حافظ محمد عظیم نے عربی میں ذیل کا مکتوب بھیجا۔

"آپ کی مرسلہ کتابیں بغیر پڑھے واپس کر رہا ہوں۔ خدائے اکبر نے ہم کو صراط مستقیم پر چلایا ہے اور ہمارا علم و عقل اور مکاشفہ اندرونی و بیرونی ثبوت پر قائم ہے پس ہمیں گمراہ لوگوں کی جھوٹی کتابوں سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ جس کی نسبت قرآن مجید میں وارد ہوا ہے کہ ان کے دلوں پر خدا نے مہر لگادی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ چھا گیا ہے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں عاقل کو اشارہ کافی ہے۔"

ایام غدر سنہ ۱۸۵۷ء کے اختتام کے بعد پشاور سے ڈاکٹر فانڈر جرمنی اور سوئزرلینڈ ہوتا ہوا انگلستان چلا گیا۔ کیوں کہ پشاور میں اس کی بیوی کی صحت خراب تھی۔

قسطنطنیہ میں

سنہ ۱۸۵۸ء میں چرچ مشنری سوسائٹی نے ڈاکٹر فانڈر کو قسطنطنیہ بھیجا جہاں کتب مقدسہ اور دیگر مسیحی کتابیں فروخت و تقسیم کی جاتی تھیں، فانڈر کی فتنہ انگیز طبیعت نے یہاں بھی گل کھلائے جس کے نتیجے میں مبلغین قید کر لئے اور کتابوں پر پابندیاں لگادی گئیں اور ترکی گورنمنٹ نے ذیل کے احکام صادر کئے۔

"ترکی گورنمنٹ اس امر کی اجازت نہیں دیتی کہ اسلام پر ناپاک حملے بر سر بازار یا بخ کے طور پر کئے جائیں۔ وہ مشنریوں کو یا ان کے کارندوں کو اسلام کے خلاف منادی کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ اور اس طرح کی ہر کوشش ترکی گورنمنٹ کی نظر میں قومی مذہب پر حملہ تصور کیا جائے گا۔ وہ کسی مباحثہ کی کتاب کو بر سر بازار یا بخ کے طور پر تقسیم کرنے یا فروخت کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔"

برطانوی سفیر نے ان احکام پر رضامندی ظاہر کردی۔ سنہ ۱۸۶۵ء میں اپنے بیوی بچوں کو فانڈر انگلستان چھوڑنے چلا گیا۔

سنہ ۱۸۷۰ء میں جب فرنچ ملتان گیا۔ تو وہاں کے ایک عالم نے جو مولوی رحمت اللہ اور ڈاکٹر وزیر خاں کے دوست تھے اس کو بتایا کہ قسطنطنیہ میں ڈاکٹر فانڈر کے قلع قمع کرنے کے لئے مولانا رحمت اللہ بھیجے گئے ہیں۔ [1]

---

[1] صلیب کے علم بردار مصنفہ پادری برکت اللہ ایم ص ۶۹ تا ۷۲

وفات } یکم دسمبر سنہ ۱۸۶۵ء کو فانڈر نے وفات پائی۔ فانڈر کی قبر انگلستان میں ہیم مقام پر ہے پادری فانڈر کی کتابیں:۔ میزان الحق۔ طریق الحیات۔ مفتاح الاسرار۔ حل الاشکال ہیں۔ جو انگریزی فارسی اردو۔ عربی زبانوں میں ہیں۔

بشپ جارج الیفرڈ لیفرائے

سنہ ۱۸۵۳ء گست

جارج الیفرڈ لیفرائے کے والد کا نام پادری جیفری لیفرائے تھا۔ جو آئرلینڈ میں آگاڈرک میں خادم الدین تھا۔ جارج اس میں پیدا ہوا تھا اس کی مذہبی زندگی بنانے والی اس کی والدہ تھی۔ سکول میں داخلہ کے بعد وہ لڑکوں کے لئے نمونہ تھا۔ سنہ ۱۸۷۴ء میں وہ ٹرنٹی کالج میں داخل ہوا، سنہ ۱۸۷۸ء میں اس نے علم الٰہیات درجہ اول میں پاس کیا۔ ان ہی ایام میں جب وہ کیمبرج میں طالب علم تھا تو اس کو وہ لوگ ملے جو دہلی میں کیمبرج مشن قائم کرنے کی تجویز کرتے تھے بشپ فرنچ اور پروفیسر ویسٹکٹ کے ایما پر مشن سنہ ۱۸۷۶ء میں قائم ہوا تھا۔ ڈگری حاصل کرنے کے بعد جارج لیفرائے نے کیمبرج میں عبرانی اور فارسی کا مطالعہ شروع سنہ ۱۸۷۹ء میں وہ ڈیکن کے عہدہ پر مقرر کیا گیا۔ ہندوستان آتے وقت اس کا ہم سفر پادری ایس ایس آلنٹ تھا۔ اس سے پہلے کیمبرج مشن کے چار مشنری دہلی میں موجود تھے۔ ان دونوں سے چھ تعداد کر دی۔

لیفرائے نے مشکل کام "بشارت" کا لیا۔ سنہ ۱۸۸۰ء میں وہ مہرولی قصبہ کے ایک مکان میں رہنے لگا۔ سنہ ۱۸۸۸ء میں دہلی کا مشن کالج کھولا گیا۔ ایس پی جی مشن کے مشنریوں نے کیمبرج مشن کے آنے سے پہلے چماروں میں کام شروع کیا ہوا تھا۔ یہ چمار دہلی کی ارد گرد کی بستیوں میں رہتے تھے۔ لیفرائے ان کے علاوہ مسلمانوں میں بھی کام کرنے لگا۔ وہ کہتا ہے۔

گو انجیل نہایت سطحی طور پر چماروں میں داخل ہوئی ہے تاہم یہ کامیابی دیگر اقوام میں کام کرنے سے روکتی ہے اور کام میں ہر طرف سے مایوسی ہو جاتی ہے۔ "ہمارے چمار مسیحیوں" کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ کیونکہ گو وہ عیسائی ہو جاتے ہیں لیکن وہ غیر مسیحی بھائیوں کے درمیان رہتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی مشرکانہ رسوم سے باز نہیں رہ سکتے۔ جب کوئی ہندو مسلمان عیسائی ہو جاتا ہے تو اس کو برادری سے خارج کر دیتے ہیں اور اس کا حقہ پانی بند ہو جاتا ہے گو یہ صورت حالات اس کے لئے مشکلات پیدا کر دیتی ہیں۔ ایسی مشکلات چمار مسیحیوں کو پیش نہیں ہوتیں، وہ مسیحی ہونے کے بعد اپنے ہی بھائی بندوں میں رہتے ہیں ان کے مخرب اخلاق گیت سنتے ہیں۔ ان کی مشرکانہ رسوم میں شریک ہوتے ہیں اور چونکہ مذہبی معاملات سے ناواقف ہوتے ہیں انجیل کا خمیر ان میں اثر نہیں کرتا۔ ایک تجویز ہے کہ مسیحی چماروں کی بستی الگ قائم کی جائے آٹھ گھر اس غرض کے لئے تعمیر کئے گئے ہیں اور ان پر تین پابندیاں لگائی گئی ہیں اول یہ کہ اتوار کے دن کوئی کام نہ کریں گے۔ دوئم پیدائش شادی اور موت پر مسیحی رسوم ادا کی جائیں۔ سوم وہ چرس کے استعمال سے پرہیز کریں، دریا گنج کے مسیحی چماروں کی ایک پنچایت منعقد ہوئی اور رات کے ساڑھے ۱۲ بجے اس معاملہ پر بحث شروع ہوئی بالآخر گنگا کا پانی لایا گیا اور ان سے کہا گیا کہ جن مشرکانہ رسوم کی پیروی کرنی چاہتے ہیں وہ اس کو اٹھائیں لیکن جو مسیحی رسوم پر عمل کرنا چاہتے ہیں وہ علیحدہ ہو جائیں صبح ۷ بجے تک یہ بحث جاری رہی اور نتیجہ یہ ہوا کہ ایک بڑی تعداد مرتد ہو گئی اور معدودے چند گرجا گھر میں عبادت کے لئے جمع ہو گئے۔ وہ مسیحی بستی میں رہنے لگے کئی سالوں کے کام پر اس طرح پانی پھر گیا۔ اسٹوری آف دہلی مشن

سنہ ۱۸۸۵ء میں بکر سیٹھ بیماری کی وجہ سے وہ کیمبرج مشن سے مستعفی ہو گیا، اور تندرست ہونے کے بعد اس نے عربی سیکھی قرآن اور اسلامی کتب تفسیر سے واقف ہو گیا، بازاری منادی کرتا تھا۔ مات دن اسی کام میں مصروف رہتا تھا، رات میں اندھیرے کی وجہ سے مسجدوں میں بحث کرتا تھا۔ جمعہ کی صبح کو خاص طور پر تین گھنٹے مختلف مسیحی مسائل پر گفتگو کرتا تھا۔ سنہ ۱۸۹۰ء میں اس نے بکر سیٹھ ہال بنوالیا تھا تاکہ دھوپ بارش آندھی وغیرہ میں لوگ آرام سے بیٹھ کر مسیحی پیغامات سن سکیں۔

لیفرائے اور مولینا شرف الحق کا مناظرہ

لیفرائے کے لیکچروں کا عوام میں زور بڑھ رہا تھا۔ وہ طالب علموں کو ورغلاتا تھا۔ چنانچہ دہلی کے مشہور و معروف مناظر رد نصاریٰ میں ید طولیٰ رکھنے والے عالم مولینا شرف الحق صاحب نے اس کا زور توڑنے کے لئے مناظرہ کی دعوت دی مناظرہ دسمبر سنہ ۱۸۹۰ء میں مسجد فتحپوری کے اندر رہوا۔ جو تین تاریخوں تک ہوتا رہا۔ اس میں لیفرائے کو مولانا نے بھری سبھا میں شکست فاش دی۔ لیفرائے نے تسلیم کیا کہ انجیل میں تحریف ہوئی۔ یہ اعتراف نامہ اس نے اسی مجمع عام میں لکھ کر مولانا موصوف کو دیا (تفصیل مولانا کے حالات زندگی میں ملاحظہ فرمائیں۔)

لیفرائے دہلی کی میونسپل کمیٹی کا ممبر بھی رہا۔ لیکن جب اس کو افسر اعلےٰ چنا گیا تو اس نے ممبری سے استعفےٰ دیدیا۔ وہ دہلی کے مشن کالج میں بی اے کلاس بھی پڑھاتا تھا۔ سنہ ۱۸۹۵ء میں کتاب الصلوٰۃ کے اردو ترجمہ کی نظر ثانی میرٹھ میں ہوئی کیونکہ نشست مروج کا ترجمہ عربی اور فارسی مغلق الفاظ سے بھرا ہوا تھا۔ اس ترجمہ کمیٹی کا ممبر لیفرائے تھا۔

دہلی میں بیس سال تک بشر کا کام کرنے کے بعد سنہ ۱۸۹۹ء میں وہ لاہور کا اسقف تور کیا گیا۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں اس نے استقفی کونسل کی بنیاد رکھی تاکہ وہ دیگر خادم الدینوں کے ساتھ صلاح و مشورہ کر کے علاقہ کا انتظام کریں اب یہ کونسل ایک مستقل تنظیم شدہ کونسل ہے لیکن لیفرائے پہلا شخص تھا جس نے اس کو شروع کیا۔

لیفرائے کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی کہ فوج میں قمار بازی۔ شراب خواری اور زنا کم ہو۔ اس نے لارڈ کچنر سے بہت سی باتوں کو منظور کرایا۔ لارڈ کرزن کے ساتھ تعلقات نہایت خوشگوار تھے۔ سر مکیورتھ ینگ اس کا خاص دوست تھا۔

۱۹۰۹ء میں بشپ لیفرائے نے ایک ہندوستانی آرچڈیکن مقرر کرنا چاہا۔ یعنی رابرٹ کلارک کو تو گورنمنٹ نے اس تجویز کی مخالفت کی لیکن لیفرائے نے یہ کہہ کر کہ ہندوستانی آرچڈیکن ہندوستانی جماعت کا ہوگا۔ پادری احسان اللہ کو آرچڈیکن مقرر کیا۔

سنہ ۱۹۰۴ء میں اس نے انجیل جلیل کی تفسیروں کا سلسلہ شروع کیا۔ وہ اس سلسلہ کا جنرل ایڈیٹر تھا۔

سنہ ۱۹۱۲ء میں کلکتہ کا بشپ کوپلسٹن اپنے عہدے سے مستعفی ہو گیا، تمام اسقفوں میں لیفرائے ہی اس لائق سمجھا گیا کہ کلکتہ کا بشپ بنایا جائے کلیسیا اور گورنمنٹ دونوں کی آنکھیں اس پر لگی ہوئی تھیں۔ لارڈ مارلے اس کا مداح تھا۔ اس نے ایک دفعہ لارڈ منٹو وائسرائے کو لکھا کہ کل بشپ لیفرائے مجھ سے ملنے کے لئے آئے وہ ان معدودے چند آدمیوں میں سے ہے جن میں بڑی کشش ہے۔ اس کی ملاقات سے میں نہایت محظوظ اور میں اتنا موثر ہوا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں دنیا اور مافیہا سے بے خبر ہو گیا ہوں کلکتہ کا بشپ مقرر ہوتے ہی اس نے بنگالی زبان کی تحصیل شروع کی، چونکہ وہ اردو ہندی زبانوں سے بخوبی واقف تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اب بنگالی بھی سیکھ لے گا۔ چنانچہ اس نے اس زبان میں بھی کافی مہارت حاصل کرلی۔ لیکن اس کی صحت نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔ وہ یکم جنوری سنہ ۱۹۱۹ء میں فوت ہو گیا۔

طامس والپی فرنچ

طامس والپی فرنچ پادری پیٹر فرنچ کے بڑے صاحبزادے تھے۔ وہ سنہ ۱۸۲۵ء میں نوروز کے دن پیدا ہوئے ان کی والدہ کا نام کنوار سپتے مین بنی لوپ آربیلا والپی تھا جس کی وجہ سے ان کا نام والپی رکھا گیا۔ پیدائش آپ کی واقعہ برٹن لب دریائے ٹرنٹ ہوئی۔ جہاں ان کے والد خادم الدین تھے۔ فرنچ نے پہلے ایک سال تک گریمر سکول واقع ریڈنگ میں تعلیم پائی اس کے بعد رگبی سکول میں داخل ہوئے۔ سنہ ۱۸۴۶ میں انہوں نے امتحان میں اول درجہ کی عزت حاصل کی دو برس کے بعد لاطینی زبان میں ایک مضمون کے صلہ میں ان کو چینسلر کا انعام ملا۔ اسی سال میں ان کا تقرر ڈیکن کے درجہ پر کیا گیا۔ اور وہ برٹن میں اپنے باپ کے اسسٹنٹ

بنے اور سنہ ۱۸۴۹ء میں ان کا تقرر فیلس کے عہدہ پر ہوا۔

اپریل سنہ ۱۸۵۰ء میں اپنی درخواست چرچ مشنری سوسائٹی کو روانہ کردی اور ہندوستان میں تبلیغ کرنے کے لئے اوکسفورڈ سے دستبردار ہوگئے۔ ان کا ایسا کرنا دیدہ دانستہ عزت وآرام کا ترک کرنا تھا۔ کیونکہ وہ اپنی یونیورسٹی میں بڑا مرتبہ حاصل کرتے۔ سوسائٹی نے ان کی درخواست منظور کی اور آگرہ میں جو مشن کالج قائم ہونے والا تھا۔ اس کا پرنسپل کردیا۔ ۷ ستمبر ۱۸۵۰ء میں جہاز پر سوار ہو کر ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے۔ اور تخمیناً چار ہفتہ کا سفر طے کرکے دوسری جنوری کو کلکتہ پہنچے۔ ۱۳ فروری سنہ ۱۸۵۱ء کو آگرہ پہنچے۔ اور یہاں فرنچ نے آٹھ برس تک کام کیا۔ اس شہر میں چرچ آف انگلینڈ کے متعلق مشن کا کام سنہ ۱۸۱۲ء میں اس وقت شروع ہوا۔ جب کہ آرچ ڈیکن دانیال کوری عبدالمسیح کو یہاں لایا۔ صرف ایک ہی شخص تھا۔ جو پادری ہنری مارٹن کی کوشش سے مسیحی ہوئے تھے ان کی وفات نے ۱۸۲۷ء میں مشن کا کام ملتوی کرنے پر مجبور کیا۔

سنہ ۱۸۳۷ء میں مشن کا کام پھر شروع ہوا اس وقت سخت قحط سالی تھی۔ اور بہت سے یتیم بچے مشنریوں کو سپرد کئے گئے۔ جسکے واسطے ایک یتیم خانہ سکندرہ میں قائم کیا گیا۔ جب سنہ ۱۸۵۱ء میں اس کی اعلیٰ تعلیم کا آغاز سینٹ جانز کالج کے قائم کرنے کی وجہ سے ہوا تب مشن گویا تیسرے درجہ پر پہنچا۔

فرنچ کو غیر زبانوں کے سیکھنے کا بہت شوق تھا۔ اس لئے اس کو غیر زبانوں کی واقفیت رکھنے کی وجہ سے "ہفت زبان پادری" کا لقب دیا گیا۔ وہ اپنا زیادہ وقت زبانوں کے جاننے اور زبانیں سکھانے میں گذارتا تھا۔ فرنچ کی بڑی آرزو یہ تھی کہ کالج کلیسیا کے خادمان دین کی تربیت کا مقام ہو۔ چنانچہ انہوں نے سات برس کام کرنے کے بعد مجھے لکھا کہ اگر ایک خادم بھی یہاں سے پیدا ہوا۔ تو میں یہ سمجھ لوں گا کہ جو محنت میں نے کالج پر کی ہے اس کا بدلہ مجھ کو مل گیا۔ یہ خوشی سب کو حاصل ہوئی اور ایک طالب علم مادہو رام جبل پور کی ایک جماعت کا پاسبان مقرر ہوا۔

فرنچ بازاروں میں مسیحیت کی تبلیغ کرتا تھا۔ چنانچہ یہی وہ فرنچ ہے جس نے مولانا رحمت اللہ اور پادری فانڈر کے مناظرہ کا اہتمام کیا۔ اور پادری فانڈر کے ساتھ معاون کی حیثیت سے مناظرہ میں شامل ہوا۔ پادری فرنچ پادری فانڈر کا بڑا مداح ومعتقد دوست تھا۔ فرنچ بازاروں کے علاوہ دیہاتوں میں بھی جاتا تھا۔ اور تبلیغ مسیحیت کرتا تھا۔

غدر سنہ ۱۸۵۷ء میں اس نے سکندرہ کی بستیوں کے عیسائیوں سے قابل تعریف سلوک کیا۔ جس سے اس نے ہندوستان کے مسیحیوں کے دل میں جگہ پالی۔ اس اثناء میں اس کی بیوی قلعہ میں رہنے کی وجہ سے بیمار ہوگئی جس کی وجہ سے سنہ ۱۸۵۹ء میں وہ ولایت چلے گئے۔ سنہ ۱۸۶۲ء میں ہندوستان آیا جہاں اس کو سرحدی ضلع میں مشن کا کام سپرد کیا گیا۔ ڈیرہ اسمٰعیل خاں میں دریا کے کنارے وہ منادی کرتے تھے یہاں کے افغان پکے نمازی اور مسلمان تھے۔ فرنچ کے قبضے میں نہ آسکے بلکہ وہ اس ضلع میں زیادہ نہ رہ سکا اور جنگل میں لو لگنے کی وجہ سے ولایت چلا گیا۔

فرنچ سنہ ۱۸۷۰ء میں ملتان گئے۔ یہاں ہمیشہ مشن کے کام کی سخت مخالفت ہوتی تھی۔ ۵ نومبر ۱۸۷۰ء میں انہوں نے جہان باغ ملتان میں کالج قائم کرنے کے لئے زمین خریدی جس میں طلباء نومبر سنہ ۱۸۷۰ء سے داخل ہونا شروع ہوگئے۔ ۱۵ دسمبر ۱۸۷۲ء کا روز کالج کی تاریخ میں بڑی خوشی کا دن تھا۔ کیونکہ اس روز بشپ ملمن نے کالج کے دو طالب علموں کو پہلی دفعہ خادم دین بنایا یہ جان ولیم اور امام شاہ تھے۔

۲۱ دسمبر سنہ ۱۸۷۷ء کو فرنچ لاہور کے بشپ بنائے گئے۔ انہوں نے پہلا کام گرجا بنانے کا کیا۔ اور دو لاکھ روپیہ چندہ کرنے کی اپیل کی۔ دسمبر سنہ ۱۸۸۲ء میں ان کو چرچ مشنری سوسائٹی کا معائنہ کرنے کے لئے مقرر کیا گیا وہ وہاں کی تبلیغ مسیحیت کی مخالفت کا ذکر کرتے ہیں۔

"بے شک شہزادہ صاحب اس وقت دینی آزادی کی حمایت میں دلیری کرنا چاہتے ہیں لیکن شیخ الاسلام جو اس ملک میں اسلام کے بڑے صاحب اختیار مجتہد ہیں اور حتی الامکان علانیہ ان کا دشمن ہے۔ لوں کا مقابلہ کرتے ہیں ڈاکٹر برس صاحب اور میں آج دوپہر کے بعد مسجد میں جو تین میل کے فاصلے پر واقع ہے سوار ہو کر گئے اور ان کے پاس ایک گھنٹہ تک رہے انہوں نے مصمم ارادہ ظاہر کیا کہ اصفہان میں کتب مقدسہ کے نسخوں کی فروخت بند کر دیں گے۔ کتب مقدسہ کی فروخت کی شکایت کرتے تھے۔ وہ بحث میں گرم اور تیز ہو گئے۔ ہم نے بہت کچھ ان سے سوال کیا کہ انجیل کے پھیلانے میں آزادی ہونی چاہیئے لیکن وہ پرلے درجے کے سخت دل اور بد مزاج معلوم ہوتے تھے بہت سے ملا ان کے گرد بیٹھے تھے اور خوشامد کر کے ان کو ابھارتے تھے۔ ہمارے واسطے تسلی کی بات صرف یہ ہے کہ خدا کا کلام مقید نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ کل انہوں نے کتب فروش کو گرفتار کرا یا لیکن آخر کار یہ حکم دے کر نہ یسوع کے نام کی منادی کرنا اور نہ اس کی نسبت بات کرنا اسے چھوڑ دیا۔

سنہ ۱۸۷۴ء میں ایک گرجا کی بنیاد ڈالی جس پر چالیس ہزار روپے صرف بنیاد پر خرچ ہوئے اس گرجا کا نام کیتھڈرل گرجا تھا۔ جولائی سنہ ۱۸۸۶ء میں فرنچ نے صحت کی خرابی کی وجہ سے استعفےٰ ۲۲ دسمبر سنہ ۱۸۸۷ء لبشپ شپ سے دیا۔ وہ پورے دس سال اس عہدہ پر مامور رہے۔ ۹ جنوری سنہ ۱۸۸۸ء کو وہ انگلستان چلے گئے۔ ہندوستان سے ان کا تعلق منقطع ہو گیا۔

سنہ ۱۸۹۰ء میں وہ مصر میں ٹیونس گئے اور مسقط پہونچے۔ چونکہ مسقط میں گذارہ کے لئے مکان ملنا دشوار تھا۔ اس واسطے فرنچ مترا میں جو ایک قصبہ مسقط سے تین میل کے فاصلہ پر ہے ایک مکان جو اس کو سکونت کے وقت پیش کیا گیا تھا لے لیا۔ فرنچ یہاں تبلیغ مسیحیت کے ساتھ عربی زبان کے مطالعے میں زیادہ تر مصروف رہے۔ مسقط میں ہی ان کا انتقال ہوا۔

لاہور کے اسقفی گرجا میں ایک پیتل کی تختی پر عبارت ذیل کندہ ہے۔

"ٹامس والپی فرنچ ڈی۔ ڈی کا جو یونیورسٹی کالج واقع آکسفورڈ کے سابق فیلو اور اسقفی گرجا کے بانی تھے۔ سنہ ۱۸۵۱ء سے جب وہ ہندوستان میں آئے خدا کی کلیسا کی دینی خدمت کرتے رہے۔ اول صبر و کوشش کے ساتھ شمال و مغربی اضلاع اور پنجاب میں بحیثیت مشنری ہونے کے اور اس کے بعد دس برس بحیثیت اس علاقے کے پہلے لبشپ ہونے کے سنہ ۱۸۷۷ء سے سنہ ۱۸۸۷ء تک رہے لبشپ۔ ممدوح نے مسقط واقع ملک عرب میں مسیح کی بادشاہت کا ایک تنہا شاہد بن کر بتاریخ ۱۴ مئی سنہ ۱۸۹۱ء انتقال کیا۔

( ) تذکرۂ لبشپ فرنچ تاراچند لائف آف ٹی وی فرنچ از برک۔

پادری چارلس ولیم فورمن

چارلس ولیم فورمین صوبہ کن ٹکی کے شہر واشنگٹن سے آدھ میل باہر ۳ مارچ سنہ ۱۸۲۱ء میں پیدا ہوا۔ اس کے آباؤ واجداد سنہ ۱۶۴۵ء میں لبشپ لارڈ کے مظالم سے تنگ آکر امریکہ نقل مکانی کر گئے یہاں کے ڈچ حکام نے ان کی خوش آمدید کی اور لونگ آئی لینڈ میں ان کو جاگیر بھی عطا کی۔ امریکہ کی جنگ آزادی میں اس خاندان کے تیرہ شخص شریک تھے۔ یہ خاندان آزادی سے محبت رکھنے کے لئے مشہور تھا۔

ان دنوں غلاموں کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ اور فورمن کا خاندان غلام رکھتا تھا۔ اس نے اشتہار دیا کہ جو غلام اپنے مالک کی اجازت سے پڑھنا چاہے اس کو میں گرجا گھر میں پڑھاؤں گا۔ جب وہ گرجا میں گیا تو غلاموں کی کثیر تعداد پائی۔ اس کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ وہ تبلیغی زندگی گزارے گا چنانچہ وہ سنٹرل کالج کن ٹکی میں اور پرنسٹن تھیولوجیکل کالج میں سات سال تک پڑھتا رہا۔

جنوری سنہ ۱۸۴۸ء میں کلکتہ میں آکر فورمن ڈاکٹروف کا مہمان ہوا، اس نے انگریزی زبان میں سکول کھولنے کا فیصلہ کیا۔ کلکتہ سے پنجاب گیا۔ اور آخر پنجاب سے چند ماہ پہلے وہ لدھیانہ پہنچ گیا۔

لدھیانہ سنہ ۱۸۳۴ء میں پادری جان لوری آچکا تھا۔ اس کے ایک سال بعد پادری نیوٹن اور اس کی بیوی سنہ ۱۸۳۵ء میں امریکن پرسبیٹرین مشن کے مشنری ہو کر پہلے پہل آئے، ان دنوں لدھیانہ سرحدی شہر تھا۔ کیوں کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقبوضات اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سلطنت کے درمیان دریائے ستلج حائل تھا۔

سکھوں کی پہلی لڑائی کے بعد سنہ ۱۸۴۶ء کے آغاز میں جو تھی ایسٹ انڈیا کمپنی نے جالندھر دوآبے پر قبضہ کرلیا۔ امریکن مشن نے لدھیانہ سے جالندھر شہر میں اپنے مناظرا اور واعظ بھیجے۔ مسٹر بورٹر اور مسٹر گولک ناتھ وہاں گئے پورٹر نے وہاں مشن کمپونڈ کے لئے زمین خریدی۔ جو شہر کے نزدیک تھے۔ مسٹر گولک ناتھ جالندھر متعین کیا گیا۔

۱۸۴۹ء میں جوں ہی پنجاب انگریزوں کے قبضہ میں آیا۔ پادری فورمن اور نیوٹن لاہور روانہ کئے گئے، انہوں نے اپنی رپورٹ سالانہ اجلاس میں پیش کی جس کے بعد وہ لاہور کے انچارج بنائے گئے انہوں نے چندہ کیا۔ پہلے بیرون بھاٹی دروازہ میں سکول شروع کیا۔ پادری نیوٹن مہاراجہ رنجیت سنگھ کی حویلی میں ایک سال تک رہے مضر صحت ہونے کی وجہ سے راجہ کا دوسرا مکان جو اس نے اٹلی فرانسیسی اطالوی جرنیلوں کے لئے بنوایا تھا۔ لیا۔ اس احاطے کے اندر ایک پرانی قبر تھی جس پر ایک بڑا گنبد تھا۔ اس قبر کے چوگرد محرابدار کمرے تھے۔ یہ محرابیں بند کی گئیں اور ان میں خشت اور کھڑکیاں وغیرہ لگادی گئیں اور ان کمروں میں پادری فورمین نے رہائش اختیار کی۔

ان دنوں وہاں کے حکام تمام تر عیسائیوں کے نزدیک خدا پرست تھے جنہوں نے پادریوں کی مالی مدد کی اور شاندار خیر مقدم کیا۔ جنوری سنہ ۱۸۵۰ء میں سکول کی ابتدا کی، لڑکوں کو ہر دو پادری پڑھاتے تھے۔ یہ وہ زمانہ جب سکول میں اپنے بچوں کو لوگ داخل نہیں کرتے تھے۔ لیکن یہ کام کئے چلا گیا۔ اس کی پانچ شاخیں کھل گئیں تین ماہ میں سکول کے طلباء کی تعداد ۵۰ ہو گئی تھی۔ مسٹر گوردا متر ابنگالی عیسائی اس اسکول کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔ فورمن نے لاہور میں ۲۵ سال تک تعلیمی کام کیا۔ لیکن وہ تبلیغی کام سے خوش ہوتا تھا۔ وہ لوہاری دروازہ دہلی دروازہ چوک جھنڈا، رنگ محل ہیرا منڈی اور شارع عام پر کھڑے ہو کر لوگوں کو لیسوع کا پیغام روزمرہ بلاناغہ سناتا تھا۔ سکول اور تبلیغ کے علاوہ شہر کی گلی کوچوں میں ہینڈ بل اور کتابیں تقسیم کرتا تھا۔ شہر کے اندر اس نے دہلی دروازہ کے نزدیک ایک شفاخانہ مردوں اور عورتوں کے لئے کھولا۔

مسلمانوں نے ان کی تبلیغ کی طرف توجہ نہیں دی۔ ایک عالم کے شاگرد اعتراضات کر کے اس کا ناطقہ بند کر دیتے تھے۔ بعض اوقات ان عالم سے دوبدو بحث ہوئی، نوجوانوں کے سوالات سے تنگ آجاتا تھا۔ تو اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرلیتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ دیکھو جوانو جب تمہاری ٹھوڑی پر میری طرح بال ہوں گے تب آکر مجھ سے بحث کرنا۔

یہ ٹریکٹ بہت تقسیم کرتا تھا وہ ٹریکٹ اس کے نہیں ہوتے تھے۔ جو کتاب و رسائل پڑھتا ان پر نشان لگا کر ان کو چھپوا کر تقسیم کرتا تھا۔ سالانہ مشنری کے اجلاس میں دیہات میں تبلیغ کرنا، اور کتابیں تقسیم ہوتیں۔

پادری فورمین ان دنوں ایک پرانی مسجد میں رہتا تھا۔ اس زمانہ میں لاہور کے مشرق کی جانب کھنڈرات پڑے تھے جن میں سے چند پادری فورمین نے خریدے تھے۔ یہ مسجد ان کھنڈرات میں سے تھی۔

سنہ ۱۸۵۷ء میں غدر ہوا، لدھیانہ کا گرجا آگ کی نذر کر دیا گیا۔ اور چھاپے خانہ اور عیسائیوں کے گھر لوٹ لئے گئے۔ جولائی سنہ ۱۸۵۵ء میں فورمن نے پادری جان نیوٹن کی سب سے بڑی لڑکی مارگریٹ سے شادی کی سنہ ۱۸۶۴ء میں پادری فورمین کے پاس ایک بڑا اسکول ۲۰ شاخیں اور ایک نائٹ سکول تھا جس میں ۱۸۰۰ طلباء پڑھتے تھے۔ سنہ ۱۸۸۶ء میں مشن سکول کے تین لڑکے مسیحی ہو گئے اس پر لاہور شہر میں بڑا شور اور غوغا ہوا۔ کالج کے طلباء نے پڑھنا چھوڑ دیا۔ اور کالج میں صرف سات طلباء رہ گئے، ہندو

مسلمان ہزاروں کی تعداد میں مشن احاطہ میں جمع ہوئے، اس زمانہ میں انیس سال کے بعد فورمین امریکہ رخصت پر گیا۔ کالج کے پرنسپل کے انتقال کی خبر سن کر فورمین ہندوستان واپس آگیا سنہ ۱۸۸۲ء میں پہلی بیوی کے فوت ہوتے ہی شادی کرلی۔

جب فورمین ۷۳ سال کا ہوا۔ تو وہ سنہ ۱۸۹۴ء میں موسم گرما کاٹنے کے لئے کسولی گیا۔ وہ وہاں بیمار ہوگیا اور ۲۷ اگست کو فوت ہوگیا۔ ڈیل ڈول میں چھ فٹ سے زیادہ لمبا اور چوڑا تھا، اس کی سفید داڑھی چھاتی سے نیچے لٹکتی تھی اس کی نیلی آنکھیں اور کشادہ پیشانی نہایت خوش نما تھی۔ اس کی یادگار میں لاہوری دروازہ کے نزدیک جہاں وہ انجیل کی منادی کرتا تھا۔ فورمین چیپل بنوایا گیا صلیب کے علم بردار۔ (۸۲ تا ۹۷)

رابرٹ کلارک

پادری رابرٹ کلارک پادری ہنری کلارک کا بیٹا تھا۔ اس کی ماں انگلستان کے ایک قدیم خاندان کی لڑکی تھی۔ وہ ۴ جولائی ۱۸۲۵ء میں مقام ہارسٹن میں پیدا ہوا، جب جوان ہوا تو تجارت کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے جرمن گیا۔ سنہ ۱۸۴۲ء میں انگلستان آکر لورپول کے ایک تاجر کے ہاں ملازم ہوگیا۔ مذہبی جذبات کے غلبہ کے ماتحت اس کے والدین نے اس کو کیمبرج یونیورسٹی میں داخل کردیا۔ سنہ ۱۸۵۰ء میں اس نے بی اے کیا۔ سنہ ۱۸۵۰ء میں جب کہ انگریزوں نے پنجاب پر نیا نیا قبضہ کیا۔ چرچ مشن سوسائٹی نے رابرٹ کلارک اور پادری ٹامس ہنری فنڈبیرک اور اس کی بیوی کو پنجاب کے لئے پہلے مشنری مقرر کیا۔ ۴ جنوری سنہ ۱۸۵۲ء کو رابرٹ کلکتہ بھیجا اپریل میں امرتسر۔

رابرٹ کلارک سے پہلے لدھیانہ میں سنہ ۱۹۳۶ء کے اندر امریکن پریسبیٹرین مشن کا کام کررہا تھا مستقل کام سنہ ۱۸۴۹ء میں پادری نیوٹن اور پادری فورمین اور پادری گولک ناتھ نے شروع کیا۔ رابرٹ کلارک کے امرتسر پہنچنے پر پنجاب کے مشنریوں کی اس نے مدد کی، مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ایک چھوٹا سا گھر اس کو رہنے کے لئے ملا۔ ہندوستانی مشنری بھی خاص طور پر پادری عماد الدین اور دوسرا داؤد سنگھ بھی ہم خدمت بن گئے اور یہی خاص کارکن رابرٹ کلارک کے مانے جاتے تھے۔

اپریل سنہ ۱۸۵۲ء میں امرتسر کے اندر ایک اسکول کھولا، اور سنہ ۱۸۵۲ء میں شہر کی فصیل کے باہر ایک قطعہ زمین خریدا جہاں عیسائیوں کے لئے گھر بنائے گئے اور باغ لگائے گئے۔ چنانچہ امرتسر مرکزی مقام دریائے ستلج اور پشاور کے درمیان شہروں اور قصبوں گاؤں میں انجیل کا سبق پہنچانے کے لئے بنایا گیا۔ چنانچہ ۲ نومبر سنہ ۱۸۵۲ء میں رابرٹ کلاک پشاور پہنچا، اس وقت پشاور پر انگریزوں کا قبضہ تھا۔ وہاں کے سرہربرٹ ایڈورڈز چیف کمشنر نے مشنریوں کو دعوت تبلیغ کے لئے مدعو کیا اور گرجا میں وعظ کرایا۔ پشاور اس زمانہ میں پرآشوب شہر بنا ہوا تھا۔ پادری قتل کردئے جاتے تھے اور ان کی کوئی نہیں سنتا تھا۔ رابرٹ کلارک یہاں تیس ہزار روپیہ جمع کرکے مشن کی بنیاد ڈالی۔ سنہ ۱۸۵۴ء میں رابرٹ کلارک کشمیر، لداخ، اسکاردو۔ مغربی تبت۔ اور تبت خورد کا علاقہ دیکھنے کے لئے گیا۔ اس کے ساتھ تین ہندوستانی بھی سلیمان۔ شمعون، یعقوب تھے۔ وہ ہر جگہ ٹریکٹ اور کتب تقسیم کرتے تھے۔

رابرٹ کلارک سنہ ۱۸۵۵ء میں پشاور میں مشن کا انچارج بنا کر بھیجا گیا۔ جہاں ۴ مئی سنہ ۱۸۵۵ء میں اس نے ایک ہائی اسکول کھولا اور بازاروں میں مسیحیت کی منادی کرنے لگا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد اس کا ساتھی فانڈر بنا دیا گیا۔ انہوں نے پشاور میں اور اس کے گرد ونواح کے دیہات میں انجیل کی منادی کر

۲۴ فروری سنہ ۱۸۵۷ء کو کلاک چھٹی پر انگلستان چلا گیا، غدر کا زمانہ تھا اس نے شادی کرلی ایک سال کے بعد وہ ۸

فروری سنہ ۱۸۵۹ء میں پشاور پہنچے۔ کلارک کی بیوی نے عورتوں میں مشن کا کام شروع کر دیا۔ کلارک کی مدد کے لئے دو مشنری اور بھیجے گئے۔ ایک شہر پشاور گرد ونواح کے دیہات میں منادی کے لئے اور دوسرا اور جرکلارک اسکول کے ہیڈ ماسٹر مقرر کئے گئے۔

سنہ ۱۸۶۲ء میں کلارک کشمیر گیا تاکہ وہاں مشن قائم کرے یہاں مشن کی سخت مخالفت ہوئی۔ جو مسیحی تبلیغ کرتے تھے۔ اس کو سزادی جاتی تھی اور قید کر دیا جاتا تھا۔ جب عیسائیوں کی حرکتیں اس حد تک پہنچ گئیں کہ وہ زبردستی لوگوں کو عیسائی بنانے لگے تو کشمیر کے راجہ نے حکم دیا کہ کلارک کشمیر میں قدم نہ رکھے اور تبلیغی کام نہ کرے۔ چنانچہ کلارک بہادر کو وہاں سے جانا پڑا۔ اور امرتسر میں لگا دیا گیا اس نے ۱۸۶۳ء میں پنجاب مشنری کانفرنس میں میڈیکل مشن کھولنے کی تجویز کی جس کا تعلق کلیسا کے ساتھ تھا۔

رابرٹ کلارک اس بات کے خلاف تھا کہ ہندوستانی مسیحی کو شہر سے دور رکھا جائے بلکہ شہریوں کے اندر اس کو رکھنا چاہئے چنانچہ اس نے امرتسر کے شہر میں مختلف مقامات میں عیسائیوں کو بسایا، اور خود شہر میں سکونت اختیار کی اور اس کے قریب ایک سرائے اور مکان بنوایا اور دو کانیں بھی بنوائیں جن میں دو کانیں، کتب خانے اور ریڈنگ روم کے لئے مخصوص کیں۔ یہی وہ پادری ہے جس نے پادری عماد الدین کو بپتسمہ دیا اور مرزا غلام احمد قادیانی اور عبداللہ آتھم سے سنہ ۱۸۹۳ء میں پندرہ روز کے مناظرے کے بعد شکست کھائی نومریدوں کی روزی کمانے کے لئے یتیم خانوں میں کلارک نے دستکاریاں سکھانے کا سلسلہ شروع کیا اور مختلف کاروبار کرنے کے لئے ایک گاؤں آباد کیا، اس غرض کے لئے اس نے سرکار سے انیس سو ایکڑ زمین لی اور گاؤں کا نام کلارک آباد رکھا گیا۔ سنہ ۱۸۶۸ء میں آخر کلارک میڈیکل مشن قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا، اس نے امرتسر میں اس کی بنیاد رکھدی رابرٹ کلارک کی والدہ کے انتقال اور صحت کی خرابی کی وجہ سنہ ۱۸۶۹ء میں انگلستان چھٹی پر چلا گیا۔

سنہ ۱۸۶۹ء میں پادری فرنچ اور پادری نوٹ نے لاہور میں علم الہیات کی ابتدا کی تو کلارک ان کی مدد کے لئے لاہور پہنچ گیا۔ اس کالج میں امریکن مشن اور چرچ آف اسکاٹ لینڈ والوں نے اپنے طلبا پڑھنے کے لئے بھیجے اور اس طرح مختلف مشنوں کے پنجابی مشنریوں نے کلارک علم الہیات حاصل کیا۔ سنہ ۱۸۷۰ء میں کلارک نے ڈیوئنٹی کالج اور دیسی عیسائیوں نے لڑکیوں کا اسکول کھولا۔ اور کتب کی طباعت اور فروخت کے لئے بھی انتظام کیا، اسی نے امریکن مشن والوں کے ساتھ مل کر پنجاب رلیجیس بک سوسائٹی کی بنا ڈالی کلارک اس کا پہلا سکرٹری تھا۔ کلارک بائیبل سوسائٹی کا بھی کلارک تھا۔ سنہ ۱۸۷۴ء میں کلارک نے کتب مقدسہ کے بعض حصوں پر اردو میں تفسیریں لکھیں اس غرض کے لئے اس نے پادری عماد الدین لاہز کو اپنے ساتھ شامل کر لیا تھا۔ کلید تورات اسی وقت لکھی گئی مارچ سنہ ۱۸۷۴ء میں پنڈت نرائن داس کو کلارک نے بپتسمہ دیا جس طرح پادری عماد الدین مسلمانوں کو بہکانے کے لئے مقرر تھے اسی طرح پنڈت کھڑک سنگھ اہل ہنود کے مباحثے اور مناظرے کے کام پر مامور تھے۔ سنہ ۱۸۷۸ء میں بیماری کی وجہ سے کلارک انگلستان گیا۔ واپس آنے پر چرچ مشنری سوسائٹی کا سکرٹری بنا دیا گیا سنہ ۱۸۸۲ء میں گورنمنٹ نے اس کو پنجاب یونیورسٹی کا فیلو مقرر کیا۔ مارچ میں اس نے سکرٹری کا کام چھوڑ دیا۔ یکم مئی سنہ ۱۹۰۰ء کو موسم گرما کاٹنے کے لئے وہ کسولی گیا۔ جہاں اس کی صحت خراب ہوگئی، اور وہ ۱۶ مئی سنہ ۱۹۰۰ء کو بدھ کے روز انتقال کر گیا۔

پادری عماد الدین حکیم الٰہی

یہ پانی پت کے رہنے والے ہیں، ان کے والد چراغ الدین پادری عماد الدین کی طرح عیسائی ہوگئے تھے لیکن پھر بعد میں اسلام لے آئے [1] ان کے بھائی منشی خیرالدین نے بھی یہی کھیل کھیلا عیسائیت کا چولا پہنا انفصال خبر سنہ ۱۸۶۸ء میں ایک

[1] کوہ نور لاہور ۸ ستمبر سنہ ۱۸۶۹ء ص ۸۶۷

ٹریکٹ شائع کیا جس میں اپنے عیسائی بننے کی وجہ اور اسلام اور نصرانیت کا مقابلہ کیا اور اسلام اور نصرانیت کا مقابلہ کیا اور اسلام اور اس کے بانی محمد رسول اللہ کی مذمت کی اور مسخر اڑایا، قرآن مجید کی اہانت کی۔ لیکن زیادہ خوش قسمت ثابت نہ ہو سکے۔ پھر مسلمان ہو گئے"[لہ]

یہی منشی خیر الدین صاحب ہیں جنھوں نے اپنے نسب نامے کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کا اور عماد الدین کا نسب حضرت جمال الدین قطب ہانسوی رحمت اللہ سے ملتا ہے اس سلسلہ میں منشور محمدی کا تحقیقی مقالہ جو مذکورہ نسب نامہ کی تحقیق میں لکھا ہے دلچسپی سے خالی نہیں ہے اور قابل مطالعہ ہے اس سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ عماد الدین کا تعلق ہانسوی خاندان سے کتنا ہے۔

"پادری عماد الدین کے حقیقی بھائی خیر الدین لکھتے ہیں :۔ کہ

پادری عماد الدین نے ایک کتاب واقعات عمادیہ لکھی ہے جس میں اپنا نسبی سلسلہ حضرت جمال الدین قطب ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاتے ہیں، اگر کوئی ہندوستانی اس واقعہ کی تحقیقات کرے تو ان کی یہ تحریر باطل ٹھہرے گی۔ اگر عماد الدین کو اپنا حسب نسب بدلنا تھا تو شیخ جمال الدین ہانسوی سے نہ جوڑتے ان کو یہ سلسلہ کسی حواری فرضی طمطاؤس یا پلوس سے ملانا چاہیئے تھا۔ کیونکہ اگر کوئی محقق تحقیق کریگا تو ان کو ندامت کا سامنا کرنا پڑیگا۔

اب دیکھئے صفحہ اول واقعات عمادیہ مطبوعہ آفتاب پنجاب لاہور سنہ ۱۸۶۶ء اس میں جتنی پشتیں جناب جمال الدین قطب الدین ہانسوی سے ملاتے ہیں وہ یوں ہیں :۔

"جمال الدین قطب ان کے بیٹے جلال الدین ان کے بیٹے فتح محمد ان کے بیٹے محمد سردار ان کے بیٹے محمد فاضل ان کے بیٹے سراج الدین ان کے بیٹے عماد الدین"

یہ تحریر ان کی بالکل جھوٹ اور غلط ہے معلوم ہوتا ہے ایسی ہی ان کی تمام تصنیفات ہیں کتاب اخبار الاخیار مولانا عبدالحق کی تصنیف صفحہ ۸۰، ۹۰ ملاحظہ ہو وہ لکھتے ہیں۔

"شیخ جمال الدین کے ایک بیٹے شیخ برہان الدین صوفی ہوئے اور ایک بیٹے ان کے قطب الدین مشہور ہوئے اور ان کے ایک بیٹے شیخ نور الدین ہوئے پھر یہ جلال الدین اور فتح محمد اور محمد سردار اگر ان کی اولاد ہوتے تو ضرور اس کتاب میں ان کا اندراج ہوتا۔ اس دھوکے اور تحریر سے کیا فائدہ"[لہ]

یہ ہانی پتی صاحب ذات و نسل کے کیا تھے۔ اس کے بارے میں بھی صاف طور پر "منشور محمدی" اس دور کا مشہور و مستند و تاریخی اخبار لکھتا ہے

"پادری عماد الدین ذات کے تیلی ہیں ان کے والد نے یہ پیشہ ترک کر دیا تھا۔ ہزاروں آدمی پانی پت کے رہنے والے اس بات کی تصدیق کرتے ہیں اور جب مدرسہ میں آپس میں ہنستے اور مذاق کرتے تھے تو تیلی کا لونڈا ان کو کہا جاتا تھا"[سلہ]

یہ بات اس قدر مستند تواتر کی حد پر پہونچ گئی تھی کہ ہر شخص واقف تھا چنانچہ جب مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اعجاز عیسوی کے جواب میں پادری صاحب نے ہدایت المسلمین لکھی تو جواب دینے والوں نے اپنے جواب میں اس نسلی رشتہ کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ وہ طعناً فرماتے ہیں :۔

کہاں راجہ بھوج اور کلوا تیلی

جہاں میں رشک مزعفر اگر کھلی ہو جائے   تو کیا عجب ہے کہ تیلن لکا ولی ہو جائے

ان کی تحریر پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا گیا تھا۔

اردو کتاب میں اور انگریزی میں گفتگو میں آدھی تلی آدھی سرسوں اور اس پر مشعل کی بو دماغ میں یہ سمائی کہ اعجاز عیسوی پر

لہ پنجابی اخبار لاہور ۲۴ جنوری سنہ ۱۸۷۴ء ص ۱۱ المبرہم جلد ۱۲ کوہ نور ۲۴ جنوری سنہ ۱۸۷۴ء سلہ منشور محمدی بنگلور ربیع شوال سنہ ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۵ نومبر سنہ ۱۸۷۲ء سلہ ۱۸۷۲ء جنوری سنہ ۱۲۸۹ھ / ۱۹ جلد صفحہ ۶۷، ۶۸ اول

فروغ پانے کا دعویٰ ہے [1]

نہ کڑوا اور نہ میٹھا کلام پائے فروغ   تیل عطر ہر کب لا کلام پائے فروغ

یہی خاندانی تعلق پادری عمادالدین کے ہم مشرب پادری کریون ہدایت المسلمین پر تبصرہ کرتے ہوئے ظاہر کرتے ہیں:۔

"اگر ۱۸۵۷ء میں کے مانند پھر غدر ہو تو اسی شخص عماد الدین کی بدعنوانیوں اور بیہودہ گوئیوں سے ہوگا جوان کو باہر سے دو روپے کو بھی کوئی نہ پوچھے اور مشن ہیں ۷۰ روپے ماہوار اور کوٹھی ملے جس کے احاطے کے اندر جا ہیں تو تیل نکالنے کا کولھو بھی بنالیں۔ ایسے لالچیوں کو کیا کہنا چاہیئے [2]

یہ اُس دور کی پھبتی بازیاں ہیں اب اس سے کیا واسطہ ہے بہرحال پادری عمادالدین کچھ ہی ہوں ان کو پندرہ برس کی عمر میں تحصیل علم کے لئے اکبرآباد بھیجا گیا، ان ہی دنوں میں چند مسیحیوں کی صحبت آپ کو حاصل ہوئی۔ اس کا کچھ اثر لیا، اسی اثنا میں آپ کو مسٹر میلن ناش ہیڈ ماسٹر نارمل اسکول لاہور سے تبادلۂ خیالات کرنے کا اتفاق ہوا، اور ان سے باقاعدہ انجیل پڑھنا شروع کیا۔ اور مسیحی لٹریچر پڑھا۔ کتابی و تقریری دباؤ کا اثر اس قدر غالب ہوا کہ انہوں نے ۲۹ اپریل سنہ ۱۸۶۶ء کو شہر امرتسر میں پادری رابرٹ کلارک صاحب کے ہاتھ سے بپتسمہ لیا، اور عیسائی بن گئے اہلیہ پر بھی زور ڈالا تو کچھ عرصہ کے بعد مجبوراً وہ بھی پانچ بیٹیوں اور چار بیٹیوں کے ساتھ عیسائی ہوگئیں۔ پادری صاحب دو سال تک سرکاری ملازمت پر رہے۔ اس کے بعد خادم دین کا کام اختیار کیا جس میں آپ گھر گھر جاتے تھے اور تبلیغ مسیحیت کرتے تھے۔ خاص طور پر امرتسر کے مسیحی محلے میں ہر شام چلے جاتے تھے اور رات کے دس بجے تک وہیں بیٹھے رہتے تھے اور تبادلہ خیالات کرتے تھے۔

کچھ عرصہ کے بعد انہیں ایک مغربی دارالعلوم کی طرف سے ڈی۔ ڈی یعنی حکیم الٰہی کی ڈگری عطا کی گئی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدمت کے آخری حصہ میں امرتسر کی فضا ان کی شخصیت کے لئے کچھ غیر موزوں سی ثابت ہوئی، دوستوں کی بے وفائی کے سبب پاسبانی خدمت سے علیحدہ ہو کر شہر میں مکان لے لیا۔ اور شغلہ تصنیف اختیار کیا۔

آخرش وہ وقت آگیا جس کے لئے عمادالدین مدت سے منتظر تھے۔ اگست سنہ ۱۹۰۰ء میں سخت بیمار پڑے اور ۹ اگست کو کو انتقال کر گئے۔

تصنیفات } دینی موضوعات پر کم از کم ۵۳ رسالے اور کتابیں لکھیں جس میں سے ذیل کی قابل ذکر ہیں۔
(۱) تلخیص الاحادیث جلد دویم (۲) تعلیقات (۳) مکاشفات (۴) نغمۂ طنبوری (۵) تحقیق الایمان (۶) عقوبت الضالین (۷) آثار قیامت (۸) من کانا (۹) حقیقی عرفان (۱۰) واقعات عمادیہ (۱۱) تعلیقات التعلیقات (۱۲) تفسیر متی (۱۳) تفسیر اعمال

طرز تحریر نہایت بھونڈا تھا اور دل شکن قلم کے مالک تھے۔ جہذب تخیل سے بہت کم پالا پڑا تھا۔ ان کی طرز نگارش نے خاص طور پر مسلمانوں کے دل بہت دکھائے۔ یہ بات ان کے ساتھی مشنری بھی مانتے تھے۔ چنانچہ مذکورہ بیان پادری کریون صاحب کا بالکل درست ہے کہ ایسے مصنف ہی غدر کرانے کے باعث بنتے ہیں چنانچہ پادری صاحب کا یہ امتیاز تھا کہ وہ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کی شان میں نازیبا گندے الفاظ استعمال کرتے تھے تلخیص الاحادیث اور ہدایت المسلمین اس بناء پر بہت بدنام تھی چنانچہ پادری رجب علی ان کی تصنیف ہدایت المسلمین کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"اگرچہ ہمارے مولوی (عمادالدین) صاحب نے انگریزی زبان سے نابلد ہونے کی وجہ سے بعض انگریزی داں کیشنوں سے بھی اس میں بددلی اس پر بھی قطع نظر اہل انصاف اور صاحب نظر اہل اسلام کے خود مسیحی محققوں کے نزدیک الزامی جو اُن کے سوا تحقیقی جوابوں کا اس میں پتہ تک نہیں ہے جو لوگ حکیمانہ مزاج نہ رکھتے ہیں وہ ہدایت المسلمین کے شاندار نام کو الیشیائی گپ سے زیادہ نہیں سمجھتے [3]

[1] عقوبت الضالین مولانا ابوالمنصور ص ۵ [2] شمس الاخبار ۱۵ اکتوبر سنہ ۱۸۸۵ [3] مقدمہ اظہار عیسوی۔

پادری عماد الدین کی تصنیفات بڑی نفرت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں، کوئی مسلمان پریس کوئی کاغذی کوئی کاتب لکھنا پسند نہیں کرتا۔ چنانچہ تحقیق الایمان مصنفہ پادری عماد الدین کے طبع کا تذکرہ گارسان دتاسی اپنے خطبہ میں ان الفاظ کے ساتھ کرتا ہے:۔

"اردو کے سب مطابع اس (تحقیق الایمان) کتاب کو چھاپنے سے انکار کرتے ہیں کاغذی اس کتاب کے لئے کاغذ دینے پر آمادہ نہیں مسٹر انگر نڈر کے اثر کی وجہ سے ایک ہندو جو مالک مطبع ہے اس کتاب کی طباعت کے لئے تیار ہو گیا۔ لیکن اس کو یہ دشواری پیش آ رہی ہے کہ مسلمان خوش نویس اسے لکھنے سے انکار کر رہے ہیں۔ عملی دشواریوں کے باعث اس کی طباعت ٹھپ ہو گئی (خطبات ۶۰۲)

پادری کالی چرن چٹرجی ڈی ڈی

کالی چرن چٹرجی کلکتہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر دریائے ہگلی کے کنارے سکھ چار نام گاؤں میں سنہ ۱۸۳۹ء میں پیدا ہوئے ان کے والد ہری رام چٹرجی ایک اعلیٰ خاندان کے رادھیا برہمن تھے، ان کے آباء و اجداد ان پانچ برہمنوں کی اولادیں تھے جنھیں نویں صدی میں راجہ ادھیسر قنوج سے بنگال میں لائے۔ پانچ برس کی عمر میں کالی چرن نے دیہاتی مدرسہ میں معمولی لکھنا پڑھنا سیکھا۔ آٹھ برس کی عمر میں انگریزی کی تحصیل کے لئے انہیں آگرہ میں سی ایم ایس کے سکول میں داخل کیا گیا، یہ مدرسہ ان کے گھر سے تقریباً دو میل کے فاصلہ پر تھا۔ اور یہاں کے ہیڈ ماسٹر بابو گور دچرن بوس ایک عیسائی تھے۔ ان کے علاوہ نو مسیحی استاد تھے۔ جن کے قریب میں معصوم طلبا پھنسائے جاتے تھے۔ تھوڑی ہی دنوں میں بچوں کے دلوں میں بتوں کی مذمت اور یسوع مسیح کی تقدیس ذہنوں میں بٹھانے کی کوشش شروع کر دی جاتی تھی جس سے بچے اور معصوم ذہن یسوع مسیح کا گیت گانے لگتا تھا۔ چنانچہ کالی چرن بھی مسیحیت کی طرف مائل ہوا۔ اور اس کو بائبل کی طرف متوجہ ہونے کے صلے میں ایک نہایت خوب صورت بائبل بطور انعام دی گئی۔ اس طرح مسلسل اس پر بائبل کی تعلیم کی فوقیت جتائی گئی اور اس اسٹیج پر لایا گیا کہ مذہب بدلنے کی کشمکش میں مبتلا ہو گیا، اس نازک وقت میں مشنریوں نے اس کو قبضہ سے نکلتا ہوا دیکھا تو اس کو اگر پرہ چھوڑ کر کلکتہ کے کرسچین کالج میں جانے کے لئے تیار کیا گیا۔ جہاں تیز و طرار اور چالاک پادری ڈاکٹر ڈف اور ان کے ساتھیوں کے قبضہ میں دیا گیا۔ جس کے بعد پادریوں کا جادو کامیاب ہو گیا، اور ۸ر اکتوبر سنہ ۱۸۵۴ء کے آخر میں کالی چرن نے ڈاکٹر ڈیوڈ ایورٹ کے ہاتھ سے بپتسمہ لیا۔

اگرہ پرہ کے سکول چھوڑنے کے دو سال بعد کالی چرن نے انٹرنس کا امتحان دیا۔ اس میں اس کی دل جمعی کرنے کے لئے آٹھ روپے ماہوار کا وظیفہ مقرر کیا گیا، کالج میں اور امداد دی گئی آٹھ روپے کے مزید وظیفہ کی تقرری ہوئی اور طالب علمی میں ہی انٹرنس کی جماعت کو پڑھانے کا کام سونپ دیا گیا۔ مگر افسوس تعلیم ختم نہیں ہوئی کہ کلکتہ کو خیرباد کہنا پڑا۔ ان ہی دنوں اکتوبر سنہ ۱۸۶۱ء میں جالندھر کے پادری گولکناتھ کی طرف سے کالی چرن کو دعوت ملی کہ جالندھر میں وہاں کے مشن سکول میں بحیثیت ہیڈ ماسٹر خدمت کریں۔ وہ وہاں گئے۔ کچھ عرصہ ہی گزرا تھا کہ سنہ ۱۸۶۳ء میں پادری گولکناتھ نے اپنی دختر نیک اختر کو کالی چرن سے بیاہ دیا۔

سنہ ۱۸۶۵ء میں امریکن پرسبیٹرین مشن کی طرف سے یہ فیصلہ کیا گیا کہ لاہور کے مشن سکول میں کالج کی جماعتیں بھی شروع کی جائیں اس وقت پادری سی، ڈبلیو فورمن سکول اور کالج دونوں کے منتظم تھے۔ ان کی طرف سے کالی چرن کو دعوت دی گئی ہے۔ اسی اثناء میں انہوں نے علم الٰہی کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد سنہ ۱۸۶۸ء میں ہوشیار پور کے اندر ایک مشنری کام پر بھیجے گئے۔ جہاں ایک زنانہ شفا خانہ ایک کتب خانہ ایک یتیم خانہ اور دیگر عالی شان عمارتیں کچھ ہی دنوں میں تعمیر کرا دیں۔ سنہ ۱۸۸۶ء میں آپ فورمن کرسچین کالج کے بورڈ آف ڈائرکٹرز کے صدر چنے گئے آپ کو سنہ ۱۹۰۱ء میں ڈی۔ ڈی کی ڈگری ملی۔ آپ کا انتقال ۱۳ مئی سنہ ۱۹۱۶ء میں ہوا۔

اینڈریو گارڈن، ڈی ڈی

اینڈریو پٹمن نیوپارک میں ۷ استمبر کو پیدا ہوا۔ جون سنہ ۱۸۵۴ء میں امریکہ کے شہر پٹس برگ میں جب ایسوسی ایٹ پریسبیٹرین سنڈ آف نارتھ امریکہ کا اجلاس ہوا تو طے پایا کہ ہندوستان میں مسیحیت کی اشاعت کے لئے ایک مشن کھولا جائے۔ پادری اینڈریو کو پہلا مشنری مقرر کیا گیا۔ اس کی بیوی اور اس کی بہن الزبتھ یہ تینوں ۲۸ ستمبر سنہ ۱۸۵۴ء کو ہندوستان بھیجے گئے جو کلکتہ ہوتے ہوئے سہارنپور میں پادری جے کالڈ وتل کے گھر میں اُترے وہاں رہ کر انہوں نے ہندوستانی زبان حاصل کی۔ اسی سال وہ ہردوار مبلغین کے دورے کے ساتھ گیا۔ سنہ ۱۸۵۶ء میں سیالکوٹ بلایا گیا۔ مس الزبتھ کو ایک یتیم خانہ کا انچارج مقرر کیا۔

گوڈرن غدر کے زمانہ میں لاہور کے قلعہ میں پناہ گزیں رہا۔ غدر سے قبل اس نے سیالکوٹ میں گرجا بنایا جو مسجد کے قریب تھا۔ اس پر مقدمہ بازی ہوئی۔ غدر کے بعد گورڈن نے چوہڑوں کو عیسائی بنانے پر زیادہ زور دیا جس پر ایک کانفرنس میں اعتراض کیا گیا کہ اس سے اعلےٰ ذات کے لوگ کلیسا میں داخل نہیں ہوں گے لیکن گورڈن باز نہ آیا۔ چماروں میں کام کرنے سے گریز نہیں کیا

فروری سنہ ۱۸۶۴ء میں بیماری کی وجہ سے دس سال کے لئے امریکہ جانا پڑا، اس دس سال کے عرصہ میں گورڈن کی کوششوں سے ۲ ہندوستانی مشنری کے عہدہ پر مقرر کئے گئے۔ سیالکوٹ اور گوجرانوالہ میں مشن قائم ہوئے اور ایک انڈسٹریل سکول کھلا۔

۷ فروری کو گورڈن گورداسپور گیا اور عام تبلیغ کی، وہ سکول قائم کرنے کے حق میں نہ تھا۔ عام منادی چاہتا تھا۔ شہر اور دیہات میں گشت لگاتا تھا۔

ان ایام میں مشن کا یہ قانون تھا کہ دس سال کے بعد مشنری رخصت پر امریکہ جائیں لیکن وہ صحت کی وجہ سے امریکہ نہ جاسکا۔ اور ۱۳ اگست سنہ ۱۸۸۷ء کے روز انتقال کر گیا۔

اس کا سب سے چھوٹا بیٹا ڈیوڈ ریڈ گورداسپور میں منجی کا پیغام سناتا ہے اور ڈیوڈ ریڈ کا بیٹا اینڈریو کا پوتا ڈاکٹر جہلم میں انجیل کا پروپیگنڈہ کرتا ہے۔ (صلیب کے علم بردار)

پادری وارث الدین ایم، بی، اے

وارث الدین کا نام وارث علی ہے۔ نارنول کے خاندان سے تعلق ہے نارنول کے مشن سکول میں تعلیم پائی جس کے ہیڈ ماسٹر پادری بھولاناتھ گھوش ہیں اور بائبل ٹیچر میاں نصرت اللہ ہیں ان کے بہکانے کا بچوں پر جلد اثر ہو جاتا تھا۔ تب یہ سنگدل لوگ ان کو بھگا کر لے جانے سے نہیں چوکتے تھے۔ چنانچہ پادری وارث کے حالات میں پادری ٹھاکر داس لکھتے ہیں۔

"رحمت مسیح نے بڑی دلیری کے ساتھ اعلانیہ خداوند کو قبول کیا۔ ان کا نمونہ دیکھ کر ان کے دوست وارث علی کے دل میں بھی یہ امنگ پیدا ہوئی اور اس کو پورا کرنے کے لئے اپنے گھر سے بھاگ کر بیٹمن صاحب کے مکان پر آ گئے"

اس اغوا کا جب وارث کے والد کو علم ہوا تو انہوں نے تمام مقامات مشن تلاش کئے، پادریوں کی شرارت کی قلعی کھلنے پر نارنول ایک طوفان برپا ہو گیا۔ وارث کی والدہ آخر پادری بیٹمن کے مکان پر پہونچی۔ وارث نے والدہ کو دیکھا تو بے اختیار ہو گیا۔ اور ساتھ ساتھ چلا آیا۔ پادری بیٹمن نے مقدمہ دائر کیا۔ جس میں پادری کو ناکامیابی ہوئی۔ عدالت نے فیصلہ دیا۔

"چونکہ ابھی تک وارث علی نابالغ ہے اور بالغ نہیں ہوا ہے لہذا وہ اپنے والد کے قبضہ میں رہے گا۔ جو قدرتی طور پر اس کے محافظ ہیں"

ایک سال گزرنے کے بعد پادری نے ایک دستی خط رحمت مسیح اور ان کے والد کے ہاتھ ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کے پاس مدد کے لئے بھیجا۔ دوسرے دن ہی کپتان پولس اور تحصیلدار نارنول آگئے، جہاں وارث علی اور اس کے والدین کو بلوایا گیا، اور رعب و دبدبے کے زور پر وارث علی کو لے جایا گیا اور کہا گیا کہ وہ خود راضی ہے۔ چنانچہ کچھ دنوں کے بعد وارث علی کو بپتسمہ دیا گیا۔ خوف تھا کہ کہیں وارث علی اپنے والدین کے ہاں جا کر مسلمان نہ ہو جائے۔ اس کی حفاظت کے لئے پادری بیٹمین اپنے ساتھ ولایت لے گئے، اور ۶ ماہ بعد اپنے ساتھ لے آئے۔

واپس آنے کے بعد بیٹمن صاحب نے وارث کو امرتسر میں دکان کھلوانے اور دل جمعی کرنے کے لئے سرمایہ دیا جس کا نام کرسچین سٹور رکھا۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک عیسائی خاندان کی لڑکی بھی نذر کی اور اس سے شادی کردی لیکن دکان میں گھاٹا ہوا۔ اور بیوی دو بچے چھوڑ کر داغ مفارقت دی گئی۔

سنہ ۱۸۵۷ء میں آپ مبشر بنا کر جنڈیالہ میں بھیجے گئے۔ جہاں انہوں نے ایک نائٹ سکول کھولا، اور ایک سٹیشنری کی دکان بھی کی، ان ایام میں پادری بیٹمن جھنگ بار میں کام کر رہے تھے۔ انہوں نے ان کو اپنے پاس بلا لیا۔ تحصیل سمندری میں ایک قطعہ زمین لی۔ ایک چھوٹا سا گاؤں آباد کیا جس کا نام بیٹمن آباد رکھا۔ کچھ عرصہ بعد آپ مسٹر دتہ کے ساتھ ولایت گئے وہاں سے واپس آکر کنعان میں چلے گئے۔ ہندوستان میں واپس آکر ضلع ہیوکے تحصیل چونیاں میں تعینات ہوئے۔ جگہ جگہ کلیسا میں مدرسے قبرستان بنوائے۔ سنہ ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم چھڑ گئی۔ مسیحوں نے بھی ایک فوج میسوپوٹامیہ میں بنائی پادری وارث الدین صاحب کو اس فوج کا چیپلن بنایا گیا۔ اس خدمت کے صلے میں آپ کو ایم۔بی۔ای کا تمغہ دیا گیا۔ اسی سال آپ نے وفات پائی اور کلارک آباد میں مدفون ہوئے (خداوند مسیح کے نورتن)

ٹامس ہنٹر شہید

پادری ٹامس ہنٹر نے پنجاب میں چرچ آف سکاٹ لینڈ کی بنیاد ڈالی وہ ۴ دسمبر سنہ ۱۸۲۷ء کو ایبرڈین شہر میں پیدا ہوا تعلیم کے بعد اس نے علم الہیات حاصل کیا۔ وہ یونیورسٹی میں بھی مشنری سوسائٹی کا صدر رہا۔

سنہ ۱۸۵۵ء میں فارن مشن کمیٹی نے یہ تجویز کی کہ ٹامس ہنٹر کا تقرر کرکے اس کو پنجاب روانہ کیا جائے تاکہ سکھوں میں انجیل کا سبق پہنچے۔ چنانچہ ۱۵ اگست کو وہ بمبئی پہنچ گیا۔ اور بمبئی میں جنرل اسمبلی کی انسٹی ٹیوشن کا چارج لیا۔ پانچ مہینہ کے بعد ۱۵ اکتوبر کو مسٹر ہنٹر سیالکوٹ کی طرف روانہ ہوئے وہ پہلے کراچی گئے۔ دریائے سندھ ہوتے ہوئے دریائے جہلم کے راستے شہر جہلم پہنچے۔ وہاں سے گجرات کے راستے سیالکوٹ آئے اور پنجابی سیکھی۔ ۲۸ فروری سنہ ۱۸۵۷ء کو چرچ آف اسکاٹ لینڈ مشن کے بارے میں مسٹر ہنٹر لکھتے ہیں: "ہم نے اب کام شروع کر دیا ہے ایک سکول لڑکوں کے لئے اور ایک لڑکیوں کے لئے کھولا ہے۔

ان ہی ایام میں غدر کی ابتدا ہو گئی۔ سر جان لارنس نے تمام مشنریوں کو کہلوا بھیجا کہ لاہور کے قلعہ میں آجائیں، ورنہ ان کی جان و مال کی حفاظت کے وہ ذمہ دار نہ ہوں گے۔

پادری ہنٹر کی یہ خواہش تھی کہ جلد لاہور کے قلعہ میں پہنچ جائیں لیکن ان دنوں انتظام نہ ہو سکا اور جب انتظام ہو گیا تو چند وجوہ کے سبب سے نہ جاسکے۔ بالآخر یہ قرار پایا کہ وہ اور پادری بوئیل ۸ جولائی کو لاہور روانہ ہو جائیں لیکن اس روز بھی وہ نہ جاسکے۔ علی الصباح ۹ جولائی کے روز وہ تینوں ایک گاڑی میں میاں بیوی اور بچہ سوار ہو کر وزیر آباد کی جانب چل دئے۔ لیکن باغیوں کو دیکھ کر اس نے گھوڑے کی باگ موڑی اور سیلم کی جانب رخ کیا، راہ میں جیل خانہ تھا۔ جب وہ اس کے قریب پہنچے تو قیدی وہاں

سے نکل کر بھاگ رہے تھے۔ وہاں ایک برقنداز حرمت خاں تھا۔ ضلع عدالت ضلع میں جلاد کے کام پر مامور تھا۔ اور برخواست کر دیا گیا تھا۔ جب اس نے ہنٹر کی گاڑی دیکھی تو کہنے لگا کہ وہ دیکھو انگریز آرہے ہیں آؤ ان کو قتل کر دو۔ چنانچہ ہنٹر اور ان کے ساتھیوں کو قتل کر دیا گیا۔ (صلیب علم کے علمبردار)

پادری دینا ناتھ

پادری وارث الدین کے بپتسمہ پانے سے قبل اسی نارنول میں ان ہی دینا ناتھ نے بپتسمہ پایا تھا۔ لیکن ان کو ان کے گاؤں رسین وال میں جو نارنول سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ہے ان کے رشتہ دار پادریوں کے قبضے سے لے گئے تھے جس وقت پادری بیٹمن نے وارث الدین کی حفاظت کے لئے کپتان پولس کی امداد طلب کی تھی۔ اس موقعہ پر کپتان صاحب موصوف نے دینا ناتھ کے رشتہ داروں سے سمن جاری کر کے ان کو طلب کیا۔ اور دینا ناتھ کو بلوا کر اپنے ہمراہ لے گئے۔

دینا ناتھ کے بڑے اصل میں امین آباد ضلع گوجرانوالہ کے رہنے والے تھے وہاں سے نقل مکانی کر کے یہ لوگ کنجرور ضلع سیالکوٹ میں آباد ہوئے۔ کچھ عرصے کے بعد آپ کے والد کنجرور کو چھوڑ کر رسین وال میں آکر بود و باش کرنے لگے۔ اسی موضع میں دینا ناتھ کی پیدائش ہوئی رسین وال میں کوئی مدرسہ نہ تھا۔ لہذا تعلیم کے لئے نارنول کے مشن سکول میں بھیجے گئے جہاں پر رحمت مسیح اور وارث الدین نے رہبری تعلیم حاصل کی تھی اس مدرسہ کا جال پادری وارث الدین کے حالات میں پڑھ چکے ہیں۔ دوسرے نوجوانوں کی طرح دینا ناتھ بھی فریب میں پھنسایا گیا۔ چنانچہ اس نے سنہ ۱۸۷۷ء میں بپتسمہ لیا۔

دینا ناتھ جب مسیحی بنے ہیں ان کی بیوی کا انتقال ہو چکا تھا۔ ایک چھوٹا سا بچہ تھا جس سے اس کو محبت تھی۔ مشنریوں نے اس کو میاں بکو شاہ جو اسی مقدس غواہ کی خدمت پر مامور تھے اس کے لڑکے کو مکان سے اغوا کرا لیا۔ وارث الدین کی طرح ان کو بھی رشتہ داروں سے دور رکھنے کے لئے انبالہ روانہ کر دیا۔ اور یہاں بھیولا جیکل سمینری بحیثیت طالب علم داخل کر دیئے گئے۔ تعلیم کے بعد اسی سیمنری میں پروفیسر بنا دیئے گئے بھیولاجی اور گریک پڑھایا کرتے تھے۔ سنہ ۱۸۸۶ء میں پروفیسری کی خدمت سے سبکدوش ہو کر آپ انبالہ میں چلے گئے۔ انبالہ میں خدمت کرنے کے بعد سنہ ۱۸۸۸ء میں آپ نے ہوا کی تبدیلی کی غرض سے سیالکوٹ جانے کا ارادہ کیا۔ کالکا پہنچ۔ شکرم پر سوار ہو کر سیالکوٹ کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں بارش شروع ہوگئی۔ بارش بھی موسلا دھار تھی جس کی وجہ سے بخار آیا اور ۳۰ اگست سنہ ۱۸۸۸ء میں فوت ہو گئے (خداوند مسیح کے نورتن)

ڈاکٹر جے، سی، آرلونگ

رول ویلی آرم اسٹرلنگ کونٹی میں جمیس سی آرلونگ ۲۳ جون سنہ ۱۸۵۴ء کو پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد تیرہ برس کی عمر میں علم حاصل کیا۔ اور پندرہ سال کی عمر میں ایک سکول میں معلم ہوا۔ مارچ سنہ ۱۸۷۳ء میں وہ کالج میں داخل ہوا فارغ ہونے کے بعد اس نے بورڈ آف فارن مشنز کو درخواست لکھ کر بھیجی کہ مجھے کسی غیر ملک میں مشنری بنا کر بھیجا جائے چنانچہ ۲ اکتوبر سنہ ۱۸۷۹ء میں وہ ہندوستان آیا۔ بمبئی سے مین پوری، فتح گڑھ، الہ آباد پانچ سال تک پھرتا رہا۔ اس کے بعد وہاں سے تبدیل ہو کر سہارنپور بھیجا گیا۔ یہاں چند سال اردو سیکھتا رہا اس نے اردو میں اتنا ملکہ حاصل کر لیا کہ سنہ ۱۸۸۳ء کے بعد تادم مرگ مشنریوں کا ممتحن رہا۔ کچھ عرصہ کے لئے مخزن مسیحی کا مدیر بھی رہا اس نے ایک یونانی اردو لغات اور ہندوستانی کمیٹیوں کی کتابیں تیار کیں اور ایل، او، ای کی

چند ایک کتابوں کے ترجمے بھی کئے۔ ۱۸۸۷ء میں بیماری کی وجہ سے امریکہ گیا۔ اسی سال اس کو ڈی ڈی کی اعزازی ڈگری ملی۔
اکتوبر سنہ ۱۸۸۰ء امریکہ سے واپس آیا تو ڈاکٹر فورمن کی جگہ مشن کالج میں مقرر کیا گیا۔ اس کے عہد میں کالج کی موجودہ عمارت کھڑی کی گئی۔ سنہ ۱۸۸۹ء میں پنجاب یونیورسٹی نے ان کو انٹرنس کی انگریزی کا ممتحن مقرر کیا۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں ڈاکٹر یوئنگ کو پنجاب یونیورسٹی کا چانسلر مقرر کیا گیا ڈاکٹر یوئنگ نے ۲۰ اگست سنہ ۱۹۲۵ء میں انتقال کیا۔

پادری جی ایل ٹھاکر داس

ٹھاکر داس کے آبا و اجداد شہر لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ برہمنوں کا خاندان تھا۔ والد کا نام دیوی بھجن تھا جو ایک فوجی افسر تھے۔ سنہ ۱۸۵۷ء میں جب غدر ہوا تو دیوی بھجن لکھنؤ میں پہلی گارد گیمٹ بر باغیوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ اسوقت ٹھاکر داس پانچ برس کا ہوگا۔

سنہ ۱۸۶۰ء میں جب وبائی قحط نازل ہوا تو ان کی یہ حالت تھی کہ تن پر کپڑا نہ تھا۔ سات سو میل کا طویل پیدل سفر کرنا پڑا۔ اور سیالکوٹ پہنچے۔ اسی مفلسی کی حالت میں پادری آر۔ اے ہل کی نظر پڑ گئی وہ تو ایسے بیکاروں کی فکر میں رہتے تھے۔ ان کے ساتھ ہمدردی کی اور ساتھ ہی مشن کے احاطے میں لے آئے۔ یہاں ان کو مشن کے یتیم خانہ میں داخل کر دیا گیا۔ تھوڑے دنوں بعد ماں بیٹوں نے بپتسمہ لیا ٹھاکر داس کے لئے مدرسہ میں پڑھانے کے لئے کچھ جگہ نکالی گئی۔ بقایا وقت میں وہ تعلیم حاصل کرتے تھے سنہ ۱۸۷۰ء میں انہوں نے انٹرنس کیا۔ اس کے بعد ان سے پوچھا گیا کہ آپ اعلیٰ تعلیم کو ..... یا تبلیغ مسیحیت کے لئے اپنی زندگی کو وقف کرنا بہتر سمجھتے ہیں۔

انہوں نے مشنری کام کو پسند کیا۔ چنانچہ پادری جے۔ پی میکی ان کے گرو مقرر ہوئے۔ ٹھاکر داس نے اپنے گرو سے علم الٰہی عبرانی، یونانی زبانیں سیکھیں۔ سنہ ۱۸۷۷ء میں تکمیل کے بعد آپ کو عہدہ خادم الدین دیا گیا۔ پہلے پسرور کے علاقہ میں پھر جھنگ اور گوجرانوالہ سیالکوٹ سے ہوتے ہوئے دوبارہ گوجرانوالے میں مقرر کئے گئے اور قریباً ۲۶ برس تک وہیں مقیم رہے۔ گوجرانوالہ میں رہتے ہوئے آپ نے دیہات اور شہر دونوں جگہ کام کیا۔ ایک چھاپہ خانہ بھی کھولا۔ اور ایک مسیحی اخبار کرسچین ایڈوکیٹ نکالا۔ ان ہی ایام میں آپ کو ڈی ڈی کی ڈگری ملی کئی برس تک یوپی مشن کے تعلق میں خدمت کی لیکن چند تنازعوں کے باعث ان سے قطع تعلق کرکے ریفارمڈ پریسبٹیرین مشن میں ملازمت اختیار کی۔ پھر اسے بھی خیر باد کیا، اور گوجرانوالہ کو الوداع کہہ کر شہر فیروزپور میں چلے گئے اس کے بعد لدھیانہ میں اخبار نورافشاں کی ایڈیٹری کی۔ سنہ ۱۹۰۴ء میں امریکن پریسبٹیرین نے لاہور میں بلایا وہاں خاص شہر قصور میں مشن احاطہ اور گرجا کے لئے زمین خریدی آپ اچھے مناظر اور اہل قلم بھی تھے۔ آپ کی تصنیفات حسب ذیل ہیں۔

اظہار عیسوی، وید مذہب کا آغاز۔ حکمت الالہام۔ عدم ضرورت قرآن۔ سیرت المسیح والمحمد۔ انجیل با قرآن۔ بائیبل اور سائنس بیبنا۔ یسوع ناصری۔ اواگون۔ ستیارتھ پرکاش درپن وغیرہ۔

سنہ ۱۹۰۹ء میں مرض بلورسی میں مبتلا ہوئے، دو تین مہینے صاحب فراش رہے ۲۱ جنوری سنہ ۱۹۱۰ء کو انتقال فرمایا۔

ڈاکٹر تھیوڈور لائٹن پینل

تھیوڈور لائٹن پینل سنہ ۱۸۶۷ء میں پیدا ہوا۔ اس نے سنہ ۱۸۸۴ء میں میٹر یکولیشن کا امتحان پاس کیا اور سنہ ۱۸۸۶ء

میں بی۔ ایس۔ سی آنرز امتحان میں کامیاب ہوا، اکتوبر سنہ ۱۸۹۰ء میں ایم۔ آر۔ سی۔ ایس اور ایل۔ آر سی۔ پی کی ڈگری لی۔

۲۲ رنومبر سنہ ۱۸۹۰ء کو مشنری سوسائٹی کو خدمات پیش کیں جس نے اس کو ہندوستان بھیجا۔ وہاں اس نے اردو زبان سیکھی۔ کراچی سے ڈیرہ اسمٰعیل خاں بھیجا گیا۔ جہاں ایک ہسپتال میں لگایا گیا۔ ہندوستان میں اس نے پٹھانی لباس پسند کیا۔ وہ ہمیشہ اسی لباس میں رہتا تھا۔ اس نے اکتوبر سنہ ۱۸۹۳ء میں اردو کا امتحان اور پشتو کا امتحان پاس کیا۔ پشتو نہایت نفیس جانتا تھا۔ چنانچہ سموئیل کی دوسری کتاب کے ترجمے میں لغات کے مرتب کرنے میں اس نے مدد کی۔

ستمبر سنہ ۱۸۹۳ء میں وہ بنوں لگایا گیا۔ یہاں ایک افغان پنیل کے بہکانے میں آگیا اور بپتسمہ کے لئے تیار ہو گیا۔ مسلمانوں میں بڑا جوش پیدا ہو گیا۔ عوام نے اسکو بہت تنگ کیا۔ ایک دفعہ اس کو گھیر لیا۔ کلمہ پڑھوانے کی کوشش کی۔ کلمہ نہ پڑھا۔ تو زدوکوب کیا۔ بنوں میں میلہ اسپتال ہوتا تھا۔ اس میں ڈاکٹر پنیل انجیلوں اور دوسری کتابوں کو فروخت کرتا تھا۔ اور گاؤں میں دوائیاں تقسیم کرتا تھا۔ ملا اسکے پیچھے پیچھے رہتے تھے۔ لوگ دوائیاں لینے کے لئے آتے تو وہ مسیحیت کی تبلیغ بھی ساتھ میں کرتا تو لوگ بدک جاتے کہ ہم دوائی لینے آئے ہیں گمراہی کی باتیں سننے نہیں۔ اگر انجیل کے سنے بغیر دوائی نہیں ملتی تو ہم دوائی لے کر چلے جائیں گے۔ جب پنیل نے انجیل سنانی چاہی تو ملانوں نے مسلمانوں کو بتایا اور کہا دوائیوں میں سور کا خون اور شراب ملی ہوئی ہے اور تم کو زبردستی عیسائی بنانا چاہتا ہے۔ تمہاری تقدیر میں اگر مرنا ہی لکھا ہے تو بہتر ہے کہ تم ایمان کی حالت میں مرو۔ یہ سننے کے بعد لوگ دوائی نہیں لیتے تھے۔

جنوری سنہ ۱۸۹۷ء میں ڈاکٹر پنیل لاہور گیا، اور بنوں کے لئے ایک چھاپہ خانہ خرید لایا اور آتے ہی اخبار تحفہ سرحد شروع کر دیا۔ یہ پہلا اخبار تھا۔ جو بنوں میں شایع ہوا۔ اس کا ایڈیٹر وہ خود تھا۔ اکتوبر سنہ ۱۸۹۸ء میں اس نے فارسی کا امتحان اعلیٰ پاس کیا، اور عربی کا مطالعہ شروع کیا۔ سنہ ۱۹۰۸ء میں اس نے پنجابی سیکھی، اس کی زندگی ہندوستان میں تبلیغ مسیحی میں ہی گذری۔ اس کا انتقال ۱۲ رجنوری سنہ ۱۹۱۲ء میں ہوا۔

پادری طالب الدین بی۔ اے

طالب الدین کا اسلامی نام محمد بخش تھا۔ یہ جگراؤں میں پیدا ہوئے۔ طالب الدین کے والد کو تحقیق و تفتیش کا شوق تھا۔ عیسائیوں سے چھیڑ خانی جاری رہتی تھی۔ پادری احمد شاہ سے تبادلہ خیالات ہوتا رہتا تھا۔ پادری صاحب کے حصے طالب الدین کے والد تو نہ لگے۔ طالب الدین پر عہد طفولیت میں ہی ڈورے ڈالنے شروع کر دئے۔ طالب الدین کو گانے سے خاص لگاؤ تھا۔ پادری صاحب اس کو گانا سناتے اور مسیحی گیت خاص طور پر پڑھتے۔ انجیل کے قصے سناتے اور اسلام کی مذمت اور حضور اقدس کی برائیاں دل میں بٹھاتے۔ قریباً دو سال کی کوششوں کے بعد خدا بخش کو پادری نے بپتسمہ دے کر عیسائی بنا لیا۔ اور اس کو جگراؤں کے باہر بھیجدیا۔

اس واقعہ کی خبر تمام جگراؤں میں پھیل گئی جب طالب الدین کے والدین کو اور رشتہ داروں کو معلوم ہوا کہ ان کے لڑکے کو عیسائی بنا لیا گیا ہے اور اس کو جگراؤں سے کہیں اور جگہ لے گئے ہیں۔ تو انہوں نے اور جگراؤں کے مسلمانوں نے پادری کے مکان کو گھیر لیا اور طالب الدین کے بارے میں دریافت کیا کہ اس کو آپ کہاں بھگا کرلے گئے ہیں۔ پادری نے طالب الدین کا پتہ ونشان نہیں بتلایا۔ چند دن کے بعد منشی اور گاڑی بان سے معلوم ہوا کہ لڑکا لدھیانہ بھیجا گیا ہے تو راگ لدھیانہ وہ لوگ گئے اور ڈاکٹر ویری کے مکان کو گھیر لیا۔ جم غفیر کو دیکھ کر ڈاکٹر ویری نے طالب الدین کو ان کے والدین کو دیدیا۔ ماں اور بیٹا گلے مل کر خوب روئے۔ پادری ویری نے طالب الدین اپنے پاس رکھنے کی بڑی کوشش کی۔ کہ آپ اپنا بیٹا مجھے دیدیجئے۔ میں اس کو پڑھاؤں گا۔ بڑا آدمی بناؤں گا، وہ آپ ہی کا بیٹا

رہے گا۔ اور بڑا ہو کر آپ کی مدد کر سکے گا۔ یہ نزیب طبقہ پادریوں کی باتوں میں آگیا۔ اور واپس گجراؤں چلا گیا۔ طالب الدین سریگ ہائی اسکول میں داخل کر دیا گیا۔ ایک سال کے بعد موسم گرما میں پھر اپنے شہر جگراؤں میں واپس آیا۔ واپس آنا تھا کہ کل قصبہ میں کہرام مچ گیا، ان کے رشتہ دار انہیں پکڑ کر مسجد میں لے گئے اور قاضی صاحب سے درخواست کی کہ اس سے دوبارہ کلمہ پڑھوایا جائے۔ طالب الدین پر مسیحیت کا غلبہ ہو چکا تھا۔ وہ منحرف ہوا۔

سنہ ١٨٨٨ء میں طالب الدین نے انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔ سنہ ١٨٩٢ء میں بی اے کی ڈگری لی۔ اس کے بعد شادی ہوئی۔ ایک مسیحی لڑکی بجینٹ لی گئی۔ تین برس تک علم الہیات کی تعلیم حاصل کی۔ بھیولا جبکل منیری سہارن پور میں پروفیسر مقرر ہوئے۔ کچھ عرصہ کے بعد ضلع انبالہ میں مشنری کی خدمت پر مامور کر دئے گئے۔ اور آخر دم تک اسی کام پر ممتاز رہے۔ اٹھارہ سال لاہور میں یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ سنہ ١٨١٧ء میں آپ کا انتقال ہوا۔

اچھے مقرر اور اہل قلم تھے۔ آپ نے اردو زبان میں ترجمہ اور کتابیں لکھی ہیں جن میں سے چند کے نام یہ ہیں۔ تاریخ بائبیل، زندہ مسیح، اناجیل اربعہ۔ حیات المسیح، تفسیر متی۔ معجزات مسیح۔ خدا کی ہستی اور حل المشکلات۔ کئی برس تک آپ نے رسالہ ترقی و تجلی کے ایڈیٹری کے فرائض انجام دئے آپ شاعر بھی ہیں۔ مذہبی کلام زیادہ ہے دو نظمیں اردو ایک پنجابی ملاحظہ فرمائیے۔

ہمیں درد و غم سے چھڑا جانے والے — طریق غلط سے ہٹا جانے والے
ہم اندھوں کی آنکھوں کو کھولو کرم سے — اد پولوس پر نور چمکانے والے
تو طالب کو بھی زندگی دیتا جائیو — اشارے سے مردے چلا جانے والے

ابن مریم کی ثنا و حمد گایا چاہیئے — یہ مبارک نام دنیا کو سنایا چاہیئے
نام عیسٰے ہے غذائے روح و جسم ناتواں — ایسا کھانا گر ملے تو خوب کھایا چاہیئے
دافع امراض ہے اور باعث صحت ہے وہ — سب مریضوں کو بھی مژدہ سنایا چاہیئے
تشنگان وصل کو دی بحر رحمت نے ندا — مجھ سے آکر آب حیواں مفت پایا چاہیئے

آیا عیسٰی یار ساڈے پاس — آج اسمبار دب لٹا کے — نو فرشتے گاندے سہن کے — کسی دا ذکر سناندے جنگیے

پادری رام چندر

پادری یا ماسٹر رام چندر سنہ ١٨٢٢ء میں پانی پت میں پیدا ہوئے، ان کے باپ سندر لال دہلی کے باشندے اور کالیستھ تھے اور دہلی میں نائب تحصیلداری اور تحصیلداری کی خدمتوں پر مامور ہوئے پانی پت اس وقت مستقر ضلع تھا۔

سندر لال دفعتاً بیمار ہوئے اور سنہ ١٨٣١ء میں انتقال فرما گئے۔ ایک بیوہ اور چھ بیٹے چھوڑے جن کا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا۔ رام چندر کی عمر اسوقت نو سال کی تھی ماں نے پالا پوسا اور ابتدائی تعلیم دلائی۔ شروع میں انہوں نے مکتب میں تعلیم پائی۔

پھر سنہ ۱۸۳۳ء میں انگلش ہائی اسکول میں داخل ہو گئے۔ اسوقت ہر طالبعلم کو دو روپے دیا جاتا تھا۔ اور درجہ اول دوئم کے تمام طالب علموں کو پانچ روپیہ ماہانہ وظیفہ ملا کرتا تھا۔ رام چندر بچپن ہی سے لکھنے پڑھنے کے شوقین تھے اس مدرسہ میں چھ سال رہے خوب دل کھول کر پڑھا۔

ابھی ان کی عمر گیارہ ہی برس کی ہوگی کہ رواج کے مطابق شادی ہو گئی۔ ایک خوش حال خاندان میں ہوئی لیکن لڑکی گونگی بہری تھی۔ شاید روپے کے لالچ میں یہ عقد کر دیا گیا۔

فکر معاش کی خاطر تعلیم چھوڑ کر محرری کی خدمت کر لی۔ اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔ دو تین سال نوکر رہے۔ سنہ ۱۸۴۱ء میں جب دہلی مدرسہ کالج ہو گیا تو وہ پھر اس میں داخل ہو گئے دو تین سال جو تعلیم چھٹ گئی تھی تو انہیں زیادہ محنت کرنی پڑی۔ انہوں نے سینیر وظیفے کے مقابلے کی کوشش کی یہ وظیفہ تیس روپے ماہانہ کا تھا۔ مقابلے کے امتحان میں کامیاب ہوئے اس سے خاندان پلتا تھا۔

رام چندر تین سال تک ہر امتحان میں کامیاب ہوتے رہے۔ ۲۸ فروری سنہ ۱۸۴۲ء میں کالج کے شعبۂ مشرقی میں پچاس روپے کی تنخواہ پر یورپین سائنس کے مدرس ہو گئے۔ اس سال ورنیکلر ٹرانس لیشن سوسائٹی قائم ہوئی تھی انہوں نے اس کے لئے اردو میں الجبرا اور علم مثلث پر کتابیں لکھیں یہ کتابیں نصاب تعلیم کے کام میں آئیں۔

اسی زمانہ میں ماسٹر رام چندر نے ایک ماہانہ رسالہ فوائد الناظرین اور دوسرا محب وطن شائع کیا۔ انہیں اپنے شہر اور ملک والوں سے کچھ مدد نہیں ملی البتہ انگریز افسروں نے امداد کی۔ حالات ایسے بدلے کہ یہ رسالے بند کرنے پڑے اور پانچ سال چلانے کے بعد سنہ ۱۸۵۲ء میں ان دونوں کا خاتمہ ہو گیا

ماسٹر رام چندر کو ریاضی میں خاص لگاؤ تھا اور انہوں نے اپنے مطالعے سے اس میں بہت کچھ ترقی کر لی تھی۔ شروع میں ریاضیات کی کتابوں کے ترجمے کئے ان سے ان کا ذوق اور بڑھ گیا انہوں نے جبر و مقابلہ کتاب لکھی جس کو سوسائٹی نے طبع کرایا، ان کے علاوہ ایک رسالہ اصول علم مثلث بالجبرا اور رسالہ شہائے مخروطی اور علم ہندسہ بالجبر میں لکھا۔ سنہ ۱۸۵۰ء جب کہ وہ مغربی سائنس کے مدرس تھے۔ اور فوائد الناظرین نکالتے تھے انہوں نے اپنی کتاب کلیات و جزئیات شائع کی۔

پروفیسر مارگن نے اس کتاب کی بہت قدر کی اور کورٹ آف ڈائرکٹرز ایسٹ انڈیا کمپنی کی توجہ اس طرف مبذول کرائی۔ اور ۲۴ جولائی سنہ ۱۸۵۶ء کو ان کے چیرمین کرنل سائیکس کو ایک خط اس کے متعلق لکھا۔ ایک مدت کی مراسلت کے بعد کورٹ آف ڈائرکٹرز کے معزز ممبروں نے ایک خلعت پنج پارچہ اور دو ہزار نقد روپے بطور انعام ماسٹر رامچندر کو دیا۔

اس کے علاوہ ایک اور کتاب شائع کی جس میں تفرقی حصا کا ایک نیا طریقہ بیان کیا اس پر پروفیسر کلانڈ نے بہت اچھی رائے کا اظہار کیا۔

غدر کے زمانے میں جو مصیبت ان پر نازل ہوئی ان کا ذکر دہلی کے کالج کے حالات میں پڑھئے جنوری سنہ ۱۸۵۸ء میں وہ ہیڈ ماسٹر ٹامسن سول انجنیرنگ کالج کے مقرر ہوئے ستمبر سنہ ۱۸۸۵ء میں دہلی ڈسٹرکٹ اسکول کے ہیڈ ماسٹر ہو گئے۔

اس عرصہ میں ان کی صحت میں فرق آنا شروع ہو گیا تھا انہوں نے ۲۴ مئی سنہ ۱۸۸۲ء کو علمی پنشن کی درخواست دی جس پر ایک سو پچیس روپے ماہانہ کی پنشن ہوئی اس کے بعد وہ پٹیالہ میں ناظم تعلیمات ہو گئے وہاں سے بھی اسی قدر پنشن ملی۔

عیسائی مذہب انہوں نے جنوری سنہ ۱۸۵۳ء میں قبول کیا اس کے بعد ان کا میلان مذہب کی طرف ہو گیا۔ اس جھمیلے میں پڑ کر انہوں نے مسلمانوں کے پیشوا حضرت محمد صاحب کے اور قرآن مجید کے خلاف کتاب اعجاز القرآن۔ رسالہ مسیح الدجال اور رسالہ تحریف قرآن سنہ ۱۸۷۷ء میں شائع کیا۔ ان میں حضور اقدس محمد رسول اللہ کو نعوذ باللہ دجال ثابت کیا اور رسالہ تحریف قرآن میں قرآن مجید کے بارے میں حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا۔

(۱) قرآن (مجید) میں قرأت مختلفہ فقط ہزاروں اور لاکھوں نہیں بلکہ بے شمار ہیں اور یہ تحریفات لفظی اور معنوی ہیں اور تحریف جملوں اور آیتوں میں ہیں اور نقل کرنے والوں اور کاتبوں یقیناً قرآن میں تحریف کی اس لئے جواب قرآن مجید مروج ہے

وہ قابل اعتبار نہیں ہے اور اصل قرآن مصدق اور مطابق توریت انجیل دنیا سے ناپید ہو گیا۔

(۲) قرآن (مجید) میں بعض جزو نکال دئے گئے ہیں اس مروجہ قرآن پر ایسی صورت میں اعتبار کرنا صحیح نہیں ہے۔

(۳) محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے بعض آیتیں داخل کر دیں جو قرآن میں نازل ہوئیں مثلاً اس غرض سے کہ بت پرست لوگ مکہ کے ان کی رسالت پر ایمان لے آئیں۔

مولانا عبدالحق انجمن ترقی اردو نے ماسٹر صاحب کی ان تحریروں پر صحیح تبصرہ فرمایا ہے وہ یہ ہے۔ "انہوں نے مذہبی بحث ومباحثہ میں جو کتابیں لکھیں وہ ان کے شایان شان نہیں تھیں"۔

ماسٹر صاحب کا اصل میں یہ قصور نہ تھا ان کو شکست دینی تھی پادری عمادالدین صاحب کو جو ان کے ہم وطن پانی پت کے رہنے والے تھے وہ بد زبانی میں ان سے پیچھے کیوں رہتے۔ وہ دو قدم آگے بڑھے اور انہوں نے حضور کی شان میں ان سے زیادہ گستاخیاں کیں اور حکمران طبقہ میں عزت پائی۔ جو ان کی غرض تھی۔ (مرحوم دہلی کالج ۱۵۹ سے ۱۶۴ تک)

دُوسرا حِصّہ

فِرنگی مشنریوں سے علما کا مُجاہدانہ مُقابلہ

علماءِ اسلام کا جہادِ اکبر

ہندوستان پر جب فرنگیوں کا قبضہ نہیں ہوا تھا اس وقت ہندوستانی فرنگیوں کے بارے میں جو تخیل رکھتے تھے اور ان کے متعلق جو معلومات تھی وہ قابل التفات اور باعث کشش نہ تھی ان کو معلوم تھا کہ :-

عیسائیوں نے دسویں دبارہویں صدی میں سپین و فرانس کے اندر بے پناہ بہیمانہ جنگلی قسم کے مظالم کئے۔ وہ جانتے تھے کہ سپین و فرانس میں جو شخص بنا عیسائی بن کر اپنے مذہب کی طرف رجوع ہونا چاہتا تھا۔ تو اس کے لئے ظالم و جابر و سفاک محکمہ تفتیش نے پتھر کا ایک مستقل چبوترہ پھانسی دینے کے لئے بنوا رکھا تھا۔ جس پر چار بڑے بڑے بت پلاسٹر کے اندر خالی نصب کرائے گئے تھے۔ اس بھٹہ کے اندر مجبوراً و جبراً گھسایا جاتا تھا۔ اور گھسا کر آہستہ آہستہ جلا کر خاکستر کر دیتے تھے۔

ان کو یہ بھی معلوم تھا۔ کہ یہی تفتیش کا بے دل و بے رحم محکمہ پھانسی دینے والے منکردین کا ایک لکڑی کے ٹکڑے سے منہ بند کر دیتے تھے جو اس طرح پھٹا ہوا تھا کہ اس سے زبان پکڑی جاتی یا زبان چاک کر دیتے تھے تاکہ مقتول سولی کے قریب جاتے وقت الحاد کے کلمات منہ سے نکالنے پائے۔ یا زندہ کی کھال کھینچ کر جسم پر نمک اور گندھک چھڑکتے تھے اور دہکتے ہوئے کوئلوں کے اوپر زنجیروں سے لٹکا کر آہستہ آہستہ جلاتے تھے۔[1]

یہ ظالمانہ واقعات ہندوستانیوں نے ہو گی اور گواہ بچشم خود دیکھے اور سنے بھی تھے۔ ان فرنگیوں سے ہندوستان کا جب واسطہ پڑا تو ان کے لئے بھی عذاب ثابت ہوئے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی ان کو جوس گئی۔

گورنر کلائیو اور وارن ہیسٹنگز آئے انہوں نے رشوت کی گرم بازاری کی۔ ان کے ساتھ کمپنی کے ایسے قلاش ملازم آئے جنہیں آٹھ روپے ماہوار تنخواہ ملتے تھے تب بھی وہ اس کے لئے چھ ماہ کا سفر دریا کا کرتے تھے۔ وہ انگلستان کے انتہائی نکمے اور شریر لوگ تھے جن کو وہاں روٹی ملنی بھی مشکل تھی وہ ہندوستان پر ٹوٹ پڑے جن کی وجہ سے کمپنی کی فیکٹریاں بداعمالیوں کے اڈے بن گئے۔

ان قلاش لوگوں کے بارے میں مدراس کے بڑے پادری نے تنگ آکر سنہ ۱۶۷۶ میں ڈائرکٹروں کو لکھا :-

آپ کے ملازموں کی بداعمالیوں سے آپ کا مذہب بہت بدنام ہو رہا ہے جو لوگ آتے ہیں بعض تو قاتل ہوتے ہیں۔ یہاں سے آدمیوں کو بھگا کر لے جاتے ہیں اور بعض انگلستان میں بیویاں چھوڑ کر آتے تھے اور یہاں شادیاں کرتے ہیں۔[2]

ان مفلس لوگوں نے ہندوستان کو بُری طرح لوٹا۔ ہر پرگنہ گاؤں، منڈی میں انگریزی گماشتے۔ نمک، چھالی، گھی۔ چاول، بھس۔ بانس مچھلی۔ تمباکو وغیرہ رعایا کا مال زبردستی اٹھا کر لے جاتے اور چوتھائی قیمت بھی نہ دیتے اور اپنے مال کے بدلے ایک کی جگہ پانچ گنا زبردستی لے لیتے تھے۔ افسران امراء کو نت نئے قدکش بناتے۔ گدیوں کے سودوں میں وارے نیارے کرتے۔ چنانچہ بنگال کی صرف گدی میں پانچ کروڑ کے قریب روپیہ اینٹھا، اسی طرح مال گذاری زیادہ کی۔ امراء کی جاگیریں طرح طرح کی چالاکیوں سے اور قانون کے نفاذ سے ضبط کیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قدیم خاندان اور گھرانے برباد ہوئے۔

جو صنعت کار تھے دستکاری سے اپنا پیٹ بھرتے تھے، ان کی صنعت کو ختم کیا چنانچہ کھلے ہوئے احکامات صادر کئے کہ بنگال میں

---

[1] دنیا کی خفیہ انجمنیں ص ۱۲۶ [2] ۵۳ روشنی مستقبل۔

ریشم پیدا کرنے کی کوشش کی جائے لیکن ریشم کے کپڑے تیار کرنے کو روکا جائے، اسی مقصد کے حاصل کرنے کے لئے ریشم بافوں کو جبریہ کمپنی کے کارخانوں میں ملازم رکھا گیا اور دوسرے کسی گاہک کی فرمایش پر کپڑا بننے کی ممانعت کر دی گئی اس طرح جنوبی دکن کی چھینٹوں اور سوتی کپڑوں کی صنعت برباد کر دی گئی، جولاہوں کو زبردستی گھیر کر لایا جاتا ان کے اوپر سپاہی مسلط کر دیے جاتے تھے اور جب تک وہ یہ معاہدہ نہ کر لیتے کہ اور کسی کے لئے کپڑا نہیں بنیں گے انہیں نکلنے نہیں دیا جاتا تھا اگر وہ کمپنی کے کپڑا پہنچانے میں دیر کرتے تھے تو سزا کے مستوجب ہوتے تھے ۔لہ

اسی طرح ملازمت کے ذریعے سے بھی روزی کا دروازہ ختم کیا گیا تمام اعلیٰ ملازمتوں پر سے ہندوستانی ہٹا دیے گئے چھوٹی چھوٹی ملازمتیں ملنا بھی مشکل ہو گئیں - عدل و انصاف کے محکمہ میں بھی انگریز رکھے جانے لگے - پنڈت مولوی بھی بے روزگار کر دیئے گئے

ایک طرف ہندوستانیوں کی یہ حالت تھی، دوسری طرف انگریز ہندوستانیوں کی بے عزتی کرنے اور مظالم ڈھانے پر تلا ہوا تھا - ایک چمار کرسٹان کی عزت تھی لیکن نہیں تھی تو ایک ذی علم، ذی اخلاق ہندوستانی کی۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا تھا کہ ہندوستانیوں میں کوئی جنٹل مین نہیں ہے ؎ اور سپاہی کے نام پر لوگ تھر تھر کانپتے تھے، ذرا ذرا سی بات پر حتیٰ کہ صرف نصاریٰ کے کہنے پر پھانسی پر چڑھا دیا جاتا تھا۔ کوئی مذاقاً کسی کو وہابی کہہ دیتا تو اس کی جان کی خیر نہیں سمجھی جاتی تھی - دودھ پیتے بچوں کو اس طرح قتل کیا جاتا تھا جس طرح بڑے سے بڑے باغی کو قتل کیا جاتا ہے۔ فرنگی ہندوستانیوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے کھڑا کر کے ان سے باہمی بدفعلی کرا کر ٹھٹھے لگاتا تھا۔

غرض یہ خطرناک فضا تھی۔ ہر طرف خوف و ہراس کا عالم طاری تھا کوئی حق بات کہنے کی جرأت نہیں رکھتا تھا۔ چنانچہ آپ یتیموں لاوارث بچوں کے سلسلے میں انگریزی ہندوستانی کمیٹی کی رائے ملاحظہ کی ہو گی کہ اس نے ان کو مشنریوں کے قبضہ میں رکھنا اور بچوں کا عیسائی ہونا ہی بہتر سمجھا حتی کہ سرسید مرحوم کی رائے کی بھی پرواہ نہیں کی۔

انگریزوں سے نفرت

لیکن اس خوف کے باوجود مسلمانوں نے غم و غصہ کا اظہار کیا اور تحریک احیاء اسلام (جس کو انگریزوں نے ازراہ عناد وہابی تحریک کہا) چلی

لیکن انگریزوں کے خیرخواہ اور حامی نہیں بنے ان کے پکے کٹر دشمن تھے اور ان سے انتہائی نفرت کرتے تھے۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں ایک شریف مسلمان مولوی نے جو میان دوآب کے کسی ضلع میں منصف یا صدر امین تھے۔ ایک روز کسی یورپین حاکم کے بنگلے پر اس کے ساتھ ایک میز پر بیٹھ کر کھانا کھا لیا۔ یہ خبر فوراً مشہور ہو گئی۔ مولوی صاحب کی برادری نے ان کو ذات سے خارج کر دیا۔ انہوں نے ہر چند اہل برادری کے سامنے آیتیں اور حدیثیں پڑھیں مگر کسی نے التفات نہ کیا۔ یہاں تک کہ کچھ لوگ مولوی صاحب کے مخالف اور کچھ موافق دہلی میں شاہ صاحب سے مسئلہ پوچھنے آئے جب شاہ صاحب کے مدرسہ کے دروازہ پر پہنچے تو شاہ عبدالعزیز کے چھوٹے بھائی شاہ رفیع الدین اندر سے نکل رہے تھے ان لوگوں نے پہلے ان ہی سے مسئلہ پوچھا۔ شاہ رفیع الدین صاحب نہایت صاف گو اور آزاد طبع آدمی تھے۔ انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ جنھوں نے مولوی صاحب کو ذات سے خارج کیا انہوں نے جھک مارا، اس نے کوئی کام شرع کے خلاف نہیں کیا۔ مگر کسی نے ان کا کہنا نہ مانا۔ اور بڑے صاحب کے پاس پہنچے۔ انہوں نے صورت حال سن کر ایک لمبی چوڑی تقریر کی جس کا ماحصل یہ تھا کہ اس مولوی نے ایسا کام کیا ہے کہ قریب کفر کے پہنچ گیا ہے جو لوگ مولوی کے مخالف تھے وہ یہ سن کر خوش ہو گئے۔ مگر اس نے طرفداروں سے پوچھا کہ حضرت اب وہ کسی طرح مسلمان بھی ہو سکتا ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ کفر کے قریب پہنچ جانے سے کوئی کافر نہیں ہو جاتا۔ وہ اسلام سے خارج نہیں ہوا۔ مگر احتیاطاً اسکو پانچوں کلمے اور آمنت باللہ پڑھواؤ اور قدم شریف کا پانی پلواؤ اور پھر برادری میں شامل کر لو۔ اگر شاہ صاحب اس انداز پر تقریر نہ کرتے تو غالباً ان کا کہنا بھی کوئی نہ مانتا اور ان مولوی صاحب کو برادری میں شامل نہ کیا جاتا (حیات جاوید دوسرا حصہ ص ۱۴۳)

لہ روشن مستقبل ؎ اسباب بغاوت ہندوستان سرسید۔

(۲۱) اودھ کے مشہور عالم ملا عبدالرزاق کا واقعہ ہے کہ آپ نواب وارث علی خاں کی کوٹھی پر تشریف رکھتے تھے۔ نواب شرف الدولہ بہادر کے داماد نواب محمد انور خاں جو آپ کے مرید تھے بوٹ پہنے ہوئے آپ کے سامنے آئے۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارے دوستوں کو کیا ہمارا ستانا اچھا معلوم ہوتا ہے جو آدمی میرے سامنے انگریزی بوٹ پہن کر آتا ہے وہ زمین پر قدم نہیں رکھتا۔ بلکہ اس کا قدم میرے قلب پر پڑتا ہے کیا میرے دوستوں کو جوتوں سے میرے قلب کو روندنا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ نواب مارے ندامت و شرمندگی وہیں بوٹ چھوڑ کر ننگے پاؤں گھر گئے (انوار رزاقیہ ص ۲۲)

(۳) ایک ریاست کا واقعہ ہے کہ اس میں انگریزوں نے تار برقی لگائی تو والی ریاست نے نکلنا چھوڑ دیا۔ کہ گذرگاہوں پر انگریزی تار لگا ہوا ہے اس کے نیچے سے گذرنا ہوگا۔

(۴) انگریزوں سے نفرت کا اظہار کرنے کے لئے ایک رئیس نے کے۔سی۔ایس۔آئی کا تمغہ کتے کے گلے میں باندھ کر انگریزی چھاونی کی طرف چھوڑ دیا۔ تاکہ انگریز دیکھیں کہ ہندوستانی اس خطاب کو کیا وقعت دیتے ہیں۔

مولوی مملوک العلی صاحب دہلی کے مشہور عالم اور مولینا ڈپٹی نذیر احمد کے استاد تھے۔ دہلی کالج میں کوئی شامت کا مارا مسلمان انگریزی جوان مولانا کی جماعت میں آنکلا اور کالج کے مٹکے میں سے پانی پی لیا۔ تو مولوی صاحب نے وہ مٹکا تڑوا دیا۔

ماسٹر رام چندر عیسائی جو دہلی عربک کالج میں مشہور ریاضی داں تھے۔ ڈپٹی نذیر احمد کے استاد تھے انہوں نے اسلام کی تردید میں ایک کتاب انگریزی میں لکھی تھی۔ مولانا سے ایک باب کا ترجمہ کرایا۔ اس ترجمہ کو کہیں مولوی عبدالقادر مرحوم نے دیکھ لیا تو فتوے کے لئے پھرے کہ ڈپٹی صاحب کا نکاح رہا یا گیا[1]

عام لوگوں کی بلکہ چھوٹے موٹے شاعروں کی نفرت کی یہی حالت تھی۔ گارساں دتاسی نے ایک قطعہ بہادر شاہ سے منسوب کرکے لکھا ہے۔ لیکن قطعہ کی حیثیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ بادشاہ کا لکھا ہوا نہیں ہے بلکہ کسی تک بند شاعر کے چھ مصرعے ہیں بہر حال وہ کسی کے ہیں ان سے عوام کی نفرت کا بخوبی اظہار ہوتا ہے۔

دلا گواہیٔ حق پر کر تو نظر — نصاریٰ کی جوتی نصاریٰ کا سر
کچھ کام روم نے کیا نہ روس نے — انگریز کو تباہ کیا کارتوس نے
فوج نے آکر گھیرا نیند گئی آرام گیا — جی کا جانا ٹھہرا صبح گیا یا شام گیا۔

دتاسی نے اس کا انگریزی میں یہ ترجمہ کیا ہے[2]

"تجھے حق کی قوت پرستائش کرنے دو، عیسائی اپنے ہی ہتیاروں سے پسپا ہوئے نہ روس نے نہ روم سے تمہیں کوئی مدد ملی، خود انگریزوں کے کارتوس نے ان کو ہلاک کیا، ہمیں فوجوں نے آگھیرا۔ اب ان کے لئے نہ نیند ہے نہ چین۔ ان کی موت فیصل شدہ امر ہے۔ وہ صبح انجام پائے یا شام"

کوئی ہندوستانی کسی قسم کا تعلق بھی انگریز سے روا رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ جہاں انگریز آئے وہاں ان کے ساتھ عورتیں بھی تھیں۔ کچھ عیاش طبع لوگوں نے مزا پلٹنے کے لئے کچھ "پیازے" کچھ "شلغمی" ڈال لئے تو لوگوں نے برا مانا۔ مسلمانوں نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا۔

نصاریٰ تثلیث کے علی العموم قایل ہیں مشرک ہیں۔ کہ نہیں اگر مشرک ہیں تو ان کی عورتوں سے نکاح کیونکر جائز ہے۔ قولہ تعالیٰ ولا تنکحوا المشرکات الخ۔ اگر یہ مشرک نہیں ہیں تو تثلیث کا قائل ہو کر ان کا موحد ہونا سمجھ میں نہیں آتا۔ جواب شافی سے تسکین فرمائیے۔

[1] حیات النذیر حصہ چہارم [2] خطبات گارساں دتاسی ص ۲۵۴۔

الجواب! مشرک کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس کا مذہب سماوی نہ ہو دوسرا وہ جو سماوی مذہب کا معتقد ہو۔ گو اس میں تحریف کرکے شرک کا قائل ہو گیا ہو پس آیت لا تنکحوا المشرکات میں ممانعت قسم اول نکاح کرنے کی ہے۔ اور آیت والمحصنٰت من الذین اُوتوا الکتاب من قبلکم میں دوسری قسم سے نکاح کی اجازت ہے۔ پس نہ نصاریٰ کا موحد ہونا لازم آیا۔ اور نہ آیت لا تنکحوا کے خلاف مشرکات سے نکاح ہونا لازم آیا۔ لیکن اس زمانہ میں جو نصاری کہلاتے ہیں وہ اکثر قومی حیثیت نصاری ہیں۔ مذہبی حیثیت سے محض دہری و سائنس پرست ہیں۔ ایسوں کے لئے یہ حکم جواز نکاح کا نہیں واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم احکم۔ (امداد الفتاویٰ جلد دوم ۳۲)

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں انگریز نیا نیا آیا تھا اور انتہائی بھوکوں کی طرح ہندوستان کی دامن نکوسے ہوئے پنجے گاڑ رہا تھا۔ اور طمع ولالچی وخود غرضی ہندوستانیوں کو فوج میں داخل کرکے حملہ پر حملہ کر رہا تھا۔ اور ہندوستان کے علاقوں پر قبضہ کرنے کے لئے ہندوستانی فوجیں استعمال کر رہا تھا۔ اسوقت شاہ صاحب سے فتویٰ لیا گیا کہ انگریز کی نوکری کا حکم ہے تو شاہ صاحب نے نوکری کی چند حیثیتیں قائم کرکے جواب دیا۔ وہ نوکری جو مسلمانوں کو قتل کرنے ریاست درہم برہم کرنے یا کفر کے رواج دینے اور دین میں عیب نکالنے کے لئے ہو تو اسکو آپ نے گناہ کبیرہ فرمایا ہے جو کفر کی حد تک پہنچا ہے چنانچہ پورا فتویٰ ملاحظہ کیجئے۔

"نصاریٰ بلکہ کافروں کی نوکری کئی قسم کی ہے۔ بعض مباح اور بعض مستحب بعض حرام۔ بعض مکروہ۔ بعض کبیرہ قریب بسرحد کفر۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ کافر اگر اس کو نیک رسموں کو پھیلانے اور اچھے کاموں کے انجام دینے کے لئے رکھے تو جائز ہے۔ چوروں، رہزنوں کو ختم کرنے کے لئے شریعت کے مطابق فتوے دینے پُل اور سرائے وغیرہ بنانے کے لئے نوکری کرنا مستحب ہے۔ جیساکہ حضرت یوسف نے خزانوں کی داروغگی کی نوکری کی۔ عدل کرنے کے لئے درخواست کی۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے حضرت موسیٰ کو دودھ پلانے کی فرعون کے ہاں ملازمت کرلی۔ اگر بری رسمیں اور ضعیف نوکری میں نظر آئیں مثلاً سپاہ گری۔ خدمت گاری، منشی گیری میں ظلم کی امداد کرنی پڑے یا تعظیم زیادہ ہو اور بیٹھنے اُٹھنے میں ذلت ہو تو ایسی نوکری حرام ہے اور جو مسلمانوں کے قتل اور ریاست کے درہم برہم کرنے یا کفر کے رائج کرنے اور دین میں عیب نکالنے کے لئے نوکری ہو تو وہ ایسا بڑا گناہ ہے جو سرحد کفر ہے"

اس قابل نفرت اور پر آشوب زمانہ میں ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں عیسائی فرنگیوں کا جال پھیلا ہوا تھا۔ پادری یسوع مسیح کے نام حکومت کے اختیارات کے مالک تھے۔ ہندوستان کے ہر مذہب کے پیشواؤں کا مذاق اڑانا معمولی بات تھی۔ بے لگام پروپگنڈا کرتے۔ یک طرفہ پروپگنڈہ سے عوام کا متاثر ہونا لازمی بات تھی چنانچہ اسوقت اگر اعلائے کلمۃ الحق کا نعرہ بلند کیا تو علماء کرام کے جانباز و مجاہد گروہ نے جن میں شاہ عبدالعزیز، حضرت مولانا آل حسن رح مولانا رحمۃ اللہ رح ڈاکٹر وزیر خان، مولانا شرف الحق۔ مولانا ابوالمنصور، مولانا محمد قاسم، مولانا عبدالحق محدث دہلوی۔ مولانا محمد علی منگیری، مولوی محمد علی تحصیلدار۔ مولانا سید محمد عبدالباری مولوی چراغ علی مولانا حکیم محمد حسن رحمہم اللہ شامل تھے۔

یہ وہ علماء تھے جو رد نصاریٰ میں اپنا تمام وقت اپنی تمام زندگی صرف کرتے تھے۔ لیکن اس کے علاوہ اس وقت تقریباً عام روشن خیال مجاہدانہ زندگی کے حامل، دل سے علماء پادریوں کے قلع قمع کرنے میں برابر کے شریک تھے۔ اور نصرانیت کی تردید کرنا۔ تلقین کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ اسوقت کی اسلامی و قومی و ملی خدمت یہی سمجھی جاتی تھی کہ عیسائیوں کے بڑھتے ہوئے مذہبی و تبلیغی زور کو ختم کیا جائے۔ اس وقت وہی مجاہد۔ جاں نثار وطن سیدائے ملت، خادم قوم مانا جاتا تھا۔ جو عیسائیت کی پول کھولے۔ اور نصرانیت کے پھیلانے والے پرکشش سرمایہ کے جال کی خباثت کو ظاہر کرے۔ حکومت بھی اس وقت پادریوں، مشنریوں کی مخالفت کو بغاوت اور حکومت کے ساتھ غداری کی مترادف سمجھتی تھی۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ محکوم و مظلوم بے بس

طبقہ اپنی مردنی کی حالت میں حاکم کے اگر تیر مار سکتا ہے تو اسی طرح۔ چنانچہ یہ تحریک باغیانہ تھی۔ حکومت و پادری چاہتے تھے کہ طوفانی طور پر تمام ملک میں نصرانیت کا پروپیگنڈا کر کے عیسائیت کی آواز پہنچا کر ہندوستان کے ہر فرد بشر کو عیسائی بنا لو۔ چنانچہ اس سیلاب کو روکنے کے لئے صوفی منش ہو، گوشہ نشین ہو، مناظروں و مذہبی جھگڑوں سے بچا گنے والا عالم ہو وہ سب میدان جہاد میں نظر آتے تھے۔ اور نصرانیت کے مدمقابل تھے۔ کوئی اعتراض کرتا اور جواب کے لئے حاضر تھے۔ چوکتے نہیں تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے سامنے جب سوال کیا گیا تو آپ نے جواب دیا۔ سوال و جواب یہ تھے۔

عیسائی لوگوں سے کہتے ہیں کہ آپ لوگ دین عیسائی کی پیروی کیوں نہیں کرتے جس نے اپنی امت پر جان قربان کر دی اور آپ کو خدا سے تجویز کر نجات دلائی اور جناب محمد رسول اللہ باوجودیکہ زاری دعا جزی کر کے اپنے والدین کی شفاعت چچا ابوطالب کی کہ جس نے آپ کو پرورش کیا تھا۔ اور جس حیات تک آپ کے حامی رہے مغفرت چاہی مگر خدائے تعالے نے منظور نہیں کیا۔ تو آپ لوگوں کو کیا امید ہوگی ایسے نبی سے۔ پس یہ کلمات عیسائیوں سے سن کر ہمارے محمدی اپنے علماء سے دریافت کرتے ہیں تو وہ بھی اسی طرح کہتے ہیں کہ ہاں ان کے حق میں شفاعت منظور نہیں ہوئی تو ہمارے محمدی نہایت پریشان ہو جاتے ہیں اور ان کے عقائد میں خلل پڑتا ہے

(۱) پس کفر آپ کے والدین کا اجماعی ہے یا مختلف فیہ۔ (۲) اگر مختلف فیہ ہے تو راجح جانب کفر ہے یا اسلام۔

(۳) اگر راجح جانب اسلام ہے تو آیت کا کیا جواب ہوگا مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا الخ انک لا تهدی من احببت الخ امام صاحب فقہ اکبر میں فرماتے ہیں مات والدی رسول اللہ علی الکفر کا کیا جواب ہے؟

(۴) جس شخص کے کفر میں اختلاف ہو وہ قطعاً کافر ہو جاتا ہے یا نہیں۔

(۵) اگر قطعی کافر آپ کے والدین کو سمجھا جائے تو ہم عیسائیوں کو کیا جواب دیں۔

(۶) اور جو قول علماء کے ان کے مسلمان ہونے کے بارے میں ہیں ان کا کیا جواب ہے کیونکہ روایات ضعیفہ دفع کفر مغنی بہ ہوتی ہیں۔

(۷) اور حدیث صحیح میں آیا ہے کہ ابوطالب کو آگ سے نکالکر گٹوں تک لایا جائے گا۔ شفاعت کے ساتھ اور آیات و احادیث میں صریح آیا ہے کہ کافر کی شفاعت ہرگز نہیں ہوگی۔

الجواب: یہ تقریر عیسائیت کی سراسر مغالطہ ہے اور غور کیا جائے تو یہی تقریر ان کے کاذب اور مسلمانوں کے صادق ہونے کی کافی دلیل ہے کیونکہ یہ امر ظاہر اور عقلی ہے کہ اصلی غرض مذہب سماوی کی یہ ہوتی ہے کہ مکلفین کے عقائد و اعمال و احوال ظاہری و باطنی کی اصلاح اور اس اصلاح پر وعدہ حصول ثمرہ فلاح و نجات آخرت کا ہے۔ آپ اولئک علی ھدی من ربھم و اولئک ھم المفلحون۔ اس امر عقلی کی تائید نقلی ہے۔ جب یہ امر ثابت ہو گیا کہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس مذہب میں یہ تعلیم ہو کہ اس کا پیشوائے مذہب سب کے گناہوں کا کفارہ ہو گیا خواہ امت کچھ ہی کرے سب بخشے بخشائے ہیں تو ایسے مذہب والوں کو ان کے اغراض نفسانیہ، شہوۃ غضب اور ان کے مفاسد سے روکنے کے لئے کون سی قوت زاجر اور مانع ہوگی دل کھول کر جو چاہیں گے کریں گے۔ تو ایسے مذہب سے اصلی غرض یعنی اصلاح ہرگز ممکن الحصول نہیں ہوگی۔ بخلاف اس مذہب کے جس میں یہ بتلایا جائے کہ جو شخص اس مذہب کے خلاف کریگا وہ ناری و معذب ہوگا۔ کہ وہ شخص اس مذہب کے پیشوا کے اصول و فروع ہی میں سے کیوں نہ ہو اس تعلیم کا اثر ہر شخص پر ظاہر ہے کہ یہی ہوگا کہ جواب دین اور اپنی اصلاح میں کوشش کرنی چاہیے۔ اس صورت میں البتہ اس مذہب کا ماننے والا اپنی شہوت و غضب اور غرض نفسانی پر دین کو ہمیشہ مسلط اور غالب رکھے گا۔ جو اصلی فائدہ ہے ہر مذہب کا پس اگر جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے اثبات اسلام میں کوشش نہ بھی کی جائے جب بھی اسلام پر کوئی اعتراض نہیں ہیں اس مسئلہ کو اس مسئلہ سے کوئی مس اور تعلق نہیں۔ البتہ اگر مستقل طور پر اس مسئلہ کی تحقیق مقصود ہو تو وہ اور بات ہے۔

(۱) بوجہ مختلف فیہ ہونے کے احتیاط کف لساں اور سکوت میں ہے۔
(۲) رہا جواب آیت کا سو رحجین اسلام ان آیتوں کا حق والدین نہ کہیں گے اور موت علی الکفر اور ایمان بعد الاحیاء میں منافاۃ نہیں
(۳) اختلاف میں قطعیت نہیں رہتی۔
(۴) لیکن جواب قطعیت کی تقدیر بھی ظاہر ہے جس کا اوپر بھی ذکر ہوا۔
(۵) اور علمائے اسلام ان روایات کو غیر ثابت سمجھتے ہیں ضعیف نہیں سمجھتے۔
(۶) اور کافر کے لئے شفاعت و مغفرت نہیں ہوتی۔ شفاعت تخفیف عذاب ممتنع نہیں۔ فتاوی امدادیہ جلد ۴ - ۱۴۹)
دہلی کے مشہور ادیب و لیکچرار ڈپٹی نذیر احمد صاحب مباحثے اور مناظروں سے خاص شغف نہیں رکھتے تھے۔ لیکن جب پادری نے ان سے چھیڑ خانی کی تو انہوں نے بھی اس کا منہ توڑ جواب دینا فرض سمجھا واقعہ یہ ہوا۔
سفر پنجاب میں ڈپٹی صاحب آنریبل سر سید کے ساتھ تھے۔ واپسی پر لدھیانہ میں مشن کی کوٹھی میں قیام ہوا۔ ایک پادری صاحب نے ڈپٹی صاحب سے اپنے زعم میں اسلام کے نقائص پر صحیح روشنی ڈالی۔ سب سے بڑا الزام یہ لگایا کہ مسلمانوں نے جنت کو بازاری عورتوں کا چکلہ بنادیا ہے۔ جو خداوند کی عظمت و جبروت اور تقدس کی صریح خلاف ہے ممکن نہیں کہ وہاں ہزاروں حوریں اور مسلمان ہوں اگر ایسا ہو تو خدائی کی خدائی میں فرق آجائے ڈپٹی صاحب نے جواب دیا کہ یہ تو خبر نہیں کہ وہاں ایسا ہو یا نہو لیکن دنیا میں تو ہم ایسا دیکھ رہے ہیں بازاری عورتیں بھی موجود ہیں۔ اور کیا کچھ نہیں ہے اور کیا کچھ نہیں ہوتا اور یہ ظاہر ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے کہ خدا کے حکم سے ہوتا ہے۔ دنیا میں سب چیزوں کا پیدا کرنے والا وہی ہے۔ تاہم اس کو سب مانتے ہیں کوئی اس کی خدائی سے روگرداں نہ ہوا۔ بس اگر وہی خدا ہے جو میرے بعد جنت میں ایسا کرے تو کوئی وجہ ہے کہ وہ باایں ہمہ سب کا خدا مانا جائے اور عقبیٰ میں اگر ایسا کر تو اس کی شان الٰہی میں فرق آجائے جو یہاں ہے۔ وہی وہاں ہے (حیات النذیر حیا رم ۱۱۹)
مولانا حالی نے بھی رد نصاری پر تریاق مسموم سنہ ۱۸۶۷ء (۱۲۸۴ھ) اور تاریخ محمدی پر منصفانہ رائے سنہ ۱۸۷۲ء (۱۲۸۹ھ) میں نایاب کتابیں لکھیں۔ سر سید اور ان کی پارٹی نے بھی رد نصاریٰ میں اپنے نظریہ کے مطابق بہت کچھ کیا۔
فرنگیوں نے اپنی حکومت کے ابتدائی زمانہ میں پادریوں کو نصرانیت کی تبلیغ کرنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ ان کی حکومت جم گئی ہے تو پادریوں کو نصرانیت کی شورش برپا کرنے کی آزادی مل گئی۔ اسوقت بھی علمائے کرام خاموش رہے انہوں کوئی توجہ دینا اور خرافات نصرانیت کا جواب دینا اور پادریوں کو خطاب کرنا توہین سمجھا۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ پانی حد سے آگے بڑھنے لگا۔ اور ہندوستانی لوگ عیسائی ہونے لگے تو انہوں نے اپنا قدم اپنا قلم اٹھایا اور اپنی زبان کھولی اور رد نصاریٰ میں مستعد ہوگئے اور محنت و تحقیق سے عیسائیوں کی اسلام کے خلاف کتابوں کے جوابات کتابی شکل میں چھاپ کر شایع کئے چنانچہ مولانا رحمت اللہ صاحب میزان الحق میں رد نصاریٰ کی کتب لکھنے اور مناظروں کے آغاز کرنے کی وجہ لکھتے ہیں :-

"جب انگریزوں نے ہندوستان میں اپنی سلطنت قائم کرلی اور مکمل انتظام کرلیا تو اس ۴۳ سال کے عرصہ میں ان کے علماء (پادریوں) کی طرف سے کوئی تبلیغی دعوت کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے رسالے کتابیں اسلام کی تردید میں لکھنے شروع کئے۔ اور ان کو ہندوستان کے مختلف شہروں اور عوام الناس میں تقسیم کرنا شروع کردیا اور بازاروں اور لوگوں کے مجمعوں میں اور عام گذرگاہوں پر وعظ کہنے لگے۔ مسلم عوام ایک مدت تک ان کی باتیں اور ان کے مواعظ سننے سے پرہیز کرتی رہی اور ان کی کتابوں اور ان کے رسالوں کے دیکھنے سے متنفر رہے۔ اس لئے ہندوستانی علماء نے ان رسالوں کی تردید کی ضرورت نہیں سمجھی لیکن کچھ مدت کے بعد بعض عوام الناس اور جہلاء ان کی باتوں پر راغب ہوئے اسوقت خوف پیدا ہوا کہ بے علم مسلمان ان کے پھندوں میں نہ پھنس جائیں۔ اس لئے علما

اسلام نے ان کی تردید شروع کی۔

میں اگرچہ گمنامی کے گوشہ میں اور علماء کے زمرہ میں میرا شمار نہ تھا لیکن جب میں ان کی تقریروں اور تحریروں کو دیکھا اور بہت سے مطبوعہ رسالے میرے پاس پہنچے تو میں نے چاہا اپنی حیثیت و قابلیت کے مطابق ان کی تردید کرنے کی کوشش کروں۔ لہذا میں نے چند کتابیں اور رسالے حقیقت حال کے اظہار کے لئے لکھے"۔

ردنصاریٰ کے ہیرو اس دور کے کون کون علماء تھے۔ جنھوں نے جرأت و ہمت سے کام لے کر ہندوستانیوں کو فرنگیوں کے فتنے سے بچایا۔ ان کے اسماء گرامی مولانا حالی کی زبان سے سنئے۔

ہندوستان میں اسلام خطروں میں گھرا ہوا تھا۔ ایک طرف مشنری گھات میں لگے ہوئے تھے۔ اگرچہ قحط کے دوران میں ان کو دُبلا پتلا شکار پیٹ بھرا ڈ ملجاتا تھا۔ مگر وہ اس پر قانع نہ تھے۔ اور ہمیشہ صید فربہ کی تلاش میں رہتے تھے۔

ہندوستان میں سب سے زیادہ دانت ان کا مسلمانوں پر تھا۔ اس لئے ان کی منادیوں میں ان کے اخباروں اور ان کے رسالوں میں زیادہ تر لڑ پچاڑ اسلام پر ہوتی تھی۔ اسلام کی تعلیم کی طرح طرح سے برائیاں ظاہر کرتے تھے بانیٔ اسلام کے اخلاق و عادات پر انواع و اقسام کی نکتہ چینیاں کرتے تھے۔ چنانچہ بہت سے مسلمان کچھ ناواقفیت اور بے علمی کی سبب اور اکثر افلاس کے سبب ان کے دام میں آگئے اس خطرہ سے بلاشبہ علماء اسلام رشکر اللہ مساعیہم، جیسے مولانا آل حسن، مولانا رحمت اللہ مرحوم اور ڈاکٹر وزیر خان وغیرہ متنبہ ہوئے۔ انہوں نے متعدد کتابیں عیسائیوں کے مقابلہ میں لکھیں اور ان سے بالمشافہ مناظرے کئے جس سے یقیناً مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچا۔

ردنصاریٰ میں تالیف و تصنیف اور پادریوں سے مقابلہ و مناظرہ کا سلسلہ ایک جماعتی نہ سہی لیکن انتظامی شکل میں بنیناً شروع ہو گیا تھا۔ قدرتی طور پر ہر جگہ ہر صوبہ میں مسجدیں تھیں۔ علماء کرام کے دو گروہ تھے۔ اس انقلابی تحریک کے چلنے میں کوئی دشواری نہیں پیدا ہوئی رہنما کی ضرورت تھی۔ حضرت مولانا رحمت اللہ سے بہتر کون ثابت ہوسکتا تھا۔ انہوں نے اس کی بنیاد ڈالی اور اس کام کے لئے دہلی آگرہ کو مرکز قرار دیا۔ یہاں بھی مولانا نے تصنیف و تالیف کا کام اپنی جماعت کی مدد سے کیا۔ اس جماعت میں ہندوستان کے انتہاپسند اور حضرت اسمٰعیل شہید کے فدائی مسلمان تھے۔ جن کی تعداد کافی تھی۔ چنانچہ اس تحریک کا ذکر پادری فانڈر سنہ ۱۸۵۷ء کے آگرے کے تاریخی مناظرہ کا تذکرہ یوں تعلّی کے ساتھ کرتا ہے۔

"یہاں کے (آگرہ کے) علماء اسلام دہلی کے علماء کے ساتھ مل کر گذشتہ دو تین سال سے کتاب مقدس کا اور ہماری کتابوں کا اور مغربی علماء کی تنقیدی کتب اور تفاسیر کا مطالعہ کر رہے تھے تاکہ وہ کتاب مقدس کو غلط اور باطل کرسکیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دہلی کے عالم مولوی رحمت اللہ نے دو کتابیں تصنیف کیں۔ جنوری سنہ ۱۸۵۴ء میں جب یہاں نہیں تھا۔ وہ آگرہ آیا تھا کہ اپنے احباب کے ساتھ ان کتب کو چھپوانے کا انتظام کرے مباحثہ ہوا۔ پہلے روز تقریباً ایک سو مسلمان علماء مولوی رحمت اللہ کی مدد کے لئے جمع تھے اور دوسرے روز اس کی دگنی تعداد تھی"۔

یہ عالم بلا کسی معاوضہ کے ردنصاریٰ میں اپنا وقت صرف کرتے تھے۔ ہر صوبہ ہر ضلع میں ان کے شاگرد ردنصاریٰ کا فرض ادا کرتے تھے۔ اگر خاص معاملہ یا مناظرہ ہوتا تھا تو مرکز سے علماء کرام ان کا مقابلہ کرنے کے لئے جاتے تھے جس سے پادریوں پر اور عوام پر خاطرخواہ اثر ہوتا تھا۔ چنانچہ جو اثر ہوا ان کی رپورٹوں میں دیکھئے۔ گرچہ وہ مخالفانہ و معاندانہ قسم کی ہوتی تھیں لیکن واقعات کے ڈھنگ اور عیسائیوں کے طرز سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی تھی کہ علماء کرام ہر ضلع میں ان کے مقابل ہیں اور ان کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتے تھے۔ چنانچہ پادری فرنچ انچارج ملتان ضلع کی رپورٹ دیکھئے۔

ملتان کے ملا سید اور مخدوم سب اس بات کے لئے کوشش کرتے تھے کہ خدا کی روشنی کو داخل نہ ہونے دیں۔ یہ دو مشہور شخصوں یعنی مولوی رحمت اللہ اور ڈاکٹر وزیر خاں کا جنھوں نے اسلام کا طرفدار ہو کر ڈاکٹر فانڈر سے مباحثہ کیا تھا۔ دوست تھا۔ (صلیب کے علم بردار ص۵۳)

امرتسر کی مشنری کے انچارج مسٹر کلارک کی رپورٹ سنہ ۱۸۶۵ء تک ہے۔

"علماء اسلام مباحثہ اور مناظرہ کے لئے جمع ہو جاتے اور منہ کی کھا کر جاتے سنہ ۱۸۹۳ء میں ڈپٹی عبداللہ آتھم کے درمیان پندرہ روز تک بحث ہوتی رہتی جس کا نتیجہ سوائے حسرت و یاس اور کچھ نہ ہوا۔"

دہلی کے مشنری انچارج مسٹر لیفرائے یہ فرماتے ہیں۔

ایک دفعہ وہ سہ پہر کے وقت بازار میں منادی کے لئے گیا، اوقات ہو گئی کیونکہ بحث چھڑ گئی ایک مسلمان مولوی (مولانا شرف الحق) نے بائبل کے اختلاف بیان پر اعتراض کیا اور حوالے ڈھونڈھنے لگا بازاری لیمپ کی روشنی نہایت مدھم تھی کہنے لگا کہ روشنی کم ہے دکھائی نہیں دیتا۔ لیفرائے نے کہا کہ اگر یہاں روشنی کم ہے۔ تو کیوں کسی ایسی جگہ بحث نہیں کرتے۔ جہاں روشنی کا انتظام ہو سکے اس پر یہ فیصلہ ہوا کہ مسجد کے اندر بحث ہو یوں لیفرائے مسجدوں کے اندر جا کر انجیل کی بشارت دینے لگا۔ بازاری منادی میں اب لیفرائے کی سخت مخالفت ہوتی بالخصوص ایک نابینا مولوی لیفرائے کا پیچھا نہ چھوڑتا۔ جہاں لیفرائے کھڑے ہو کر منادی شروع کرتا وہیں یہ مولوی بھی اس کے پاس کھڑا ہوتا۔ اور مسیحیت کی مخالفت میں وعظ شروع کر دیتا۔ اگر وہاں سے ہٹ کر کسی اور جگہ منادی کرتا تو مولوی بھی اس کے پیچھے جا کر وہیں اس کے پاس آ کر کھڑا ہوتا اور وعظ کرنے لگ جاتا۔

پشاور میں علماء کرام کی تبلیغ کی جدوجہد کی کیفیت یہ تھی جو پادریوں کے الفاظ میں بیان کی جاتی ہے۔

ڈاکٹر ہتیل انچارج پشاور مشنری سوسائٹی نے قرآن ہاتھ میں لے کر ملا سے کہا کہ اس کتاب میں یہ کہیں لکھا دو کہ قرآن نے انجیل کو منسوخ کر دیا۔ ملا قرآن پر ہاتھ نہیں لگاتا تھا اعتراض پر اعتراض کرتا چلا جاتا تھا۔ ہتیل نے پھر کہا اس پر ملا اور مسلمانوں نے شور مچانا شروع کر دیا۔ اور بحث ختم ہو گئی۔ مسلمان ملا ہر وقت اس کوشش میں رہتے کہ کسی نہ کسی طرح بازاری منادی نہ ہو۔ جہاں ہتیل آتا وہاں ملا نے آنا شروع کر دیا، اور اسلام پر وعظ کرنا شروع کر دیا۔ ہتیل کو اس طرح دق کرتے (صلیب کے علمبردار ۲۲۴، ۲۲۸)

ایک دفعہ جب ہتیل بازاری منادی کے لئے گیا تو کیا دیکھا کہ وہاں ایک بازاری ملا وعظ کہہ رہا ہے۔ ہتیل نے یہ خیال کیا کہ اگر میں یہاں سے چلا گیا تو یہ ہر جگہ اسی طرح کریں گے۔ یہ سوچ کر وہ اس ملا کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا اور منادی کرنے لگ گیا۔ ادھر ملا اونچی آواز سے وعظ کرتا تھا۔ ادھر وہ اس سے بھی اونچی آواز سے انجیل کی منادی کرتا تھا جب ملا نے دیکھا تو اس نے لوگوں کو اشتعال دینا شروع کر دیا اور ہتیل کو کہنے لگا کہ اگر آپ منادی کرنے سے باز نہ آئیں گے تو یہ لوگ بری طرح آپ سے پیش آئیں گے۔

بعض اوقات بازاری منادی کے وقت ایک شخص ہجوم میں کھڑا ہو جاتا اور چلا چلا کر کہتا کہ کسی مومن مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ کافروں کے وعظ سنے یہ کہہ کر لوگوں کو وہاں کھڑا نہیں ہونے دیتا تھا۔ اس کا قاعدہ یہ تھا کہ بازاری منادی کے وقت وہ اعتراضات کو ٹال دیتا اور جواب نہیں دیتا تھا۔ (صلیب کے علم بردار ۲۲۴، ۲۲۸، ۲۳۲)

یہ صرف ایک صوبہ پنجاب کی کوششوں کا خاکہ ہے جو علماء کرام نے کیں اور ان کو دشمنوں کے قلم نے اپنے رنگ میں بیان کیا۔ اور اس طرح بیان کیا کہ یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ کون مقدس ہستی مقابل تھی جس کی شان اور جدوجہد کے بارے میں پادری لوگ یہ واویلا کر رہے ہیں اس صوبے کے علاوہ تمام صوبوں میں علماء کا طبقہ رد نصاریٰ میں مصروف تھا اور مولانا رحمت اللہ کے ہجرت کرنے کے بعد خاص طور پر مولانا قاسم رحمۃ اللہ علیہ مولانا شرف الحق اور مولانا ابوالمنصور کی خدمات نے تمام ہندوستان میں پادریوں کی دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیا تھا۔ مولانا شرف الحق کے ہی کارنامے لیجئے جس سے پادریوں کی دنیا کانپتی تھی وہ اسلام کا شیدائی تمام ہندوستان کے صوبوں کو چھان چکا تھا۔ اور دبدبہ اسلامی قائم کر چکا تھا۔ اس کی عملی بے پناہ زندگی کی یہ کیفیت تھی کہ۔

آج بہار کے صوبوں میں اور اس کے اضلاع رانچی، پٹنہ، کے گاؤں قصبوں۔ آنگی۔ ہردوگہ۔ ہزاری باغ منگیر۔ میں پادریوں کی شرارتوں کا مقابلہ کر رہا ہے، ان کے قبضے سے مسلمان نوجوان عورتیں اور لڑکے نکال رہا ہے۔ پادریوں کے زعم کو یونانی عبرانی زبانوں پر قدرت

پانے کی وجہ سے خاک میں ملا رہا ہے۔ ڈاکٹر میل اور مسٹر ہینری مشنری کے مغرور لوگوں کے بیسیوں سال کے بنے بنائے کھیل کا ایک مناظرہ میں خاتمہ کر دیتا ہے۔

اسی طرح چند ماہ بعد وہ بنارس اور اس کے اضلاع میں غازی پور کے پادریوں کو اسلام کی حقانیت کا چیلنج دینے کے لئے پہونچ جاتا ہے وہاں۔ پادری لا، بیر آپ کا نام سنتے ہے اور مناظرہ کے خوف سے شہر بدر ہو جاتا ہے۔ لیکن بے پناہ پروپگنڈہ اور حقانیت سے بھرے ہوئے وعظ اس مغرور پادری کے ساتھیوں کو مجبور کر دیتے ہیں کہ وہ مناظرے کے لئے آمادہ ہوں۔ اور مشن کا یہ باطل گورکھ دھندا اپنی نظروں کے سامنے ٹوٹتا ہوا دیکھیں تاکہ غازی پور کے بھولے بھالے ہندوستانی فریب نصرانیت سے آگاہ ہو جائیں۔

سال بھر کی جانفشانی کے بعد ھنم کنڈہ، گلبرگہ اور شعلہ پور میں اسلام کی روشنی پھیلاتے ہوئے احمد نگر کے مشنری ہیوم صاحب سے جا بھڑا۔ "آؤ ہم کو سمجھا دو۔ یا سمجھ لو اور نبی آخر الزماں پر ایمان لے آؤ" اس نے توجہ نہیں دی تو پونہ پہنچتے ہیں۔ وہاں ٹھیلوں بازاروں اور عاشور خانوں اور بہودکے ریڈنگ روموں میں رحمۃ اللعالمین کی رحمت کے پیغامات سے یسوع مسیح کی بھیڑوں کو آگاہ کرتے ہیں اور پونہ کے پادری لستول اور باجے اسمال عام مناظرے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے تو ان کے گھروں پر جا کر باپ بیٹے روح القدس کے بیکار تثلیث کی تحریفانہ کوششوں کے پرخچے چاک کر کے ضرورت اسلام اور نبوت رسول مدنی منواتے ۔ یہاں آپ آٹھ ماہ سے ان کوششوں میں مصروف ہیں کہ حیدرآباد (دکن) سے ان کو دعوت ملتی ہے کہ آپ فوراً آ جائیے اور یہاں کے فرعون کی گردن توڑنا آپ ہی کا کام ہے۔ یہاں کا پادری ایم جی گولڈسمتھ کہتا ہے کہ تحلیف انجیل کے مسئلہ پر ان لوگوں سے کیسے بحث کروں جو عبرانی کی ابجد سے بھی واقف نہوں۔ عبرانی جاننے والا میرے سامنے آئے تو اس سے مناظرہ کرنا میرے شایان شان ہو گا۔

آپ وہاں پہنچتے ہیں۔ سید مرتضیٰ صاحب قادری کے مکان پر پادری صاحب سے عبرانی گرامر اور ادب پر بحث ہوتی ہے چند منٹ میں قلعی کھل جاتی ہے مولانا صاحب عبرانی یہودی لہجہ میں پڑھ رہے ہیں۔ گویا پادری صاحب کے چہرہ پر مردنی چھائی جاتی ہے۔ [۱] اور پادری صاحب کو ماننا پڑتا ہے کہ مولانا کے مقابلہ میں میری عبرانی کی لیاقت محدود ہے [۲]۔

اس کے بعد مولانا نے رضا کارانہ طور پر صحابہ کبار علیہم السلام کی سادہ زندگی کی طرح تمام بلدے کے دیہات کے کونہ کونہ میں تبلیغ اسلام اور رد نصاریٰ کیا، وہاں ایک انجمن تبلیغ اسلام قائم کی جس کا معتمد اس ریاست کے با اثر سید محمد مرتضیٰ صاحب اور میر مجلس حاجی مولوی شاہ عبدالرحیم کو بنایا۔ اور احباب کے اصرار پر خود ورکنگ کمیٹی کے ممبر بنے۔ اس ٹھوس خدمات کے بعد آپ نے پادریوں کا پیچھا کیا۔ سید مرتضیٰ قادری اور صوبیدار رھام کے مکان پر تین مرتبہ پہنچے۔ بھرے مجمع میں پادری ایم جی گولڈسمتھ سے مناظرے کئے۔ آپ کے وعظوں کے خوف سے پادری نے اپنی عام منادی کا مقام بھی بدل دیا۔ یعنی تیلیوں کی باؤلی چھوڑ کر مارکٹ اختیار کی۔ جس کا عوام اور پادریوں کے ہم نواؤں پر اس قدر اثر ہوا کہ پادری کے دو خاص اشخاص دہان سنگھ اور فضل مسیح سا تھی مسلمان ہو گئے اور رد نصاریٰ میں دل و جان سے کام کرنے لگے اور لقبایا دو سو آدمیوں کو مشرف باسلام کرنے کا فخر حاصل کیا، حق وہ ہے جو زبان پر تیغہ کر کے بولے۔ چنانچہ پادری کو زبانی ہی نہیں بلکہ اپنی رپورٹ میں بھی مولانا کی اولوالعزم شخصیت کو ماننا اور ان کی قابلیت کا کھلے الفاظ میں اعتراف کرنا پڑا۔ وہ لکھتا ہے۔

"ایک مشن کے مخالف انجمن تبلیغ اسلام کی کارروائی دین عیسوی کے رسوخ کا دوسرا ثبوت ہے۔ یہ مشن گیارہ مہینے کی کارروائی کے بعد جون میں دو سو آدمیوں کے مسلمان کرنے کا فخر کرتی ہے۔ ہماری وعظ گاہوں کے نزدیک قریب مسلمانوں نے ہمارے مقابلہ میں وعظ بھی کہنا شروع کیا تھا۔ دو مولوی وعظ کہا کرتے تھے اس میں سے ایک نو مسلم ہندو تھا جو اپنی تلنگو بائیبل ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا اور کم سمجھی میں اپنا کچھ کہا کرتا تھا۔ کہ دوسرا مولوی ایک فصیح مولوی شرف الحق تھا جس نے کیمبرج مشن دہلی کے مسٹر لیفرائے سے مباحثہ

[۱] حیدرآباد میں خدمت دینی مرتبہ شیخ برکت القدس ۹ [۲] جواب پورٹ پادری گولڈسمتھ بیان سید مرتضیٰ مطبوعہ دکن پنچ ۲ر نومبر سنہ ۱۸۹۲ء

گیا تھا۔ اور اپنے عبرانی اور گریک کی زباندانی کو بڑے زور سے استعمال کیا کرتا تھا جس طرح کہ قرآن پڑھا کرتے ہیں اسی طرح بنٹیوٹ (موسیٰ کی پانچوں کتابیں) اور دوسرے حصوں کے جملے عبرانی میں بڑے بلند لہجہ میں پڑھ کر ان کی خوبی اپنے سامعین پر ظاہر کرتا تھا جس سے عبرانی کی ترغیب اور عبرانی بائیبل کے خریدنے کا شوق پیدا ہوتا تھا اور یہ ثابت کرتا معلوم ہوتا تھا کہ پہلے بائیبل نبی قرآن سے کسی طرح گھٹے ہوئے نہیں تھے۔ ان کے وعظ تقریباً اسی مضمون پر تھے کہ اولڈ اور نیو ٹسٹمنٹ میں مجموعہ (توریت و انجیل وغیرہ) محمد صاحب کے بارے میں پیشینگوئی کی گئی تھی۔ ٹھیک فاصلہ ہونے کی وجہ سے ہم باہم ایک دوسرے کے وعظ میں مزاحم نہیں ہوتے تھے۔ اور جب کبھی وہ تقریر کرنے کی کوشش کرتے تھے تو ہم اور وقت پر اسکو اٹھا رکھتے اور اس طرح ہم اپنے وعظ میں دخل نہ دینے دیتے۔ دوپہر کو پھر مباحثہ کرنے کا وقت ہوتا تھا۔ اس قسم کی تقریریں کچھ کم سال بھر تک ہوئیں۔ (رپورٹ مطبوعہ اخبار دکن گزٹ سنہ ۱۸۹۳ء ۱۴ اکتوبر)

مولانا موصوف برسوں کے دورے کے بعد جس میں ہندوستان ہی نہیں بلکہ ممالک اسلامیہ بھی شامل تھے۔ آپ دہلی کے مرکز پر پہنچ جاتے تھے جہاں پادری لیفرائے سے روزانہ کبھی گھنٹہ پر کبھی فوارہ کبھی نوارہ کے گرجا گھر پر کبھی فتحپوری کبھی حوض قاضی پر بھانے کے سامنے مقابلے ہو جاتے تھے۔ بھنگیوں کی بستی میں بھی مڈبھیڑ ہو جاتی تھی۔ اس لئے کہ وہ لیفرائے کا گڑھ تھا وہیں سے اس کو لقمہ ملتا تھا۔ وہیں سے شکار پھانستا تھا، اگر وہاں مولانا اشرف الحق کا قدم چلا جاتا تھا۔ تو لیفرائے کے بہت سے نشانے خطا ہو جاتے تھے۔ روزانہ کے چوچلوں نے آخر رنگ دکھایا۔ اور لیفرائے کو دہلی مسجد فتحپوری کے اندر مولانا رحمت اللہ علیہ کے شاگرد رشید مولانا اشرف الحق سے ماننا پڑا کہ انجیل میں تحریف ہوئی ہے۔ یہ اقرار زبانی نہیں بلکہ ہزاروں کے مجمع میں تحریری مولانا کو لکھ دیا کہ انجیل میں تحریف ہوئی ہے، اور اس میں شعرائے کے قول داخل ہو گئے۔

یہ ہے ایک عشق اسلام و خلوص سے پر جان نثارانہ زندگی اس کے سامنے ٹھیکریوں کے بندے، تنخواہوں کے غلام کیا ٹھہر سکتے تھے۔ ان کو جھکنا پڑتا تھا۔ حق و صداقت کے دعویداروں ہستیوں کے سامنے — تلاش رہتی تھی کہ کہیں سے پادری کی بو آ جائے اور وہ پہنچے اور ان کے پنجوں سے بھولے بھالے ہندوستانیوں کو بچائیں۔

اسی طرح مولانا قاسم اور مولانا ابو المنصور کی پوری پوری زندگی۔ زندگی کا ہر لمحہ صرف ہوتا تھا۔ رد نصاریٰ میں) ان کے معتقد ان کے نام اپنی زندگیاں وقف کر دیتے تھے۔ فرنگی جال کو پاش پاش کرنے کے لئے۔

اس مختصر روئداد کی مفصل کیفیت آپ ہندوستان کے تاریخی مناظروں میں اور رد نصاریٰ کی تردیدی کتابوں میں دیکھئے کہ ان جان نثاران وطن اور ملت کے فدائیوں کی قابلیت و لیاقت کا صحیح اندازہ ہو جائے گا اور معلوم ہو جائے گا کہ پادری ان سے کیوں خائف رہتے تھے۔

پہلی کتاب رد نصاریٰ

رد نصاریٰ میں اردو زبان میں پہلی کتاب جو طبع ہوئی وہ خلاصہ صولۃ الضیغم علی اعداء ابن مریم تھی۔ جس کے مصنف مولوی عباس علی صاحب بن نام علی بن فضل اللہ فاروقی جاجموی تھے۔ یہ کتاب مطبع سنگین میں سنہ ۱۲۵۸ء کے اندر چھپی جو بڑے سائز ۲۲×۱۸ پر ۷۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب اصل میں سنہ ۱۲۴۸ھ میں لکھی گئی تھی۔ لیکن ضخیم ہونے کی وجہ سے اس کا خلاصہ سنہ ۱۲۵۸ھ میں چھپا۔ چنانچہ اس کتاب کے آخر میں جو تاریخ کتاب لکھی ہے۔ "بود مرغوب" ہوتی ہے۔ آغاز کتاب میں خلاصہ کی وجہ بھی ظاہر کی ہے "کتاب صولۃ الضیغم مذہب نصاریٰ کی رد میں جمع کی تھی لیکن اس کا حجم بہت تھا۔ اس واسطے میں نے یہ مختصر ترتیب دیا جس کو اس میں کسی طرح کا شبہ پڑے وہ فاضل کی طرف رجوع کرے۔

آخری فقروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مکمل کتاب بھی چھپی تھی لیکن مولانا محمد علی مونگیری "پیغام محمدی" میں لکھتے ہیں کہ پوری کتاب طبع نہیں ہوئی۔

اس کتاب کے مصنف اپنے دور کے خاندانی عالم معلوم دیتے ہیں اس وقت تک علمائے کرام نے رد نصاریٰ کی طرف توجہ نہیں فرمائی

تھی نہ رد نصاریٰ کی تصانیف کا دور تھا اور نہ مناظرہ کا رواج، جہاں آپ نے پہلی تصنیف کی وہاں پادریوں سے مناظرہ بھی پہلا کیا اور پادریوں کے چیلوں کو مسلمان بنایا چنانچہ آپ اپنی تصنیف کا تذکرہ کرتے ہوئے علماء سے رد نصاریٰ کی طرف توجہ دینے کی درخواست کرتے ہیں۔

قدیم عہد میں رد نصاریٰ کا عمل نہ تھا۔ اور زور شور اس دین کے منسوخ کا پنہاں تھا۔ اگلے عالموں نے اس کی رد کی طرف کم توجہ فرمائی۔ لیکن اس زمانے کے عالموں پر فرض دواجب ہے کہ ان کے دین کے ابطال پر کوشش کریں۔ والا رفتہ رفتہ یہی لوگ خلق کثیر کو گمراہ کر ڈالیں گے اور یہ گمان نہ چاہیئے کہ رد دیکھنے سے کفار قائل نہیں ہوتے۔ پھر کیا فائدہ؟ کیونکہ جب میں صولۃ الضیغم لکھ چکا اور دس پانچ جگہ یہ امر مشہور ہو گیا لوگوں نے وہٹ اور ولیم پادریوں سے اور مجھ سے بحث کرادی۔ آخر میں خدا کی مدد سے ان پر غالب ہوا۔ تب ان کے رفیقوں میں سے جو نئے نئے کرسٹان ہوتے ہیں دو شخص میرے پاس آکر مسلمان ہو گئے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

یہ کتاب کسی مخصوص کتاب کا جواب نہیں ہے لیکن پادریوں کے عمومی سوالوں کا جواب ہے جو عام طریقے سے اس زمانہ میں کرتے تھے۔ یہ کتاب گیارہ فصلوں پر حسب ذیل عنوانات پر مشتمل ہے۔

(۱) تحریف انجیل (۲) اثبات نبوت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم (۳) جواب کہا کہ اسلام ظلم سے پھیلا (۴) ثبوت معجزات حضور اقدس، کتب مقدس اور قرآن مجید سے (۵) ابن اللہ کا جواب (۶) تثلیث کی تردید (۷) تقدیر (۸) کثرت ازدواج (۹) نسخ (۱۰) بے عمل کمات مردہ (۱۱) پیشینگوئیاں۔ اس کتاب کا طرز استدلال الزامی ہے۔ عیسائیوں کی کتابوں کو ڈھال بنایا گیا ہے۔

طرز تحریر اور طرز استدلال کا نمونہ۔

نصاریٰ کہتے ہیں کہ سچے نبی کی یہ نشانی ہے کہ اگلے پیغمبروں کو نہ جھٹلاوے اور ان کے برخلاف نہ کہے مگر محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے قرآن میں خدا کے اگلے کلام سے بہت سا برخلاف کہا ہے چنانچہ توریت وانجیل میں ہے کہ ایک جورو کے سوا اس کے جیتے جی دوسری کرنا روا ہے۔ سو قرآن میں اس کے برخلاف چار چار جوروان ایک ساتھ کرنا ہر مرد کو درست ہے اور موسیٰ کی پرہیزگاری، پاکیزگی توریت میں ان باتوں سے پائی جاتی ہے کہ جیسا حق تعالےٰ نے ابتدائے آدم کے لئے مقرر کیا تھا۔ اس کے موافق موسیٰ نے بھی ایک ہی شادی کی اور عیسیٰ کی پرہیزگاری مشہور ہے۔ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت سی جوروان تھیں۔

کہتا ہوں میں! (گویا جواب) سچ ہے کہ محمدی شرع میں کتنی اگلی چیزیں منسوخ ہو گئیں۔ چنانچہ اونٹ کا گوشت اور سنیچر کے دن شکار کرنا موسیٰ کے عہد حرام تھا۔ ہمارے وقت میں حلال ہو گیا۔ لیکن نسخ آگے سے ہوتا چلا آیا ہے کیونکہ باتفاق یہود و نصاریٰ و مسلمین کی آدم کی شریعت میں درست تھا کہ بھائی اپنی اس بہن سے جو توام نہ ہو نکاح کریں پھر ہم سب متفق ہو گئے کہ بعد آدم کے یہ حرام ہے۔ اور دو بہنوں کے ساتھ اکٹھا نکاح کرنا یعقوب کی شریعت میں روا نہ تھا۔ اور موسیٰ کے عہد میں منسوخ ہو گیا۔ چنانچہ پیدائش کی ۲۹ اور احبار کی ۱۸ اس مسطور اور باتفاق یہود و نصاریٰ کی اللہ تعالےٰ نے ابراہیم کے بیٹے کو ذبح کرنے کے حکم دیا بعد ازاں منسوخ کیا۔ موسیٰ کے عہد میں اکثر گناہوں پر قتل تھا سو عیسیٰ کے عہد میں موقوف ہو گیا۔

اور قول اس کا ایک جورو کے سوا غلط ہے کیونکہ موسیٰ کے وقت میں دو جوروان ایک ساتھ کرنا روا تھا۔ چنانچہ استثنا کی اس ریت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مان لیں کہ موسیٰ کے عہد میں دو کرنا روا تھا جیسا نصاریٰ کہتے ہیں تو انہیں کی زبان سے نسخ کا جواز ثابت ہو جائیگا کیونکہ باتفاق ابراہیم کی تین جوروان تھیں۔ سارا۔ ہاجرہ۔ قطورا۔ پس معلوم ہوا کہ موسیٰ نے اس حکم کو فسخ کیا۔ اور ایک جورو کا حکم رکھا۔ سو اسی حکم پر عیسیٰ بھی چلے۔ پھر جب ہمارے حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی ہوئے۔ یہ حکم موسوی منسوخ ہوا۔ اور پہلا حکم ابراہیمی بدستور قائم ہوا۔ اور پیدائش کی ۲۹ اور ۳۰ میں ہے کہ یعقوب کی چار جوروان ایک ساتھ تھیں (۱) لیا (۲) راحیل (۳) بلہار (۴) زلفا

(۵) اور سموئیل کی سفر ثانی میں ہے کہ داؤد نے بہت جوروں اور سیر تیوں سے ازدواج کیا۔ ان ہی میں سے ہیں (۱) احینعام (۲) ابیجال (۳) معکما (۴) حاجیت (۵) اصیطال (۶) حاجل اور اسفار الملوک میں ہے کہ سلیمان کے پاس سو بیبیاں تھیں۔ اور تین سو سریتیں اور کتاب القضا میں ہے کہ جدعون کے ستر بیٹے تھے۔ اسواسطے انہوں نے بہت سی عورتوں سے نکاح کیا (صولۃ الضیغم ص ۱۰)

جوابِ محمدیہ (۲) اس مطبوعہ کتاب کے سامنے ایک قلمی کتاب بھی ہے جو افضلیت کی دعویدار ہے یعنی تین سال قبل سنہ ۱۲۴۵ھ میں لکھی گئی ہے یہ کتاب مولانا اشرف الحق صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ اس کتاب سے یہ پتہ نہیں لگتا کہ یہ چھپی ہوئی کتاب کی نقل ہے یا مصنف کا اصل مسودہ ہے۔ بہرحال اپنی زبان طرز نگارش سے بتا رہی ہے کہ یہ دور ۱۲۴۵ کی تصنیف ہے۔ اور کتاب میں بھی لکھا ہے کہ الحمد للہ والمنۃ کہ یہ جواب محمدیہ سنہ ۱۲۴۵ھ میں بیچ تاریخ ۲۸ ربیع الاول بروز یکشنبہ اس کا مسودہ تمام ہوا" اس کتاب کے مصنف اکرام الدین شاہ جہان آبادی ہیں۔ اس کے صفحات ۱۵۸ ہیں بڑی تقطیع $\frac{۲۰\times۳۰}{۸}$ سائز لکھی گئی ہے۔

یہ کتاب "جواب محمدی" "جواب الجواب ہے مدراس کے پادری کے رسالہ عیسوی کا جو پادری نے ایک مسلمان عالم نعمت علی موضع آستانہ شہمیلہ ضلع اعظم گڈھ کے سوالات کے جوابات میں لکھی ہے۔ سوالات یہ تھے۔ جو "جواب محمدی" میں مصنف موصوف نے نقل کئے ہیں نصرانی کے عالموں سے سوال کرتا ہے کہ اگر تم محمد کی دلیل عقلی سے باطل کرتے ہو تو ہم تم لوگوں سے یوں پوچھتے ہیں سبب نبی ہونے محمد کے کون سا خلاف نزدیک عقل اور محال پیدا ہوتا ہے اگر ہم لوگ نبوت محمد کی دلیل نقلی سے باطل کرتے ہو تو پھر ہم تم لوگوں سے یوں پوچھتے ہیں کہ انجیل میں یا زبور میں یا توریت میں کون سی جگہ یہ لکھا ہے کہ محمد نبی برحق نہ ہوں گے بلکہ اکثر جگہ پر انجیل میں اشارے اور کنائے حضرت عیسے نے اوپر حقیقت نبوت محمد کی کیا ہے۔ بشبہ ہو ترجمہ انجیل کا انصاف کی نظر سے دیکھئے۔ امیدوار اس بات کا ہوں کہ جواب اس کا عالمانہ مناظرے کے طریق سے دیجئے۔ اللہ الہادی الی الصواب۔

اس کتاب میں پہلے تو پادری کے لفظ "نصاریٰ" کے گلے شکوہ کا وہی جواب ہے جو سرسید مرحوم نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے معلوم ہوتا ہے کہ "نصاریٰ" کہنے پر ہر عیسائی چراغ پا ہو جاتا تھا۔

اس کے بعد "محمد نبی برحق نہیں ہے"۔ انجیل سے ثبوت دو" پر بحث کی گئی ہے پادری نے کہا کہ اس کی ضرورت نہیں ہے تو جواب دیا گیا کہ جب حضرت موسیٰ و حمبال کا زبور میں ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں تو اگر حضور برحق نبی نہ ہوتے تو ان کا بھی ذکر کرتے تو معلوم ہوا کہ آپ برحق نبی تھے۔

اس کے بعد پادری کے چار اعتراضات (۱) حضور نے نبوت کی شان کے خلاف زیادہ شادیاں کیں (۲) معجزات نہیں دکھائے (۳) پیشینگوئیاں نہیں کیں (۴) قرآن مجید دوسری آسمانی کتابوں کو باطل ٹھہراتا ہے۔ کا جواب دیا ہے زبان اپنے دور کے رنگ کی ہے۔ البتہ طریقہ استدلال بدلا ہوا ہے عقلی طور پر جوابات دینے کی کوشش کی گئی ہے جو زیادہ دلچسپ بن گئے ہیں۔ الزامی جوابات کم ہیں۔ اس خصوصیت میں یقیناً افضلیت کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ طریقہ استدلال مناظروں کی کتابوں میں سرسید مرحوم کے دور میں تو آگیا۔ لیکن اس دور میں قطعًا نہ تھا۔ چنانچہ طرز تحریر اور استدلال کے عقلی طریقے ملاحظہ ہوں۔

صاحب رسالہ عیسوی نے لکھا ہے "کہ محمد اوروں کے مانند بیمار ہو کے مرا اور قبر میں پڑا ہے۔ مگر جناب مسیح تیسرے دن قبر میں سے جی اٹھا اور بعد چالیس روز کے آسمان پر گیا۔"

سو جواب اس کا یہ ہے: بیمار ہونا اور قبر میں رہنا یہ تمام نبیوں کو نصیب ہوا ہے اس میں فضیلت گھٹ نہیں جاتی۔ پھر دوسرے یہ کہ سولی کھا کر مرنے سے بیمار ہو کر مرنا بہتر ہے۔ تیسرے یہ کہ حضرت مسیح بھی قبر میں موافق عقیدہ صاحب رسالہ عیسوی رہ چکے ہیں گو کہ تین ہی دن رہے۔ تین دن رہنا اور لاکھ برس رہنا برابر ہے۔ اس صفت میں محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح برابر ہیں۔ اور رہا آسمان پر کا جانا۔ سو حضرت مسیح جسم سمیت جو تھے آسمان پر ہیں اور ہمارے حضرت کی روح

مبارک ساتویں آسمان پر قریب سدرۃ المنتہیٰ کے ہے۔
رسالہ عیسوی لکھا ہے کہ خلقت کے گناہ حضرت مسیح کے خدا ہونے سے بخشے گئے۔ اس جگہ غور کرنا ضروری ہے کہ اس عقیدہ سے کیا بات نکلتی ہے کہ جو شخص معصوم تھا اس کو خدائے تعالیٰ نے سولی دلوائی اور جو لوگ گناہ گار تھے لائق عذاب تھے ان کو بے کریوں بخش دیا۔ اس جگہ پوچھا جائے کہ خدائے تعالیٰ کو غیر منصف ہم نے ٹھہرایا۔ یا تم نے۔ کیونکہ جو لوگ لائق عذاب تھے ان کو تو یوں بخش دیا اور جو لائق رحمت تھا اس کو سولی پر کھنچوا دیا سو اس سے زیادہ کون سی بات غیر منصفی ہوگی

پس تو حافظ خموش ہو آگے ایسے شخصوں کے نوں منہ لاگے

کتاب استفسار } تحقیق دعویات، عِلمیت و معقولیت اور شہرت و مقبولیت کے اعتبار سے ردِّ نصاریٰ میں حضرت العلامہ مولینا آل حسن کی تصنیف استفسار افضل مانی جاتی ہے۔ جو مولانا نے میزان الحق پادری فانڈر کی کتاب مطبوعہ سنہ ۱۸۳۳ء اور تحقیق دین حق پادری اسمٹ کی کتاب مطبوعہ سنہ ۱۸۴۳ء کے جواب میں لکھی ہے اس کے علاوہ مولانا موصوف نے پادریوں کے اعتراضات کے ساتھ عیسائیوں پر اپنے بھی اعتراضات استفسار کے نام پر کئے ہیں۔ استفسارات کی تعداد حسب ذیل اٹھارہ ہے۔

(۱) تثلیث کا مسئلہ برہان عقلی سے باطل ثابت ہوتا ہے۔
(۲) تثلیث کے دلائل لایعنی ہیں۔
(۳) حضرت عیسیٰ کے ارشادات سے تثلیث غلط اور صرف توحید ثابت ہوتی ہے۔
(۴) حضرت عیسیٰ کا بندوں کی نجات کے لئے ملعون ہو کر تین دن دوزخ میں رہنا جیسا کہ عیسائیوں کا ایمان ہے۔ عقلاً باطل ہے۔
(۵) حضرت موسیٰ نے زبور میں کچھ باتیں درج کی ہیں۔ یہ عیسائیوں کا کہنا خلاف واقعہ ہے۔
(۶) توریت میں بعض روایتیں ایسی ملی ہیں کہ اس سے ساری شریعت اسرائیلیہ کا اعتبار ختم ہو جاتا ہے۔
(۷) توریت میں بعض ظاہری احکام کے متعلق لکھا ہے کہ یہ ہمیشہ کے لئے ہے۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ کی شریعت نے وہ حکم بدل لیا
(۸) خدا کے کلام میں دوسرے کے کلام ملنے سے کتاب اللہ کا اعتبار ختم ہو جاتا ہے۔
(۹) ابنائے بنی اسرائیل اور حواریوں کی گواہی اور ایک جماعت علمائے مسیحی کی شہادت سے ثابت ہوتا ہے کہ بائبل میں تبدیلی اور تحریف ہوئی۔
(۱۰) اناجیل کی روایتوں کے اسناد کا پتہ نہیں لگتا اور روایتوں میں اختلافات بھی ہیں۔
(۱۱) اناجیل کی تالیف ایسی ہے جیسے ہمارے ہاں شواہد النبوۃ ہے جو قرآن کی طرح جمع نہیں ہوئی نہ اس کی روایتوں کے اسناد کا پتہ لگتا ہے روایتوں میں اختلاف بھی ہے۔
(۱۲) توریت کے عزرا نبی کے عہد سے بطلیموس کے عہد تک اور عہد جدید کے حواریوں کے عہد سے قسطنطین اول کے زمانہ تک سیرین کی عیسائی عالم کے پاس نہیں ہے۔
(۱۳) بائبل کی پیشینگوئیاں مضحکہ خیز ہیں۔
(۱۴) مسیح اور جھوٹے مسیح، بڑے معجزے دکھلانے والے میں کیا فرق ہے۔
(۱۵) جس ضابطہ عقلیہ کی رو سے سمعیات کا ثبوت ہوا کرتا ہے اس کے موافق صرف حضرت خاتم النبیین کے معجزات اترتے ہیں اور کسی پیغمبر کے نہیں اترتے۔ (۱۶) باوجود بائبل کی خرابیوں کے جس قوت کے ساتھ حضرت خاتم النبیین کی خبر توریت اور انجیل سے ثابت ہوتی ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ کی خبر توریت سے نہیں ثابت ہوتی۔

(۱۷) جو اعتراضات حضور پر عیسائی لوگ کرتے ہیں وہی اعتراضات حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ پر بھی عائد ہوتے ہیں۔
(۱۸) جو عزت نبوت کے ساتھ ملت اسلامیہ کے لئے ہے وہ کسی اور ملت کے لئے نہیں ہے۔

یہ کتاب ۱۸۴۳ء ۱۲۵۹ھ میں چھپی جس نے ہندوستان کے پادریوں میں ہلچل مچادی تھی۔ یہ ضخیم کتاب آٹھ سو صفحات پر مشتمل ہے بڑے صفحات پر چھپی ہے۔ یہی وہ ہر دلعزیز اور قابل فخر کتاب ہے جس کو مولانا رحمت اللہ علیہ نے اپنی مشہور تصنیف ازالۃ الاوہام کے حاشیہ پر چھپایا تھا۔ آج تک عیسائیوں کی طرف سے اس ضخیم کتاب کا مکمل و مستقل جواب تو کجا صرف ایک مبحث کا بھی پورے پورے جواب نہیں دیا جاسکا۔ پادری فانڈر نے حل الاشکال ۱۸۴۷ء کتاب میں جو چھوٹے سائز پر ڈیڑھ سو صفحات پر چھپی ہے اسکا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ جس کو مجدد الاثار نا لکھتے ہیں۔ کیونکہ حل الاشکال جیسی مختصر کتاب میں میزان الحق کے جواب کشف الاستار کا بھی جواب شامل ہے۔ جو بہت مہمل اور ناکام ہے۔ اس جواب سے پادری صاحب کی رہی سہی ساکھ بھی ختم ہوگئی۔ چنانچہ پادری صاحب کی قابلیت اگر دیکھنی ہے تو حل الاشکال کا جواب باستفسار ۳۱ مصنفہ مولوی موئدالدین صاحب ملاحظہ کیجئے۔

رد نصاریٰ کی تالیف میں دقتیں

پادریوں کو ہندوستانی مذہب کے خلاف لکھنے کے لئے کیا کیا سہولتیں تھیں اور پادری لوگ کس طرح انگریزی سرمایہ داروں کی امداد سے اودھم مچاتے تھے۔ اور ہندوستانی مذاہب کے لوگوں کو رد نصاریٰ کی کتب لکھنے میں کیا دقتیں اور تکلیفیں اور پریشانی تھیں۔ اس کا تذکرہ کرتے ہوئے انگریزوں کی اس مہربانی کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ کہ وہ ہم کو رد نصاریٰ کا موقعہ تو دیدیتے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے محکوم ہندوستانی کی بے بسی۔

(میں نے پادریوں کی کتابوں کے جواب لکھنے میں) پادری صاحب کی فضول تقریریں نہیں لکھیں اس کا سبب یہ ہے کہ طرز بیان اور تقریریں لاطائل اگر صرف دو تین رسالوں میں پادریوں کی ہوتیں تو اور وہ لوگ ایسے ہوتے کہ انکی تقریروں کی لغویت ثابت کرنے کے بعد پادری لوگ پریشان ہوجاتے اور دوسرے انگریزی صاحبان ان کو آئندہ ایسی لغو تقریریں کرنے سے منع کردیتے تو ان تقریروں کے لفظ لفظ کے بحث کا لطف تھا۔ لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ ہزاروں پادری اس کام کی روٹی کھاتے ہیں۔ اور یہی ان کی معاش ہے اور نہ ہوں پہ اعتراض کریں۔ خواہ وہ معقول ہوں یا نامعقول۔ اور ہزاروں بے سرا پا رسالے لکھ لکھ کر چھپوایا کریں۔ اور اپنے لڑکے بالوں کے پیٹ پالنے کے لئے شب و روز اسی کام میں مصروف رہتے ہیں اور اگر کسی پادری کی تقریروں کو نامعقول ثابت کر دیجئے تو اس سے کوئی عیسائی متاثر نہیں ہوتا۔ اور ان کو منع نہیں کرتا کہ ایسی نامعقول تقریریں مت کرو۔ ایسی صورت میں بتلاؤ جب کہ ہم لوگ اشاعت دین کا پیشہ نہیں رکھتے اور باوجودیکہ بڑے بڑے انگریز معقول مناظرہ کو پسند کرتے ہیں لیکن پھر بھی مناظرہ کرنے کے لئے صرف انہیں کو نوکر رکھتے ہیں۔ اور دوسری قوم کے لوگوں کو اس کام کے لئے کچھ نہیں دیتے تو ہم کہاں تک پادریوں کی تقریروں کے لفظ بلفظ سے بحث کریں اتنا ہی غنیمت ہے کہ اہالیان سرکار کمپنی نفس الاعتراضات کے جواب دینے کو منع نہیں کرتی۔ (استفسار ص ۲۰۶)

طریقہ استدلال الزامی ہے۔ یعنی مخالف کا ہتھیار مخالف پر استعمال کیا جائے۔ جو بات ثابت کرتے ہیں انجیل سے طرز تحریر کے نمونہ کے لئے مذکورہ عبارت ہی کافی ہے۔

استفسار کے چھپنے کے چند ماہ بعد اسی سال (۱۲۵۹ھ) میں دوسری کتاب تائید المسلمین فی اثبات نبوۃ خاتم النبیین طبع ہوئی جو مولانا مولوی سید محمد صادق صاحب کی تصنیف ہے۔ یہ کسی مخصوص پادری کی تصنیف کا جواب نہیں ہے بلکہ پادریوں کے

عام رسالوں کا جواب ہے۔ فارسی زبان میں چھپی ہے۔ صفحات ۱۴۲ ہیں بڑی تقطیع پر شائع ہوئی ہے۔ مولٰنا دیباچہ میں پادریوں کی ایک شرارت کا ذکر کرتے ہیں۔ کہ

تائید المسلمین پادری اپنے رسالوں میں قرآن مجید کی آیات میں الفاظ و اعراب بدل دیتے تھے اور ان کو اطراف و اکناف عالم میں پھیلاتے تھے۔ یہ کتاب میں نے خدا بخش لائبریری میں دیکھی جو نایاب ہے۔ لائبریری کی فہرست کتب خانہ کا نمبر ۹۷۹ ہے۔ افسوس ہے کہ میں اس میں سے طرز تحریر کا نمونہ نہ لے سکا۔

اس کتاب کے بعد میزان الحق کا جواب مولوی محمد ہادی علی لکھنوی نے "کشف الاستار" کتاب میں ۱۲۶۵ھ ۱۸۴۸ء میں دیا۔ یہ کتاب افسوس بہت تلاش کے بعد نظر سے نہیں گذری عنقا بنی ہوئی ہے۔ یہ وہی کتاب ہے جس کا جواب پادری فنڈر نے حل الاشکال میں دیا ہے۔

استبشار ایک سال بعد پادری فانڈر کے میزان الحق کے جواب میں ہی ۱۸۴۹ء کو مولٰنا موئد الدین احمد آبادی کتاب استبشار میں جوابات لکھے۔ یہ کتاب چھوٹی تقطیع پر ۱۱۲ صفحات پر مشتمل ہے اور مطبع منعمیہ محلہ چھیل اینٹ شہر اکبر آباد میں طبع ہوئی۔ اسکا طرز تحریر یہ ہے

تحریری نوک جھونک اس رد و قدح یعنی رد نصاریٰ اور اسلام میں پادری لوگوں کی عجیب عادت تھی خود چھیڑ خانی مذہبی رنگ کی کرتے تھے۔ اور جواب بھاری بھرکم درنی ملا تو چیخ اٹھتے تضحیک و توہین کرنے میں حضور اقدس بھی ان کی ناپاک قلم سے نہیں بچتے تھے اور اگر کوئی ہندوستانی اس کے جواب میں پادری پر لوچھاڑ کر دیتا تو آگ بگولہ ہو جاتے تھے۔ چنانچہ پادری اندڑ کی اسی نازک طبعی گلہ کرتے ہیں۔ اور اپنی احتیاط کی پوزیشن اور شرط صلح پیش کرتے ہیں۔ اندازہ لگائیے۔ حکومت کا زعم۔

"معلوم ہوا کہ پادری صاحب (فانڈر) انگلستانی مزاج نہیں اور نہ وے انگلشیوں کی سی عقل و دانش رکھتے ہیں کیونکہ عمائد دو انگلشیہ کا یہ دستور نہیں ہے کہ اگر مذہب کی چھیڑ خانی خود کریں تو مخاطب کے جواب الزامی کو عداوت اور تعصب پر محمول کریں جیساکہ پادری صاحب ہر ہر بات کو جو بطور الزام کے لکھی ہوئی ہے لکھتے ہیں کہ محض تعصب و عداوت سے لکھی گئی ہے۔

یہ بھی ہر ایک کو معلوم ہے کہ مسلمانوں کے حضرت عیسیٰ کی نسبت بے ادبی کرنا اور حضرت خاتم النبیین کی نسبت دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ اور پادریوں کی نسبت جو گستاخانہ لفظ لکھے جاتے ہیں بنظر انکے عیسائی مشن کے سمجھے جاتے بلکہ بہت انکی بد ادبیوں کے جو بہ نسبت حضرت خاتم النبیین کے وہ کیا کرتے ہیں۔ اگر وے صرف ارشادات عیسوی کے ترجمہ کے وعظ پر اکتفا کریں اور اپنے اصول موضوعہ کی بناء پر بہ نسبت حضرت خاتم النبیین کے طعن اور تعریض نکیا کریں تو کوئی ان کو کچھ نہ کہے۔

طرز تحریر کا نمونہ آپ کے سامنے موجود ہے۔ بعض تحریریں بہت گنجلک ہوتی ہیں۔ اور مختصر نویس اس کو الجھا دیتے ہیں۔ استبشار کی طرز تحریر ... خالص مولویانہ تحریر ہے۔ لیکن دلائل جاندار ہیں۔ ۲ے

ازالۃ الاوہام ان کوششوں کے ساتھ مولٰنا رحمت اللہ علیہ بھی رد نصاریٰ کی کتب لکھنے میں مصروف تھے ۱۲۶۹ھ میں طویل مسلسل کوششوں کے بعد چار کتابیں حسب ذیل آپ نے تیار کی تھیں۔

(۱) اعوجاج المیزان۔ بجواب میزان الحق پادری فنڈر۔ (۲) تقلیب المطاعن۔ بجواب تحقیق دین مصنفہ پادری اسمتھ۔ (۳) بروق لامعہ۔ حضور اقدسؐ کی رسالت کے ثبوت میں۔ (۴) ازالۃ الاوہام۔

اول الذکر تین کتابیں اب تک شائع نہ ہو سکیں البتہ ۱۸۶۹ء ازالۃ الاوہام شائع ہوئی۔ یہ کتاب کسی مخصوص کتابوں کا جواب

ے الٰہی برہان صفحہ ۵۲ ۲ے استبشار صفحہ ۲

نہیں۔ بلکہ پادریوں کے عام سوالوں کا جوابات ہیں۔ یہ کتاب بڑی تقطیع پر ۲۴۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ سید المطابع دار الخلافہ جہاں آباد (دہلی) کوچہ بلاقی بیگم میں سید قوام الدین کے اہتمام میں یکم رمضان مذکورہ سنہ میں چھپی۔ مولانا رحمت اللہ مرحوم دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ یہ کتاب میں نے پہلے اردو میں لکھی تھی۔ لیکن اہل اسلام کے اہل علم فارسی زبان سے زیادہ رغبت رکھتے تھے اس لئے مجبوراً ان کے اصرار پر اس کو فارسی زبان میں تبدیل کیا۔

پادری اس وقت کثرت کے ساتھ رسالہ نکالتے تھے۔ مولنا اس کی شرارت کا بھانڈا پھوڑتے ہیں۔ کہ ان سالوں کے مضمون ایک ہی قسم ہوتے تھے لیکن عنوانات میں کچھ تبدیلی ہو جاتی تھی۔

اس نایاب تصنیف کو ہم نے خدا بخش لائبریری میں دیکھا۔ خدا بخش لائبریری کی فہرست میں اس کا نمبر ۱۹۶۵ ہے۔ یہ کتاب سید محمد یوسف مانگی نے ۱۹۲۲ء میں داخل کی۔

بقایا کتابیں کافی تعداد میں ہیں۔ صرف ان ہی سات کتابوں کی تفصیل غرض و غایت بتانے کے لئے تفصیل ضروری تھی۔ تقریباً کل ہی کتابوں کی طرز تحریر سے ملتی جاتی ہیں غیر دلچسپ طوالت کا بھی خوف ہے۔ اس لئے...... مختصر فہرست پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے........ ذیل کی کتابوں پر تنقید و تبصرہ مصنفین کے حالات میں دیکھئے۔

(۸) **البحث الشریف فی اثبات النسخ والتحریف** اس میں مولنا رحمت اللہ کے مناظرہ اکبر آبادی کی فارسی زبان میں روئداد ہے ۱۲۷۰ھ میں حافظ عبد اللہ نے چھاپی، کتاب اور مولنا رحمت اللہ علیہ کے مناظرہ کے سلسلہ میں ہے (۱) مباحثہ مذہبی اور اول و دیم اور کتب اظہار الحق۔ ازالۃ الشکوک، اعجاز عیسوی اصح الاحادیث فی ابطال التثلیث، بروق لامعہ، معدل اعوجاج المیزان، تقلیب المطاعن، کی تفصیل اور اس پر تبصرہ مولنا رحمت اللہ کے حالات میں ملاحظہ کیجئے۔

(۱۰) مراسلات پادری فانڈر و مولوی سید آل حسن صاحب سائز ۱۸×۲۲ صفحات ۸۵ یہ خطوکتابت پادری لٹلی کی معرفت ہوئی۔ جو دونوں سے واقف تھے۔ پہلے خطوط میں تحریری مناظروں کے عنوان اصول طے ہوئے۔ عنوان النسخ و تحریف ٹھیرا، اور شرائط مناظرہ خاص طور پر یہ طے پائے، کہ کوئی کسی نبی کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال نہ کرے۔ جواب دینے کی مدت بھی طے ہوئی۔

پہلا خط پادری صاحب نے مولنا کو ۲۲۔ جولائی ۱۸۴۴ء کو لکھا۔ مناظرہ وغیرہ کے شرائط ۲۱۔ جولائی ۱۸۴۴ء دونوں کے آٹھ خطوط میں طے ہوئیں۔

مناظرہ ۸۔ اگست ۱۸۴۴ء کے مولنا کے خط سے تحریری شروع ہوا۔ اور ۲۷ ستمبر ۱۸۴۴ء کے خط پر ختم ہوا۔ یہ مراسلات پادری فنڈر نے مرتب کئے ہیں جو ۲۲×۲۰ ۸۵ پر مشتمل ہے ۱۸۴۷ء میں شائع کئے ہیں۔

(۱۴) **فصل الخطاب المقدمہ اہل الکتاب** مولوی حکیم نور الدین صاحب اس معلوماتی کتاب میں نئی تحقیقات کی روشنی میں اسلام کی حقانیت کو ظاہر کیا ہے۔ اور عیسائیوں کے کل اعتراضات کے جوابات تحقیقی و الزامی خوش اسلوبی سے دئے ہیں۔ اور نبوت آخر الزمان اور ضرورت قرآن مجید کو عمدہ طرح سے ثابت کیا ہے۔ دو جلدوں میں ہے۔ مطبع مجتبائی دہلی میں ۱۳۰۵ ہجری میں چھپی۔

(۱۵) **حیدر آباد میں خدمت دینی** اس رسالہ میں مولنا شرف الحق اور پادری ایم جی گولڈ سمتھ بی۔ اے انچارج حیدر آباد مشن سے حیدر آباد میں جو مناظرے ہوئے اس کی کیفیت ہے

یہ رسالہ حیدر آباد دکن کے ایک مقام گمنام کے لوگوں نے چندہ کرکے شائع کیا۔ جو شیخ رحمت اللہ کے نام سے افضل المطابع میں مرزا محمد عبد الغفار

کے اہتمام سنہ ۱۸۹۲ء میں طبع ہوا۔ یہ رسالہ ۳۰×۲۰/۱۶ پر ۲۲ صفحات کا ہے۔ یہ مناظرہ بھی انگریزی میں طبع ہوا۔

(۱۶) براھین الھینہ المعروف بمباحثہ پونہ | اس رسالہ میں مولانا شرف الحق اور پادری جی اسمال چرچ مشن پونہ سے سنہ ۱۸۹۳ء میں مناظرہ ہوا تھا۔ اسکی تفصیل درج ہے جس کو شیخ غلام اولیاء صاحب نے اکمل المطابع دہلی میں چھپوایا۔ یہ رسالہ ۲۰ صفحات پر ۳۰×۲۰/۱۶ پر مشتمل ہے۔ اس رسالہ کے آخر میں ہے کہ یہ رسالہ حضرت قمر الدین صاحب اور نیشن والوں کی جماعت کے پیسہ سے ... سنہ ۱۸۹۳ء میں چھپا اس مناظرہ کی قطعہ تاریخ ... مولوی عبد الرحیم صاحب امام مسجد پونہ نے حسب ذیل لکھی۔

شرف اس رسالہ کو تو عام میں دے — یہ مقبول مری دعا ہو الٰہی
ہوئی فکر آزاد تاریخ کی جب — کہا دل نے لکھ دے چراغ مناہی
۱۳۱۰ھ

(۱۷) البحث الجلیل المعروف مباحثہ دہلی | مولانائے مذکور سے سنہ ۱۸۹۰ء میں لارڈ بشپ لیفرائے سے فتحپوری مسجد میں جو مناظرہ ہوا اسکی مفصل تفصیل ہے۔ اردو کے علاوہ انگریزی میں بھی یہ مناظرہ چھپا ہے جس کا ترجمہ عبد الحی صاحب نے کیا ہے۔ اور مورنگ پولیس میں چھپا ہے۔ اس رسالہ کا سائز ۲۲×۱۸/۸ ہے جو ۴۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اُردو ترجمہ ۳۰×۲۰/۱۶ سائز پر چھپا ہے۔

(۱۸) مناظرہ غازی پور | ۸ مارچ سنہ ۱۸۸۶ء مولانا شرف الحق کا جو مناظرہ غازی پور میں پادری ای ٹیرک پرنسپل مشن سکول غازی پور سے ہوا۔ اسکی روئداد اس میں شائع کی گئی ہے۔ الہام علی اور تبارک حسین حضرات نے اس کو شائع کرایا۔ یہ رسالہ انگریزی میں طبع ہوا۔

تحفۃ البشیر لاعلاء کلمۃ البصیر المعروف بہ مناظرہ جھنکنڈہ | مولانا مذکور سے جھنکنڈہ میں خاص مناظرہ ہوا۔ پادری کے ساتھ اسکی کیفیت ہے اس مناظرہ کو نواب بشیر نواز جنگ بہادر صوبیدار صوبہ شرقی نے چھپوایا اور مرتب کیا۔ محمد علیم الدین صاحب نے

(۱۵) مولانا ابو المنصور دہلوی کی تقریباً (۱۵) معرکۃ الآرا تصنیف پر تبصرہ اور اسکی تفصیل مولانا کے حالات میں ملاحظہ کیجئے۔

(۳۴) تغلیط مؤلفہ مولانا نصرت علی صاحب:۔ یہ رسالہ جواب ہے رسالہ اندرونہ بائبل مروجہ قدیم مؤلفہ مسٹر عبد اللہ آتھم یہ کتاب نصرۃ المطابع میں چھپی۔

(۳۵) صیانۃ الانسان عن وساوس الشیطان۔ یہ کتاب مولانا حافظ ولی اللہ صاحب لاہوری (نابینا) کی تصنیف ہے جو پادری عماد الدین کے رسالہ تحقیق الایمان لاہور کا جواب ہے مطبع مصطفائی لاہور میں چھپا۔ سنہ ۱۸۷۲ء میں صفحات ۲۴۸ اور سائز ۳۰×۲۰ ہے (۳۶) ”ابحاث ضروری“ حافظ ولی اللہ صاحب کی دوسری کتاب جو سنہ ۱۲۸۸ھ میں چھپی اس میں مناظرے کی ضروری باتیں درج ہیں۔

(۳۷) براہین احمدیہ مولوی غلام احمد قادیانی کی مبسوط کتاب ہے۔ جس میں دو طریقہ سے مذہب اسلام کی حقانیت ثابت کی ہے۔ اول تین سو دلائل سے دوئم ان آسمانی نشانیوں سے جو بیچی ہیں ان کی سچائی ثابت کرنے کے لئے ضروری ہیں مولانا محمد علی مونگیری کی رائے ہے کہ حق یہ ہے کہ اشاعت حقیقت مذہب اسلام پر یہ عمدہ کتاب ہے۔ چار حصے اس کے مطبع سفیر ہند امرتسر میں چھپے ہیں۔

(۳۸) حجۃ الاسلام مصنفہ مولانا محمد قاسم میں اثبات توحید و رسالت و حقانیت اسلام لکھی گئی ۴۸ صفحوں پر مطبع فاروقی دہلی میں چھپا۔

(۳۹) گفتگوئے مذہبی ہے اس میں بحث ہے جو مولانا محمد قاسم صاحب اور پادری نولس صاحب کے درمیان میلہ خدا شناسی واقع شاہجہانپور میں ہوئی تھی۔ اور اسے مولوی ہاشم صاحب نے مرتب کیا تھا۔ یہ روئداد سنہ ۱۲۹۳ھ میں ۴۲ صفحوں پر مطبع ضیائی میرٹھ میں طبع ہوئی۔

(۴۰) فضائل الاسلام فی ذکر خیر الانام المعروف بتاریخ محمدی مصنفہ مولوی فیروز الدین صاحب ڈسکوئی۔ یہ عمدہ کتاب پادری عماد الدین کے ان ناپاک خیالات وفاسد گمانات کا جس کا نام انہوں نے تواریخ محمدی رکھا ہے جواب ہے مولوی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ علی العموم اقوام غیر کے مصنفین کی کتابوں سے جمع کیا ہے۔ اس کتاب کا جواب مولوی چراغ علی صاحب نے بھی دیا ہے جس کا نام تعلیقات ہے۔ جو مطبع منشی اصغر علی میں سنہ ۱۸۷۳ء میں چھپی۔

(۴۱) تنزیہ الفرقان۔ مؤلفہ مولوی سید محمد صاحب مدرس ہائی اسکول علی گڑھ۔ یہ کتاب ہدایۃ المسلمین پادری عماد الدین کی کتاب کا جواب ہے۔ جو سنہ ۱۸۷۷ء میں ۵۶ صفحات پر مطبع مفید عام میں چھپی۔

(۴۲) مخرج عقائد نوری:۔ مولوی غلام دستگیر قصوری نے یہ رسالہ پادری عماد الدین کے نغمہ طنبوری کے جواب میں چھاپا ہے جو سنہ ۱۸۷۳ء میں صفحوں پر سوسائٹی بریلی میں چھپا ہے۔ دوسرا جواب اس کا مولوی ابو المنصور نے لکھا ہے۔ جس کا نام لحن داؤدی ہے۔ تیسرا جواب مولوی سید محمد علی مجتہد لکھنوی نے لکھا ہے سنہ ۱۲۸۹ میں ۶۴ صفحوں پر مطبع حسینی لکھنؤ میں چھپا ہے۔ چوتھا جواب مولانا مولوی محمد علی منگری نے ترانہ حجازی کے نام سے لکھا۔

(۴۳) صداقت قرآنی از کتب ربانی:۔ یہ رسالہ مولوی محمد سلیم صاحب نے سر ولیم میور صاحب کے رسالہ شہادت قرآنی کے جواب میں لکھا ہے۔ اخبار منشور محمدی کی جلد ۶ مطبوعہ سنہ ۱۲۹۴ میں چھپا۔

(۴۴) انصاف الرفع الاختلاف۔ یہ رسالہ بھی مولانا موصوف نے ریویو ثلثہ ۱۲ کتب کا جواب منشور محمدی جلد ۶ میں چھاپا ہے۔

(۴۵) اظہار الاسلام بھی مولانا موصوف کی تیسری تصنیف ہے۔ جس میں وہ مناظرہ مندرج ہے۔ جو مولانا اور منشی الطاف مسیح کے درمیان رائے بریلی میں ہوا۔ جس پر منشی صاحب مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ۹۸ صفحوں پر ہے سنہ ۱۸۷۴ء میں مطبع فیض منبع بریلی میں چھپا یہ تینوں رسالہ اب تک لاجواب ہیں۔

(۴۶) تائید الفرقان۔ مولوی محمد علی صاحب مراد آبادی یہ رسالہ محبوب المسیح صاحب عیسائی کے مراۃ القرآن کے جواب میں ۷۲ صفحوں پر چھپا ہے۔ جس پر نام ہے منشی عبد اللہ باقی کا۔

کشف الاوہام۔ مولانا موصوف کا یہ رسالہ تحفۃ الاہم مولفہ محبوب مسیح کا جواب ہے۔ ۶۰ صفحوں پر چھپا ہے۔ محبوب مسیح اسکے چھپنے کے بعد عیسائی نہیں رہے۔

(۴۷) شہادۃ النبیین برسالۃ سید المرسلین یہ بھی مولانا موصوف کا تیسرا رسالہ جو پادری رجب علی کے رسالہ شریف نسبتین کا جواب ہے۔ ۱۳۰ صفحات پر لکھا ہوا ہے۔ دوسرا جواب اس کا تحقیق المماثلۃ فی النبوۃ والرسالۃ ہے۔ اس کے مؤلف قاضی سردار علی مرحوم شاہجہان پوری ہیں تیسرا جواب اس کا مرزا مواحد جالندھری نے لکھا ہے۔ جس کا نام نور محمدی ہے مطبع بحر الاسلام بنگلور میں چھپا ہے۔

(۴۸) تعریف القرآن۔ مولوی عبد الحق محدث دہلوی مولف تفسیر حقانی ماسٹر رامچندر کی کتاب رسالہ تحریف القرآن کا یہ جواب لکھا ہے جو ۹۰ صفحوں پر مطبع مجتبائی دہلی میں سنہ ۱۲۹۵ میں چھپا ہے جس کا کوئی جواب نصاری کو دینا نصیب نہیں ہوا۔

(۴۹) نہایۃ الشعور بجواب الحج المبرور۔ مولانا احمد شاہ لکھنوی نے یہ رسالہ حج کے شبہات میں جو عیسائیوں کو ہیں اس کے جواب میں دو مرتبہ چھاپا۔ ایک مرتبہ سنہ ۱۲۸۳ھ مطبع دار السلطنۃ میں دوبارہ منشی نولکشور کے مطبع سنہ ۱۲۹۰ ۲۲۴ صفحوں پر طبع ہوا۔

(۵۰) فیض معظم کتاب مولنٰنا موصوف کی تصنیف ہے اس میں عیسائیوں کے اس اعتراض کا جواب ہے۔ کہ خدائے تعالےٰ نے بہشت کی نعمتوں میں مرد اور عورت کو یکساں نہیں کیا۔ ۵۶ صفحوں پر ۱۲۹۳ھ میں مطبع نظامی کانپور میں چھپا۔

(۵۱) اجوبۂ عجیبہ بھی ..... مولنٰنا لکھنوی کی تیسری کتاب ہے اس میں مختلف سوالوں کے تحقیقی جواب ہیں۔ کثرتِ ازدواج طلاق وازالۂ نجاست ظاہری کی بحث بھی اس میں ہے۔ ۵۲ صفحوں پر مطبع نولکشور میں ۱۳۰۲ھ میں چھپی۔

(۵۲) شق القمر لمعجزۃ سید البشر مولوی عبداللہ صاحب نے یہ رسالہ معجزہ شق القمر کے اثبات میں لکھا ہے۔ ۱۰۰ صفحوں میں مطبع مفید عام آگرہ میں چھپا۔

(۵۳) السیف الہندی علی معذرات الکندی مولنٰنا عبداللہ نے رسالہ معذرات الکندی کا جو عربی زبان میں رسالہ ہے اور جو لندن سے ہندوستان بھیجا گیا تھا اس کا جواب ہے۔ مولنٰنا محمد علی منگیری پیغام ہدی میں لکھتے ہیں کہ یہ رسالہ شائع نہیں ہو سکا۔

(۵۴) اعلام الاحبار والاعلام ان الدین عنداللہ الاسلام۔ مولنٰنا عبدالباری نے اس مبسوط صحیح کتاب میں مذہب اسلام اور مذہب عیسوی کا مقابلہ کرکے اسلام کی افضلیت ثابت کی ہے۔ یہ کتاب ۱۲۹۳ھ میں انڈوکیشن پریس آگرہ میں چھپی۔

(۵۵) احسن الکلام فی رد مخالف الاسلام۔ حافظ احمد الدین لاہوری نے اس رسالہ میں اثبات نبوت حضور کیا گیا ہے۔ ۲۶ صفحہ میں مطبع مفید عام لاہور میں چھپی۔

(۵۶) دعوۃ الحق۔ مولوی احمد علی صاحب نے اس کتاب میں کفارہ مسیح کا بطلان کیا ہے۔ (۵۷) شہادۃ الاسلام حکیم مرزا مغل بیگ نے ثبوت نبوت میں ۱۳۰۱ھ ۳۲۴ صفحات پر مطبع نصرۃ المطابع دہلی چھپایا۔

(۵۸) خطبات احمدیہ۔ یہ سرسید مرحوم کی مشہور و معروف تصنیف ہے اس میں بارہ خطبے علیحدہ علیحدہ عنوان پر ہیں۔ اور ان شبہات کا خوب جواب دیا ہے۔ جو یورپین عیسائیوں خصوصاً سر ولیم میور صاحب نے کئے تھے۔ اگرچہ اس میں بعض مضامین اہل سنت کے خلاف ہیں مگر عیسائیوں کے لئے مسکت ہیں۔ یہ کتاب انگریزی زبان میں ۱۸۷۰ء میں چھپی اور ۱۸۷۰ء میں اردو میں علی گڑھ میں شائع ہوئی۔

(۵۹) تنقید الاسلام۔ یہ کتاب اس کے مصنف میر سید امیر علی بیرسٹرایٹ لا نے چھاپی اس میں اسلام کی فضیلت ثابت کی گئی ہے اس کا اردو ترجمہ ۱۸۸۵ء میں ہوا۔ اور ۳۰۲ صفحوں پر ۱۸۸۵ء میں چھپی۔

(۶۰) بشارات محمدی۔ مولوی رحم الٰہی نے عہد عتیق اور جدید کی بشارات سے آنحضرت کی ..... بہت سی خصوصیات کو ان کی کتابوں سے ثابت کیا یہ کتاب مطبع لیجری سوسائٹی دہلی میں ۲۸۲ صفحوں پر ۱۳۰۳ھ میں چھپی۔

(۶۱) ہشت کونسل معروف بدر بے بہا۔ حکیم محمد حسن صاحب دہلی امروہوی نے مذہب عیسوی کا اسلام سے مقابلہ کیا ہے ۱۲۹۱ھ میں ۳۲ صفحوں پر دہلی میں یہ کتاب چھپی

(۶۲) اعزاز عیسوی مولوی حاجی سید احمد حسن صاحب عظیم کا یہ رسالہ پادری ٹھاکر داس کے مایہ ناز رسالہ اظہار عیسوی کا جواب ہے۔

(۶۴) مراسلات مذہبی۔ شیخ مولا بخش صاحب چودھری کانپوری نے اس میں وہ مناظرہ تحریری جو ۱۸۸۶ء میں چودھری صاحب اور پادری فیلڈر کے درمیان ہوا تھا۔ یہ ۱۸۸۸ء میں ۴۴۰ صفحوں پر نامی پریس کانپور میں چھپا

(۶۵) تکمیل الادیان باحکام القرآن ملقب باآئینہ اسلام۔ یہ رسالہ مولنٰنا محمد علی منگیری رحمۃ اللہ علیہ نے نیاز نامہ کے اختلافات چہارم کے جواب میں جو ۱۳۰۱ھ میں چھپا۔

(۶۶) دفع البلبیسات مولنٰنا موصوف کی یہ کتاب بھی دو حصوں میں تعلیقات پادری عمادالدین کی کتاب کا جواب ہے۔ پہلے حصہ میں ثبوت نبوت آنحضرت ہے۔ یہ حصہ ۱۳۰۶ھ میں ۱۴۷ صفحوں پر مطبع نامی کانپور میں چھپا۔ دوسرے حصہ میں تواریخ محمدی کا جواب ہے۔

رہ اب تک چھپا نہیں ہے۔

(۶۷) یہ کتاب نیاز منشی صفدر علی اور پادری ٹھاکر داس کی عدم ضرورت قرآن کا جواب ہے۔ جو مولٰنا مونگیری کی تحقیقی کاوش کا نتیجہ ہے۔

(۶۸) عصمت الانبیاء مولوی غلام نبی امرتسری یہ رسالہ نبی معصوم کے جواب میں لکھا گیا ہے مطبع ریاض ہند میں چھپا اسمیں انبیا کا معصوم ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ نبی معصوم کا جواب مولٰنا ابوالمنصور نے لکھا ہے اسکا نام مرصوم ہے۔

(۶۹) تصدیق الاسلام۔ مولٰنا امرتسری نے اس رسالہ میں توریت وانجیل سے اسلام کا ثبوت دیا ہے۔ مطبع محمدی میں چھپا۔

(۷۰) معجزات محمدیہ مولوی غلام نبی نے اس رسالہ میں تین قسم کے معجزات قرآن مجید سے بیان کئے ہیں یعنی معجزات علمی اور معجزات قدرتی معجزات عقلی اور آخر میں چند اہل یورپ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں نقل کی ہیں۔ مطبع ریاض ہند امرتسر میں ۲۴ صفحوں پر ۱۳۰۵ھ میں چھپا۔

(۷۱) حقیقت اصلیت جہاد۔ اسم بامسمی ہے۔ یہ رسالہ بھی مولٰنا غلام نبی کی تالیف ہے۔

(۷۲) ضیاء النورین۔ مولوی سید نصرت علی صاحب نے یہ رسالہ پادری ٹھاکر داس کے رسالہ سیرت المسیح والمحمد جواب میں لکھا ہے۔ منشور محمدی کی جلد ۸ نمبر ۱ محرم الحرام اس کا چھپنا شروع ہوا۔ اور شاید نصرت المطابع دہلی میں علیحدہ بھی چھپا ہے۔

(۷۳) القول النجیح فی ردی المحمد والمسیح مولوی حکیم سید محمد غوث علی شاہ گورکھپوری کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ پادری ٹھاکر داس کے رسالہ رسالت المسیح والمحمد کا جواب ہے۔ ۱۳۰۳ھ میں ۲۷ صفحوں پر مطبع لطیف الاخبار گورکھپور میں چھپا ہے۔

یہ کتابیں جنکی تعداد ۷۲ ہوتی ہیں۔ ان میں اکثر پیغام محمدی سے لی ہیں۔ مولٰنا محمد علی صاحب اپنی اسی تصنیف میں لکھتے ہیں اس فہرست میں اگرچہ فاتحہ کتاب میں ۱۷ کتابوں کا نام لکھا گیا۔ مگر سولہ کتابوں کے نام ضمناً آئے ہیں۔ اس حساب سے ۸۷ کتابوں کے نام اس میں لکھے گئے۔ اگر اخبار منشور محمدی کی ہر ایک جلد کو علیحدہ کتاب شمار کیا جائے تو ۱۰۵ کتابیں کہہ سکتے ہیں۔ ہمارے دوست شیخ مولا بخش صاحب چودھری کانپوری نے مراسلات نبی میں ۱۰۸ کتابوں کے نام لکھے ہیں مگر اس میں منشور محمدی کو ایک ہی شمار کیا ہے۔ اور پانچ کتابوں کے نام میری فہرست میں ایسے ہیں جو اس میں نہیں ہیں۔ لہٰذا میرے حساب سے کل کتابیں ۱۱۲ ہوئیں۔

یہ وہ کتابیں ہیں جو مولٰنا نے ۱۳۰۳ھ میں لکھی ہیں

شہادت اسلام | حکیم مرزا مغل بیگ آپ نے اپنی زندگی بھنڈارہ ناگپور میں گذاری آپ داناپور، لکھنؤ کے رئیسوں میں سے ہیں۔ ۱۸۵۲ء میں آپ نے مدرسہ سرکاری طبابت بنگالہ سے پائی وہاں کے اساتذہ نے آپکو ایک سند دی جس میں لکھا ہے حکیم صاحب موصوف مہارت جراحی میں مہارت تامہ رکھتے ہیں آپ کمپنی کی دارالشفا کے میڈیکل ڈپارٹمنٹ کے ڈاکٹر تھے تیس سال ملازمت کے بعد ۱۸۷۹ء میں پنشن لی۔ اور اس کے بعد ایک رسالہ شہادت اسلام لکھا۔ پہلے انگریزی زبان میں طبع کرایا پھر اردو میں ۱۳۰۳ھ کے اندر نصرت المطابع دہلی میں چھپا۔ اس کتاب میں حضور کے بارے میں پیشگوئیاں جمع کی گئیں ہیں۔ حضرت عیسٰی کے ابن اللہ ہونے کی تردید میں انجیل سے حوالہ دیئے گئے ہیں۔ حضور پر اور حضرت زینب زوجہ زید کے بارے میں جو الزامات عیسائی لگاتے ہیں اس کے معقول و دندان شکن جوابات بھی لکھے ہیں۔

۵۴ شہادت الاسلام ص۔

بشارات محمدی خواجہ عبدالمجید کے والد کا نام غلام احمد تھا۔ دادا بہت مشہور عالم مولانا جمال الدین تھے۔ آپ نے عیسائیوں کی بدکلامی سے تنگ آکر رد نصاریٰ میں بشارت محمدی ۲۷۰ صفحات پر ایک ضخیم کتاب لکھی ہے۔

یہ کتاب سید عابد علی کے اہتمام سے مطبع حسینی میں ۱۳۰۵ھ میں طبع ہوئی۔ بڑی تقطیع ۲۰×۳۰ پر ہے۔ اس میں قرآن مجید تورات و زبور و انجیل کی پیشگوئیاں حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت کے بارے میں لکھی ہیں۔ حوالوں اور تفصیل کیساتھ لکھی گئی۔

تحقیق اناجیل مع تعلیم دوازدہ رسولان۔ مولینا محمد صادق علی: ریاست کھپور تھلہ میں اسسٹنٹ سول سرجن تھے آپکی رد نصاریٰ میں ایک تصنیف تحقیق اناجیل مع تعلیم .... دوازدہ رسولان ہے۔ آپ ... انگریزی، جرمنی، فرنچ زبانوں کے ماہر ہیں۔ چنانچہ آپ نے دوازدہ رسولان کا ترجمہ مذکورہ زبانوں سے کیا ہے۔

دوازدہ رسولان وہ رسالہ ہے جس کے بارے میں فلو تھیو میں پرانی اینیو میں جو یونانی زبان کا مشہور فاضل لبشپ ہے، اس نے ۱۸۷۵ء میں اس امر کا اشتہار شایع کیا کہ چند قلمی نسخے مسیحی مذہب کے ابتدائی زمانہ کے قسطنطنیہ کے کتب خانہ میں ہیں۔ یہ قلمی نسخے چمڑے کے چھوٹے چھوٹے ورقوں پر لکھے ہوئے تھے۔ اور انھیں میں یہ نسخہ تعلیم دوازدہ رسولان تھا جس میں یہ امر بھی ظاہر کیا تھا کہ ۱۰۵۶ء میں یہ نسخے نقل ہوئے تھے اور ان کا ناقل ایک شخص لیون نامی تھا۔ یہ بات مدت سے معلوم تھی کہ مسیحی کے ابتدائی زمانے کی اس قسم کی کتابیں لکھی گئی تھیں۔ لیکن ان کے نہ ملنے سے یہ خیال ہوا تھا کہ کہیں تلف ہوگئی ہونگی۔

قیاس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالہ ۱۲۰ء یا ۱۰۰ء میں لکھا گیا تھا غالباً ۱۲۰ء اور ۱۶۵ء کے درمیان لکھا گیا ہے۔ اب ۱۸۸۳ء میں اور اس کے بعد اس کے ترجمے کئی زبانوں میں ہوئے ہیں۔ مولانا صادق علی کو اس کا انگریزی ترجمہ باسٹن کی امریکن یونیٹیرین ایسوسی ایشن سے دستیاب ہوا۔ یہ نسخہ اناجیل مروجہ کے زمانہ کا لکھا ہوا ہے اور ترمیم و تحریف سے بہ نسبت انجیلوں کے زیادہ محفوظ رہا ہے۔ اور اس لئے اناجیل مروجہ سے زیادہ اعتبار کے لائق ہے۔

تحقیق اناجیل مولانا محمد صادق کی تالیف ہے۔ جس میں آپ نے نصرانی علماء اور کتب کے حوالوں سے نئے عہد جدید کتابوں پر تبصرہ کیا ہے کہ یہ مستند کتابیں نہیں ہیں۔ اور اس میں تحریف ہوئی۔ اس کے حسب ذیل عنوانات پر مشتمل آٹھ باب ہیں۔

(۱) اناجیل مروجہ کی صحت و سند
(۲) پہلی تین اناجیل کی تحقیق و کتب قدیمہ کے ذریعہ سے۔
(۳) چوتھی انجیل کی تحقیق۔
(۴) انجیلوں کے باہمی اختلافات و تناقضات۔
(۵) تناقضات معنوی
(۶) آیات موضوعہ و ملحقہ جو باقرار مسیحیان عہد جدیدہ میں پائی جاتی ہیں۔
(۷) انجیلوں کی پیشین گوئیوں کی تحقیق۔
(۸) عہد قدیم کی پیشین گوئیاں مسیح کی نسبت جو انجیلوں میں درج ہیں۔

پادریوں سے علمائے کرام کے مناظرے

ہندوستان میں مناظرہ کرنے کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ خطوط و پرچوں سے تبادلہ خیال ہو۔ اور دوسرا طریقہ یہ کہ پبلک مجمع میں یا مسجد و مندر گرجا یا کسی میدان تاریخ، وقت طے کرکے مناظرہ و مباحثہ کیا جائے۔

ہندوستان میں دوسرا طریقہ زیادہ موثر اور تبلیغ کا مفید اور کامیاب ہتھیار سمجھا جاتا ہے۔ شہرت کے اعتبار سے تحریری مناظرہ خاص درجہ نہیں رکھتا۔ عام مجمعوں کے مناظرے کافی دلچسپی اور پروپیگنڈہ کی طاقت رکھتے ہیں۔ اور باعث کشش ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ کافی تعداد میں ہوئے جس میں تقریباً ایک درجن تحریری و تقریری مناظرے تاریخی حیثیت رکھتے ہیں۔

پہلا مناظرہ شاہ عبدالعزیز

ہندوستان میں عیسائیوں سے مناظروں کا سلسلہ اکبری دور میں شروع ہوا۔ اکبری دور کے مناظر شیخ قطب الدین جالندھری مولانا عبداللہ اور شاہجہاں کے عہد کے مولانا سعد اللہ خاں تھے۔

اس کے بعد مختلف عہدوں میں پادریوں اور علماء کی چھیڑ چھاڑ مسلسل جاری رہی۔ اس چھیڑ چھاڑ کو مناظرہ کا اصل روپ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا۔ اور در اصل ہندوستان میں غلامی کی حالت میں عیسائیوں سے مناظرے کی بنا انہوں نے ہی رکھی۔ اور ذرہ برابر جھجک محسوس نہیں کی پہلا مناظرہ دہلی کی شاہی جامع مسجد میں ہوا۔ وہ شاہ صاحب موصوف اور پادری کا تھا۔ جبکہ آپ اس شاندار و تاریخی عمارت کے منبر پر کھڑے ہوئے کلام اللہ کی تفسیر فرما رہے تھے کہ ایک بڑے پادری جامع مسجد دہلی میں داخل ہوا۔ اس نے اپنی بلند آواز سے کہا کہ آپ قرآن شریف کا درس دینا بند کیجئے۔ اور میرے سوال کا جواب دیجئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ کیا سوال ہے اس نے اپنی ذہانت علمی اور قادر الکلامی سے اسی وقت کھڑے کھڑے ایک شعر موزوں کرکے پڑھا۔

کسے گفت از مصطفےٰ اعلیٰ است — کہ ایں زیر زمیں و آں بالائے سما است

اور کہا کہ اس شعر سے اولی العزمی اور بلند مرتبگی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ظاہر ہوتی ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ آسمان پر ہیں اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاک کے نیچے ہیں۔ حضرت مولانا نے فوراً اُس وقت جواب میں فرمایا۔

بلکہ مش کہ نہ ایں حجت قوی باشد — حباب بر سر آب و گہر تہ دریا است

بلکہ یوں سمجھنا چاہیئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر بمنزلہ حباب (بلبلہ) کے ہیں اور ہمارے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مانند گوہر نایاب ہیں۔ یہ جواب وہ پادری سن کر بہت خوش ہوا۔

یہ مناظرہ کا وہ دور تھا جب سوائے خاص سنگی نصرانی کے کوئی پادری زیادہ دلچسپی نہیں لیتا تھا اور نہ علماء کرام کا طبقہ خاص طور پر اس سے تعلق رکھتا تھا۔ ابھی مکمل طریقے سے انگریز ہندوستان پر قابض نہیں ہوتے تھے۔ اس لئے پادری اپنی مذہبی جدوجہد کو محدود رکھتے تھے لیکن جب ہندوستان ان کے قبضہ میں آگیا تو انہوں نے ٹڈی دل پادریوں کی فوج سے ہندوستان پر حملہ کیا۔ اس وقت پادری ہر ایک سے اڑتے تھے قابلیت اور مذہبیت کی فوقیت جتانے کے لئے گفتگو کی بھرمار ہوتی تھی۔ اور خاص طور پر علماء کرام کی خاموشی نے ان کو شیر بنا دیا تھا کسی حیثیت کا آدمی ہو اس سے الجھ پڑتے تھے چنانچہ اس وقت انفرادی مناظروں کی کوئی گنتی نہیں تھی۔ کوئی دن کوئی وقت خالی نہیں جاتا تھا کہ پادری کسی کو بھکانے کی کوشش میں مستغرق کہیں کھڑا ہوا نہ آتا ہو۔

مولانا ہادی کا عیسائی سے مناظرہ

انہیں مناظروں میں سے ایک مناظرہ اسی زمانہ کے ایک باہمت مسلمان نے کتابی شکل میں چھپوایا تھا۔ اس سے اس وقت کے پادریوں کی ذہنیت اور ان کے اعتراضات

کی حیثیت آشکارا ہو جاتی ہے۔

اس کتابی شکل کے مناظرہ کا نام رد نصاریٰ ہے جو ۲۰ دسمبر ۱۹۴۰ء میں چھپا ہے۔ اس کا چھاپنے والا بڑا باغی اور نڈر معلوم ہوتا ہے۔ اس پر کسی پریس کا نام نہیں ہے۔ یہ رسالہ ۲۰×۳۰/۱۶ پر ۶۲ صفحات پر مشتمل ہے اس کے کاتب کا نام سید یوعلی رضوی ہے جس نے اپنا نام کتاب کے آخر میں لکھا۔ یا مسلمانوں کی نمائندگی ایک مولوی صاحب نے کی جن کا نام محمد ہادی تھا اور عیسائیوں کی وکالت ایک عیسائی نے کی جس نے مذہبی عیسوی چھوڑ کر مذہب اسلام اختیار کیا تھا۔ اور اس کا اسلامی نام مرزا ہدایت بیگ رکھا گیا تھا۔

اس مناظرہ میں عیسوی سے مراد عیسائی ہے۔ اور محمدی سے مقصود مسلمان ہے۔ اس مناظرہ میں انہیں ناموں سے خطاب کیا گیا ہے۔ یہ مناظرہ اس طرح ہوا۔ کہ ایک عیسائی ایک متمول مسلمان کی دعوت میں آتا ہے۔ تو اس کو ایک علیحدہ جگہ پر بٹھا دیا جاتا ہے۔ جب سب لوگ کھا چکتے ہیں۔ تو اُس کے سامنے کھانا رکھا جاتا ہے۔ وہ کھانے سے انکار کرتا ہے کہ تم نے مجھکو اور دعوتیوں کے ساتھ کیوں کھانا نہیں کھلایا۔ میزبانوں نے کہا پہلا آپ کھانا کھا لیجئے اُس کے بعد وجہ بتادی جائیگی۔ کھانا کھانے کے بعد مولٰنا ہادی صاحب ان سے مخاطب ہوئے کہ آپ کے ساتھ امتیازی سلوک کیا گیا کہ آپ حضرات عیسٰیؑ کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ عیسوی نے کہا آپ غلط ثابت کیجئے تو میں اپنے مذہب کو چھوڑ دونگا۔ اگر آپ ثابت نہ کر سکیں تو آپ اپنا مذہب تبدیل کر دیں۔ یہ طے ہونے کے بعد مباحثہ شروع ہوا۔

عیسوی بولا تم محمدؐ صاحب کے بارے میں کہتے ہو کہ ان کو معراج حاصل ہوئی کہ ہم اسکو ناممکن سمجھتے ہیں۔ کیونکہ نہ آسمان پھٹتا ہے نہ پھٹنے کے بعد جڑتا ہے۔ اور نہ اُس کا دروازہ ہے۔

محمدی نے جواب دیا کہ اگر تم ان کو ناممکن سمجھتے ہو اور عیسائی ہو تو پولس نبی کا آسمان پر جانا کیسے ممکن ہوا جس کا پولوس نے اپنے مکتوب (باب ۱۲ آیت ۲تا۵) میں ذکر کیا ہے کہ تم ان دونوں حضرات کا آسمان پر جانا ناممکن سمجھتے ہو۔

عیسوی نے کہا ہم نے انجیل میں پڑھا ہے کہ عیسٰی قبر سے اُٹھکر آسمان پر چلا گیا ہے۔

محمدی:- آپ ہی یہ کہتے ہیں کہ آسمان میں دروازے نہیں ہیں۔ اور آپ ہی یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ عیسٰی آسمان پر ہیں اور اپنے باپ کے داہنے ہاتھ بیٹھا ہے۔ جب آسمان پر عیسٰی کا جانا ممکن ہوا۔ تو محمدؐ کا جانا بھی ممکن ہو رہا حضرت عیسٰی خدا کے بیٹے تھے۔ غلط ہے۔ پولس کا خط رمیوں کے نام " میں (پہلے باب آیت ۳تا۴) پولوس لکھتا ہے۔

خداوند یسوع مسیح کے حق میں جو جسم کی نسبت داؤد کے نسل سے ہوا۔ مگر مقدس روح کی نسبت قدرت کے ساتھ اس کے جی اُٹھنے کے بعد خدا کا بیٹا ثابت ہوا۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عیسٰی مرنے سے قبل خدا کے بیٹے نہیں تھے۔ بعد میں یہ اختراع ہوا۔ یہ صحیح ہے کہ حضرت مریم کے ہاں بعد شادی اور خاوند کے حضرت عیسٰی پیدا ہوئے لیکن یہ کہنا کہ وہ خدا کے نطفے سے تھے غلط ہے۔ خدا کی یہ عادت اور شان نہیں کہ وہ کسی کی بیوی کو اس کے شوہر سے ہم بستر ہونے سے قبل خود حاملہ کر دے اور اس کو ناحق اس کے شوہر سے علیحدہ کرا کر اور غیر کی ملکیت پر اپنا قبضہ جمائے اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے بے نیاز، وہ پاک ہے۔

عیسوی چراغ پا ہو گیا۔ آگ بگولہ ہو کے بولا رسول بہت پیدا ہوئے لیکن مسیح کی طرح کوئی بغیر باپ کے پیدا نہیں ہوا اس لئے ہم اس کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔

محمدی نے جواب دیا۔ مسیح بغیر باپ کے پیدا ہوئے خدا کے بیٹے بن گئے۔ لیکن حضرت آدم جو بے ماں باپ کے پیدا ہوئے اور جو انسانوں، نبیوں اور پیغمبروں کے باپ اور تمام ملائک اور ارواح کا مسجود ہو کیوں اس کو خدا کا بیٹا نہ مانا جائے۔ جب

حضرت آدم خدا کے بیٹے نہ ہوئے تو ابن آدم کیونکر خدا کا بیٹا بن سکتا ہے۔
عیسائی بولا بات تو معقول ہے لیکن کسی نبی نے ایسے معجزے نہیں دکھلائے جیسے مسیح نے دکھلائے محمدؐ نے تو معجزے دکھلانے سے انکار کر دیا تھا۔ پھر ان کی نبوت کا کیا ثبوت ہے۔
محمدی نے جواب دیا۔ یہ غلط ہے محمدؐ نے بہت سے معجزے دکھلائے۔ شق القمر کا معجزہ یہود و نصاریٰ کے اصرار پر ظہور میں آیا۔
عیسوی نے کہا۔ محمدؐ نے شق القمر کیا تھا تو تمہارے ملکوں میں چاند نظر آتا۔ اور ہمارے ملکوں میں بھی۔
محمدی نے جواب دیا۔ جزیرہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ خطِ استوا سے بیس درجے اور چوتھائی اور پانچویں حصہ پر واقع ہیں۔ وہاں کا دن تیرہ گھنٹوں کا ہوتا ہے۔ روم، ارمینہ اندلس کے خطِ استوا ۳ درجہ پر ہے وہاں کا دن پونے پندرہ گھنٹوں کا ہوتا ہے روس اور بڑے بڑے روم کے شہر اور شمال اندلیس خطِ استوا سے ۴۵ درجے اور دسویں حصہ پر واقع ہیں وہاں کا دن پندرہ گھنٹوں کا ہے اور جب مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں آفتاب غروب ہوتا ہے تو تمہارے ملک میں کہیں ڈیڑھ گھنٹے اور کہیں دو گھنٹے دن باقی رہتا ہے اور وہاں جب دو گھنٹے رات ہو جاتی ہے تو ہمارے شہروں میں شام ہوتی ہے۔ علیٰ ھذا القیاس بہت سے ملکوں میں ایسا ہی وقت کا اختلاف ہے۔ شق القمر جو مغرب کی نماز کے بعد ہوا تھا تمہارے شہروں میں دن کا وقت ہوگا کیسے دیکھا جاتا۔ جو شہر خطِ استوا کے نزدیک ہیں۔ وہاں البتہ نظر آتا ہوگا۔
عیسوی غور کرنے کے بعد بولا۔ ان شہروں کے بارے میں تو درست معلوم ہوتا ہے لیکن ہندوستان کے ملک جو خطِ استوا کے قریب ہے ہندوں کو کیوں نظر نہیں آیا۔
محمدی نے کہا۔ جو تمہاری کتابوں میں لکھا ہے۔ اُس کو تم نہیں مانتے تو ہندوں کی سند کو مانو گے دیکھو یوشع بن نون کی کتاب :۔
یوشع بن نون نے بنی اسرائیل کے روبرو ایبوں اور جبیوں کی لڑائی پر چاند اور سورج کو کامل ایک روز آسمان پر کھڑا کر دیا تھا۔ یہاں تک بدلہ لیا۔ پروردگار نے اس کے دشمنوں سے (باب ۱۰ آیت ۱۲ تا ۱۴)
یہودیوں کی تاریخ پڑھو :۔
چاند اور سورج کامل ایک روز کھڑے رہے اور غروب نہیں ہوئے تھے۔
اشعیا نبی کی کتاب کی ورق گردانی کیجئے :۔
اشعیا نبی کی دعا سے آسمان پر دس درجے آفتاب ہٹ گیا تھا خرقیاہ بادشاہ کے شفا پانے کی علامت ہوئی (باب ۳۸)
کیا اس واقعہ کا اندراج ہندوں نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ نہیں۔ تو کیا ان کے نہ لکھنے سے چاند سورج کا کھڑا رہنا باطل ہو گیا
عیسوی لاجواب ہو گیا۔
محمدی نے عیسوی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:۔ تم میں ایمانداری اور دینداری کی شان نہیں پائی جاتی نہ تمہارا عقیدہ درست، نہ عدل و انصاف، نہ سخاوت، راست بازی، نہ طہارت، نہ عبادت ہے۔ عدل چاہو تو سینکڑوں روپے اسٹامپ کے خرچ کے بغیر قدم نہیں اُٹھا سکتے۔ نماز روزہ کو مخل اوقات سمجھ رکھا ہے۔ نماز روزہ کے لئے صرف ہفتہ میں صرف ایک اتوار مقرر ہے اس لئے بھی طہارت کی ضرورت نہیں ہے۔ جس حال میں چاہو نماز پڑھ لو۔ حلال و حرام میں کوئی امتیاز نہیں کرتے کیا تم بتا سکتے ہو کہ عیسیٰ کی دین داری تھی۔ احتلام جنابت کے بعد غسل سے منع کیا ہے۔ کاغذ سے نجاست صاف کرنے کی اجازت دی ہے۔ نماز ایک دن پڑھتے تھے روزے بالکل نہیں رکھتے تھے سور کھاتے تھے۔ کہ یہ حکم تھا کہ حاملہ عورتوں کو ڈاکٹر جنایا کریں

پاکنسٹ کی رات تمام عورتیں بناؤ سنگار کر کے محفل میں مردوں کے ساتھ ناچا کریں۔ اور غیر مردوں سے بغلگیر ہو کر خصوص لنفس اپنا ایک دوسرے سے حاصل کریں اور شوہر بیٹھے ہوئے تماشا دیکھا کریں۔ تم عجیب انسان ہو کہ اپنی بیویوں کو غیر مردوں کے ساتھ بغلگیر ہوتے دیکھتے ہو۔ اور نہیں شرماتے بلکہ خوش ہوتے ہو۔

عیسوی نے کہا کہ ان سوالوں کا جواب کل پادری صاحب سے پوچھ کر دونگا۔ آج مجھے رخصت دیجئے دوسرے روز وعدے کے مطابق عیسوی آیا کہنے لگا کہ ہماری انجیل میں ظاہر ہے کہ پاکیزگی وطہارت اور عمل ظاہری کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ بلکہ دل کی طہارت کی ضرورت ہے اور اعتقاد درست ہونا چاہئے۔ جب ہم نے عیسیٰ مسیح پر ایمان کا اقتدار کر لیا تو ہمارا دل پاک ہو گیا۔ اس لئے ہمیں طہارت اور عمل کی ضرورت نہیں۔

محمدی نے جواب دیا:۔ جس کا ظاہر ناپاک ہے اس کا باطن کب پاک ہو سکتا ہے۔ جس طرح جسم بے جان مردہ ہے اسی طرح ایمان بے عمل مردہ ہے۔ یعقوب کے خط دوسرے باب کو دیکھو۔

جس نے رحم نہ کیا اس کا انصاف بیرحمی سے ہوگا۔ اور ستم عدل پر غالب ہوگا۔ اے میرے بھائیو اگر کوئی کہے میں ایمان دار ہوں اور عمل نہ کرتا ہو تو کیا فائدہ اُسے ایسا ایمان کیا اسے بچا سکتا ہے۔

عیسوی انجیل کی یہ آیتیں پڑھ کر متعجب ہوا۔ بہت سی چیزوں پر یہ دونوں کا باہمی تبادلہ خیالات کرتے رہے۔ آخر کار عیسوی مان گیا کہ اسلام برحق ہے اور وہ مسلمان ہو گیا۔

مولانا آل حسن کا پادری فنڈر سے مناظرہ

سب سے پہلے تحریری مناظرہ ۱۸۴۴ء میں مولانا آل حسن اور پادری فنڈر کے درمیان ہوا۔ یہ سات ماہ ۲۲ جولائی سے ۴ فروری ۱۸۴۵ء تک چلتا رہا۔ مراسلوں کی تعداد گیارہ ہے۔ جو ہر دو جانب سے سوال و جواب میں لکھے گئے۔ اس مناظرہ کی ابتداء پادری فنڈر نے کی اس نے لیڈلے کے معرفت مولانا آل حسن حسب ذیل مراسلہ تحریر کیا۔

بندہ نے سُنا ہے کہ جناب مباحثہ دینی کے شائق ہیں اور عقلا کے نزدیک حق جوئی بہترین امور ہے چنانچہ کمترین نے بھی دو ایک رسالہ اظہار حق کے لئے تصنیف کئے ہیں اس میں سے جناب کی خدمت میں میزان الحق اور طریق الحیات کتب روانہ کر رہا ہوں۔ آپ ان دونوں کتابوں کے اعتراضات کے جوابات دیں۔ بندہ امیدوار ہے کہ جناب میری عرض قبول فرما کر مباحثہ فرماویں۔ ۲۲ جولائی ۱۸۴۴ء

مولانا نے اس کا حسب ذیل جواب دیا۔

صاحب والا مناقب عالی مناصب زاد عنایتکم

گرامی نامہ آپکا مع میزان الحق اور مفتاح الاسرار اور طریق الحیات معرفت لیڈلی صاحب مجھے ملا۔ میں سرفراز ہوا۔ ایک کتاب اردو زبان میں چھپنی شروع ہوئی ہے۔ اس میں میزان الحق کے اعتراضات کے جوابات دئے گئے ہیں جب وہ تیار ہوگی۔ تو غالباً آپ کی نظر سے گذرے گی۔ مجھ سے مباحثہ کرنے کی جو شرطیں ہیں وہ پہلے طے کیجئے میری شرطیں یہ ہیں۔

(۱) ہمارے پیغمبر خدا کا نام با لقب تعظیم سے لینا اگر نہ ہو تو اس طرح لکھئے تھارے نبی یا مسلمانوں کے اور صیغہ افعال کے یا ضمائر ان کے متعلق تو بصیغہ جمع میں لکھئے جیسا اہل زبان بولتے ہیں ورنہ ہم سے بات نہ کی جائے گی اور نہایت رنج ہوگا۔

(۲) جب پیغمبر یا قرآن یا اسلام کی کوئی بات آپ کے نزدیک غلط ہو تو یوں لکھا کیجئے کہ یہ بات غیر واقعی ہے یا ثابت نہیں ہوتی یا محال ہے نہ یہ کہ جھوٹ اور بیہودہ اور لغو ہے۔ اس لئے ہمارے اہل تہذیب اسی طرح گفتگو کیا کرتے ہیں۔

(۳) جب کوئی بات الجھ جائے تو اس کے جواب کے لئے میعاد مقرر کر دی جائے کوئی میعاد ہفتہ سے کم نہ ہو۔

ہمارے پیغمبر خدا کی نسبت تعظیم کے صیغے اردو کے بامحاورہ اگر آپ کہیں گے تو اس سے یہ نہیں سمجھا جاتا ہے یا جائیگا کہ آپ نے ان کو مان لیا۔

پادری فنڈر نے تھوڑی سی حیل وحجت کے ساتھ ان شرائط کو حسب ذیل الفاظ میں منظور کیا۔

ہم از روئے عقل اور از روئے کلام ربانی یہ جائز سمجھتے ہیں جو اشخاص شریر نہیں ان کو تعظیم سے خطاب کریں لیکن کوئی اپنے آپ کو نبی کہے اور ثابت ہو کہ وہ نبی برحق نہیں تو اس کی تعظیم جائز نہ ہو گی اس لئے محمدؐ کا نام افعال وضمائر جمع کے ساتھ ذکر کرنا ہم سے محال ہے مگر جناب کی خاطرداری کے لئے اور مباحثہ میں کوئی خلل نہ پڑے لحاظاً یہ بات قبول ہے کہ محمدؐ کے بدلے تمہارا نبی یا تمہارا پیغمبر اور محمد نبی برحق نہیں کے محل پر تمہارا پیغمبر برحق نہیں محمدؐ نے کہا نام پر تمہارے نبی نے کہا اور جھوٹے نبی کے عوض نبی صادق یا نبی غیر صادق اور قرآن کی بات جھوٹ ہے اس کی جگہ یہ الفاظ خلاف یا خلاف عقل یا خلاف واقعہ یا خلاف توریت و انجیل ہے لکھیں گے۔ کیونکہ ان الفاظ سے آپ کے نبی کی تعظیم لازم نہیں آتی۔ ۳۱ر جولائی ۱۹۴۴ء

مولٰنا نے اس خط کا جواب ان الفاظ میں لکھا۔

یہ بات مسلم ہے کہ فیصلہ ہر نزاع کا اسی طریقہ پر ہوتا ہے جس پر فریقین کا اتفاق ہو۔ لٰہذا مباحثہ کرنے سے پہلے مجھے یہ آپ سے حسب ذیل چند باتیں دریافت کرنا ضروری ہیں۔

محال عقلی یہ کہ نفس الامر اسکے ہوسکنے کو کبھی کسی طرح عقل تجویز نہ کریں۔ مثلاً وجود لاوجود کہ دونوں کے معاً واقع ہونے عقل بلافکر محال جانتی ہے۔

محال عادی یہ کہ قطعی اسباب کی وجہ اس کا ہونا ممکن ومحال ہو مثلاً گھڑی بھر میں لاکھ کوس تک آدمی چلا جائے۔ یہ محال ہے۔

محال عقلی اور محال عادی بمعانی مذکورہ آپ کے نزدیک بھی کوئی چیز ہے یا نہیں اگر نہیں تو لکھئے۔ اگر ہے ایک محال عادی کے نہ ماننے سے محال عقلی کو ماننا پڑے تو عقلاً اس محال عادی کے ماننے کو باطل کہیں گے یا اس محال عقلی کے ماننے کو۔

۲ر اگست آل حسن

دو تین خطوں میں یاد دلانے کے بعد پادری صاحب نے اس سوال کا یہ جواب دیا تھا۔

عقل کو مباحثہ دینی میں صرف یہ دو کام ہیں پہلا یہ کہ عقل اس کتاب کو جسے کلام ربانی کہتے ہیں بدلائل معلوم اور یقین کرے کہ فی الحقیقت خدا کا کلام ہے یا نہیں۔

دوسرا یہ کہ کلام کا مطلب اور مضمون دریافت کرے نہ یہ کہ مضمون کا حاکم بنے اور مضمون کو محال اور باطل کہے۔ بلکہ جو مضمون آیت سے ثابت ہوتا ہے اس کو ماننا چاہئے خواہ عقل کو محال دکھائی دے خواہ ممکن۔ مباحثہ دینی میں عقل کو اتنا ہی دخل ہے اور عقل حاکم نہیں ہے بلکہ عقل محکوم کتاب ہے۔ ۱۴ اگست ۱۹۴۴ء اگشیش فنڈر۔ مولٰنا آل حسن نے جواب دیا کہ

یہاں میرا سوال یہ ہے کہ آیا دلائل مذکورہ سے عقلی دلائل مراد ہیں یا دوسرا کوئی اور کلام ربانی اگر دلائل عقلیہ مراد ہیں تو دلیل عقلی کا تقدم لازم اور محال کا قاعدہ عام ٹھیرانا پڑا اس لئے کہ جس چیز کا کسی صفت پہ ہونا عقل کی رو سے دریافت کرنا ہوتا ہے تو پہلا مرحلہ اس کا یہی ہے کہ آیا اس چیز کا اس صفت پہ ہونا عقلاً ممکن ہے یا محال اگر دلائل مذکورہ سے کوئی دوسرا کلام ربانی مراد ہے محاسن کلام کو ربانی جاننے کے لئے بھی کوئی دلیل چاہیئے ۱۷ر اگست۔ آل حسن

کافی بحث وتمحیص کے بعد جب پادری فنڈر نے یہ مان لیا کہ محال عقلی عام نہیں ہے تو مولٰنا نے اس کو حسب ذیل ۴ر فروری ۱۹۴۵ء کے خط میں خط وکتابت اور مناظرہ بند کرنے کے لئے حسب ذیل خط لکھا۔

اگر آپ اب بھی میری بات کو سمجھ نہیں سکے یا سمجھ سکتے ہیں مگر ویسے ہی جواب دینے والے ہیں جیسے کہ اپنے سابقہ خطوط دے چکے ہیں کہ قاعدہ محال عقلی عام نہیں ہے۔ تو میں آپ سے جواب نہیں مانگتا۔ بلکہ صرف اتنا عرض کرتا ہوں کہ مجھے

آپ سے کچھ گنجائش مناظرہ کی نہیں ہے۔ ورنہ آپ کو مجھ سے اور اس بات کا امیدوار ہوں کہ جہاں اگلی تحریریں چھپی ہیں اُس کے آخر میں یہ خط بھی چھپے۔ تاکہ ہر سمجھدار آدمی جان جائے کہ بات کس کی درست ہے۔ ۴ر فروری ۱۹۲۵ء آل حسن۔

عام مناظرہ کی ضرورت

پادریوں کی یک طرفہ کوشش اور بے پناہ تبلیغی جدوجہد!۔ خاص طور پر علماء کرام کی خاموشی سے مشنری کام کا ہندوستانیوں پر اور خاص طور پر جہلاء کے طبقہ پر کافی اثر ہونے لگا تھا۔ پادری علماء کی خاموشی سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے تھے۔ اور عام طور پر پروپیگنڈہ کرتے تھے کہ ہمارے مذہب کی حقانیت کا رعب اور اثر ہے کہ کوئی ہندوستانی عالم ہمارے اعتراضوں کا جواب۔ اور اپنے مذہب کی صداقت ثابت نہیں کرتا۔ اس اسٹیج پر علماء کرام نے ضروری سمجھا کہ اس فتنہ کا خاتمہ کیا جائے اور پادریوں کا زعم توڑا جائے اور عوام پر جو خوف و ہراس طاری ہے وہ باقی نہ رہے اور نصرانیت کی پول منظر عام پر آجائے۔ چنانچہ تیاریاں ہوئیں۔ مناظروں کے لئے مواد فراہم کیا گیا۔ اور علماء کرام نے خود مناظرے کی ہیں کی اور یہ ثابت کرنے کے لئے کہ ہم فرنگی پادریوں سے مرعوب نہیں ہیں چونکہ انکی خرافات کو جواب کے قابل نہیں سمجھتے تھے اس لئے خاموش رہے ورنہ ہم پر نچے اُڑا سکتے ہیں۔ اور اُڑانے کے لئے تیار ہیں آؤ۔ مناظروں سے حقانیت کا امتحان کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ ہمارا یقین ہے باطل مذہب عیسوی اسلام کی صداقت کے سامنے ٹھیر نہیں سکتا۔

یہی تخیل تھا علماء کرام کا جب اُنہوں نے فرنگی نصرانیت کے خلاف فیصلہ جہاد کیا۔ ملاحظہ ہو علماء اسلام کے ردنصاریٰ کی جنگ کے کمانڈر انچیف حضرت العلامہ مولانا رحمت اللہ علیہ کا فرمان۔

> میں نے ہندوستان کے سب سے بڑے پادری جو علماء مسیحین میں ممتاز حیثیت کا مالک اور میزان الحق کا مصنف تھا اس سے خواہش ظاہر کی کہ وہ میرے ساتھ مجمع عام میں مناظرہ کرے تاکہ حق واضح ہو جائے۔ اور یہ معلوم ہو جائے کہ علمائے اسلام نے ان رسائل کی تردید اس لئے نہیں کی کہ وہ عاجز تھے بلکہ جواب دینے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے
>
> (میزان الحق ص۳)

اس فرمان کو آپ نے کس طرح عملی جامہ پہنایا خود اپنے شفیق مولوی محمد امیر اللہ (جن سے پادری فانڈر کا بھی ملنا جلنا تھا) کے ساتھ پادری فانڈر کے مکان پر گئے۔ کہ اس سے مناظرے کے بارے میں طے کریں۔ سو وہ نہیں ملا تو آپ نے ہی خود اس کو خط لکھا۔ کہ ہم کو مولوی امیر اللہ صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ آپ رد اسلام میں مصروف ہیں اور تحریری و تقریری مناظرہ کا شوق رکھتے ہیں۔ اگر درست ہے تو دن، مقام مقرر کر کے مطلع کیجئے۔ اُس نے تھوڑا سا گریز کرتے ہوئے کہ میری تو کوئی خواہش خاص نہیں ہے لیکن اگر مناظرہ ہو تو برا بھی نہیں،، مناظرہ کرنا منظور کیا۔

مولٰنا رحمت اللہ اور پادری فانڈر کا مناظرہ

خط و کتابت ۲۳ر مارچ ۱۸۵۴ء سے شروع ہوئی اور فریقین کے نو نو خطوط کی آمد و رفت کے بعد مولٰنا رحمت اللہ علیہ کے آخری خط، اپریل پر ختم ہوئی۔ پندرہ دن اس لئے لگے کہ پادری فرنچ صاحب علی گڑھ گئے اس عرصہ میں مناظرہ، عنوان، مناظرہ کا ساتھی جگہ، وقت تاریخ تمام چیزیں طے ہوئیں۔ صرف ایک بات پر یوں ہی سا اعتراض ہوا۔ کہ جیرمین کی ضرورت نہیں ہے۔ ہو تو یورپین نہو۔ اردو جاننے والا مسلمان ہو لیکن طرفداری کا شبہہ ہو سکتا تھا۔ اس لئے مولٰنا نے فرمایا اس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اس فیصلہ سے پادری فانڈر نے بھی اتفاق کیا۔

پہلے روز کے مناظرہ کی کارروائی

چنانچہ علی الصباح پیر کے روز ۱۱ر اپریل ۱۸۵۴ء مطابق ۱۱ر رجب ۱۲۷۰ھ کو مناظرہ کا پہلا اجلاس شروع ہوا۔

مولانا رحمت اللہ کے ساتھی ڈاکٹر وزیرخاں اور پادری کے ساتھی پادری فرنچ تھے دوران جلسہ میں مسٹر اسمتھ حاکم صدر دیوانی مسٹر کرسچن سکنڈ صدر بورڈ مسٹر ولیم مجسٹریٹ علاقہ فوج مسٹر لیدلی، پادری ولیم گلبن صاحب مفتی حافظ ریاض الدین صاحب مولوی فیض احمد صاحب سررشتہ دار، صدر بورڈ جناب مولوی حضور احمد، مولوی امیر اللہ صاحب میر مختار کار راجہ صاحب بنارس جناب مولوی قمر الاسلام امام جامع مسجد اکبر آباد جناب منشی خادم علی مہتمم مطبع الاخبار سراج الحق صاحب تشریف فرما ہوئے۔

پہلے پادری فانڈر اٹھا اس نے کہا کہ یہ جاننا ضروری ہے کہ مناظرہ کیونکر منعقد ہوا۔ یہ مولانا رحمت اللہ کی سعی و کوشش اور خواہش کا نتیجہ ہے۔ میرے نزدیک اس سے فائدہ کی صورت نظر نہیں آتی اگرچہ میری تمنا یہی ہے۔ کہ دین عیسوی کی حقیقت اہل اسلام کے سامنے رکھوں۔ مباحثہ کے عنوان نسخ تحریف، الوہیت جنابِ مسیح و تثلیث اور رسالت محمدؐ طے ہوئے ہیں۔ اس تشریح کے بعد پادری فانڈر بیٹھ گیا۔

بحث نسخ

مولانا رحمت اللہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے میزان الحق کی فصل دویم باب اول کی عبارت پڑھی قرآن اور اس کے مفسرین دعویٰ کرتے ہیں کہ جس طرح زبور کے آنے سے، توریت اور انجیل کے نازل ہونے سے زبور منسوخ ہوئی اسی طرح انجیل بھی قرآن کے ظاہر ہونے سے منسوخ ہو گئی۔

مولانا نے فرمایا کہ قرآن مجید اور مفسرین سے جو یہ دعویٰ منسوب کیا گیا ہے غلط ہے قرآن مجید میں اور نہ تفسیروں میں ایسا کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس سورہ بقر کی ۸۱ آیت **وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ الخ** ہے اس کی شرح تفسیر عزیزی میں اس طرح مرقوم ہے۔

حضرت موسیٰ کے بعد یکے دیگرے حضرت یوشع، حضرت الیاس، حضرت الیسع، حضرت شمویل حضرت داؤد حضرت سلیمان، حضرت لیثعا، حضرت ارمیاد، حضرت یونس حضرت عزیر حضرت حذقیل، حضرت ذکریا، حضرت یحییٰ، اور ان کے علاوہ چار ہزار لوگ اللہ تعالیٰ نے بھیجے ان کے بھیجنے کا مقصد موسیٰ کی شریعت جاری کرانا تھا جس میں بنی اسرائیل نے سستی اور حقارت کی وجہ سے تبدیل کر دی تھی۔

سورہ نساء کی آیت ۱۶۱ **وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا** کی تفسیر تفسیر حسینی میں اس طرح کی گئی۔

ہم نے داؤد کو زبور عطا کی۔ اس میں صرف اللہ کی حمد و ثنا ہے۔ وہ امر و نہی سے خالی ہے۔ توریت کی شریعت ہی داؤد کی شریعت ہے۔

اسی طرح مسلمانوں کی دوسری کتابوں میں درج ہے۔ پادری فانڈر نے کہا کہ تم انجیل کو منسوخ سمجھتے ہو یا نہیں مولانا صاحب نے فرمایا بلا شبہہ جس عمل کے ساتھ انجیل کے معنی بھنائے جاتے ہیں اس کو منسوخ سمجھتا ہوں۔ مگر آپ کا مذکورہ دعویٰ غلط ہے پادری نے کہا جن مسلمانوں کے ساتھ میں گفتگو کرتا ہوں ان سے یہ میں نے سنا ہے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ یہ انصاف کے خلاف ہے۔ کہ کسی مسلمان کی سنی ہوئی بات قرآن مجید اور مفسرین کے ذمہ ڈال دیں۔ پادری نے کہا بلاشک غلطی ہوئی۔
اس کے بعد مولانا نے ارشاد فرمایا نسخ کے وہ معنی جو اسلامی اصلاح میں رائج ہیں آپ نے اسلامی کتب میں دیکھیں ہیں یا نہیں۔ پادری نے کہا آپ فرمائیے۔ مولانا نے کہا میرے نزدیک نسخ امر و نواہی کے لئے ہے۔ چنانچہ تفسیر معالم التنزیل میں ہے۔

والنسخ انما يعترض على الاوامر والنواهى دون الاخبار۔

اس لئے قصوں اور خبروں کو ناقابل نسخ سمجھتا ہوں۔ اور اسی لئے امور عقلیہ جو قطعیہ ہوں مثلاً خدا موجود ہے کو قابل نسخ نہیں جانتا ہوں۔ مولانا نے عالمانہ و فاضلانہ طریقے سے نسخ کی حیثیت تمثیلات کے ساتھ پیش کیں۔ پادری غور سے سنتا رہا جب آپ نے اچھی طرح ذہن نشین کرا دیں تو پادری نے کہا آپکے ہاں انجیل کے کون کون سے حکم منسوخ ہیں۔ مولانا نے فرمایا جیسے طلاق

کے ناجائز ہونے کے بارے میں پادری صاحب نے کہا آپ کے نزدیک تمام انجیل منسوخ ہے۔ مولٰنا نے فرمایا ذیل کے حکم کی موجودگی میں تمام انجیل کو منسوخ نہیں کہہ سکتا۔

اور تو خداوند کو جو تیرا خدا ہے اپنے سارے دل سے اور اپنی ساری جان سے اور اپنی ساری عقل سے اور اپنے سارے زور سے پیار کر۔ اول حکم یہی ہے۔

اور دوسرا جو اس کے مانند ہے یہ ہے کہ تو اپنے پڑوسی کو اپنے برابر پیار کر۔ اس سے بڑا کوئی حکم نہیں ہے (مرقس باب ۱۲ آیت ۳۱) پادری نے کہا کہ انجیل منسوخ نہیں ہو سکتی کیونکہ جناب مسیح کا قول ہے۔ آسمان و زمین ٹل جائیں گے پر میری باتیں نہیں ٹلیں گی (لوقا باب ۲۱ آیت ۳۳)۔

ڈاکٹر محمد وزیر خاں صاحب نے فرمایا کہ یہ قول عام نہیں ہے بلکہ پیشین گوئی کے بارے میں ہے جس کا ذکر سابقہ آیت میں جناب مسیح نے فرمایا ہے۔ اس کے معنے یہ ہیں اگر آسمان بھی ٹل جائیں لیکن میرے قول پیشین گوئیوں کے بارے میں نہیں ٹلیں گے۔ پادری صاحب نے فرمایا عام ہے۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے تفسیر ڈوائی اور رچرڈ مینٹ کی عبارت (جو کہ متی باب ۲۴ آیت ۳۵ کی شرح میں ہے لیکن یوقا کی عبارت کے مطابق ہے) دکھائی کہ عملی تفسیر یہ ہے۔ بشپ پیرس کہتا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ میری پیشینگوئیاں یقیناً کامل ہیں۔ ڈوین اسٹاین ہوپ کہتے ہیں (حضرت مسیح فرماتے ہیں) کہ آسمان و زمین جو دوسری چیزوں کے مقابلہ میں ناقابل تبدیل ہیں لیکن وہ بھی ایسے محفوظ نہیں ہیں جیسے میری پیشینگوئیاں۔ تمام چیزیں مضبوط ہونے کے باوجود مٹ سکتی ہیں لیکن تبدیل نہیں ہو سکتیں اور ایک سوشہ بھی اس قول کا جو میں نے بیان کیا ہے مقصد سے تجاوز نہیں کر سکتا۔

پادری صاحب سے فرمایا کہ مفسرین کی تحریر میرے وعدے کے خلاف نہیں ہے کیونکہ وہ یہ نہیں کہتے کہ یہ پیشینگوئی زائل نہیں ہوگی۔ اور باقی زائل ہو جائیں گی ڈاکٹر وزیر خاں صاحب نے جواب دیا کہ باتوں کا اس سے تعلق ہوتا تو صرف پیشینگوئی کی تصریح کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ پادری صاحب یہی فرماتے رہے کہ عام ہے ڈاکٹر صاحب نے کہا ہم اپنے دعوی کیساتھ گواہ پیش کر رہے ہیں اور آپ بغیر گواہ کے مدعی ہیں۔ پادری نے اس کا بھی جواب نہیں دیا۔ بلکہ دوسری آیت پطرس والی پڑھ دی "تم نہ تخم فانی سے بلکہ اس سے جو غیر فانی ہے یعنی خدا کے کلام سے جو زندہ اور ابد تک قائم رہتا ہے"

اس آیت کے مطابق خدا کا کلام دائمی ہے منسوخ نہیں ہوتا۔ مولٰنا نے فرمایا ایسی ہی آیت اشعیا میں بھی ہے۔ اس کی عبارت یہ ہے۔

گھانس پژمردہ اور پھول افسردہ ہو سکتا ہے۔ لیکن ہمارے خدا کا کلام ابد تک قائم ہے۔

اس آیت کے بعد آپ لازم ہو جاتا ہے کہ کسی بھی امر و نہی کو منسوخ نہ سمجھیں۔ پادری نے کہا توریت میں نسخ ہو چکا ہے لیکن ہم توریت کے بارے میں اس وقت بحث نہیں کر رہے ہیں۔ مولٰنا نے فرمایا کہ متی میں ہے۔

یہ خیال مت کرو کہ میں کتاب منسوخ کرنے آیا ہوں۔ میں منسوخ کرنے نہیں آیا بلکہ پوری کرنے آیا ہوں کیونکہ میں سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین نہ ٹل جاویں ایک نقطہ ایک شوشہ توریت کا ہرگز نہ مٹے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو۔

اس کے باوجود آپ توریت کے احکام کو منسوخ سمجھتے ہیں۔ پادری صاحب نے کہا اب میری بحث توریت کے بارے میں نہیں ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کیوں آپ کی بحث کا تعلق توریت سے نہیں حالانکہ ہم توریت و انجیل کو ایک سمجھتے ہیں اور جناب نے بھی میزان الحق کے فصل دوئیم میں اس طرح لکھا ہے کہ انجیل مقدسہ عہد عتیق کسی وقت بھی منسوخ نہیں ہوتی۔ پادری صاحب نے کہا اس جگہ میں نے یہ لکھا ہے مگر اس وقت تمہاری بحث صرف انجیل پر ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا حواریوں کے عہد میں احکام توریت کے منسوخ ہونے کے چند چیزوں کو حرام کیا تھا۔ بتوں کی قربانی، قربانی کا خون اور زنا فی الحال زنا کے سوا اور کسی چیز کی حرمت باقی نہیں ہے۔ اس لئے مسیح انجیل میں بھی منسوخ ہوا ہے۔ پادری صاحب نے کہا ان چیزوں کی حرمت میں اختلاف ہے۔ اور بعض قائل نہیں ہیں۔ بتوں کی قربانی کو حرام جانتا ہوں۔ مولانا صاحب نے فرمایا پولوس مقدس نے فرمایا ہے۔

میں نے یقین کر کے جانا کہ اب کوئی چیز ناپاک نہیں لیکن جو اس کو ناپاک جانتا ہے۔ اس لئے ناپاک ہے۔ (خط پولوس بنام رومیہ باب ۱۴ آیت ۱۴)

دوسری جگہ یہ کہا ہے:۔ "پاک لوگوں کے لئے سب کچھ پاک ہے پر ناپاکوں اور بے ایمانوں کے لئے کچھ پاک نہیں ہے بلکہ ان کی عقل اور اعتبار کرنیوالے دل ناپاک ہیں۔ (خط پولوس باب ۱) پادری صاحب بولے کہ انہیں آیات کیوجہ سے بعض علماء ان اشیاء کے حلال ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ مولانا صاحب نے کہا کہ جناب مسیح نے حواریوں کو یہ حکم دیا۔ سامری کے کسی شہر میں داخل نہ ہوں بلکہ پہلے اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی چیزوں کے پاس جانا۔ اس کے بعد ان کو حکم یہ ہوا۔

"تم دنیا کے ہر ایک مخلوق کے سامنے انجیل کی منادی کر دو"

گویا دوسرے حکم نے اول کو ناسخ قرار دیدیا۔ پادری صاحب نے فرمایا کہ خود مسیح نے حکم اول کو فرمایا۔ مولانا صاحب نے فرمایا یہ صحیح ہے کہ مسیح نے موقوف کیا مگر یہ تو ثابت ہوا کہ نسخ کلام مسیح میں جائز ہے مولانا رحمت اللہ اس موقع پر پادری فنڈر کی ایک اور عبارت کا جو میزان الحق میں بھی ذکر کیا جس میں مسلمانوں سے مہمل خیالات و قیاس منسوب کئے گئے تھے۔ وہ عبارت یہ تھی۔

اور وہ دعوی کہ گویا قرآن کی وجہ سے انجیل اور یہ اپنے عہد کی کتابیں منسوخ ہو گئی ہوں۔ ایسا دعویٰ دو وجہ سے غلط ہے۔ اول وجہ یہ کہ نسخ مان لینے سے دو نقص لازم آتے ہیں اول یہ کہ خدا کا ارادہ یہ ہوا کہ توریت کو دیکر ایک اچھا اور فائدہ مند کرے پر نہ ہو سکا پھر اس کے بعد اس سے بہتر زبور دی جب اس سے بھی مطلب نہ نکلا تو اس کو بھی منسوخ کر کے انجیل دی جب اس سے بھی فائدہ نہ ہوا آخر قرآن سے مقصد پورا کیا۔

مولانا موصوف نے فرمایا کہ ان قیاسات کا تعلق مسلمانوں سے نہیں ہے بلکہ پولوس مقدس سے ہے وہ عبرانیان میں فرماتے ہیں۔

پس عملاً قانون اس لئے کہ کمزور اور بے فائدہ تھا اٹھ گیا (عبرانیوں باب ۷ آیت ۱۸)

اس پولوس کے خط آٹھ باب میں پولوس مقدس مکرر لکھتے ہیں۔

اگر وہ پہلا عہد بے عیب ہوتا تو دوسرے کے لئے جگہ تلاش نہ ہوتی ... اور جب اس نے پہلے کو پرانا ٹھہرایا۔ پر وہ جو پرانا اور خوردہ ہے سو مٹنے کے نزدیک ہے۔

آپ نے توجہ فرمائی احکام توریت کو ضعیف، بے مصرف، منسوخ فرماتے اور توریت کو پرانی، عیب دار معرض زوال کا خطاب دینے کا مقدس پولوس نے ہی انجام دیا۔

پادری صاحب نے سنا اور خاموش ہو گئے جواب کچھ نہیں دیا۔ مولانا رحمت اللہ نے فرمایا یہ چند صفحات جو میزان الحق میں ہیں اس قابل ہیں اس کو اپنی اس کتاب میں سے نکال دیں۔

پادری فرنچ نے کہا کہ میں سابقہ گفتگو میں کہہ چکا ہوں کہ توریت کے وہ احکام جس کا تعلق حضرت مسیح کی نشانیوں سے تھا منسوخ ہو گئے ہیں۔ اور وہ نسخ بھی مناسب تھے۔ کیونکہ مسیح نے ان کو کامل کر دیا تھا۔ البتہ مسیح کے حق میں جو پیشین گوئیاں وہ منسوخ نہیں ہوئیں۔ یہ کہکر پادری فرنچ نے انجیل اٹھا کر باب دس نامہ عبرانیان کی یہ عبارت پڑھی۔

کیونکہ شریعت جو آنے والی نعمتوں کی پرچھائیں ہے اور اُن چیزوں کی حقیقی صورت نہیں سال سال اُنہیں قربانیوں سے جو وہ ہمیشہ گذرانتے اُن کو جو پاس آتے ہیں کبھی کامل نہیں کر سکتی۔ نہیں تو ان قربانیوں کا گذراننا موقوف نہ ہو جاتا۔ کیونکہ عبادت کرنے والے ایک بار پاک ہو کے آگے کو اپنے تئیں گنہگار نہ جانتے ان قربانیوں سے برس برس گناہوں کی پھر یادگاری ہوتی ہے۔ کیونکہ ہو نہیں سکتا کہ بیلوں اور بکروں کا لہو گناہوں کو مٹا دے اس لئے وہ دنیا میں آتے ہوئے کہتا ہے کہ ذبیحہ اور ہدیہ تو نے نہ چاہا۔ (آیت ۱ تا ۶)

توریت کی اس آیت اور دوسری کتابوں کے اشارے حضرت مسیح سے متعلق تھے مسیح کے آنے کے بعد تمام کی اُنھوں نے تکمیل کر دی اور انجیل کے متعلق ایک طرف بھی اشارہ نہیں ہے کہ ان کے آنے سے انجیل منسوخ ہوئی۔ ڈاکٹر وزیر خاں صاحب نے فرمایا کہ اگر ہم تسلیم کرلیں کہ مسیح کی آمد سے احکام توریت مکمل ہوگئے تو وہ احکام جو مسیح سے قبل موقوف شدہ ہیں ان پر نسخ کا اطلاق جائز ہے یا نہیں۔ پادری فرنچ نے کہا کہ وہ کون سے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا مثل حکم ذبح جو قوانین کے سترھویں باب میں ہے۔ یہ جو استثنا کے باب ۱۲ آیت ۵ تا ۲۲ کی وجہ سے منسوخ ہوئے۔ پادری صاحب ان آیتوں کی تفسیر جلد اول مطبوعہ ۱۸۲۲ء میں لکھتے ہیں۔ یہ حکم منسوخ ہے اس کے بعد ہارن لکھتے ہیں کہ فلسطین کے داخلہ سے قبل چہل سال ہجری مصری میں یہ حکم منسوخ ہوا۔ پادری صاحب سنکر خاموش ہوگئے۔ ڈاکٹر وزیر خاں صاحب نے فرمایا اس وقت یہ ثابت کہ ہوا کہ کلام الٰہی میں نسخ محال نہیں چنانچہ تمام پادری علی الخصوص مفتاح الحق کے مصنف پادری فانڈر کا دعویٰ تھا کہ نسخ کلام الٰہی میں محال ہے جب اس صورت میں نسخ کا امکان پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا تو نسخ کا وقوع انجیل میں آنحضرت کی رسالت کے بعد آشکارا ہو جائیگا۔ پادری فانڈر نے کہا نسخ کی گفتگو ختم ہوئی اب تحریف پر بحث کی جائے۔ اس کے بعد تحریف پر بحث کا آغاز شروع ہوا۔

بحث تحریف

مولانا رحمت اللہ نے تحریف کی شکل متعین کرنی چاہی کہ لفظی ہو یا معنوی طے نہ ہو سکا تو مولانا صاحب نے فرمایا کہ جسٹن شہید کا جب طریفوں سے مناظرہ ہوا تو اُس نے چند پیشینگوئیوں کا ذکر کیا اور دعویٰ کیا کہ یہودیوں نے کتب مقدس سے خارج کر دیا ہے اس سلسلہ میں مولانا نے عیسائیوں کے مستند مفسرین و محققین اور مستند کتب مثلاً کتب واٹسن، سلبرجیس، ہارن صاحب وائٹیکر صاحب اور ڈاکٹر اے فلاک وغیرہ کی کتابوں کے حوالہ مذکورہ جسٹن کے دعویٰ کی تائید میں پیش کرکے فرمایا یا تو جسٹن کے دعویٰ کو سچا مانئے یا جھوٹا۔ اگر سچے ہیں تو ہماری بات درست ہے۔ اگر جھوٹے ہیں تو افسوس کا مقام ہے کہ عیسائیوں کے بڑے بڑے مقتدر رہنما اس قدر دروغ گو تھے۔ کہ خود اپنی طرف سے چند پیشین گوئیوں کو جعلی بنا کر کلام الٰہی کا جز قرار دیا۔ پادری صاحب نے فرمایا کہ جسٹن ہی ایک آدمی تھا اس سے سہو ہوا۔ مولانا صاحب نے فرمایا کہ اس سے سہو نہیں بلکہ قدیم جمہور علماء اس سے متفق ہیں۔ پادری صاحب نے کہا عہد عتیق کے بارے میں مسیح نے گواہی دی ہے۔ دوسری گواہیوں کے مقابلہ میں ان کی شہادت زیادہ معقول ہے اور وہ یہ ہیں۔

(۱) اگر تم موسیٰ پر ایمان لاتے ہو تو مجھ پر بھی ایمان لاتے اس لئے کہ اُس نے میرے حق میں لکھا ہے۔ (یوحنا باب ۵ آیت ۴۶)

(۲) اور موسیٰ اور نبیوں سے شروع کرکے وہ باتیں جو سب کتابوں میں اس کے حق میں ہیں ان کے لئے تفسیر کیں (لوقا باب ۲۴ آیت ۲۷)۔

(۳) اس نے اس سے کہا کہ وہ موسیٰ اور نبیوں کی نہ سنتے تو اگر مردوں میں سے کوئی اٹھے تو اس کی نہ مانیں گے (لوقا باب ۱۶ آیت ۳۱)

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ آیتوں سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتاب اس وقت موجود تھی نہ یہ کہ لفظ بلفظ موجود تھی۔ بیہلی صاحب جن کی سند پادری فانڈر نے حل الاشکال میں لکھی ہے۔ وہ اقرار کرتے ہیں کہ شہادت مسیح سے اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتاب اس زمانہ میں موجود تھی نہ یہ کہ ہر لفظ اور ہر جملہ کی تصدیق کرتے ہیں۔ پادری صاحب نے فرمایا میں پلی کو اس وقت نہیں مانونگا۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ تعجب ہے۔ کہ آپ اسکی کتاب کو معتبر کتاب تسلیم کرتے ہیں اگر اس کو مستند نہیں مانتے تو میں آپ کی بات

اس سلسلہ میں معتبر نہیں مانتا۔ پادری صاحب نے کہا جیریمی نے کتب عہد عتیق کے بارے میں حضرت کی شہادت نقل کر دی آپ کو چاہئے کہ تحریف انجیل ثابت کریں۔ ڈاکٹر صاحب نے متی کی حسب ذیل آیت سنائیں۔

سب پشتیں ابرہام سے داؤد تک چودہ پشتیں ہیں اور داؤد سے بابل کو اٹھ جانے تک چودہ پشتیں اور بابل کو اٹھ جانے سے مسیح تک چودہ پشتیں ہیں۔ (متی باب ۱ آیت ۱۷)

اور پادری صاحب کو مخاطب کر کے کہا بتائیے کہ طبقہ دوم کے چودہ نام کون سے تھے۔ پادری نے جواب دیا یہ میرا کام نہیں ہے۔ لیکن جناب فرمائیں کہ تمام نسخوں میں تو اسی طرح ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا موجودہ نسخوں میں ہیں۔ لیکن خدا جانتا ہے کہ سابقہ نسخوں موجود تھا یا نہیں لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ غلط ہے۔ پادری صاحب نے فرمایا کہ غلط ہونا اور بات ہے اور تحریف دوسری بات ہے۔ اگر مکمل انجیل الہامی ہے اور غلطی کا الہام میں امکان نہیں تو اس صورت میں بلاشبہ محرف ہے۔ اگر الہامی نہیں ہے تو اس حالت میں دوسرا مقصد حاصل ہوگا۔ پادری صاحب نے فرمایا کہ تحریف وہی ثابت ہوگی کہ عبارت نشان ا وہ قدیم نسخہ میں نہیں ہے اور حال کے نسخہ میں ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے یوحنا میش کی پادری صاحب نے تائید فرمایا اس جگہ اور دوسری جگہ بھی تحریف ہوا ہے۔ اس موقعہ پر مسٹر اسمتھ حاکم صدر دیوانی جو پادری فرنچ صاحب کے پاس بیٹھے تھے۔ پادری فرنچ سے انگریزی میں معلوم کیا کیا بات ہے۔ پادری فرنچ نے جواب دیا کہ یہ لوگ کتب ہارن اور دیگر مفسرین کے آٹھ سات مقامات کہ جس میں تحریف کا اقرار ہے رسنہ کے ساتھ دکھا رہے ہیں۔

اس بات کی تائید کرنے کے لیے پادری فنڈر سے ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ ہم تسلیم کر لیں کہ سات آٹھ جگہ تحریف و تبدیلی ہوئی ہے۔ مولوی قمر الاسلام صاحب امام جامع مسجد اکبرآباد نے منشی خادم علی خان صاحب مہتمم مطلع الاخبار سے فرمایا کہ تم لکھو کہ پادری صاحب آٹھ جگہ تحریف ہونے کے اقراری ہیں۔ پادری فانڈر سے یہ بات سنی تو کہا ہاں بہت اچھا ہے لکھئے۔ اور کہا اتنی تعداد میں تحریف ضروری ہے۔ لیکن کتب مقدسہ میں اس سے نقصان نہیں ہوا ہے۔ پادری فانڈر نے کہا کہ دو مسلمان اور دو معزز عیسائی انصاف کریں اور پھر مفتی ریاض الدین کی طرف متوجہ ہو کر بار بار فرما رہا تھے کہ آپ انصاف کیجئے۔ آپ نے آخر میں فرمایا کہ جس وثیقہ میں ایک جگہ ثابت ہو جائے۔ تو وہ وثیقہ قابل اعتبار نہیں رہتا۔ کجا کہ آٹھ سات جگہ۔ وقت کافی ہو چکا تھا۔ پادری صاحب کے ایما پر پہلے روز کے مناظرہ کی کارروائی دوسرے دن کے لئے ملتوی کر دی گئی۔

دوسرے دن کے مناظرہ کی کارروائی

دوسرے روز پھر کو مناظرہ ۱۱ اپریل ۱۸۵۴ء ۱۲ رجب ۱۲۷۰ھ علی الصباح مقررہ مقام پر منعقد ہوا جس میں مسٹر اسمتھ صدر دیوانی مسٹر ریڈ حاکم صدر بورڈ، مسٹر ولیم مجسٹریٹ علاقہ فوج مسٹر کسیشن ولیم گلین، پادری ہارلی اور جناب مفتی ریاض الدین، مولوی اسد اللہ قاضی القضات جناب مولوی فیض احمد سررشتہ دار صدر بورڈ، جناب مولوی حضور احمد، جناب مولوی امیر اللہ صاحب مختار راجہ بنارس، جناب مولوی قمر الاسلام امام جامع مسجد آگرہ، جناب مولوی امجد علی وکیل سرکار کمپنی، جناب مولوی سراج الحق اور جناب منشی خادم علی مہتمم مطلع الاخبار، مولوی امیر علی شاہ، مولوی قمر الدین خان، مہتمم اسعد الاخبار، مولانا مظفر علی شاہ جعفری القادری، سید صفدر علی شکوہ آبادی، پنڈت جگل کشور، مولوی فیض احمد بدایونی۔ امیر اللہ وکیل، مولوی حسین الدین، سید باقر علی ناظم محکمہ دیوانی، مولوی کریم اللہ خان کچہرالیونی، صدر الصدور مفتی اسد اللہ خان۔ سید حافظ حسین حافظ خدا بخش، ڈاکٹر الہام اللہ گوپاموی، مفتی انعام اللہ ساحر، قاضی باقر علی خان ہمدانی، راجہ بلوان سنگھ کاشی، مولوی سید مددعلی قریش، مرزا زین العابدین عابد، محمد عبدالرشید کولوی۔ ڈاکٹر مکند لال، حکیم فرخند علی گوپاموی، مفتی اکرام گوپاموی سید تفضل حسین، ڈاکٹر وزیر الدین فرخ آبادی، حکیم جواہر لال، غلام محمد خان خلیفہ گلزار علی اسیر، غلام قطب الدین خان بطن، مولوی سراج الاسلام امام جامع مسجد پٹیالہ اور غدر کے چند علماء اور رؤسائے شہر موجود تھے۔

پہلے دن کے مناظرہ کا قدرتی طور پر چرچا خوب ہو گیا تھا جسکی وجہ سے دوسرے دن کی حاضری دوسرے دن سے دگنی تھی یعنی ہزار کے قریب حاضرین کی تعداد تھی۔ ساڑھے آٹھ بجے کارروائی شروع ہوئی۔ پادری فانڈر اُٹھے ہاتھ میں میزان الحق تھی فصل اول میں سے قرآن مجید کی چند آیات پڑھنی شروع کی چونکہ آیات درست الفاظ میں نہیں پڑھ رہے تھے اس لئے قاضی القضات نے فرمایا کہ حضرت ترجمہ پر اکتفا فرمائیں لفظ کی تبدیلی سے معنی بدل جاتے ہیں پادری صاحب نے فرمایا مجھ کو معاف فرمائیں۔ یہ میری زبان کا قصور ہے۔ اس کے بعد یہ آیات پڑھیں۔

وقل اٰمنت بما انزل اللہ من کتاب و امرت لا عدل بینکم اللہ ربنا وربکم لنا اعما حجۃ بیننا وبینکم۔

آپ کہہ دیجئے اللہ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں بیشک ایمان لاتا ہوں اور اور مجھکو یہ حکم ہوا ہے کہ تمہارے درمیان عدل رکھوں اللہ ہمارا مالک بھی ہے اور تمہارا بھی مالک ہے ہمارے اعمال ہمارے لئے، اور تمہارے اعمال تمہارے لئے ہماری تمہاری کچھ بحث نہیں۔

ولا تجادلوا اھل الکتاب الا بالتی ھی احسن الا الذین ظلموا منھم وقولوا اٰمنا بالذی انزل الینا وانزل الیکم والٰھنا والٰھکم واحد ونحن لہ مسلمون

(سورہ العنکبوت)

اور تم اہلِ کتاب کے ساتھ بجز مہذب طریقہ کے مباحثہ کرو ہاں ان میں جو زیادتی کرے ہاں ان سے کہو ہم اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل ہوئی اور ان کتابوں پر بھی جو تم پر نازل ہوئیں اور ہمارا تمہارا معبود ایک ہے ہم تو اسی کی اطاعت کرتے ہیں۔

الیوم احل لکم الطیبات وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم وطعامکم حل لھم

(سورہ مائدہ)

آج تمہارے لئے حلال چیزیں حلال رکھی گئیں ہیں جو کتاب والے ان کا ہر آپ کا ذبیحہ تم کو حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کو حلال ہے۔

وھم یتلون الکتاب (سورہ البقر)

تم پڑھتے رہتے ہو کتب۔

انزل التوراۃ والانجیل من قبل ھدی للناس (اٰل عمران)

ان آیتوں میں کتاب اور اہل کتاب کا ذکر ہے اہلِ کتاب سے یہود نصاریٰ مراد ہے جس سے معلوم ہوا محمدؐ کے زمانہ میں توریت وانجیل موجود تھی اور مسلمان اس کو تسلیم کرتے تھے اور اس کو دین کا ہادی سمجھتے تھے محمدؐ کے زمانہ میں اس کے اندر تحریف نہیں ہوئی تھی۔

مولانا رحمت اللہ نے فرمایا ان آیتوں سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ سابقہ زمانہ میں خدا کا کلام نازل ہوا تھا اس پر ایمان لانا چاہیے۔ توریت انجیل میں سابقہ نازل شدہ کتابیں ہیں۔ اور محمدؐ کے زمانہ میں موجود تھیں اگرچہ محرف تھیں ان آیات سے ہرگز یہ بات ثابت نہیں ہوتی بلکہ جا بجا قرآن میں اہلِ کتاب کے تحریف کرنے کا ذکر ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے۔ لا تصدقوا اھل الکتاب ولا تکذبوا یعنی اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب۔ پادری صاحب نے فرمایا احادیث کا حوالہ مت دیجئے بلکہ قرآنی آیات، دلیل میں پیش کیجئے۔ مولانا صاحب نے فرمایا قرآن سے ہی یہ چیزیں ہمیں معلوم ہوئیں جس کا اقرار آپ نے میزان الحق میں صاف طور پر کیا ہے۔ پادری صاحب نے کہا۔ سورہ بینہ کی آیات سے مجھکو یہ معلوم ہوا کہ محمدؐ کے زمانہ سے قبل انجیل میں تحریف نہیں ہوئی۔ اس کے بعد عبارت میزان الحق پڑھی جس کی فصل سوم میں سورہ بینہ تحریر ہے یہ آیات پڑھیں۔

لم یکن الذین کفروا من اھل الکتاب والمشرکین منفکین حتی تاتیھم البینہ رسول من اللہ یتلوا صحفا مطھرۃ فیھا کتب قیمہ وما تفرق الذین اوتوا الکتاب الا من بعد ما جاءتھم البینہ۔ (سورہ بینہ)

جو لوگ اہل کتاب اور مشرکوں میں سے کافر تھے وہ باز نہ آنے والے تھے جبتک کہ اُنکے پاس واضح دلیل نہ آتی یعنی اللہ کا رسول جو انکو پاک صحیفے پڑھکر سناوے جس میں درست مضامین لکھے ہوئے ہوں۔ اور جو اہل کتاب تھے وہ اس واضح دلیل آنے کے بعد مختلف ہو گئے۔ حالانکہ ان لوگوں کو بھی یہی حکم ہوا تھا۔

پادری صاحب نے فرمایا کہ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے حضور اقدس کے ظہور کے بعد اپنی کتابوں میں تحریف ۔ ظہور سے قبل نہیں کی اس کے بعد کہا کہ مصنف کتاب استفسار جو انتہائی مشہور ہیں اور ان کو ہر شخص جانتا ہے، کہ وہ مولوی آل حسن ہیں انہوں نے اپنی کتاب کے ص ۲۳۹ میں آیت مذکورہ کی اس طرح تشریح کی ہے۔

یہ کہ اسی نبی سابق الانتظار کے اعتقاد رکھنے سے جدا یا اس کے اعتقاد رکھنے میں مختلف و متفرق نہیں ہوئے مگر جب یہ نبی آیا۔ ان معنوں کے راہ سے البتہ یہ کہا جا سکتا ہے ۔ کہ نبی آخر الزماں کی نشانیوں میں اسکے ظہور کے زمانہ تک کچھ تحریف و تبدیل نہیں واقع ہوئی۔

مولانا رحمت اللہ نے جواب میں فرمایا ان آیات کا ترجمہ جمہور مفسرین نے اس طرح کیا ہے ۔ اور شاہ عبدالقادر نے خود بھی پسند کیا ہے۔

> نہ تھے وہ لوگ جو منکر ہوئے کتاب والے (یعنے یہود اور مسیح) اور شرک والے (یعنی بت پرست) باز آنے والے (یعنے اپنے دین اور بری رسموں اور برے عقیدوں سے مثل عدم اعتقاد نبوت جناب مسیح کے جیسا یہود کو تھا اور اعتقاد تثلیث کے جو عیسائیوں کو تھا اور مانند اسکے) جب تک نہ پہنچے ان کو کھلی بات ایک رسول اللہ کا پڑھتا ورق پاک ان میں (یعنی سورتیں ستھیوں) اور نہیں سوتے وہ جن کو ملی کتاب یعنے اپنے دین اور رسموں اور عقیدوں سے اسطور پر کہ بعضوں نے ان کو چھوڑ کر اسلام قبول کیا اور بعضے تعصب سے انہیں پر قائم رہے) مگر جبکہ آچکی ان کو کھلی بات (یعنی رسول اللہ اور قرآن)

شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ آخری آیۃ کے ترجمہ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں۔

حضرت کے سے پہلے سب دین والے بگڑ گئے تھے ہر ایک اپنی غلطی پر مغرور اب چاہیے کہ کسی حکیم یا کسی ولی یا کسی بادشاہ عادل کے سمجھائے راہ پر آویں سو ممکن نہ تھا جب تک ایسا رسول نہ آوے عظیم القدر ساتھ کتاب اللہ کے، اور مرد قوی کے، کہ کئی برس میں ملک کے ملک ایمان سے بھر گئے۔

ان آیات کا ماحصل صرف اس قدر ہے کہ مشرکین اہل کتاب اپنے افعال شنیعہ سے باز نہیں آتے تھے جب تک ان کے پاس عظیم القدر رسول نہ آئے آپ کے آنے کے بعد بھی اہل کتاب آپ کے مخالف ہوئے۔ تعصب بیجا اور عناد کی وجہ سے۔

رہا صاحب استفسار کی عبارت اس کو غلط طریقہ اور بد نیتی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے ۔ انہوں نے خود اس ترجمہ و خیال کا جواب دیا ہے ۔ جواب ملاحظہ ہو۔

"سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس استدلال سے" درصورتیکہ صحیح اور درست کیا جائے" انتاہی ثابت ہوا کہ صرف نبی کے لئے جو بشارتیں تھیں ان میں تحریف و تبدیل نہیں واقع ہوئی ۔ مگر بعد ظہور اس نبی کے ۔ نہ یہ کہ بائیبل میں اور کہیں کسی طرح کی خرابی نہیں ڈالی گئی۔

اس جواب کے بعد مولنا آل حسن کی عبارت کو اپنی تائید میں پیش کرنا غلط ہے ۔ مولنا آل حسن نے اپنی تمام تصنیف میں تحریف کا بھانڈا پھوڑا ہے۔

مناظرہ دراصل یہاں ختم ہو جاتا ہے ۔ یہاں سے جو گفتگو چلتی ہے ۔ اس کو پادریوں کا گریز کہنا چاہئے ۔ مذکورہ بحث کا جواب پادری صاحب کے پاس نہ تھا تو جواب دینے کے بجائے دوسرا سوال اٹھا دیا ۔ قرآن مجید میں جس انجیل کا ذکر ہے وہ وہ کونسی ہے ۔ یہ پہلا سوال تھا ۔ اس میں ڈاکٹر وزیر خان صاحب نے پادریوں کو خوب الجھایا ۔ اچھی خبر لی ۔ کافی دیر تک سوال و جواب ہوتے رہے ۔ اس کے بعد اصل عنوان کی طرف آئے ۔ تو مولنا نے پادری سے کہا کہ ہمارا مذہب وہ ہے جو میں نے ظاہر کیا ہے۔ اگر آپ کو یقین نہ ہو اس کی دلیل دیجئے ورنہ تسلیم کیجئے ہم اقرار کرتے ہیں کہ کلام ربانی حضرت مسیح پر نازل ہوا ۔ لیکن ہم اس بات کو نہیں

مانتے کہ اس مجموعہ میں تغیر و تبدل نہیں ہوا۔ اور حواریوں کا کلام ہمارے نزدیک انجیل نہیں ہے۔ انجیل ہمارے نزدیک اسی قدر ہے کہ مسیح کا قول الہام کے مطابق ہو۔ جو کچھ چار کتابوں میں نقل ہوا ہے اس کا درجہ حدیث احاد کا سا ہے۔ اس تغیر و تبدل کا سبب یہ بھی ہے کہ اس زمانہ میں پوپ کا قبضہ ہو گیا تھا جبکہ عام طبقہ کو انجیل پڑھنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی اسی وجہ سے مسلمانوں کی نظر میں آئیں:۔

اس مقام پر پادری فرنچ صاحب تیز ہو گئے بولے کہ تم تو ہماری انجیل سخت معیوب سمجھتے ہو اور پوپ صاحب نے کوئی خرابی نہیں کی۔ اس کے بعد ترشی بڑھنے لگی پادری فانڈر قرآن کے نسخوں کے بارے میں حضرت عثمان کا قصہ عراق بیان کرنا چاہتا تھا۔ مولانا صاحب نے فرمایا کہ یہ ذکر خارج از بحث ہے۔ لیکن آپ فرماتے ہیں تو اس کا جواب سنئے پادری صاحب جو آپ انجیل پر اعتراض کر رہے اس لیے میں نے تعریفیں (چھیڑا) کی ترشی ختم ہوئی تو پادری فرنچ نے اپنے ساتھ ایک تحریری جواب الشمس مجھے اس کو پڑھنا شروع کیا جس کا خلاصہ یہ تھا۔ انجیل میں ہمارے علماء تیس چالیس ہزار جگہ اختلاف عبارت بیان کرتے ہیں یہ اختلاف ایک نسخوں میں نہیں بلکہ بہت سے نسخوں میں تھے۔ چنانچہ حساب سے فی نسخہ چار سو یا پانچ سو اختلاف ہوتے ہیں بعض غلطیاں بدعتوں کی وجہ سے ہوئیں چنانچہ ڈاکٹر گریہزنگ انجیل متی میں تین سو ستر غلطیاں آیتوں اور لفظوں میں نکالی ہیں۔ ان تمام میں بڑی غلطیاں ستر ہیں ان سے چھوٹی بڑی غلطیاں ۳۲ ہیں اور لقایا بہت چھوٹی چھوٹی ہیں ہمارے علماء ان غلطیوں کی تصحیح کر رہے ہیں جس کتاب کے زیادہ ہیں اُس کی درستگی میں آسانی ہوتی ہے اور جس کے نسخے کم ہیں اسکی تصحیح میں دشواری ہوتی ہے۔ ہمارے علماء کا کہنا ہے کہ ان اغلاط کے علاوہ اور کوئی غلطیاں نہیں ہیں اور مسیحی دین کو ان غلطیوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچا ہے اس کے علاوہ جواب کے لئے ڈاکٹر صاحب مستعد ہوئے تو پادری فانڈر نے ان کو روکا کہ آپ ہر مرتبہ جواب کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اور نے کہکر خطاب کیا۔ ڈاکٹر صاحب مولانا صاحب کی طرف متوجہ ہوئے اس پر مفتی حافظ ریاض الدین فرمایا اول تحریف کے معنی بیان کیجئے مولانا صاحب نے تحریف کے معنے بیان کئے کہ تحریف وہ تغیر ہے جو زیادہ خواہ نقصان۔ جو تبدیل بعض الفاظ ہونا عام ہو، خواہ تغیر ارادہ خیانت یا شرارت ہو، وہم کے غلبہ سے ہو یا بطور اصلاح ہو میرا دعویٰ ہے کہ وہ کتاب مقدس میں تحریف کا راستہ اختیار کرتے ہیں اگر آپ انکاری ہوں تو ثبوت دیجئے اس پر پادری صاحب سہو کاتب کا جھگڑہ لے بیٹھے۔ بعد میں مولانا صاحب کی تشریح کو قبول کیا۔ لیکن اس کا نام سہو کاتب رکھا۔ اس کے بعد پادری نے کہا کہ سہو کاتب متن میں نہیں ہے۔ متن سے مقصود الوہیت مسیح، کفارہ شافع۔ اور ان کی مقصود ہے۔ چنانچہ متن پر مناظرہ سلسلہ ٹوٹا پادری صاحب کا اسرار تھا کہ متن کو تسلیم کرو۔ مولانا صاحب نے انکار کیا۔ مناظرہ ختم ہوا۔

مولانا رحمت اللہ کے بعد ڈاکٹر وزیر خاں صاحب کا پادری فانڈر سے تحریری مناظرہ ہوا۔ اس مناظرہ کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

ڈاکٹر وزیر خاں سے پادری فنڈر کا تحریری مناظرہ

مولانا رحمت اللہ کے مناظرہ کے بعد ڈاکٹر وزیر خان صاحب سے بھی پادری فنڈر کا مناظرہ ہوا۔ یہ مناظرہ عام تقریری نہ تھا بلکہ تحریری تھا۔ جو یکم مئی ۱۸۵۴ء سے شروع ہوا۔ اور ناخوشگوار تحریروں کی بناء پر ۱۶ اگست ۱۸۵۴ء کو ختم ہو گیا۔ یہ مناظرہ تین ماہ تک رہا۔ اس میں ڈاکٹر صاحب نے ۱۴ مراسلے پادری فنڈر کو بھیجے اور پادری فنڈر نے ان کو گیارہ خط روانہ کئے۔ مناظرہ کی ابتداء پادری فنڈر نے کی۔ مناظرہ کرنے کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ ان کو اپنے حسب ذیل خط کے ساتھ کتابیں روانہ کر دیں۔

پادری صاحب کا پہلا خط

جناب ڈاکٹر محمد وزیر خاں صاحب سلامت

سلام کے بعد التماس یہ ہے تین جلدیں انگریزی کتابیں اس پر گر صاحب کی تصنیفات ہیں برائے مطالعہ بھیج رہا ہوں جو آپ مطالعہ کر لیں تو واپس کر دیں۔ بندہ کیشش فانڈر ۵ ارمئی ۱۸۵۴ء

ڈاکٹر صاحب کا پہلا خط

شفیق مخلصاں کیشش فنڈر سلامت

تین جلد انگریزی کتابوں کی آپ کی موصول ہوئیں ایک اُس میں ڈاکٹر برگر صاحب کی تصنیف ہے۔ آپ کے نامہ کے ساتھ پہنچیں۔ مجھے ممنون فرمایا۔ لیکن ان کے بھیجنے کا مقصد معلوم نہ ہو سکا۔ کیا مباحثہ جناب سرور کائنات صلعم کے متعلق چاہتے ہیں یا صرف مطالعہ کی غرض سے بھیجی ہیں اگر دوسری بات ہے تو یہ کتابیں بھیجنا بیکار ہیں۔ میں ان کو پڑھ چکا ہوں۔ جو کچھ سیل صاحب نے قرآن شریف ترجمے کے مقدمے میں لکھا ہے وہ بھی دیکھا۔ اور تاریخ محمدی اور رنگ صاحب اور تالیفات مصنفان لائبریری آف یوسفل کالج بھی مطالعہ میں آئی ہیں۔

ان کتابوں کے علاوہ ایکسی ہوموا ور تاریخ یسوعی استراس صاحب اور کتاب بولنجر اور تصنیفات آسپائے نوزا اور چھ رسالے ولسن صاحب، اور کتاب مورل فلاسفر اور کتاب تارمس پین کی اور کتاب موسوم بہ جے ہو وانو یلڈ اور تصنیفات ہو مین اور والئیر و یانصری وغیرہ مسیحیوں کی کتب بھی میرے مطالع سے گذری ہیں۔ آپ کو ان کتابوں کے پڑھنے کا اتفاق نہ ہوا ہو گا۔ اگر آپ کی نظر سے یہ کتابیں گذرتیں تو آپ ہرگز یہ کتابیں مجھکو نہ بھجواتے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ ان کتابوں کا مطالعہ کریں۔ اس کے بعد ہی طعن تشنیع کا حوصلہ اور منصف دل اجازت دے تو ان کتب مرسلہ کی مطالعہ کی درخواست مجھ سے فرماویں۔ اگر یہ کتابیں آپ کے پاس موجود نہ ہوں تو روانہ کر سکتا ہوں۔ علاوہ ازیں مرسلہ کتب کے اکثر مطالب بے اصل اور بے بنیاد ہیں۔ وہی بہتان کہ مسلمان زبور توریت کو ناسخ سمجھتے ہیں آپ نے لگایا ہے اس کو بھی یہ کتابیں دھرا رہی ہیں۔ اس صورت میں مباحثہ اگر مقصود ہے تو بے فائدہ ہے۔ پہلے آپ مولانا رحمت اللہ کی کتابوں کا جواب دیجئے۔ اس کے بعد اگر مباحثہ کرنا ضروری ہو اپنے کتب دینیہ سے ہاتھ دھو کر اور ان کو موافق اصلاح اہل الاسلام کے منسوخ و محرف مانکر تثلیث کے میدان میں قدم رکھئے جب یہ مسئلہ طے ہو جائے گا تو حضرت خاتم المرسلین کی نبوت کے عنوان پر گفتگو کی جاویگی۔ آپکی مرسلہ کتابوں کو رکھنا فضول سمجھتا ہوں۔ یہ تینوں جلدیں واپس بھیجدی ہیں۔ کتاب اسپر کے بجائے آپ اگر تاریخ یسوعی ڈاکٹر نبر ڈلیو فریدرک استراس کی اردو میں ترجمہ فرمائیں تو مفید ثابت ہو گی۔

پادری صاحب کا دوسرا خط

۲۰ رمئی ۱۸۵۴ء کو ڈاکٹر محمد وزیر خاں صاحب جواب دیا

پادری فنڈر مناظرہ نکرنے کے بارے میں کچھ نہیں لکھتا لیکن ان کے خط کے جواب میں ان پر طعن و تشنیع کرتا ہے اور دہریہ کا الزام دیتا ہے اسی طرح خط و کتابت اور مناظرہ کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ وہ جواب میں لکھتا ہے۔

تعجب کرتا ہوں کہ تامس پاین اور ڈاکٹر استراس صاحب جیسے اصحاب کی کتاب کو آپ پسند کرتے ہیں یہ تو مسیحی نہیں بلکہ جملہ منکرین میں سے ہے اور دہریہ قسم کے ہیں۔ چونکہ آپ انکی کتاب کو معقول جانتے ہیں تو یہ شبہ ہوتا ہے کہ شاید جناب بھی ان کے زمرہ میں سے ہیں چنانچہ ملت اسلامیہ میں بھی ایسے باطنی اور ظاہری دہریہ ہیں۔ ڈاکٹر استراس کی کتاب منکرین کی نظر میں معقول ہے۔ دو کتابیں اس کے جواب میں مسیحی علماء نے لکھی ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کا دوسرا خط

بندہ کشش فنڈر صاحب ۲۹ رمئی ۱۸۵۴ء

ڈاکٹر صاحب نے بھی ترکی بترکی جواب دیا۔

مجھے کمال تعجب ہوا۔ کہ جناب نے یہ کس طرح سمجھا کہ میں ان کی کتابوں کو معقول سمجھتا ہوں میں نے صرف یہی لکھا کہ وہ کتابیں میرے مطالعہ میں رہی ہیں مطالعہ کرنا یہ ثابت نہیں کرتا کہ ان کا معتقد ہوں۔ ہم حضرت عیسیٰؑ کی عزت کرتے ہیں اور ہر مسلمان ادب کے ساتھ ان کا نام لیتا ہے۔ ہمارے نزدیک حضرت عیسیٰ کو برا کہنے والا جس طرح برا ہے اسی طرح حضرت سرور کائنات کا

مذمت کرنے والا بُرا ہے ہم اس کو سگِ زرد برادر شغال سمجھتے ہیں۔
تعجب ہے آپ کی نسبت مولوی رحمت اللہ نے گریز کا لفظ لکھا تھا۔ وہ آپ کو ایسا ناگوار گذرا کہ آپ نے مولنا کو لکھا کہ ایسے الفاظ تہذیب تحریر کے خلاف ہیں۔ حالانکہ وہی لفظ آپ مولنا آل حسن کو لکھ چکے تھے۔ کیا آپ کا مجھکو یہ لکھنا کہ اس مرحلہ سے ان کی کتاب آپ کے نزدیک معقول ہے یہ شبہہ ہوتا ہے کہ شاید جناب بھی انکے زمرہ سے ہیں۔
خلاف تہذیب نہیں ہے۔ میں بھی آپ پر یہ الزام لگاتا ہوں کہ آپ ان مرسلہ کتابوں کو جن میں الحادی باتیں ہیں معقول سمجھتے ہیں تو آپ بھی ملحد ہیں اور اس وجہ سے بھی آپ کا ملحد ہونا جائز ہو جاتا ہے کہ آپ نے توریت کے منسوخ ہونے اقرار کیا۔ عہد جدید میں سات آٹھ جگہ تحریف کو تسلیم کیا اور تیس یا چالیس ہزار جگہ سہو کاتب کو مانا جس کی وجہ سے درس کے درس حاشیہ میں داخل ہوکر اور بہتیرے درس جو اصل متن میں تھے خارج ہوگئے اور درس کے درس بدل دئے گئے اس کا آپ نے علی الاعلان مناظرہ میں اعلان کیا۔ جب آپ ان کو منسوخ اور منحرف جانتے ہیں تو کیوں اس مذہب میں داخل ہیں۔ ظاہرا دکھانے کے لئے۔ اور خواہشات اور عرض دنیوی کے لئے۔ اگر ہیں تو اس مذہب کے مطابق آپ کو دہر کہنا جائز ہے ہاتھوں مہندی پیر ون مہندی اپنے پچھون اور ول دیندی
آپ کا یہ کہنا کہ مسلمانوں میں بھی دہریے ہیں یہ آپ کا حسن ظن ہے بھلا ان کو کس بات کا ڈر ہے کہ جو کچھ ان کے دل میں ہیں وہ علانیہ ظاہر نہ کریں۔ ہاں عیسائیوں میں البتہ ہزار ہا لوگ ایسے ہوں گے۔
استراس کی کتاب کے بابت جو آپ لکھتے ہیں کہ میرے پاس اس کے جواب میں ایک کتاب جرمنی ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ آپ نے جب استراس کے حوالہ سے درس ۱۷ باب اول پر اعتراض مباحثہ میں سنا تو وہاں اس کا ذکر کیوں نہیں کیا۔ وہاں اس کا جواب نہ بن پڑا۔ بجز اس اقرار کے کہ غلطی کچھ ہے اور تعریف کچھ اور۔
خیر اب بھی ڈاکٹر استراس کے اعتراض جو اس نے باب متی پر کئے لکھتا ہوں۔
(۱) درس ۱۷ باب اول متی میں یوں لکھا ہے کہ سب پشتیں ابراہیم داؤد تک چودہ پشتیں ہیں۔ اور داؤد سے اسوقت تک بابل کو اٹھکر چلے گئے چودہ پشت ہیں اس پشت نامہ میں چودہ پشتوں کی تین قسمیں ہیں حالانکہ یہ غلط ہے اس لئے اگر سب نام کئے جائیں حضرت ابراہیم سے حضرت داؤد تک قسم ثانیہ چودہ پشتیں ہوتی ہیں لیکن قسمت سوم میں سب نام سہو سے ایک نام چھوڑ دیا کس لئے کاتب کے سہو کا گمان تو نہیں ہوسکتا اس لئے پورمری نے بھی یہ اعتراض کیا تھا۔
(۲) حضرت سلیمان کی پشتیں متی ۱۴ بنا تا ہے اور تواریخ اول میں ۱۸ پشتیں لکھی ہیں متی درس میں غوریا کو یورام کا بیٹا لکھتا ہے حالانکہ وہ اس کے پڑوتے کا بیٹا ہے۔ اور جناب متی نے غلطی سے تین بادشاہوں کو چھوڑ دیا ہے جیسا کہ درس ۱۱ باب کتاب اول تاریخ سے ظاہر ہے۔ ۴۔ درس ۱۱ میں متی نے یہکینا کو یوشیا کا بیٹا لکھتا ہے۔ حالانکہ وہ اس کا پوتا تھا۔ اور یہاں بھی متی سے ایک نام چھوٹ گیا۔ (۵) متی نے یہکینا کے بھائی لکھے ہیں۔ عہد عیسیٰ کتابوں سے اس کا کوئی بھی بھائی ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ اپنے باپ کا وہ اکلوتا بیٹا تھا۔ (۶) متی زروبابل کو شلتنا کا بیٹا لکھتا ہے۔ حالانکہ وہ اس کا بھتیجا اور خدا کا بیٹا ہے۔
(۷) متی نے ابیود کو زروبابل کا بیٹا ہے لکھا ہے حالانکہ اس کے بیٹوں میں کسی بیٹے کا نام نہ تھا۔
ایک پشت نامہ میں جب متی نے اتنی غلطیاں کی ہیں تو ان کی کتاب میں تو خدا جانے کتنی غلطیاں ہوں گی ملحد استراس صاحب کہتے ہیں کہ جب یہ ثابت ہوا کہ مورخ کی تحقیق میں فتور ہے تو اس کا کلام قابل اعتبار نہیں ہوا ڈاکٹر محمد وزیر خاں یکم جون ۱۸۵۴ء
لیکن پادری صاحب کی تردید معقولیت اور دلائل و براہین سے خالی ہے۔ انہوں نے اپنے جوابی خطوں میں ہٹ دھرمی اور مذہبی دیوانگی سے کام لیا ہے ہر خط میں اپنی قابلیت جتائی ہے اور مقابل کی ہتک اور بے عزتی کی ہے۔ اور اس کو جاہل محض

سمجھا ہے۔

اگر پادری فنڈر خلاف تہذیب تحریر نہ لکھتے تو ڈاکٹر صاحب قطعاً جواب ان کے رنگ میں نہ دیتے۔ اور مناظرہ بخیر و خوبی انجام پاتا۔ ناخوشگوار تحریروں پر ختم نہ ہوتا۔ شروع ہی سے چھیڑ خانی اور تلخی پادری صاحب نے پیدا کی۔ اس کے وہ خود شکار ہوئے۔ مناظرہ کے بانی وہی تھے۔ انہوں نے ہی اپنے ہاتھوں سے اس کو دفنایا۔ چنانچہ آخری خط لکھتے ہیں۔ تو وہ بہت جلا بھنا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ پادری صاحب نے مناظرہ کس شان سے ختم کیا۔

پادری صاحب کا آخری خط

میں نے اپنے پچھلے خط میں اس بات کا اشارہ اور اب صاف لکھتا ہوں۔ کہ اس سے نہ کوئی خط قبول کروں گا۔ نہ ان کو بھیجوں گا۔ کیوں صاحب موصوف بیجا بات لکھنے سے دست بردار نہیں ہوئے طعن و بہتان کیا۔ اس لائق نہ ٹھہرے کہ آئندہ اُن سے خط و کتابت جاری رہے۔ لہذا آپ کا خط بے کھولے اور بے پڑھے واپس دیتا ہوں تاکہ صاحب ممدوح خط میرے پاس نہ بھیجیں میں اس کو قبول نہ کروں گا۔ اگر وہ صاحب چاہیں اور کچھ لکھیں تو لکھ کر چھپوا دیں۔ اگر جواب کے لائق ہوگا تو بھی چھپوا کر جواب دیدونگا۔

کشیش فنڈر ۱۲ اگست ۱۸۵۴ء

ڈاکٹر صاحب کا جواب پادری کو

میں نے کبھی کوئی بات بیجا اور نامناسب نہیں لکھی بلکہ صرف چند باتیں ایک عبارت کے بارے میں دریافت کی تھیں۔ اور نہ کبھی میں نے اپنی طرف سے کسی سخت بات کے کہنے میں تقدم کیا۔ جب پادری فنڈر صاحب نے بیجا اور غیر مناسب باتیں لکھنا شروع کیں تو میں نے بھی لاچار ہو کر کچھ سختی اختیار کی۔ چنانچہ یہ بات طرفین کے خطوط سے ہر شخص پر خوب روشن ہوگی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ عبارت مذکورہ جو پادری فنڈر نے رسالہ مباحثہ کے ۱۴ پر لکھی ہے بے سند ہے۔ ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ اس لئے یہ حیلہ ہے۔

پادری صاحب کا تیسرا خط

آپ ثابت کیجئے اور بتائیے کہ مسیح کا نسب نامہ جیسا کہ آپ متی کے پہلے باب میں مرقوم ہے اسی طرح اس انجیل میں نہیں ہے۔ جو کہ محمدؐ کے وقت میں تھی۔ اور جس کو قرآن میں انزل اللہ کہا ہے۔ اگر اس میں اور طرح کی ہے تو بات تمام ہوئی، پھر کیا جواب چاہئے۔ اگر اس انجیل میں بعینہ ویسا ہے جیسا کہ آپ کی انجیل میں تو ہر محمدی کو یہی یقین ہوگا کہ متی کے حواری نے کچھ خلاف نہیں کیا۔ بلکہ ڈاکٹر اس صاحب نے غلط سمجھا ہے۔

کشیش فنڈر ۲ جون ۱۸۵۴ء

ڈاکٹر صاحب کا تیسرا خط

آپ کا خط مورخہ ۲۔ جون پہنچا مجھے کمال حیرت ہے کہ آپ نے میرے خطوں کے جواب میں مثل مشہور ہے سوال از آسماں جواب ریسماں

خوب نبھایا۔ یعنے آپ نے میری ایک بات کا بھی جواب نہیں دیا۔ اور بڑی راست بیانی یہ فرمائی کہ فقرہ انزل من اللہ کو قرآن مجید کی طرف منسوب کیا۔ یہ لفظ قرآن مجید میں کہیں نہیں آیا۔ بڑے غضب کی بات ہے کہ آپ نے انجیل اور توریت میں تصرف و تحریف کرتے کرتے قرآن مجید کی طرف بھی متوجہ ہو گئے۔

بقایا خطوط میں زیادہ تر تحریف کتاب مقدس پر بحث ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کتاب مقدس میں تحریف ثابت کرنے کے لئے کتاب مقدس کی کتابوں کے حوالے اور مسیحیوں مسیحی علماء کی رائیں ان مراسلوں میں پیش کی ہیں۔ پادری صاحب نے ان کی تردید کی ہے۔

میں سمجھتا ہوں میری بے عزتی کر کے ان کی یہ حیلہ سازی کارگر نہ ہوگی۔ کیونکہ ہر دانشمند یہ سمجھ لے گا..... کہ صاحب جب تمام اطراف سے عاجز آگئے اور ان کو کوئی جواب نہ سوجھا تو لاچار ہو کر اس آڑ میں چھپ گئے۔ اور اپنا پیچھا چھڑا لیا۔ اس صورت میں میں بھی ان کا خط واپس کرتا ہوں۔ اور ان کو تاکید کرتا ہوں کہ آپ بھی مجھکو کوئی خط نہ لکھیں اور نہ میں آپ کو کوئی خط

کہونگا۔ جس شخص نے مناظرہ کے آداب کے اصول کے خلاف کیا اُس سے کوئی معقول اور بھلا آدمی خط و کتابت اور گفتگو کرنا گوارا نہیں کرسکتا۔ ۱۷/اگست ۱۸۵۴ء۔

بدتمیزی کس نے کی

ڈاکٹر صاحب پادری فنڈر کے ۱۴/اگست کے خطرے کا جواب دیتے ہوئے اس بات کی وضاحت واقعات سے کرتے ہیں کہ بدتمیزی کا سلسلہ پہلے کس نے کیا۔ اور میں نے کس قدر برداشت کیا۔

اول پادری صاحب نے جبکہ میری ان سے کوئی خط و کتابت نہیں تھی دفعتاً بے باکانہ ایک خط کے ذریعہ تین جلد انگریزی کتابیں میرے پاس بھیجدیں جن کے مصنفوں نے اپنا منہ کالا کرنے اور اپنی عاقبت بگاڑنے اور اپنی قبر میں انگارے بھرنے کیلئے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید اور حدیث شریف کی نسبت کلمات نامناسب اور بیجا اتہامات اور ناروا بہتان لکھے ہیں۔ اب ناظرین انصاف فرمائیں کہ یہ کیسی بیجا بات ہے اور درشتی اور بدکلامی کس نے کی ظاہر ہے کہ منہ سے کچھ کہنا اور لکھنا بالکل برابر ہے۔ پادری صاحب کا ان کتابوں کو میرے پاس بھیجنا یہ مقصد رکھتا تھا گویا اُنھوں نے میرے سامنے سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیات کی خدمت میں گستاخی کی ہے۔ اور بے ادبی کی اس جہت سے میرے لئے جائز بلکہ واجب تھا جو چاہوں سو کہوں اور جو دل میں آئے وہ لکھوں لیکن میں نے پادری کی اس حرکت کو بازاری لوگوں کی سی بات سمجھ کر اور عموماً پادریوں کی عادت اور ان کی خلقت اور خصلت کا مقتضا جان کر طرح دی اور اپنی چھاتی پر پتھر رکھکر خاموش رہا۔

ثانیاً پادری صاحب میرے اس اغماز اور طرح دینے پر بھی متنبہ نہ ہوئے اور شاید وہ یہ سمجھے۔ کہ میں ان سے دب گیا اور ننگی نالائق باتوں کا متحمل ہوا اس لئے انھوں نے اور زیادہ جراءت پائی اور رسم و عادت کے خلاف دوسرے خط میں میری نسبت ایسے کلمات لکھے جن سے یہ مفہوم ہوتا تھا کہ گویا میں دہریوں کے زمرہ میں ہوں اور یہ نہ صرف میری نسبت لکھا بلکہ اہل اسلام پر بھی بہتان لگایا۔ چوتھے خط میں مجھکو استراس کا پیرو قرار دیا۔ اور آخری خط میں نیم چڑھا کریلا بنکر جو دل میں آیا خوب فرمایا۔ اب ناظرین فیصلہ کریں کہ میں حق پر ہوں یا پادری صاحب۔

پادری عمادالدین کا ایک دھلوی طالبعلم سے مناظرہ

دہلی کے مناظرین کو معلوم ہوا کہ مارچ میں پادری صاحب آرہے ہیں انھوں نے پادری صاحب کے بھائی سے وعدہ لیا تھا کہ وہ آکر

اعلان مناظرہ .... کریں گے۔ مناظرین حضرات منتظر رہے۔ پادری صاحب تاریخ مقررہ پر جب دہلی میں آئے تو مناظرہ کا اعلان کرتے لیکن مناظرہ کرنے سے گریز کرتے رہے۔ آخر پادری تاراچند کے مکان پر ۲۰/مارچ کو ۱۹۲۷ء کو ان مناظرین ان کو جا پکڑا۔ مناظرین کے ہمراہ ایک درجن سے زیادہ شائقین تھے محمد عمر طالب علم جواب کے لئے مقرر ہوئے۔ اس مجلس میں لالہ جھوک چند۔ لالہ بھرت رائے۔ احمد حسن صاحب۔ دین محمد طالب علم مدرسہ تعلیم المعلمین، حکیم احمد اللہ۔ لالہ جے دیال۔ سہائے مل۔ محمد یعقوب۔ مولوی احمد الدین۔ مولوی محمد یٰسین صاحب نے شرکت کی۔ توحید و تثلیث پر محمد عمر صاحب اور پادری عمادالدین مختصر بحث ہوئی۔ پادری پہلے سنتے رہے۔ پھر کچھ بولے۔ تو ایک طالب علم نے جھڑکا دیا۔ دس منٹ ہی گذرے ہونگے کہ آپ مناظرہ کرنے سے انکار کرنے لگے اس انکار پر مولٰنا سید احمد علی صاحب نے فرمایا کہ ہم مشتاق اس بات کے ہیں کہ وہ تحقیق بیان کیجئے جس نے آپ کو دین محمدی سے بدظن کرکے دین عیسوی کو قبول کرنے پر مجبور کیا۔ پادری صاحب نے کہا میری تصنیف دیکھو۔ مولٰنا عبدالمجید نے فرمایا کہ آپ گھڑی گھڑی اپنی تالیف کا ذکر کرتے ہیں۔ بندہ نے آپ کی تالیف تمام و کمال دیکھی ہے تحقیق الایمان اور ہدایت المسلمین کی بھی سیر کی ہے۔ آپ کی تالیف میں یا تو وہ اعتراض ہیں جو ڈاکٹر فنڈر نے کئے ہیں اور علماء نے اس کے مسکت جواب دیئے ہیں یا قرآن مجید کی نسبت مثل تعرض آیات و فصاحت وغیرہ اعتراضات آپ نے کئے ہیں جنکی قلعی پہلے ہی ہمارے مفسر کھول چکے ہیں۔ آپ نے ... میں کیا تحقیقی یا علمی جدت کی ہے۔ اس سے تحقیق کا نام بدنام ہوتا ہے اسی لئے بہت سے علماء آپ کی تصنیفات

کی طرف التفات نہیں کرتے۔ آپ کی تصنیفات میں باوجود ان خامیوں کے ایسی غلطیاں ہیں جن کو پڑھکر افسوس ہوتا ہے۔ چنانچہ آپنے کتاب ہدایت المسلمین میں لکھا ہے کہ قرآن مجید میں پانسو آیتیں منسوخ بتاتے ہیں۔ پادری نے کہا ہاں مولانا صاحب نے کہا یہی آپ جانتے ہیں کہ نسخ صرف احکام میں ہوتا ہے عقائد میں نہیں ہوتا۔ پادری صاحب نے کہا درست ہے۔ مولانا نے فرمایا تو اس صورت میں بقول آپ کے قرآن مجید میں پانسو سے زیادہ منسوخ ہونی چاہئیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں کل احکام پانسو ہیں آپ کو آیات منسوخہ بتانی چاہئیں۔ پادری صاحب بولے مولانا جلال الدین سیوطی کی کتابیں یہ لکھا دیکھا ہے۔ مولانا نے یقینی لہجے میں کہا آپ کہتے ہیں اس کتاب میں ہرگز نہیں۔ اگر صحیح ہے تو اپنی کتاب میں آپ نے حوالہ کیوں نہیں دیا۔ آپ نے اپنی کتاب تحقیق الایمان میں بھیں پر تحقیق کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔ اور یہ بات اصول تحقیق کے بالکل خلاف ہے کہ جس کی کتاب میں جو دیکھا وہ لکھدیا۔ آپ اس کتاب کا صفحہ مطبع بتادیں۔ پادری صاحب نے بڑی حیل وحجت کے بعد فرمایا کہ میں نے وہ تفسیر ایک ولایتی کے پاس قلمی دیکھی ہے۔ مولانا نے بولے واہ چہ گفت است سعدی درزلیخا الایا ایہا الساقی ادر کاسا وناولہا۔ بات ایسی ہونی چاہئے جیسے حافظ ولی اللہ صاحب سے آپ نے گفتگو میں فرمائی۔ کہ تیرس کا نام سورہ یٰسین ہیں اور سورہ یٰسین پانچویں یا چھٹے سیپارہ میں ہے تاراچند بولے آپ لوگ ملاقات کرتے آئے ہیں یا مباحثہ کرنے۔ مذہبی گفتگو موقوف کرو۔ اور کچھ ذکر ہونا چاہئے۔ اس کے بعد ہارن کے حوالہ پر۔۔۔ جو مولانا رحمۃ اللہ نے اعجاز عیسوی کے مقدمہ میں دیا ہے اس پر بحث ہوئی۔ آخر میں پادری صاحب نے نے فرمایا جو اعتراضات آپکے ہیں وہ لکھکر بھیجد یجئے میں اس کا جواب دونگا۔

یہ مناظرہ مطبع فاروقی میں چھپا مناظرہ میں شامل ہونے والے مذکورہ حضرات نے اپنے دستخطوں سے شائع کرایا ہے۔

اس کتاب کی تاریخ لالہ چندر بھان نے حسب ذیل مصرعہ میں فرمائی ہے ع رہ تثلیث کا برد کیا ہے اچھا۔

چودھری مولا بخش اور پادری فیلڈر کا مناظرہ

شیخ مولا بخش کانپور کے مشہور مناظر ہیں۔ اور پادری فیلڈر کانپور کے مشنری ہیں ۱۸۸۲ء میں ان کا تحریری مناظرہ ہوا۔ مناظرہ کے عنوان ابطال کفارہ، بائیبل کے الہامی ہونے کا ابطال قرآن مجید میں تغیر و تبدیل ہونے کا ثبوت، حضرت سردار الانبیا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اثبات تھا۔ پیغام محمدی ۳۱۴

اس مناظرہ کا نتیجہ نکلا ہمارے پاس چودھری کی تصنیف مراسلات مذہبی نہیں ہے جو ہم اس مناظروں کی کیفیت سے باخبر ہوسکیں۔ اس کتاب میں چودھری صاحب نے مذکورہ مناظرہ کی کیفیت لکھی ہے۔ چودھری صاحب کے حالات زندگی آپ رد نصارے کرنیوالے علما کے حالات میں پڑھئے۔

کامیاب مناظرہ

اثرائے بریلی میں بھی مولوی الطاف مسیح کے ساتھ مولنا سلیم اللہ کا مناظرہ ہوا تھا۔ اس میں یہ طے ہوا تھا۔ اگر جو ہاریگا وہ اپنا مذہب بدل دیگا۔ چنانچہ احمد مسیح صاحب نے ہار مانی اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔

اس مناظرہ کی تمام روئداد کتاب اظہار الاسلام مصنفہ مولنا سلیم اللہ میں ہے۔

مولنا شرف الحق کا پادری ٹیرک سے مناظرہ

مولنا رحمت اللہ کا مناظرہ کی شہرت ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پہنچ گئی تھی۔ ہندوستانی اپنے عالموں سے بالکل ناامید ہوچکے تھے لیکن انہوں نے جب یہ دیکھا کہ اور سنا کہ ان کی قابلیت ولیاقت اور ذہانت علمی وطلاقت لسانی کے سامنے پادری جھلکتے تھے اور جواب دیتے ہوئے جھکراتے تھے۔ تو شادمانی وفرحت کی کچھ انتہا نہ تھی۔ ہر جگہ پادریوں کی بُری طرح بھد اڑتی۔ ہر جگہ ان کے شکست کھانے کا چرچا ہوتا تو اس عام بدنامی سے پادریوں نے بھی محسوس کیا۔ کہ ان علماء سے مناظرہ کرنا مفید مطلب نہیں۔ چنانچہ اب انکی یہی کوشش ہوتی تھی۔ کہ مناظرے سے گریز کیا جائے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہندوستانی ہندو مسلمان دل سے

اپنے مذہب کے بچے شیدائی اور ہمارے مذہب کے سخت مخالف ہیں۔ اس لئے ہمارے مذہب کی ترقی و بہبودگی کے کسی طرح خواہاں نہیں ہو سکتے۔ اس لئے مناظرہ کرنا بے سود ہے۔

چنانچہ جب دہلی کے مشہور و معروف عبرانی یونانی کے ماہر مناظرہ اور روئے نصاریٰ میں ید طولیٰ رکھنے والے اعلام مولوی لعنات غازی پور پہنچے تو انہوں نے اسلام کی حقانیت اور بزرگی کی منادی اور حق کو ظاہر کرنے اور باطل کے بطلان کرنے کے لئے مناظرہ کا پیغام پادری لار بیری مشنری غازی پور کے تین خطوط کے ذریعے دیا تو پادری صاحب خاموش ہو گئے کوئی جواب نہیں دیا۔ گریز کرنے کے لئے شہر سے باہر کہیں چلے گئے۔ مسلمانوں میں مولوی رحمت اللہ کے مناظرہ کا چرچا گھر گھر ہو چکا تھا۔ اور پادریوں کی شرارتوں اور مناظروں سے گریز کرنے کے طریقوں سے ہر مسلمان واقف ہو چکا تھا انہوں نے سمجھا کہ پادری صاحب خوف زدہ ہو کر شہر سے باہر چلے گئے۔ غازی پور کے مشن نے بدنامی کے خیال سے مسٹر روفس صاحب اکاؤنٹنٹ کلکٹری غازی پور اور پادری ای پیٹرک صاحب پرنسپل مشن کالج غازی پور کو مناظرہ کے لئے آمادہ کیا۔ .... چنانچہ ۸ ۔ مارچ ۱۸۶۶ء اتوار کو شام کے تین بجے مناظرہ منعقد ہوا۔ سارا اسٹیشن سکول ہی نہیں بلکہ تمام مدرسہ کا میدان مخلوق خدا سے پٹا ہوا تھا۔ تقریباً تین چار ہزار سامعین تھے انتظام کے لئے مسٹر مری صاحب انسپکٹر پولیس غازی پور معہ متعلقین پولیس موجود تھے۔

شروع میں پادری صاحب نے کھڑے ہو کر کہا مولنا صاحب نے ایک اشتہار بھی جو بنارس کا چھپا ہوا ہے ہمارے شہر غازی پور میں شائع کیا ہے جس کی سرخی یہ ہے :۔ "مسلمانوں نے عیسائی مذہب کے پادریوں کی قلعی کھول دی"۔ اور اس میں بنارس ہی نہیں بلکہ ہندوستان کے اکثر شہروں کے پادریوں کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ مناظرہ کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ اور خاص طور پر پادری ڈلوس صاحب مشنری چرچ مشن بنارس کے بارے میں کہا ہے کہ انہوں نے آپ سے مناظرہ کرنا تو کجا ملاقات کرنی بھی گوارا نہیں۔ کیا حاضرین یقین کر سکتے ہیں کہ ایسے ایسے ذمہ دار فضلاء ملت مسیحیہ ایسا کر سکتے ہیں"

مولنا صاحب نے پادری صاحب کے گلہ کا مختصر جواب دیا۔ اور پادری ڈلوس مشنری بنارس کے ہاتھ کا لکھا ہوا جوابی خط پڑھ کر سنایا اور دکھایا۔ جس میں ملاقات سے بھی انکار تھا۔ اس کے بعد پادری صاحب اٹھے ....

اور کہا کہ مولنا صاحب ہم آپ سے راہ حق کی ہدایت چاہتے ہیں اور نجات حاصل کرنے کے ارادہ سے چند سوال کرتے ہیں۔ اس شرط پر کہ آپ ہماری آسمانی کتابوں سے ہم کو دلیل دیں اور جواب دیں وہ عام فہم ہو۔ ہمارا سوال یہ ہے:۔

وہ کونسی ضرورت تھی جو خدائے تعالے نے پہلے توریت انجیل وغیرہ کو نازل فرمایا اور اسکے بعد قرآن شریف نازل فرمایا کیا وہ کتابیں اس قابل نہ تھیں کہ ان سے مخلوق خدا نجات حاصل کر لیتی۔ سب سے پہلے یہ بات بتایئے کہ ان میں کونسا ایسا نقص تھا جو ناقابل نجات قرار پائے اور جب ناقابل نجات ہوئی تو قرآن خدا کا کلام ہونے اور حضرت محمد صاحب کی رسول اللہ ہونے کے لئے کیا دلائل اور ثبوت کے ثبوت اہل اسلام کے پاس ہیں جو نبی اور رسول کے واسطے ضروری ہیں کہ اس کی خبر پہلے نبی کی کتابوں میں پائی جائے جس سے اس کی نبوت تصدیق ہو۔ اگر آپ ہم کو محمد صاحب کا نبی اللہ کا اور رسول اللہ ہونا اور قرآن کا کلام اللہ ہونا ثابت کر سکینگے۔ تو ہم مسلمان ہو جائیں گے۔ یہ کہکر روفس صاحب اپنی کرسی پر بیٹھ گئے۔

مولنا صاحب کھڑے ہوئے اور فرمانے لگے کہ جو اعتراض روفس صاحب نے قرآن مجید پر کیا ہے وہی اعتراض زبور اور انجیل پر بھی ہو سکتا ہے کہ خدا نے جو توریت بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی تھی وہ نجات کرانے کے قابل تھی یا ناقابل۔ اگر قابل تھی تو زبور انجیل نازل ہونے اور خلق اللہ کی ہدایت آنیکی کوئی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ اور یہ کتابیں محض بیکار ٹھیرتی ہیں۔ اور اگر توریت ناقابل نجات قرار دی جاتی ہے تو خدا کی خدائی اور اس کی بزرگی و مقدس جلیل شان میں بٹہ لگتا ہے۔ جس کو کوئی خدا پرست قبول نہیں کریگا۔

یہ تو الزامی جواب تھا اصل جواب یہ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ خدا نے قرآن شریف نازل فرمانے سے پہلے توریت کو اور پھر انجیل و زبور کو حضرت موسیٰ، حضرت داؤدؑ، حضرت عیسیٰ پر نازل فرمایا تھا۔ مگر کوئی اس بیان سے نہ سمجھ لے کہ ان کتابوں کا جن کو خدا نے اپنے برگزیدہ رسولوں پر نازل فرمایا تھا۔ یہی مجموعہ ہے۔ جو اب کتاب مقدس کہلاتا ہے۔ اور جسے تمہارے مناظر پادری ٹیرک صاحب لئے بیٹھے ہیں میں عرض کرتا ہوں کہ ہرگز ہرگز یہ وہ مجموعہ نہیں ہے۔ اس میں بہت سے صحیفے خارج کئے گئے ہیں۔ اس کا ثبوت مسیحی مذہب کے محققین کی تحریروں اور تقریروں سے ملتا ہے۔ اور یہی ظاہر ہوتا ہے کہ کثیر غیر مشہور اور غیر الہامی رسالے اس میں داخل کئے گئے ہیں۔ چنانچہ پادری بیڈے اپنے رسالہ عراق الصدق ......۔ (جس کو کاتھولک مشنری کے پیشوا نے اردو میں چھپوایا ہے) میں صفحہ ۱۶۹ پر لکھتا ہے۔

ہم کیتھولک ظاہر کرتے ہیں کہ کتاب مقدس میں ایمان کا کافی قاعدہ ہے اور اس لئے انسان کو خدا کی بادشاہت میں پہنچا نہیں سکتی۔ اور یہ کتاب مقدس کافی قاعدہ نہیں عقل سلیم بہ آسانی بتا دیگی۔ کیونکہ اگر انسان اپنا اپنی سمجھ کے مطابق کتاب مقدس پر منحصر رکھتا ہے تو اس لئے ضروری ہے کہ وہ چھ چیزوں کی تحقیق کرے۔

(۱) یہ ضرور معلوم کرے کہ جو کتاب وہ اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے ہے وہ اصل اور صحیح کتاب مقدس ہے یا نہیں۔

(۲) یہ کتب مقدس الہامی اور خدا کا فرمان ہے یا نہیں

(۳) تیسرے یہ کہ اس کے پاس سالم کتاب ہے کہ نہیں۔

(۴) کسی نے کتاب مقدس میں غلطیاں نہ کی ہوں۔

(۵) پادری بیڈے کی مذکورہ عبارت پیش کرنے کے بعد مولانا نے فرمایا کہ میں آپ پروٹسٹنٹوں کو دکھا سکتا ہوں کہ کتاب مقدس میں بہت سے حصے کم ہیں۔ اگر تمہیں میری بات پر شک ہو تو اپنی کتاب مقدس میں حسب ذیل صحیفوں اور متنوں کو دیکھو جن کا ذکر تمہاری اس کتاب مقدس میں ہی ہے۔ پڑھو گنتی کی کتاب ۲۱۔ باب ۱۴۔ آیت اس سبب خداوند کے...

جنگ نامہ میں لکھا ہے وہ سو فہ میں جیسے پر قابض ہوا۔ تمہاری کتاب مقدس میں جنگ نامہ کی کتاب کہاں ہے۔

یشوع ۱۰ باب ۱۳۔ آیت کو دیکھا کر مولانا نے فرمایا یہ کہ الیاشیر کتاب کہاں ہے جس کا ذکر اس کتاب میں ہے سموئیل کا ۱۰ باب ۲۵ آیت میں لکھا ہے۔

سموئیل کی کی بادشاہت کا طور و قاعدہ ایک کتاب میں لکھ کے اپنے خداوند کے حضور یہ بھی کتاب رکھ کے کھو گئی۔ موجودہ کتاب مقدس میں نظر نہیں آتی۔

پہلی سلاطین ۴ باب ۳۲ آیت دیکھو اس میں لکھا ہے۔

سلیمان نے تین ہزار تمثیلیں کہیں اور اس کے گیت ایک ہزار پانچ تھے

یہ تمثیلیں اور مزامیر کدھر گئے۔ ان کا نام و نشان تک نہیں ہے۔

پہلی تواریخ یا اخبار الایام یا کرانیکل ۲۹ باب ۲۹ آیت میں لکھا ہے داؤد کے بادشاہ اعمال اول سے آخر دیکھ وہ سب سموایل غیب بین کی تواریخ میں اور ناتن نبی کی تواریخ میں اور جاد غیب بین کی تواریخ میں۔

بتائیے یہ تینوں کتابیں کہاں ہیں۔

۲ اخبار الایام ۹ باب، آیت ۲۹۔

کیا یہ ناتھن .... پیغمبر کی کتاب اور سلوننٹ اخیار کی (سیلانی) پیشین گوئی اور عیدو غیب بین کی بشارتوں کے خوابوں میں نہیں لکھا ہے۔ یہ کتابیں بھی گم ہو گئیں۔

اور ایڈوٹر (عید وعنیب بین) کی بشارتوں کے خوابوں میں نہیں لکھا ہے ۔ یہ کتابیں بھی گم ہو گئیں ۔

دوسرا وقائع ۱۲۔ باب ۱۵ - آیت میں لکھا ہے ۔

یہ شمعیہ (سمعیاہ) پیغمبر کی کتاب اور عید وعنیب بین کی کتاب میں متضمن مشابہتوں کے مندرج نہیں ہے ۔

یہ بھی مفقود ہیں ۔

دوسری تواریخ ۱۳ ۔ باب ۲۲ آیت ۔

ہرابیاہ کا باقی احوال اور اس کے کام عید و نبی کی تفسیر کی کتاب میں لکھے ہیں ۔

دوسری کرانیکل ۲۰ باب ۳۴ آیت ۔

اور یہوسفات کا باقی احوال اول آخر جو ہے "وہ یاہو بن حنانی" کی تواریخ جو اسرائیل کی کتاب میں شامل کی گئیں لکھا ہے ۔

بتاؤ یہ کتاب کہاں ہے ۔

تواریخ ۳۳ ۔ باب ۱۹ آیت

اس کی دعا بھی اور اس کا قبول ہونا اور اس کی خطائیں اور اس کی بے ایمانی اور وہ مقام جن پر اس نے اونچے مکان بنوائے اور یسرتن اور مورتیں کہیں اس سے پہلے کہ وہ تائب و خاکسار ہو ایسی سب باتیں ہوسی کی تاریخ میں لکھی ہیں ۔ دکھاؤ ہوسی کی تاریخ کہاں ہے ۔

قلسیوں ۴ ۔ باب ۱۶ ۔ آیت ۔

جب یہ خط تم میں پڑھا گیا ہو تو ایسا کرو کہ دوقیا کے کلیسیا میں بھی پڑھا جائے ۔ اور اس خط کو جو لادوقیا کا ہے پڑھو ۔ "اس خط کا بھی کوئی نام و نشان نہیں ہے ۔ اگر موجودہ کتاب مقدس مکمل ہوتی تو اس خط کو بھی ہونا چاہیئے تھا ۔

ولی کشتن ٹرافن کی بابت لکھتا ہے کہ یہودیوں نے توریت میں سے ...... بہت سے حصے غائب کر دئے تاکہ انجیل مقدس ان کے مطابق معلوم نہ ہو ۔ مولانا صاحب نے فرمایا غور کیجئے کہ جب کتاب مقدس کی یہ حیثیت ہو جو آپ کے محققین کی تحریروں سے ثابت ہوتی ہیں ۔ اس کے بعد قرآن مجید کے نازل ہونے کی ضرورت آپ محسوس کی یا نہیں ۔ ایسی ناقص کتابیں قابل تقلید اور قابل نجات ہو سکتی ہیں ۔ اس کے بعد دوسرا پہلو لیجئے جہاں بہت سی کتابیں خارج کی گئی ہیں ۔ وہاں بہت سی غیر معتبر کتابیں مجموعہ بائیبل میں داخل کی گئی ہیں ۔ کتاب حق التحقیق جس کا اردو ترجمہ پادری ڈاوس پرنسپل نرائنر کالج نے کیا ہے اس کے صفحہ ۵۲ پر کتاب مقدس کی پرانی جلدوں کا ذکر کیا ہے ۔ B کی علامت دیکر لکھتے ہیں "ایک پرانا نسخہ ویٹی کانس روم میں ہے اس میں عہد عتیق اور عہد جدید کا یونانی ترجمہ شامل ہے اور مسیح کے چار سو برس بعد نفیس چمڑے پر لکھی گئی تھی ۔ اس میں عبرانیوں کے خط آخری تین باب پھٹے ہوئے ہیں ۔ اور طمطاؤس اور ٹٹس اور فلیمن کے خط نہیں پائے جاتے مکاشفات کی کتاب بھی اس میں نہیں ہے ۔"

ایسے پرانے نسخوں میں چار کتابوں کا نام و نشان نہیں ہے تو ان کے بعد میں داخل ہونے کے بارے میں کیسے شک نہیں ہوگا ۔ فرقہ والن ٹی ٹینس اور مارسیونی اور سویرتیس وغیرہ نے کتاب اعمال کو رد کر دیا ۔ اور اس کے الہامی ہونے کو تسلیم نہیں کرتے ۔ خط بنام عبرانیان کی نسبت علماء مسیحی کے مختلف خیال ہیں بجن جیسا محقق انکی عدم قبولیت کا مقر ہے ۔ پطرس مین کے دوسرے خط کے بارے میں بھی شک ہے ۔ مکاشفات کی کتاب ...... ڈیوائی سیس نے انکار کیا ہے ۔ یہی نہیں بلکہ یعقوب کے خط ، یہوداہ کے خط ، پطرس اور یوحنا کے دوسرے ، تیسرے خط کو مشکوک ٹھیرایا ہے ۔ یہ بھی وجہ قرآن کے نزول کیلئے کچھ کم ہے ۔ کیا ہم ایسی

ناقص کتابوں کے غلام بن کر نجات دارین حاصل کر سکتے ہیں۔

اس کے بعد پادری ٹیرک صاحب نے کھڑے ہو کر انگریزی الفاظ میں بہت دیر تک بائیبل کی تعریف کی کہ یہ اتنی زبانوں میں ترجمہ ہوئی اور عیسائی مذہب تمام دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ یہ کہکر وہ بیٹھ گئے تو مولانا صاحب نے ان کی تقریر کا جواب دیکر سابقہ اعتراضات کا جواب دینا شروع کیا۔ آپ نے فرمایا جو کتابیں بائیبل میں بیان کی گئی ہیں ان کے مصنفین تک کا پتہ نہیں ہے .... جو مصنفین ان منسوب کیے گئے ہیں وہ ان کے مصنف نہیں ہیں۔ دیکھو گنتی ۱۲۔ باب۳۔

وہ مرد موسیٰ سارے لوگوں سے جو روئے زمین پر تھے زیادہ حلیم تھا۔

یہ آیت چیخ چیخ کر پکار رہی ہے۔ کہ میں موسیٰ کا کلام نہیں ہوں۔ کوئی مفکر بھی اپنی ایسی تعریف نہیں کریگا۔ چہ جائیکہ جناب حضرت موسیٰ علیہ السلام۔

یسوع کی کتاب کے مصنف کی بھی یہی کیفیت ہے۔ اس کا زمانہ اور نہ اُس کے مصنف کا پتہ ہے۔ کتاب قاضیان کے مصنف بعض سموئیل علیہ السلام کو ٹھہرا کر پہلے ایوب کا کسی نامعلوم الاسم شخص کو مولف قرار دیتے ہیں روٗت کی کتاب کے بارے میں علماء مسیحیہ خیالی پلاؤ پکار رہے ہیں۔ اور یقین نہیں خیال سے سموئیل کو مصنف بناتے ہیں۔ متی کے مصنف کا بھی یہی حال ہے۔ بعض فضلاء اور کملائے مسیحیہ کا یہ خیال ہے۔ کہ

> علاوہ ان انجیلوں کے کوئی علیحدہ اصل انجیل تھی۔ اور انجیل لکھنے والوں نے اسے پڑھ لیا تھا اور اس کی بعض باتیں اپنی انجیلوں میں درج کی تھیں [1] (بائیبل مطبوعہ لندن کے حاشیہ پر (لندن سوسائٹی ۱۸۷۲ء)

اس کے بعد مولانا صاحب نے بہت سی آیتوں کے انجیل میں نہ ہونے کے حوالے دئے اور روفس کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اب بھی آپ کو معلوم ہوا کہ قرآن شریف کے نازل .... ہونے کی کتنی اہم ضرورت تھی۔ نبوت اور رسالت کے ثبوت میں .... کتاب استثنا ۱۸ باب آیت پڑھی۔ اس صاف دلیل سے حضور اقدس کی پیشین گوئی ثابت کی۔ مناظرہ تقریباً چھ گھنٹہ تک وقفہ لینے کی صورت میں جاری رہا۔ پادری صاحب کو تسلیم کرنا پڑا کہ "ہم جناب مولوی صاحب کی اس دریافت پر آفرین نہیں بلکہ صد آفرین کہتے ہیں کہ ہمارے مذہب میں ایسی تحقیق اور دست رس پہنچائی ہے۔ ہماری بڑی خوش نصیبی ہے کہ ایسا ماہر اور جامع شخص ہمارے غازی پور تشریف لایا۔ ہم میں اتنا علم اور اتنی لیاقت نہیں کہ جناب مولوی صاحب سے مقابلہ کر سکیں اور آپ کی ہر بات کا جواب دے سکیں۔

عماد الدین کی مولانا باری سے مناظرہ کرنے سے فراری

پادریوں کی مناظرہ کے بارے یہ پالیسی ہو گئی تھی کہ جہاں تک ہو سکے مسلمانوں کے مناظرہ سے بچا جائے۔ جہاں پھنس جاتے تھے اور کسی ذمہ دار کا اثر علاقہ یا معزز مسلمان شخصیت کا اثر پڑ جاتا تھا تو جبراً قہراً یہ مصیبت برداشت کرتے تھے کسی سیدھے سادھے اور نئے عالم یا مناظرہ کو دیکھتے ہی صاف انکار کر دیتے تھے بعض پادری اپنی سخت طبیعت اور شرارت بھرے مزاج کی وجہ سے موقعہ و محل دیکھ کر وعدہ کر لیتے تھے لیکن چند مہمل اور غیر مہذب طریقوں سے بعد میں چھٹکارا حاصل کر لیتے تھے۔ ان پادریوں میں پادری عماد الدین پہلا درجہ رکھتے ہیں چنانچہ ان کو آگرہ کی مخالفانہ فضا دیکھ کر پادری دین صاحب سنجونس کالج آگرہ نے آگرہ میں مناظرہ کرنے کے لئے بلوایا۔ جس کی غرض یہ تھی کہ مولانا رحمت اللہ کے مناظرے کے اثر اور علماء کے رعب و دبدبے کو ختم کیا جائے۔ مناظرے کے لئے مولانا عبد الباری سے گفتگو کا سلسلہ چلا کوئی تاریخ مقرر نہ ہو سکی تو تحریری بات چیت ہوئی۔

---

[1] مناظرہ غازی پور مرتبہ الہام علی و مبارک حسین۔

مولانا عبدالباری صاحب نے یکم مئی ۱۸۷۶ء مطابق ۲ ربیع الثانی ۱۲۹۳ھ کو پادری دین کو لکھا جس میں ان کو وعدہ یاد دلایا کہ آپ نے پادری عمادالدین کے ساتھ مناظرہ کرنے کے بندوبست کا ذکر کیا تھا، اب کیا ارادہ ہے

یہ خط پادری دین نے پادری عمادالدین کو دیدیا۔ پادری عمادالدین نے مولانا کو جواب دیا کہ دوستانہ اور محققانہ باتیں کرنا مناسب ہے مخالفانہ علمی طاقت کے لئے بحث کرنا شیطانی کام ہے۔ اس لئے میرے گھر پر یا میں آپ کے گھر پر آجاؤں گا وقت اور تاریخ سے مطلع کیجیئے۔

مولانا صاحب نے اس کی صورت یہ پیش کی کہ چونکہ بعض ذی علم اور روؤسا شہر اس بحث میں شامل ہونے کا اشتیاق رکھتے ہیں اس لئے کہیں اور نہ ہی سنجولس کالج یا کسی گرجا گھر کے قریب مباحثہ کر لیا جائے باہمی گفتگو لایعنی سے بات ہے۔ مناظرہ ذی علم اور معزز حضرات کی موجودگی میں مفید ۔۔۔ ثابت ہوگا۔

اس خط کا جواب پادری صاحب اپنی مشہور قلم سے مخصوص انداز میں دیتے ہیں۔ آپ کو مباحثہ کا بہت اشتیاق ہے بہت جوش میں معلوم ہوتے ہیں ہم ہر ایک سے مباحثہ کے دنگل نہیں لگاتے ہیں ولایتی پادری نہیں ہوں۔ آگرے کے گاؤں میں کھیلا ہوں سب سمجھتا ہوں۔ میری پہلی چند باتوں کا جواب دیجیئے۔

(۱) میں آپ سے واقف نہیں ہوں اور نہ یہ جانتا ہوں کہ آپ عوام میں سے ہیں یا خواص میں سے۔ خواص سے میرا معرکہ ہوگا۔ عوام سے صرف اظہار حق کے لئے تیار ہوں۔

(۲) روسا کی خواہش ہے تو پہلے وہ میرے پاس ایک تحریر بھیجدیں کہ میاں عبدالباری ہمارے منتخب عالم ہیں۔ ہم عیسائیوں کے مقابلہ کے لئے انہیں بھیجتے ہیں۔ اس کے بعد میں دیکھوں گا کہ اس پر کس کس کے دستخط ہیں اس کے جواب میں مولانا نے لکھا کہ

میں تیلی تنبولی نہیں ہوں جو میرا حال آپ کو معلوم ہو سکے۔ لکھنؤ، رامپور، مرادآباد، بدایوں، جونپور، اور میرٹھ وغیرہ کے علماء فضلا اور عمائد سے میرا حال آپ پر ظاہر ہوگا۔ اگر اس پر بھی اطمینان نہ ہو تو پال صاحب، ماسٹر رامچندر، پادری ہاسکن جو ضلع بدایوں سے تعلق ۔۔۔ رکھتے ہیں جہاں کا میں باشندہ ہوں اور جو میرے شاگرد ہیں ان سے دریافت کیجیئے۔ پادری دین صاحب کو انہوں نے جو چھٹی لکھی ہے ۔۔۔۔۔۔ وہ دیکھئے۔ اگر آپ کے زعم میں وہ بھی لغو گو ہیں تو آپ کے اطمینان کے لئے یہ طریقہ ہے کہ میرے شاگردوں کو آپ سبق دیں اور ان کے اعتراضات و شکوک کو رفع کر دیں تو آپ کو قابل سمجھوں گا۔ اور مناظرہ نہیں کروں گا۔ ۳ مئی ۱۸۷۶ء

اس خط کا چار روز تک جواب نہیں آیا۔ تو مولانا موصوف نے پادری دین صاحب کو تمام خط و کتابت کی تفصیل لکھی۔ اور تحریر کیا کہ اس ٹال مٹول سے کیا آپ بھی متفق ہیں اور ہم یقین کر لیں کہ پادری لوگ اپنے عقائد کے اظہار کرنے سے عاجز ہیں۔ اس لئے مناظرہ کے میدان سے بھاگتے ہیں۔ ۶ مئی ۱۸۷۶ء

اس خط کا جواب پادری عمادالدین کی جانب سے یہ دیا گیا۔ کہ ہمیں مباحثہ کرنے کی فرصت نہیں ہے۔ اور نہ ارادہ ہے اور ہم سے کوئی نہیں سمجھتے۔ ہم دوسرے کاموں میں مصروف ہیں۔ دوستانہ ملاقات کے لئے تیار ہیں۔

اس خط و کتابت سے صاف ظاہر ہے کہ ابتداء میں جب علماء نے پادریوں کو قابل توجہ نہیں سمجھا اور سکوت اختیار کیا تو اس وقت پادریوں نے بہت بڑھ چڑھ کر مناظروں کے چیلنج کئے اور جب علماء نے توجہ دینی شروع کی اور پادریوں کی قابلیتوں کو آشکار کیا تو پادری مباحثوں کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے پادری دین صاحب کا خیال ہے کہ آگرہ میں جو مناظرہ مولوی رحمت اللہ صاحب سے ہوا ہے ان کی بدنامی دور کی جائے اور مناظرہ کر کے علماء اسلام کو شکست دی جائے۔ اس

کام کے لئے پادری عماد الدین کو جو مولانا رحمت اللہ کے مناظرہ کے علاوہ امرتسر دہلی کے مناظروں کو دیکھ چکا تھا۔ اور اور امرتسر کے مناظرہ میں یہ کہنے پر مجبور ہوا تھا۔

"میری تقریر و گفتگو پر کوئی صاحب یہاں اعتراض و کلام نہ کریں جسکو سننا ہے وہ رہے۔ ورنہ چلدے"

وہ خوب جانتا تھا کہ اب مناظروں کے دن نہیں رہے اس لئے پادری دین کو تمام حقیقت سے آگاہ کیا کہ مناظرے اب نقصان دہ ہیں۔ چنانچہ پادری دین صاحب جنھوں نے پادری عماد الدین کو بلایا تھا وہ بھی مولانا عبد الباری کو یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے۔ کہ مناظرہ کرنے سے کچھ فائدہ نہیں ہے [1]

مولانا قاسم اور پادری نولس کا مناظرہ

پادری نولس صاحب حلقہ شاہجہاں پور کے پادری اور منشی پیارے لال کبیر سکنہ موضع چاندا پور نے ملکر ۱۸۷۶ء میں ایک "میلہ خدا شناسی" چاندا پور میں جو شہر شاہجہاں پور سے پانچ چھ کوس کے فاصلہ پر لب دریا واقع ہے مقرر کیا۔ میلہ کی تاریخ ۷ مئی مقرر ہوئی اس میلہ کا مقصد اشتہار میں شائع کیا گیا۔ جس کا مضمون یہ تھا۔

میلے کے نام سے آپکو میلہ کی غرض و غایت معلوم ہو گئی ہو گی مگر مزید وضاحت کے لئے عرض ہے۔ کہ اصل غرض تحقیق مذہبی ہے اور اشتہار کا منشا یہ ہے کہ میلہ میں ہر مذہب کے آدمی آئیں اور اپنے اپنے دلائل سنائیں۔ قواعد کی تفصیل آئندہ طے ہو گی۔

اس اشتہار کے شائع کرنے کے بعد حضرت مولانا قاسم رحمتہ اللہ علیہ کے بعد مولوی محمد منیر صاحب مدرس مدرسہ سرکار بریلی مولوی الٰہی بخش عرف مولوی سنگین بریلوی کی طرف سے جو رد نصاریٰ میں شب و روز مصروف رہے تھے مولانا قاسم صاحب کو اطلاع دی۔ کہ آپ کا آنا انتہائی ضروری ہے۔ اور ساتھ میں مولوی ابو المنصور کو لائیں پادریوں کو اپنے مذہب اور یسوع مسیح کے نام پر بڑا اعتقاد ہے خاص طور پر ان عیسائیوں کے پادری نولس صاحب کو جو بڑے لسان و طرار اور حاضر جواب ہیں یہ دعوے کہ دین عیسوی کے مقابلہ میں دین اسلام کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

اس اطلاع کے بعد ۵ مئی کو بعد نماز عشاء مولوی فخر الحسن گنگوہی و مولوی محمود حسن دیو بندی اور مولوی رحیم الدین بجنوری مولوی ابو المنصور صاحب دہلوی کی بھیجیت مولوی سید احمد علی صاحب دہلوی و میر حیدر علی صاحب دہلوی کے ہمراہ مولانا محمد قاسم صاحب شنبہ کو بعد نماز عصر شاہجہاں پور پہنچے۔

صبح ہوتی مولانا نماز پڑھ کر چاندا پور پہنچے وہاں منشی پیارے رئیس چاندا پور نے میلے کھانے پینے اور خیمہ وغیرہ کا انتظام کیا تھا۔ خیمہ لگے ہوئے تھے۔

مولوی محمد طاہر صاحب عرف موتی میاں رئیس و آنریری مجسٹریٹ شاہجہاں پور جو مولوی مدن صاحب کی اولاد ہیں جن کا مشاہیر علماء ہند میں شمار ہوتا ہے وہ مہتم میلہ اور میر مجلس سرکار کی طرف سے مقرر ہوئے۔ بڑے خیمہ میں مجلس کی شکل یہ تھی۔ کہ درمیان میں ایک میز رکھی گئی۔ اور اس کے دونوں جانب کرسیاں وغیرہ بچھ گئیں۔ ایک طرف پادری صاحب اور مقابل میں علماء کرام بیٹھ گئے صفوں کے درمیان میز کے سامنے میر مجلس موتی میاں صاحب قلمدان و کاغذ لے کر بیٹھ گئے۔ پہلے قواعد و مناظرہ طے کئے۔ مختصر سے سوال و جواب کے بعد بعض دیگر امور طے ہوئے

---

[1] رسالہ یہ دم الاخوین ملقب بہ فتح المبین علی اعداء الدین صفحہ ۱ تا ۱۶ مصنفہ مولانا عبد الباری

جس کو میر مجلس نے قلمبند کیا۔ جو شرائط مناظرہ طے ہوئے وہ یہ تھے۔

(۱) ہر ایک فریق اپنا وعظ اپنے مذہب کی حقانیت وصداقت کھڑے ہو کر بیان کرے۔ بعدہ فریق ثانی اس پر اعتراضات کرے۔

(۲) مدت مناظرہ پہلے سے دو روز مقرر تھی۔ لیکن مناظرہ شروع ہونے سے کچھ گھنٹہ قبل مولانا محمد قاسم اور پادری نے منشی پیارے لال کی منظوری سے تین روز کا مناظرہ طے کر لیا تھا۔

(۳) مدت وعظ ۱۵۔ منٹ اور سوال وجواب کے ۱۰ منٹ قرار پائے۔ اور جب تک کہ ایک شخص اپنی تقریر پوری کر کے بیٹھ نہ جائے۔ تب تک دوسرا شخص تردید میں کچھ نہ بولے۔ اور اعتراض نہ کرے۔

فریق مناظرہ تین قرار پائے مسلمان، عیسائی۔ ہندو۔ لیکن مناظرہ در اصل مسلمانوں اور عیسائیوں میں ہی ہوا۔ مختصراً پہلے منشی پیارے لال صاحب کبیر پنتھی جو مجلس کے بانی تھے کھڑے ہوئے اور ایک تحریر پڑھی۔ جس کا خلاصہ یہ تھا۔

میاں کبیر نے کنول کے پھول میں جنم لیا۔ اور ان کے پنتھ میں جاگتے سوتے برابر سانسا چلتا رہتا ہے۔ شاید یہ مقصد ہو گا۔ کہ ہر دم ذکر خدا رہتا ہے۔ اس تقریر پر کچھ چون وچراں ہوئی اس کے بعد پادری نول کھڑے ہوئے جو یوروپین تھے۔ انہوں نے اپنے مذہب کی حقیقت اور انجیل صادق ہونے پر ایک طویل تقریر کی تھی۔ جس کا ماحصل یہ تھا۔

خدا ایک، اس کا دین بھی ایک ہونا چاہیئے۔ اس لئے یہ ضروری ہے۔ کہ وہ دین سب تک پہنچایا جائے اور اس کے قوانین واحکام کا علم سب کو کرایا جائے۔ کیونکہ سلطانی احکام تمام قلمرو کے لئے ہوتے ہیں۔ اس لئے اشتہار ہر گلی کوچہ میں لگائے جاتے ہیں اور منادی ہر ایک کو سنائی جاتی ہے۔ مگر یہاں دیکھتے ہیں تو سوائے انجیل وکتب مقدسہ کے کسی کتاب کی اشاعت نہیں دیکھنے میں آتی کہ سب تک پہنچے۔ انجیل کا دوسو ڈھائی سو زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے اس کے علاوہ ہمارے مذہب میں مسلمانوں کی طرح بزورِ شمشیر کسی کو شامل نہیں کیا جاتا۔ بلکہ پیار محبت سے لطف سے نرمی سے اپنی طرف کھینچتے ہیں۔

اس کے بعد پادری صاحب بیٹھے ہی تھے کہ ایک ساٹھا پاٹھا ستر برس کی عمر کا ظریف وخوش طبع مولوی اٹھا۔ نام نعمان خاں ابن نعمان قندہاری تھا۔ سرکار لکھنؤ میں وکیل سرکار تھے۔ تقریر غضب کی چٹخارے دار اور دلچسپ ارشاد ہوا۔

در فیض محمد وا ہے آئے جس کا جی چاہے ۔۔۔ نہ آئے آتش دوزخ میں جائے جس کا جی چاہے

معاذ اللہ فرزند خدا کہتے ہو عیسیٰ کو ۔۔۔ تو دادا کون ہے انکا بتلائے جس کا جی چاہے

آپ نے فرمایا۔ کہ یہ تبلیغ واشاعت دین محمدی اور قرآن مجید کی حقانیت وسچائی کا فیض ہے۔ کہ پادری ہنری نارمن صاحب جس کی جوش بیانی علمی فضیلت کی دھوم تھی۔ بتوفیق یزدانی مسلمان ہوئے اور مشرف با اسلام ہو کر امریکہ میں بجائے انجیل کے قرآن مجید وفرقان حمید کی منادی کر رہے ہیں۔

جو انجیل بقول پادری ڈی بیلی عالم سے نیست نابود ہو گئی اور گمشدگی کی حالت میں اس کے بارے میں ہے اور نیست ونابود ہو چکی ہے ــــــــ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ اس کے ترجمے ہیں۔ البتہ یہ معجزا قرآن پاک کا ہے کہ آج تک محفوظ ہے۔

کسی کتاب کی اشاعت ترجموں کی کثرت سے نہیں مانی جاسکتی۔ بلکہ اس کے پیرو کاروں کی تعداد سے اسکی اشاعت و مقبولیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ مسلمان عالم میں تمام قوموں کے مقابلہ میں ہر سو پھیلے ہوئے ہیں۔ دوسری قومیں اتنی نہیں پھیلی ہوئی ہیں۔ اس سے قرآن مجید کی اشاعت کا اندازہ لگا لینا چاہیئے۔

مولانا نے فقرہ بھی پورا نہیں کیا تھا کہ پادری صاحب بول کر اٹھے پادری۔ ہندی یا رومن مسلمان ہو گئے تو کیا۔ تمام انگلستان عیسائی ہے۔ جو شخص انجیل کے ناپید ہونے کا قائل ہے وہ ملحد بے دین ہے۔ اس کا قول ہمارے نزدیک معتبر نہیں۔

مولانا قاسم علیہ الرحمتہ نے دریافت کیا۔ ہم اس واقعہ کو تسلیم نہیں کرتے پادری نے کہا نہیں۔

اس کے بعد مولوی منیر احمد حسن صاحب اٹھے اور فرمایا۔

کہ کتاب آسمانی اور دین آسمانی کے لئے یہ ضروری ہے کہ عام عالم میں شائع ہو تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول غلط ہو گا کہ میں فقط بنی اسرائیل کے گم شدہ بھیڑیوں کے لئے آیا ہوں۔

پادری صاحب نے جواب دیا۔

ہاں یہ صحیح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خاص بنی اسرائیل ہی کے لئے آئے تھے۔ مگر جہاں خاص ہو رہا ہے۔ وہاں عام بھی ہوتا ہے۔ اور ہاتھ کی لکڑی کی طرف اشارہ کر کے بتایا۔ کہ دیکھو یہ لکڑی ہے اور لاٹھی بھی ہے۔ لکڑی عام اور لاٹھی خاص۔ بولنے والے کیساتھ دیگر پادری صاحب بھی بیٹھے تھے بولے یہ بات تو شرح تہذیب میں بھی لکھی ہے۔

پادری صاحب کے جواب پر مولانا قاسم علیہ الرحمتہ نے فرمایا کہ آپ کی تہذیب دانی تھی۔ اب کوئی دم میں معلوم ہوئی جاتی ہے۔ اہل فہم کو دعوے اور دلیل کے مقابلہ سے ہی یہ بات تو واضح ہو گئی ہو گی کہ پادری صاحب جواب دے سکے۔

مولوی احمد علی صاحب نگینوی وکیل عدالت شاہجہانپور واعظ رونصارے کے بعد مولانا ابوالمنصور کھڑے ہوئے۔ فرمایا۔

اگر انجیل کے آسمانی ہونیکی دلیل ترجموں کی کثرت ہے۔ تو یوں کہنا چاہیئے کہ اٹھارہویں صدی سے قبل انجیل کتاب آسمانی نہ تھی۔ اٹھارہویں صدی میں یہ عزت و شرف انجیل کو حاصل ہوا۔ کیونکہ اٹھارہویں صدی میں ترجموں کی کثرت ہوئی۔ اگر انجیل شروع سے ہی آسمانی ہے۔ تو ہر کتاب کے بارہمیں بھی یہی تصور ہونا چاہیئے۔

اس کے جواب میں پادری صاحب بولے۔

ہاں ترجموں کی کثرت تو اٹھارہویں صدی میں ہی ہوئی ہے۔ پھر اٹھارہویں صدی سے پیشتر بھی کسی قدر ترجمے تھے۔

مرزا موحد جالندھری کے بعد سوال و جواب کا سلسلہ ختم ہوا۔ اس کے بعد وعظ کا وقت آ گیا۔ پہلے مسلمانوں کو وقت دیا گیا۔ مسلمانوں کی جانب سے مولانا قاسم رحمتہ اللہ مقرر ہوئے۔ آپ نے حضرت عیسیٰ کی الوھیت کی حقیقت اور شفاعت محمدی کا فلسفہ بیان کرنے کے بعد فرمایا۔

حضرت عیسیٰ کا کفارہ ہو جانا ممکن نہیں یعنی یہ بات جو عیسائیوں کے اعتقاد میں جمی ہوئی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اعسونکی طرف سے ملعون خدا ہوئے نعوذ باللہ اور تین دن تک ان کے بدلے جہنم میں رہے یہ ہرگز قرین عقل نہیں ہے۔ کیونکہ محبوب وجہ محبت اور عدو میں عداوت کا سبب چاہیئے۔ محبوب میں باعث رحمت اور ملعون میں موجب لعنت ضرور ہو گا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ حسن تو کسی میں نظر آئے۔ اور محبوب کسی کو پائے۔ اطاعت

توکسی میں نظر آئے اور رحمت کسی اور پر آئے۔ خوش کسی اور سے ہو جائیں۔ بدمنظر تو کوئی اور ہو اور نفرت اور ہیبت اس سے ہو جس میں حسن خدا داد نظر آئے اور ناخوشی کی باتیں تو کوئی اور کرے اور لعنت اس میں ہو یعنے ناخوش اس سے ہو جائیں جو ہر طرح مطیع ہو۔

پندرہ منٹ کے بعد مولانا کی تقریر ختم ہوئی۔ اس کے بعد پادری مولی داد خاں نامی ایک پادری نے تقریر شروع کی۔

کہ مسلمانوں کے نبی نے جیسے دعوے کیا بھنگیوں کا لال گرو بھی ایسا ہی کہتا تھا۔ اور حضرت عیسٰی علیہ السلام نے یہ فرمایا ہے کہ میرے بعد جو آئیں گے۔ چور اور بٹ مار ہوں گے۔ یعنے عیسٰی علیہ السلام کے بعد کوئی ہادی نہیں آئے گا۔

مولانا ابو المنصور نے اس کے جواب میں فرمایا۔

واہ پادری صاحب ساری عمر انجیل پڑھی پھر بھی یہ خبر نہیں کہ انجیل میں کیا ہے۔ انجیل میں یہ نہیں جو میرے بعد آئیں گے چور اور بٹ مار ہوں گے۔ بلکہ انجیل میں یوں ہے جو مجھ سے پیشتر آئے وہ چور اور بٹ مار تھے۔

پادری اپنے قول پر مصر ہوا۔ تو مولانا ابو المنصور نے انجیل منگوائی۔ انجیل آنے لگی تو پادری یونس صاحب بولے بھائی سے غلطی ہوئی مولوی صاحب صحیح فرماتے ہیں۔ مگر جس لفظ کا یہ ترجمہ ہے وہ بمنزلہ مضارع دو معنے کے لئے آتا ہے۔ 'قبل' اور 'بعد' دونوں اس کے معنے ہوتے ہیں۔

مولانا ابو المنصور نے فرمایا کہ اگر دو معنے ہی ہوں تو ہم کو دیکھنا پڑیگا کہ سیاق و سباق سے کیا معنے سمجھنے چاہئیں۔ سیاق و سباق سے صاف ظاہر ہے کہ قبل مراد ہے۔

اس بے وقوفی کے بعد میں پادری مولی داد خاں خاموش ہو گئے۔ پادری صاحب بھی نہیں بولے دونوں طرح ان کی مصیبت تھی ایک صورت میں پہلے انبیاء کی نبوت سے انکار' اور دوسری صورت میں حواریوں کی رسالت سے انکار۔

جلسہ صبح ۹ بجے شروع ہو کر دو بجے ختم ہوا۔

دن بھر تمام میلے میں ہندو مسلمانوں نے پادریوں کی تقریروں اور فقروں کا مذاق اڑایا۔ مجمع نے یہی نتیجہ نکالا کہ مسلمان غالب رہے چنانچہ اس چرچے سے دوسرے دن کا اشتیاق لوگوں کو بڑھ گیا۔

۸ مئی دوشنبہ ۱۸۷۶ء کو تو صبح ہی خیمہ گیا تھا۔ کرسیوں کی ضرورت ہوئی مزید ڈھائی سو کرسیوں کا بندوبست کیا گیا۔ لیکن پھر بھی بہت سے لوگ خیمے کے گوشوں اور کرسیوں کی قطاروں میں کھڑے اور بیٹھے ہوتے تھے۔ خیموں کی قناتیں علیحدہ کرائی گئیں۔ تو جگہ وسیع ہو گئی۔ اور بہت سے لوگ اس میں کھڑے ہوئے لیکن پھر بھی باہر کثرت سے آدمی کھڑے رہے۔ شوق مناظرہ میں نہ دھوپ کی تپش کا خیال نہ لو کا گمان۔ غرض لگن۔ مجلس کی کاروائی شروع ہوئی۔

پادری نولس نے باہمی معاہدہ کے مطابق بیان کیا کہ آج ہر فریق کی طرف سے گفتگو کے لئے پانچ پانچ آدمی منتخب ہوئے ہیں۔ کل کی طرح عام اجازت تقریر کی نہیں۔ کل چونکہ باہمی بے لطفی پیدا ہو گئی تھی۔ اس لئے آج احتیاطاً یہ صورت اختیار کی گئی۔

مسلمانوں کی طرف سے مولانا ابو المنصور۔ مولوی سید احمد علی۔ اور مرزا موحد یہ تین بحیثیت ماہر فن مناظرہ

روے نصاریٰ لئے گئے۔ اور علماء میں سے دو۔ مولوی سید احمد حسن صاحب امروہوی دوسرے حضرت علامہ مولانا قاسم رحؒ۔

ہندوؤں میں یہ خواہش کی گئی کہ ہمارے ہاں فرقے زیادہ ہیں۔ اس لئے ہر فرقہ کے پانچ پانچ نمائندے لینے چاہئیں۔ چنانچہ اس خواہش کو پورا کیا گیا۔ اور ان کے ہر ایک فرقے کے پانچ پانچ آدمی لئے گئے۔

قاضی میر جوار علی صاحب شاہجہانپوری جو بھی بڑے رئیس تھے غدر میں گرفتار ہوئے تھے علمی اور فن مناظرہ میں اچھی دستگاہ رکھتے تھے انہوں نے بولنے کی کوشش کی۔ لیکن حسب فیصلہ پادری نیار نہ ہوا۔ اس کے بعد مولانا ابو القاسم رحمۃ نے فرمایا۔ نبوت کے لئے نہ معجزات کی ضرورت ہے نہ اعمال صالحہ کی بلکہ منجملہ بناء نبوت اخلاق حمیدہ کے کمال پر ہے۔ مگر ہم نے غور سے دیکھا تو اخلاق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی کو نہیں پایا۔ آپ کے اخلاق بڑی دلیل یہ ہے جو مخالفین کے نزدیک اعتراض کے قابل ہے۔ یعنے جہاد۔ قطع نظر اس کے کہ جہاد اور دیگر میں بھی تھا۔ عقل سلیم کے نزدیک ایک عمدہ تہذیب عالم کے لئے سامان اور الحاد و فتنہ و شرک کے رفع کرنے کا بہترین ذریعہ ہے جو بے لشکر جرار ممکن نہیں ہے۔ لیکن یہ لشکر جرار جس نے روم و شام عراق و ایران و مصر و یمن کو زیر و زبر کیا۔ آپکو کیوں کر میسر آیا۔ بظاہر دنیاوی لشکر کے لئے سامان فراہم کرنے کے دو ہی ذریعے ہیں۔ مال و دولت یا حکومت کے ظلم و جبر۔ جو آپ میں دونوں نہیں تھے۔ آپ کہیں کے بادشاہ نہ تھے۔ بادشاہزادے نہ تھے تاجر نہ تھے۔ جاگیردار نہ تھے تعلقہ دار نہ تھے۔ جو یہ کہا جاتا کہ لشکر و فوج تنخواہ پر رکھی۔ اور یہ کار نمایاں کر دکھایا ظالم نہ تھے جابر نہ تھے جو یہ الزام لگایا جاتا کہ ہر گھر سے دو دو آدمی بلا بھیجے۔ یہ معجزہ کیا بجز اخلاق کے اور کیا چیز تھی۔ جنے یہ تسخیر کی اور برابر کے بھائیوں کو ایسا مسخر کر دیا۔ جہاں آپکا پسینہ گرے وہاں خون گرائیں۔ پھر یہ بھی نہیں کہ ایک دو روز کا ولولہ تھا۔ جو ہو چکتا۔ عمر بھر یہی کیفیت رہی آپ ہی کے پیچھے گھر سے بے گھر ہو گئے۔ زن و فرزند کو چھوڑا۔ گھر بار سب پر خاک ڈالی مونس و اقرباسے لڑے ان کو مار بھگایا۔ ان کے ہاتھوں سے مارے گئے۔ یہ آپ کے اخلاق اور آپ کی محبت نہ تھی۔ اور کیا تھا۔ غرض ملک عرب جیسے بے پیروں اور خود سروں کو ایسا مٹھی میں لیا۔ کہ کسی سے آج تک ایسی تسخیر نہ ہو سکی۔ ایسے اخلاق کوئی بیان کرے تو سہی حضرت آدم میں تھے حضرت نوح میں تھے یا حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ میں تھے یا کسی اور میں تھے۔ انصاف کریں۔ کوئی صاحب بتلائیں تو سہی۔ اس قسم کے اخلاق کا مالک کوئی شخص ہوا ہے۔

یہ تقریر ہو رہی تھی۔ اور لوگوں پر ایک کیفیت طاری تھی۔ ہر شخص ہمہ گوش بنا ہوا تھا۔ اور مولانا علیہ الرحمۃ کی جانب تک رہا تھا۔ کسی کے آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ کوئی مجسم حیرت بنا ہوا تھا۔ پادری بھی بے حس و حرکت بیٹھے ہوئے تھے۔ آخر مولانا کا وقت ختم ہوا۔

پادری نونس صاحب کھڑے ہوئے۔ فرمایا۔

واقعی مسلمانوں میں توحید بہت عمدہ ہے۔ کاش اس کے ساتھ تثلیث کے بھی وہ معتقد ہوتے۔ اس کے بعد عہد عتیق کی کتاب کا حوالہ دیکر کہا کہ اس سے بھی تثلیث ـــــ ثابت ہوتی ہے۔ ہم ایک کا ہندسہ لکھتے ہیں اور اس میں طول بھی ہوتا ہے۔ عرض بھی ہوتا ہے۔ عمق بھی ہوتا ہے۔ وہ ہندسہ ایک ہے لیکن تعبیر ان باتوں کے موجود نہیں ہو سکتا۔ آدمی کی روح ایک ہے۔ مگر اس میں خواہش بھی ہے۔ قوت خیالیہ بھی ہے۔ (ایک اور چیز بتائی) دیکھو روح ایک ہے لیکن ان تین باتوں پر ہو نہیں سکتی۔ دیکھو درخت ایک ہے اس میں جڑ بھی ہے۔ شاخیں بھی ہیں۔ پتے بھی

ہیں۔ بغیر ان تین چیزوں کے درخت نہیں ہو سکتا۔ اس تقریر کے ساتھ کچھ عرصہ تقدیر کے مسئلہ پر روشنی ڈالی۔ اس کے بعد مولانا قاسم کا نمبر آگیا۔

مولانا قاسم نے جواب میں تثلیث کی حقیقت بیان کی۔ اور پادری صاحب کے دلیلوں کی ان الفاظ میں تردید کی۔ پادری صاحب کا دعویٰ اور کچھ ہے اور دلیل کچھ اور۔ دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ جیسے ہمارا خدا واحد حقیقی ہے ایسے ہی وہ باوجود وحدت حقیقی کے کثیر بھی حقیقی ہے۔ یعنے حقیقت میں تین بھی ہیں۔ جو اس اجتماع وحدۃ حقیقی اور کثرت حقیقت کے لئے پادریصاحب نے دلیل بیان کی تو وہ جس سے کثرت حقیقی اور وحدت اعتباری کا اجتماع ثابت ہوتا ہے۔ نہ اصل مطلب کا اثبات۔ پادریصاحب نے جتنی مثالیں بیان فرمائیں۔ سب اسی قسم کی ہیں۔

اگر یہی اتحاد وحدت ہے تو ایسا اتحاد اور وحدت تو اور اعداد میں بھی پایا جاتا ہے۔ اس ہی کی کیا خصوصیت ہے جو تثلیث کا تو اعتقاد ہے اور تربیع تخمس وغیرہ سے انکار پادری صاحب نے جتنی مثالیں بیان فرمائیں انہیں پر غور کیجئے تو تین سے زیادہ معمون مجتمع ہیں۔ ایک کا ہندسہ اگر لکھتے ہیں تو سوائے طول وعرق دعمق کے اس میں سیاہی اور سیاہی کی چمک اور خوبصورتی وغیرہ بھی پائی جاتی ہے۔ ایک جان میں کتنے صفات اور احوال ہوتے ہیں۔ ایک پادریصاحب میں کسقدر اخلاق حمیدہ ہیں۔ اور ایک خدائے تعالےٰ میں کتنی صفات ہیں ایک درخت میں ہزاروں شاخیں ہزاروں پتے اور ہزاروں پھل اور پھر ہر شاخ وبرگ اور پھل میں کسقدر رنگیں اور رنگتیں ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس یہ ایک خیمہ ہے۔ اس میں کتنی چوبیں ہیں۔ کتنے آدمی ہیں۔ ایک ہندسہ میں یہ سب کچھ ہے۔ پھر ایک کا ایک روح انسانی میں سب کچھ ہے۔ پھر ایک کی ایک ذات خداوندی میں غیر متناہی صفات ہیں۔ پھر ایک کا ایک ہی اجتماع کثرت حقیقی اور وحدت حقیقی ہے۔ تو پادری صاحب نے تثلیث پر کیوں قناعت فرمائی۔ تربیع تخمیس بلکہ تسدیس۔ تسبیع وتثمین بلکہ تالیف کا اعتقاد بھی پادری صاحب کو کرنا چاہیئے۔

مولانا کی تقریر کے بعد ہندوؤں کی جانب سے چند پنڈت بولے۔ اور اس اعلان کے ساتھ کہ کل مجلس نہیں ہوگی۔ جلسہ ختم ہوا۔

دہلی کا تاریخی مناظرہ

جب موضوع تعریف انجیل پر ۱۰ اپریل ۱۸۵۴ء میں آگرے میں مولانا شرف الحق صاحب کے استاد محترم معظم مولانا رحمت اللہ نے پادری فنڈر کو مناظرہ لاجواب کیا تھا۔ اسی موضوع پر آپ نے ۲۲ دسمبر ۱۸۹۱ء میں دہلی کی فتحپوری مسجد کے اندر لارڈ بشپ جے' اے لیفرائے مشن کالج دہلی سے مناظرہ کیا۔

دہلی اور دہلی کے اضلاع میں اس مناظرہ نے ایک ہلچل مچادی تھی جس کی خاص وجہ یہ تھی کہ پادری صاحب اور آپ میں یہ طے پایا تھا کہ جو شخص مناظرہ میں ہار جائے گا وہ عام مجمع میں اپنی شکست کا اعتراف تحریری کرے گا۔ اور شکست نامہ لکھ کردے گا۔ نیز ہارنیوالا مقابل کے مذہب کو اختیار کرے گا۔

اس مناظرہ میں آگرہ' علی گڈھ' میرٹھ' دیوبند اور سہارنپور کے معززین ومشاہیر اور علماء کرام مسیح الملک حکیم اجمل خانصاحب اور ان کے خاندان کے بزرگ حکیم احمد سعید خانصاحب مولانا عبدالحق محدث دہلوی مفسر تفسیر حقانی' ڈپٹی سید ہادی حسین' سید سلطان مرزا مجسٹریٹ وغیرہ نے شرکت کی۔ عیسائی حضرات بھی ان اضلاع سے آئے۔ تین دن مناظرہ ہوا۔ ان ایام میں مناظرہ کے دنوں میں مجمع بیس پچیس ہزار سے کسی طرح کم نہ تھا۔ بحث چھ سات گھنٹے پہلے دن جاری رہی۔ لیکن ناتمام دوسرے دن بھر ہوئی پہلے روز کی عالمانہ وفاضلانہ بحث نے شہر میں اور آگ لگادی تھی۔

دوسرے روز مناظرے میں قریب قریب تمام شہر اُمنڈ آیا۔ مناظرہ شروع ہوا۔ ایک گھنٹہ گذرا نہ تھا کہ فیصلہ ہوگیا۔ اور مولانا رحمت اللہ کے شاگرد رشید نے اپنے مدمقابل لیفرائے کو شکست فاش دی۔ اس جم غفیر میں اس نے اپنے مذہب کو نہ بدلا لیکن تسلیم کیا کہ واقعی انجیل شریف میں تحریف ہوئی ہے۔ تحریر کی حسب ذیل عبارت تھی۔

میں اقرار کرتا ہوں کہ لوقا کی انجیل شریف کے ترجمے اور علاوہ اس کے اصلی نسخوں میں جو اس وقت موجود ہیں چند آیتیں غلط ہیں اور بھول سے داخل کی گئی ہیں۔ یہ بات سب سے قدیم نسخوں و ٹریکٹوں کے ملانے سے معلوم و ظاہر ہوئی وہ آیتیں ان میں نہیں ہیں۔ لہٰذا وہی اصلی انجیل کی باتیں سچی مانتا ہوں۔ چند متشرقین شعرا کے قول اصل انجیل شریف میں ملے ہوئے ہیں۔

دستخط جی اے لیفرائے (انگریزی)

یہی وہ تاریخی اور معرکتہ الآرا مناظرے ہیں۔ جن کے بے پناہ اثرات نے پادریوں کی ہمتوں کو توڑ دیا۔ جس کی بناء پر مسلسل ناکامیوں کے بعد پادریوں نے مناظرے کرنے سے گریز کیا۔ چنانچہ مناظروں کا سلسلہ بند ہوا۔ اور پادریوں کی تبلیغی وباء ختم ہوئی۔ ۱۳۰۰ھ کے بعد پادری بالکل ٹھنڈے پڑ گئے۔ گرجے کم ہونے لگے۔ مشنری بھی نظر نہیں آتے تھے۔ بلکہ انگریز ہندو اور مسلمان بننا شروع ہو گئے تھے۔

مشنریوں کی ناکامی

چنانچہ مشنریوں کا حامی عیسائیت کا شیدائی اور دلدادہ گارستان وتاسی اپنے آخری خطبہ میں یورپین کے مسلمان ہونے پر کیسے تعجب کا اظہار کر رہا ہے۔ اور اپنی جھینپ کو مٹا رہا ہے۔

" یہ بات آسانی سے سمجھ میں آتی ہے کہ ہندو لوگ زمرہ اسلام میں شامل ہو رہے ہیں لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ بعض عیسائی نہ معلوم کیوں اسلام قبول کر رہے ہیں۔ اردو کے اخبار "چشمۂ علم" میں ان یورپینوں کے اسلام قبول کرنے کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔ یہ لوگ مدراس کی ایک مسجد میں جمع ہوئے اور مسلمان ہو گئے اور نماز میں مسلمانوں کے ساتھ شرکت کی۔

ایک سوئٹزرلینڈ کے باشندے نے کمال کیا نہ صرف یہ کہ اس نے اسلام قبول کیا بلکہ اب مشرقی لباس زیب تن کئے ہوئے بنڈھیلکنڈ میں تبلیغ کرتا پھر رہا ہے مجموں میں تقریریں کر رہا ہے اور قرآن مجید کے مطالب اردو میں بیان کر رہا ہے۔" (گارستان وتاسی صفحہ ۱۸)

خاص طور پر یہی تثلیث کا دیوانہ گارستان وتاسی علماء کرام کی جدوجہد صاف لفظوں میں تسلیم کرتا ہے اور ان کی قابلیت و لیاقت کا سکہ مانتا ہے۔ اور اپنے خطبہ ۷ دسمبر ۱۸۶۳ء میں صفحہ ۴۰۳ میں لکھتا ہے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے۔ جنہوں نے دین مسیحی قبول کیا ہو۔

یہ عیسائیوں کے مسلمان ہونے کا سلسلہ صرف مدراس یا حیدرآباد میں نہ تھا۔ بلکہ ہر جگہ رد نصاریٰ کرنے والے علماء نے عیسائیوں کو اپنے دلائل و براہین کے زور پر اسلام قبول کرایا۔ مولانا ابو المنصور نے سب سے زیادہ عیسائیوں کو مسلمان کیا [۱] مولانا عبدالحلیم لکھنوی مرحوم نے بہت سی انگریز میموں کو مسلمان کیا [۲]

---

[۱] عین الیقین صفحہ ۳۵ [۲] خوارق مولانا عبدالحلیم صفحہ ۷

مولانا شرف الحق مرحوم نے بھی بہت سے عیسائی مسلمان بنائے۔ اور ان عیسائیوں کو جو بڑے بڑے پادریوں کے صحبت میں عرصہ دراز سے رہتے تھے۔ ان کو عیسائیت سے نفرت پیدا کرائی [۳] عیسائیوں کا مسلمان بننا روزانہ مسلمانوں کے اخبارات میں شائع ہوتا تھا۔ اور خاص طور پر منشور محمدی دیکھئے۔ اس میں کافی لسٹ ایسے یورپینوں کی ملے گی جو بخوشی مسلمان ہوئے [۴]

---

[۳] مناظرہ حیدر آباد دکن [۴] منشور محمدی ۱۸۷۶ء

کالج سکول یتیم خانے انجمنیں اور اخبارات و رسائل

کالجوں اور یتیم خانوں اور اخبار کی پالیسیوں کے دو دور رہے ہیں۔ پہلا دور انگریزی کی ابتداء کا ہے جب وہ ہندوستان پر چھا گیا تھا اور ہندوستانی خوف و ہراس اور پریشانی و مصائب کا شکار بن رہے تھے۔ اور بالکل مردہ کے برابر تھے۔ حکمران طبقہ اور عام سرکاری ملازم کچلنے پر تلا ہوا تھا۔ اس زعم میں تھا کہ کل ہندوستان کو عیسائی بنالے۔ غرض اُس کا ہر چیز پر قبضہ تھا۔

دوسرا دور وہ ہے جب کچھ ہندوستانیوں میں سانس آگیا تھا اور وہ اپنی سمجھ بوجھ سے کچھ کر سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے حکومت کے رعب و دبدبہ طاقت و قوت کی پرواہ نہیں کی۔ اور اپنے آپ کو ان کے قبضہ و اقتدار کے ماتحت دینا نہیں چاہا۔ اور اپنے مفاد کو مقدم سمجھا۔ چاپلوسی کے مقابلہ میں خودداری کو ترجیح دی۔ اپنے پر اعتماد کیا۔

پہلا دور چنانچہ پہلے دور کے مدرسے دہلی کالج، اینگلو انڈین کالج، جے نرائن کالج بنارس، ہندو کالج پونہ، آگرہ کالج کلکتہ مدرسہ کلکتہ سنسکرت کالج علی گڈھ کالج وغیرہ ہیں۔ چنانچہ ان کالجوں کا مقصد کیا تھا انگریزی پرچار کی غرض کیا تھی۔ وہ آپ لارڈ میکالے کے خط میں جو انہوں نے اپنے والد ماجد کو لکھا ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔

"اُس تعلیم کا اثر ہندوؤں پر بہت زیادہ ہے۔ کوئی ہندو جو انگریزی داں ہے کبھی اپنے مذہب پر صداقت کے ساتھ نہیں رہتا بعض لوگ مصلحت کے طور پر ہندو رہتے ہیں مگر بہت سے یا تو موحد ہو جاتے ہیں یا مذہب عیسوی پر عمل درآمد کر لیتے ہیں۔ میرا پختہ عقیدہ ہے کہ اگر تعلیم کے متعلق ہماری تجاویز پر عملدرآمد ہو تو تیس سال بعد بنگال میں ایک بت پرست بھی باقی نہ رہے گا۔"

(تاریخ التعلیم از میجر باسو ص ۱۰۵)

۲۸ جون ۱۸۵۳ء کو دارالامراء کے سامنے سر چارلس ٹریولین آئی سی ایس نے جو شہادت دی ہے۔ اس سے ہندو کالج کی حقیقت کا پتہ چل جاتا ہے کہ ہندوستانیوں کی تعلیم کے نام پر ہندو کالج عیسائی بنانے کی ایک مشین تھی۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

• "میرا خیال ہے کہ انجیل کی شرح مصنفہ منٹ اور دیگر شرحیں بھی گو درس گاہوں میں رکھی جاتی ہیں۔ ان میں انجیل کے حوالے ہیں۔ جس کی وجہ سے طلباء انجیل کو پڑھتے ہیں۔ استادوں کو اجازت ہے کہ وہ اپنے طلبہ سے انجیل کے مضامین پر گفتگو کریں بعض مضامین ایسے پڑھائے جاتے ہیں جن میں مذہب عیسوی اختیار کیا ہے۔ ان کی تعداد ہندو کالج اور دوسرے گورنمنٹ کالجوں سے نکلی ہوئی اتنی ہی ہے۔ جتنی کہ عیسائیوں کے کالجوں سے نکلی ہے۔" (تاریخ تعلیم سید محمود ص ۶۶-۶۷)

یہ حالت ہندو کالج کی آپنے دیکھی اب دہلی کالج جو مسلمانوں کا کالج کہلاتا تھا۔ مسلمانوں کے وقف کے سرمایہ سے چلتا تھا۔ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا ہے۔ وہ بھی دیکھئے اسکی پوری تاریخ دیتے ہیں۔

دہلی کالج تحقیق سے یہ معلوم ہوا ہے کہ اس تعلیم گاہ یعنے مدرسہ غازی الدین کی ابتداء ۱۷۹۲ء میں ہوئی مسٹر ٹامسن لفٹیننٹ گورنر ممالک مغربی شمالی اپنی تعلیمی رپورٹ بابت ۱۸۴۲-۴۳ء میں لکھتے ہیں اور ٹیل کالج دہلی عالم وجود میں آئے سولہ سال ہوئے ہیں اسی حساب سے دہلی کالج کی ابتدا کا ۱۸۲۵ء ہوتا ہے۔ گورنمنٹ آف انڈیا کی تعلیمی اور دفتری تحریروں میں بھی مدرسے کے ابتدائی قیام کا ۱۷۹۲ء ہی لکھا ہے۔ اور ۱۸۳۹ء کی تعلیمی رپورٹ میں اس سال دہلی کالج کا ۴۷واں سال بتایا ہے اس سے بھی مسٹر ٹامسن کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے یعنی مدرسہ کی ابتدا ۱۷۹۲ء میں ہوئی اور ۱۸۲۵ء میں یہ مدرسہ کالج میں تبدیل ہو گیا۔ اس کی بسم اللہ دہلی کی اس خوبصورت اور تاریخی عمارت میں ہوئی جو غازی الدین کے مدرسے کے نام سے مشہور ہے۔ اور نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ

ثانی خلف نواب نظام الملک آصف جاہ کا بنایا ہوا ہے۔ مجیر بانی کی نیک نیتی کا پھل ہے کہ اب تک وہاں تعلیم کا فیضان جاری ہے۔ اور اینگلو عربک سکول جواب کالج ہوگیا ہے۔ سالہا سال سے اس کے درس و تدریس کا سلسلہ وہیں قائم ہیں ۔۔۔۔۔۔ مسٹر ایچ ٹیلر کی رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۸۲۴ء میں مدرسہ غازی الدین میں صرف نو طالب علم تھے۔ اور مولوی عبداللہ انکو تعلیم دیتے تھے (مرحوم دہلی کالج)

۱۸۲۳ء کے مجلس تعلیم عامہ نے تجویز کیا کہ کالج فوراً قائم کر دیا جائے اور تعلیم کے لئے مولویوں کا تقرر کیا جائے اور چونکہ یورپی علوم کی تعلیم اس کا خاص مقصد ہوگا۔ لہذا بعض اعلیٰ درجہ کی کتابیں جو مشرقی زبانوں سے ترجمہ کی گئی ہیں اس کالج کے لئے مہیا کی جائیں۔ اس تعلیم کو مقبول بنانے میں ملازمت کی کشش ضرور کہی جائے۔ اس کی امداد کے لئے محض ساڑھے تین ہزار روپے سالانہ مقرر کرنے کی سفارش کی

غرض اس مجوزہ کالج کا افتتاح ۱۸۲۵ء میں ہوا۔ اور شاہانہ عطیہ میں اس کالج کے لئے پانچسو روپے ماہانہ مقرر کئے گئے۔ مسٹر جے ایچ ٹیلر مقامی مجلس کے سیکرٹری ایک سو چھتر روپے ماہانہ پر اس کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ چند مولوی کی تنخواہ اکیسو بیس روپے قرار پائی اور دو اور مولوی پچاس پچاس کے رکھے گئے۔ باقی پچیس اور تیس تیس کے تھے۔ طلبا کے لئے بھی وظائف مقرر ہوئے

مصنف مولانا عبدالحق انجمن ترقی اردو)

۱۸۲۸ء میں جب سر چارلس مٹکاف برٹش ریذیڈنٹ کمشنر کی سفارش پر کالج میں ایک انگریزی جماعت کا اضافہ ہوا۔ تو لوکل فنڈ کی تعلیمی بجٹ سے دو سو پچاس روپے کالج کو نصرانیت کو فروغ دینے کے لئے منظور کے گئے۔

اس بدعت سے لوگوں میں بڑی بےچینی پیدا ہوئی اور ہندو مسلمان دونوں نے اس کی مخالفت کی۔ دین دار بزرگوں کا یہ خیال تھا کہ یہ ہمارے نوجوانوں کے مذہب بگاڑنے اور اندر ہی اندر عیسائی مذہب کے پھیلانے کی ترکیب ہے۔ یہ مشکل بنگال میں پیش آئی۔ وہاں یہ آندھی برہمنوں سے شروع ہوئی تھی تو یہاں علماء پیش پیش تھے یہ خیال بے جا نہ تھا بات یہ ہے کہ جب لڑکے انگریزی مدرسوں میں داخل ہوئے اور انہوں نے وہاں نصرانیت کا پروپیگنڈہ دیکھا تو انہوں نے یقین کیا کہ ہمارے مذہب پر تعلیم کے نام پر ڈاکہ ڈالا جائے گا اور ہمارے مذہب اور دھرم سے محروم کیا جائیگا۔ مولینا حالی نے چنانچہ اس بات کی تصدیق کی۔ اگرچہ اس وقت قدیم دہلی کا کالج رونق پر تھا مگر جس سوسائٹی میں میں نے نشوونما پائی تھی وہاں علم صرف عربی، اور فارسی، زبان کو سمجھا جاتا انگریزی مدرسوں کو ہمارے علماء بجھلے کہتے تھے دلی ہیچگر جیسی مدرسہ میں مجھکو شب و روز رہنا پڑا وہاں سب مدرس اور طلبا کالج تعلیم یافتہ لوگوں کو جاہل محض سمجھتے تھے، غرض کبھی بھول کر بھی انگریزی تعلیم کا خیال دل میں نہیں گذرتا تھا ڈیڑھ برس دہلی میں رہا اس عرصہ میں کالج کو جاکر نہیں دیکھا بعد میں بعض واقعات ایسے پیش آئے کہ لوگوں کو یہ کہنا پڑا کہ آپکی بدگمانی اور خیال غلط نہ تھا۔

نواب اعتماد الدولہ کا وقف

۱۸۲۹ء کی رپورٹ غیر معمولی طور پر دلچسپ ہے۔ ایک بات تو یہ قابل ذکر ہے کہ کتب خانہ کی توسیع ہوئی دوسرے بادشاہ اودھ کے وزیر کا ایک لاکھ ستر ہزار روپے کا وقف ہے۔ جسکو جنرل کمیٹی تعلیم عامہ کے مشورہ پر انہوں نے دہلی کالج کی امداد کیلئے دیا ۱۸۳۰ء میں جو وصیت نامہ نواب اعتماد الدولہ سید فضل علی خاں بہادر نے اس کے متعلق تحریر فرمایا اسمیں یہ الفاظ درج ہیں۔

میں ایک لاکھ ستر ہزار کی رقم اس کالج کی امداد کے واسطے برٹش گورنمنٹ کی تحویل میں چھوڑتا ہوں جو نواب غازی خاں مرحوم میرے ہموطن نے دہلی میں عربی و فارسی علوم کی ترقی و تعلیم کے واسطے قائم کیا تھا۔ جو میرے مذہبی علوم ۔۔۔۔ اخلاق کے سرچشمے ہیں۔ میں وصیت کرتا ہوں کہ رقم موقوفہ کا منافع ان علوم کے طلبا اور اساتذہ پر خرچ کیا جائے۔ اگر گورنمنٹ کی طرف بوجہ کثرت مشاغل یا دیگر غیر متوقع اسباب کی وجہ سے تساہل واقع ہو تو وہ گورنمنٹ کو میرے داماد سید حامد علی خاں توجہ دلائیں اور بصورت ناکامی گورنمنٹ سے ایک جداگانہ کالج قائم کرنے کی درخواست کریں۔ (کانفرنس گزٹ علی گڈھ ۱۵ ر نومبر ۱۹۱۳ء)

وقف کا بیجا صرف

۱۸۳۰ء میں نواب صاحب کا انتقال ہوگیا مگر افسوس نہ پروفیسروں اور طلباء کا تقرر ان کے نام سے ہوا نہ وظائف ان کے نام سے دیئے گئے نواب حامد علی خاں نے انگریزی کی تعلیم پر بیجا صرف ہونے کی طرف بار بار توجہ دلائی اور اہل دہلی نے اس رقم سے علیحدہ کالج بنانے کی درخواست کی لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکلا اسی زمانہ میں لوگوں کی مخالفت اور پروپیگنڈہ سے انگریزی جماعت مشرقی مدرسہ سے علیحدہ کر دیگئی لیکن علیحدگی دکھانے کی تھی پرنسپل دونوں کے ایک تھے اور نگران کمیٹی بھی ایک تھی۔

کالج کی خصوصیت

اس کالج کی بڑی خصوصیت یہ تھی اور اسی میں اس کی کامیابی کا راز تھا کہ ذریعہ تعلیم اردو تھا عربی فارسی سنسکرت کی تعلیم تو اردو میں ہوتی ہی تھی لیکن دوسرے علوم جو داخل نصاب تھے ان کی تعلیم کا ذریعہ بھی اردو ہی تھا لیکن سرکاری حلقے میں ایک جماعت ایسی پیدا ہوگئی۔ جسے مشرقی تعلیم سے سخت نفرت تھی انہوں نے اس کے خلاف یہ پروپیگنڈہ کیا جو کتابیں ترجمہ ہوتی ہیں وہ فروخت نہیں ہوتیں ان کی مانگ بھی نہیں صرف الماریوں کی زینت ہیں۔ وظائف پر بھی اعتراض تھا طریقہ، تعلیم کو بھی غلط سمجھتے تھے ان کی خواہش یہ تھی مشرقی علوم پر مغربی علوم کی فوقیت ہو چنانچہ جب مشرقی اور مغربی تعلیم کا قضیہ پیش ہوا۔ تو بازی مغربی خیال کے سرکاری طبقہ کے ہاتھ رہی۔

جس کے اثر سے لارڈ ٹمبنگ نے ریزولیوشن مورخہ ۷ مارچ ۱۸۳۵ء سے ان سب مشرقی علوم کا خاتمہ کر دیا۔ وہ ریزولیوشن جو بدنام زمانہ ہے وہ یہ ہے۔

حکومت کی مشرقی علوم کے ساتھ دشمنی

گورنر جنرل کی یہ رائے ہے کہ حکومت برطانیہ کا بڑا مقصد اہل ہند میں یورپین لٹریچر اور سائنس کی اشاعت کرنا ہے۔ اور جس قدر رقوم مقاصد تعلیم کے لئے مخصوص ہیں وہ صرف انگریزی تعلیم پر خرچ ہونی چاہئیں۔ گورنر جنرل طلباء تعلیم کے لئے وظائف دینے کے عمل کو قطعاً قابل اعتراض خیال کرتے ہیں ان کی رائے میں یہ ان علوم کی کی مصنوعی ترغیب ہے۔ اور جب زیادہ مفید علوم کی تعلیم دیجائے گی تو یہ خود بخود ان پر سبقت لیجائیں گے آئندہ کسی طالب علم کو وظیفہ نہ دیں اور گورنر صاحب کو یہ اطلاع ملی ہے کہ کمیٹی نے رقم کثیر مشرقی کتب کے طبع میں صرف کی ہے ہدایت کی جاتی ہے کہ آئندہ ان رقوم کو کوئی اس کام میں نہ لایا جائے۔ وہ عام رقوم جو ان اصلاحات کی رو سے کمیٹی کے قبضہ میں آئیں وہ آئندہ دیسی لوگوں میں انگریزی زبان کے ذریعے سے انگریزی علم وادب اور سائنس کی اشاعت میں صرف کی جائیں۔"

اس حکم کے جاری ہونے پر بڑا غم وغصہ کا اظہار ہوا صرف ہندوستانیوں نے ہی نہیں بلکہ مشرقی علوم کے معتقد انگریزوں نے بھی اس فیصلہ کی مخالفت کی۔ لیکن احکام جاری ہو چکے تھے۔ اور ناطق تھے تعلیمی کمیٹی کو اسکے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا کہ تعمیل کرے۔ کمیٹی کے صدر مسٹر شیکسپیئر نے احتجاج و ناراضگی کے ساتھ استعفیٰ دے دیا۔ اور انکی جگہ مغربی علوم کے کٹر حامی لارڈ میکالے کا تقرر ہوا۔

لارڈ ٹمبنگ کے ریزولیوشن سے اور خاص کر جس نامناسب اور ناگوار طریقے سے تعلیمی کمیٹی نے اس کی تعمیل کی تھی اور اس پر ہندوستانی کو بے اطمینانی اور بےچینی پیدا ہوگئی تھی وہ نہیں مٹی اور اس بےچینی اور بدگمانی کے اسباب یہ تھے۔

(۱) سب سے پہلی وجہ یہ تھی کہ مشرقی مدارس کو کمزور کر دیا گیا ان کی رقمیں ان سے چھین کر یا تو ایسی جماعتوں کی امانت میں صرف کیں جو ان کی نظر کے سامنے ایک چھت میں تعلیم پاتی تھیں یا اضلاع کے ایسے مدارس کی مدد کے لئے مخصوص کر دیں جہاں انگریزی تعلیم دی جاتی تھی۔ یہ عمل خلاف انصاف اور وعدہ خلافی پر محمول کیا گیا۔

(۲) جہاں دیسی زبان کی تعلیم کے لئے جداگانہ جماعتیں تھیں انہیں توڑ دیا گیا اور ذریعہ تعلیم کے لئے عام طور پر انگریزی کو دیسی زبان پر ترجیح دی گئی۔

(۳) وظائف بند کر دیئے گئے جس سے دہلی اور دہلی کے دوسرے مقامات میں بہت ناراضی پھیلی کیونکہ لوگ تعلیم کو کار خیر سمجھتے تھے

دوسری بات یہ تھی کہ اکثر طالبعلم نادار تھے - وہ اپنی تعلیم زیادہ دنوں تک جاری نہیں رکھ سکتے تھے -

اس تمام بے اطمینانی کی بنا پر لارڈ آکلنڈ جو لارڈ بنٹنگ کے بعد ہندوستان کے گورنر جنرل ہو کر آئے انہوں نے تمام امور پر غور کیا - اور ۲۴ نومبر ۱۸۳۹ء کو جنرل کمیٹی تعلیم عامہ کے نام ایک یادداشت لکھی اور ان غلط فہمیوں کو رفع کیا جو لارڈ بنٹنگ کے ریزولیوشن سے پیدا ہو گئی تھیں - لارڈ موصوف نے صاف الفاظ میں اپنا یہ فیصلہ کیا کہ مشرقی مدارس میں مشرقی تعلیم کی تکمیل و ترقی کو قطعی طور پر ترجیح دی جائے - اکمال ترقی و تکمیل کے بعد مشرقی تعلیم کی ترقی سے جو رقم بچے وہ انگریزی تعلیم کی ترقی میں دی جائے - اعلیٰ قابلیت کے مدرس مقرر کئے جائیں اور ان کو معقول تنخواہیں دی جائیں طلبار کے وظائف کا دستور پھر جاری کیا جائے اور جو رقمیں سابقہ میں مدارس کی مقرر تھیں وہ ان کو دی جائے -

دیسی زبان کے ذریعہ تعلیم ہونے کے جو دل خوش کن توقعات لارڈ موصوف نے دلوائی وہ ردی کی ٹوکری میں ڈال دی گئیں کتابوں کے تراجم کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا - اور آنکھوں پر پٹی باندھ کر یہ کہہ دیا گیا کہ مغربی علوم کی تعلیم انگریزی زبان کے ذریعہ دی جائے - اور ستم ظریفی یہ کی گئی کہ عربی سنسکرت فارسی کی تعلیم بھی انگریزی کے ذریعے کی جانے لگی -

۱۸۳۵ء میں تقریباً مدارس میں سنسکرت عربی فارسی کی تعلیم اردو کے ذریعہ ہوتی تھی اس طریقہ کو بہت سراہا جاتا تھا مسٹر ناظم تعلیمات احاطۂ بنگال اپنے تبصرہ تعلیمی ۱۸۵۳ء میں لکھتے ہیں -

"ایک مدت سے دلی کالج کی ایک خصوصیت ایسی چلی آرہی ہے جو اسے بالائی اور زیریں صوبجات کے دوسرے کالجوں سے ممتاز کرتی ہے - اور وہ یہ ہے کہ وہاں دیسی زبان (اردو) کے ذریعہ تعلیم دیجاتی ہے - اور یہ (امتیازی خصوصیت) ریاضیات کی تمام شاخوں اور کم و بیش تاریخ اور اخلاق و فلسفہ (عامل سائنس) کی تعلیم سے تعلق رکھتی ہے - اس طریقہ پر مسٹر بتروس نے اپنے زمانہ پرنسپلی میں استقلال کے ساتھ عملدرآمد کیا اور انکے جانشین ڈاکٹر سپرنگر نے اسی خوشی کے ساتھ جاری رکھا - یہ اب دہلی کالج کے نظم کا ایک جزو تسلیم کر لیا گیا ہے مناسب یہ ہے کہ اسے آزادی کے ساتھ بڑھنے اور پھولنے پھلنے دیا جائے "

اس رائے کی تصدیق مسٹر کارگل پرنسپل دہلی کالج کے اس بیان سے ہوتی ہے - جو سالانہ رپورٹ ۱۸۵۲ء میں درج ہے مشرقی شعبے کا طالبعلم اپنے مغربی شعبے والے حریف سے سائنس میں کہیں بڑھا ہوا ہے -

اس کے بعد وہ اس پر اظہار افسوس کرتے ہیں کہ نصاب کی مناسب کتابیں نہیں ورنہ اس کا علم اور بھی بہتر ہوتا وہ لکھتے ہیں :-

قابل فوجی افسروں اور مشنریوں نے کالج کے امتحان کے بعد یہ بیان دیا کہ "مشرقی طلبار کے تبصرہ میں علم ہیئت جنرل سائنس اخلاقی اور مذہبی شعبے میں قطعی طور پر بڑی ترقی پائی جاتی ہے - اور مختصر یہ کہ تمام ہندوستان میں کسی جگہ ایسے ترقی کے آثار نظر نہیں آتے "

۱۸۳۱ء میں لارڈ بنٹنگ کے اعلان کرنے کے رپورٹوں میں اپنی خوبی کو بدصورتی کی شکل میں دکھایا جانے لگا اب ممتحن کی رائے ہو گئی کہ شرع محمدی فقہ میں زیادہ وسیع نہ تھا اور طلبار کی زیادہ تر تعداد فارسی میں گلستاں بوستاں سے آگے نہیں بڑھی تھیں - حالانکہ یہ کتابیں ایسی ہیں کہ کالج میں داخل ہونے سے پہلے پڑھکر آئیں - کالج کا سیکرٹری جو مشرقی تعلیم کے طریقہ کو پہلے پسند کرتا تھا اس نے اپنی رپورٹ سالانہ ۱۸۴۳ء میں لکھا کہ :-

عربی کی اعلیٰ جماعت میں صرف تین طالبعلم ہیں - بہت لوگوں کا خیال ہے کہ عربی کی تعلیم نہ تو دیسی عام رہی اور نہ ویسی پختہ جیسی پہلی تھی اب ذریعہ معاش بھی نہیں رہی - اور خالی خولی نام یا شہرت کا موجب رہ گئی یہ امر قابل افسوس ہے کہ طلبار فارسی نصاب ختم کر کے کالج چھوڑ دیتے ہیں اور جو عربی پڑھتے ہیں ان کا یہ حال ہے کہ کافیہ اور دوسرے آسان کتابوں سے آگے نہیں بڑھے اور سو میں بمشکل چار پانچ ایسے نکلتے ہیں جو اعلیٰ شعبوں تک پہنچتے ہیں (تبصرہ تعلیم عامہ بنگال ۱۸۵۳ء)

کالج میں عربی اور فارسی اور سنسکرت گراتے گراتے اس اسٹیج پر لے گئے تھے کہ انگریزی پڑھنے والے ۱۹۹ تھے۔ اور عربی فارسی سنسکرت پڑھنے والے ۲۶-۵۷-۲۵ ہو گئے تھے۔ بعد میں فارسی عربی کے ساتھ سنسکرت اور ہندی تعلیم بھی کالج میں ختم کردی گئی تھی کالج میں مشرقی زبانوں کو ختم کرنے کا جو منشا تھا وہ ایک واقعہ سے ظاہر ہو گیا جس سے کالج کا اعتماد اٹھ گیا۔ واقعہ یہ تھا کہ ماسٹر رام چندر جو اردو میں سائنس پڑھاتے تھے اور لالہ چمن لال فرسٹ سب اسسٹنٹ۔ سرجن، دونوں کے دونوں عیسائی ہو گئے۔ اس سے دہلی کی مخلوق بہت بگڑی اور شہر میں بڑا غلغلہ پیدا ہوا۔ ایسا سننے میں آیا ہے کہ بعض اور طالب عیسائی ہونے پر تلے ہوئے تھے۔ لیکن دہلی والوں کے ڈر سے عیسائی نہیں بن سکے عیسائی بننے کے بعد تارا چند کو عیسائیوں نے ریونڈ کا خطاب دیا۔

ماسٹر جی کی بپتسمہ لینی کی ۱۱ تاریخ جولائی ۱۸۵۳ء سے ۱۰ جولائی تک کالج میں داخلہ برابر ہوتا رہا۔ اور طلباء کی تعداد ۳۴۴ تھی لیکن اس خبر کے پھیلنے سے دفعتاً داخلہ بند ہو گیا۔ اور بہت سے لڑکوں نے اپنے نام کٹوا لئے۔ اس کے بعد کالج کے پرنسپل کارگل نے بہت کچھ سفارشیں کیں گورنر لارڈ آکلینڈ نے مشرقی تعلیم کے ذریعہ سے تعلیم دینا منظور بھی کر لیا لیکن دہلی والوں پر کوئی اس کا اثر نہیں ہوا۔ دہلی والوں نے شہر میں متعدد عربی فارسی کی درسگاہیں کھول لیں تھیں عربی فارسی پڑھنے والے طلباء ان کی درسگاہوں میں داخل ہو گئے تھے۔ شہر میں ایک فارسی اور اردو کا مدرسہ تھا اس کے مدرس مسلمان تھے ۱۰۴ طلبا اسمیں تعلیم پاتے تھے ان میں سے سو ہندو تھے اور چار مسلمان۔ مسلمانوں کے مدرسوں میں ہندوؤں کیلئے کوئی روک ٹوک نہیں تھی ہندوؤں نے اپنے ہندی اردو مدارس کھولے تھے اس میں مسلمان بے دھڑک داخل ہوتے تھے کوئی اعتراض ان کے داخلہ پر نہیں کرتا تھا۔

غدر میں کالج کا حشر کچھ سال بعد غدر آیا۔ ۱۱ مئی پیر کا دن تھا کالج کا وقت صبح کا تھا پڑھائی حسب معمول ہو رہی تھی ۸½ بجے چند لوگ ہانپتے کانپتے آئے ان کی سراسیمگی اور وحشت کا عجب حال تھا۔ جماعتوں میں بے تحاشا گھس گئے اور اپنے لڑکوں سے کہا گھر چلو بھاگو غدر مچ گیا۔ سپاہی اور سواروں نے لوٹ مار اور قتل و غارتگری کا بازار گرم کر رکھا ہے یہ سنتے ہی لڑکے اپنے اپنے بستے سنبھال کر چمپت ہوئے پرنسپل حیران و ششدر تھا کہ یہ کیا تماشہ ہے اتنے میں میگزین کا چپراسی آیا اور کمانڈنٹ کا خط اس میں لکھا تھا کہ شورش بپا ہو گئی ہے۔ اور حالت لمحہ بہ لمحہ خطرناک ہوتی جاتی ہے مصلحت یہ ہے کہ آپ فوراً مع انگریزی اسٹاف کے یہاں آجائیں اور میگزین میں پناہ لیں پرنسپل ٹیلر، رائش ہیڈ ماسٹر، اسٹورات سکنڈ ماسٹر، اسٹیر تھرڈ ماسٹر تو کھلائے ہوئے بھاگے اور میگزین میں پناہ گزیں ہوئے۔

مسٹر ٹیلر کالج کی کوٹھی میں رہتے تھے رائش کا بنگلہ بھی کالج کے احاطہ میں تھا ان کے بیوی بچے بھی ساتھ رہتے تھے اسٹورات منصور علی کی حویلی میں اور اسٹیر کشمیری دروازہ کی طرف کسی مکان میں اقامت گزیں تھے۔ پروفیسر لیسوع داس رام چندر چاندنی چوک میں کوٹھے پر رہتے تھے۔

اس کے بعد ہندوستانی سپاہیوں نے میگزین کو گھیر لیا وہ ہر انگریزی چیز کو تباہ کرنے چلے آتے تھے میگزین میں پانچ چھ انگریز افسر اور دو تین سارجنٹ تھے۔ انہوں نے مقابلہ کیا لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں ہندوستانی سیڑھیاں لگا کر میگزین کی دیواروں پر چڑھ گئے اسوقت انگریزوں کو کمک کی کوئی توقع نہیں رہی تو انہوں نے میگزین کو آگ لگا دی اور ہزاروں ہندوستانیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پانچ انگریز خود بھی لقمۂ اجل ہوئے۔

مسٹر ٹیلر اور مسٹر اسٹیر جان بچا کر بھاگے اور میگزین سے صحیح سلامت باہر نکل آئے لیکن ہوش و حواس باختہ حیران تھے کہ کہاں جائیں ہر طرف موت کھڑی تھی۔ رائش کا تو وہیں ڈھیر ہو گیا بہ ہزار دقت ٹیلر صاحب کالج کے احاطہ میں آئے اور اپنے بڈھے خانساماں کی کوٹھڑی میں گھس گئے وہ اس نے انہیں محمد باقر مولوی محمد حسین آزاد کے والد کے گھر پہنچا دیا مولوی محمد باقر سے ان کی بڑی گاڑھی چھنتی تھی انہوں نے

ایک رات تو ٹیلر کو اپنے امام باڑہ میں رکھا لیکن دوسرے روز ٹیلر صاحب کو ہندوستانی لباس پہنا کر چلتا کیا۔ بہرام خاں کی کھڑکی کے قریب جب وہ اس سج دھج سے پہنچے تو لوگوں نے پہچان لیا۔ اور اتنے لٹھ برسائے کہ وہیں دم دے دیا۔ بعد میں مولوی محمد باقر صاحب اس جرم میں سولی پر چڑھائے گئے۔ اور ان کا کوئی عذر نہ چلا مولوی محمد حسین آزاد کا بھی وارنٹ کٹ گیا تھا اور مسٹر ٹیلر کے مارے جانے میں ان کی بھی سازش سمجھی جاتی تھی مگر یہ راتوں رات نکل بھاگے اور کئی سال تک سرزمین ایران میں بادیہ پیمائی کرتے رہے۔ جب معافی ہوئی تو ہندوستان آئے اسٹیورٹ سب سے اچھے رہے میگزین اڑنے سے اس کی چاردیواری میں دراز پڑ گئی تھی اس سے ٹیلر صاحب کے ساتھ باہر نکل آئے یہ جمنا پار چلے گئے وہاں یہ زندہ بچ گئے اور غدر کی پر آشوب دار و گیر سے محفوظ رہے۔ رہے پروفیسر رام چندر یہ پیدل چل کر پن چکی کی سڑک سے ہو کے قلعہ کے سامنے آئے انہوں نے دیکھا چند ترک سوار یا مغلوں کا دستہ ننگی تلواریں ہاتھ میں لئے آرہا ہے۔ یہ اسے دیکھ کر اپنے گھر کی طرف مڑ گئے اور چاندنی چوک کے کوٹھے پر صحیح سلامت پہنچ گئے۔ وہاں سے انہیں ان کے بھائی رام شنکر داس اپنے ساتھ لے گئے اور کالیستھوں کے محلہ میں اپنے کسی عزیز کے ہاں جا چھپے۔ مگر ان کے اقربا نے اس خیال سے کہ آپ کی وجہ سے کہیں ہم پر آفت نہ آجائے۔ ان کا وہاں رکھنا پسند نہیں کیا اس کا ایک قدیم نوکر جاٹ تھا اس نے بڑی وفاداری کی انہیں جاٹ بنا کر گنواروں کے کپڑے پہنا کر گڑ بندھوا اپنے گاؤں لے گیا۔ اور وہاں رکھا۔ وہاں سے یہ بادلی سرا میں انگریزی لشکر سے جا ملے۔ رابرٹس صاحب کی دو لڑکیاں اور پانچ عیسائی طلبہ بھی ان کے ہاتھ سے مارے گئے۔

دن کے بارہ بجے کچھ دیر بعد کالج کا کتب خانہ لٹنا شروع ہوا لٹیرے بے ڈھب تھے انگریزی کی تمام کتابوں کی خوبصورت خوبصورت جلدیں پھاڑ لیں اور ورقوں کا کالج کے تمام باغ میں دو دو انچ موٹا فرش بچھا دیا۔ فارسی، اردو کی جتنی کتابیں تھیں ان کی گٹھریاں باندھ کر اپنے گھر لے گئے اور پھر کباڑیوں کے ہاتھ فروخت کر دیں سائنس ڈیپارٹمنٹ میں جتنے آلات تھے انہیں بھی توڑ پھوڑ ڈالا اور لوہا پیتل وغیرہ دھاتیں لے گئے (مرحوم دہلی کالج ص۶۳)

دہلی کالج کا اسٹاف

دہلی کالج میں ۱۸۴۲ء میں تعلیم کے دو شعبہ تھے پہلے میں انگریزی اور ہندوستانی زبانوں کے علاوہ جدید یورپ کے علوم پڑھائے جاتے تھے اور دوسری میں قدیم مشرقی زبانیں یعنی عربی، فارسی سنسکرت پڑھائی جاتی تھیں کالج میں بیس پروفیسر ملازم تھے دہلی کالج کی نگرانی میں دو دو یم درجے کے کالج ہیں۔ ایک میرٹھ میں دوسرا بریلی میں۔ اساتذہ مولوی مملوک علی، مولوی سید محمد مولوی سدید الدین۔ مولوی جعفر علی تھے۔ تقریباً چھ مہینے سے بیس مترجم کالج میں ملازم رہتے تھے۔ یہ عربی فارسی اور سنسکرت کی مشہور کتابوں کے علاوہ انگریزی کی بعض کتابیں علوم طبیعیات معاشیات تاریخ فلسفہ قانون اور برطانوی ہند میں رائج الوقت قانون کی کتابیں اردو میں ترجمہ کرتے تھے (دہلی کالج کے پرنسپل کا خط گارساں دتاسی کے نام)

دہلی کالج کی کتابیں

دہلی کالج کی انجمن اشاعت علوم نے ۱۲۸ کتابیں شائع کی تھیں جس میں قابل تذکرہ حسب ذیل کتب ہیں: تاریخ یونان، اصول قانون تاریخ ہند، تاریخ انگلستان۔ تاریخ اسلام۔ تاریخ روما انتخاب شعرائے اردو انتخاب الف لیلہ۔ قانون محمد فوجداری۔ رامائن مہابھارت، دیوان سودا، دیوان درد، دیوان میر تقی میر، دیوان جرأت، محاورات شرع اسلام، حدائق البلاغت، تاریخ خاندان مغلیہ، تذکرہ حکماء، صرف و نحو انگریزی (اردو میں) سوانح عمر رنجیت سنگھ، ترجمہ ابوالفدا (تین جلدوں میں) فرائد الدہر (شعرائے عرب)، تاریخ بنگال، تذکرہ شعرائے ہند۔ حکمائے یونان۔ تذکرہ اولیٰ ملین، قصہ چہار درویش تذکرہ سرور سنن ترمذی (اردو) مختصر قدوری۔ تذکرہ شعرائے ہند وغیرہ۔

دہلی کالج کا ٹوٹنا

یہ کالج ۱۸۷۷ء تک برابر چلتا رہا۔ اور صحیح بات یہ تھی کہ ۱۸۶۴ء سے جب غدر کے بعد سے دوبارہ کھلا تو زمانہ دوسرا تھا۔ انتظام تعلیم میں نیا ورق الٹ چکا تھا۔ ہر چیز کی تنظیم و تربیت بالکل نئے سرے سے کی گئی۔ دہلی کالج کی جو خصوصیتیں اور جن پر اس کالج اور کالج کے اساتذہ اور اس کے گریجویٹوں کو ناز تھا۔ وہ باقی نہیں رہیں۔ اردو زبان اور تالیف

وترجمے کا چرچہ رفتہ رفتہ اٹھ گیا اور زیادہ زور انگریزی پر دیا جانے لگا۔ کالج اگرچہ بظاہر پنجاب یونیورسٹی سے ملحق تھا مگر طلباء اکثر کلکتہ یونیورسٹی میں امتحان دیتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ پنجاب میں یونیورسٹی تو تھی لیکن وہ مسلمہ نہ تھی ۱۸۸۱ء میں تسلیم کی گئی کالج کے قدیم طالب علم جو چند سال پہلے زندہ تھے یا جو دو ایک صاحب باقی ہیں سب کا بیان تھا کہ کالج ۱۸۷۷ء تک اچھا خاصہ چل رہا تھا نہ معلوم گورنمنٹ کے جی میں کیا آئی اسے اپریل ۱۸۷۷ء میں توڑ دیا۔ اور اسکا سارا اسٹاف لاہور کالج میں بھیجدیا یعنی اس کالج کو لاہور کالج میں ختم کر دیا۔

حقیقت یہ تھی کہ ڈاکٹر لائیٹنر جو گورنمنٹ کالج لاہور کے پرنسپل تھے۔ اور پنجاب گورنمنٹ میں بڑا رسوخ رکھتے تھے وہ گورنمنٹ کالج کو فروغ دینا چاہتے تھے۔ گورنر کا بھی یہی منشا تھا کہ صوبہ کی تمام اچھی اچھی چیزیں مرکز حکومت یعنی لاہور میں آجائیں۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دہلی اپنے عزیز کالج سے محروم کر دی گئی۔ اور سب اساتذہ اور طلباء لاہور چلے گئے (مرحوم دہلی کالج ص ۵۱)

مسلم مشنری سوسائٹی

یہ سوسائٹی مشنریوں کے مقابلہ کیلئے ۱۸۲۲ء میں بنی تھی جس کا مدعا تھا کہ وہ مسلمانوں میں اصلاحی کام کریں اور عیسائیوں کی کتابوں کے جواب میں کتابیں شائع کریں۔ ان کے بازاری پروپیگنڈہ کا مناظرہ عام کر کے جواب دیں

سائنٹیفک سوسائٹی

سرسید نے علمی اور تاریخی کتابیں انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرنے کے لئے یہ سوسائٹی بنائی تھی۔ جس کے ممبر انگریز اور ہندوستانی دونوں ہو سکتے تھے۔ یہ سوسائٹی ۱۸۶۳ء میں غازی پور میں قائم ہوئی۔ تمام قواعد مرتب کئے۔ ڈیوک آف آرگائل جو اس وقت وزیر ہند تھے انہوں نے سوسائٹی کا پیٹرن ہونا منظور کیا اور ڈرمنڈ صاحب لفٹننٹ گورنر شمال مغرب اور لفٹننٹ گورنر پنجاب مسٹر مکلوڈ وائس پریذیڈنٹ قرار پائے اور بہت سے صوبوں کے رئیس لائق و فاضل ذی عزت ہندو مسلمانوں نے اس کی ممبری قبول کی۔

مدرسہ کا قیام

اسی سنہ میں انہوں نے غازی پور میں ایک مدرسہ قائم کیا۔ اس کے لئے جب چندہ کی مقدار سترہ ہزار تک پہنچگئی تو اول مدرسہ کیلئے ایک مکان کی تعمیر کی منظوری ہوئی ۱۸۶۴ء میں ایک مجمع عام میں ہندوستان اور تمام ضلع کے حکام شریک تھے اس کی بنیاد کا پتھر رکھا گیا۔ اور تعمیر شروع ہوگئی۔ راجہ ہر دیو نرائن سنگھ اس کے پیٹرن مقرر ہوئے متعدد کمیٹیاں اس کے انتظام کے لئے قرار پائی تھیں۔ انگریزی، اردو، فارسی، عربی، سنسکرت پانچ زبانوں کی تعلیم کا اسمیں انتظام کیا گیا تھا۔ یہ مدرسہ آج تک وکٹوریہ اسکول کے نام سے غازی پور میں جاری ہے۔ اور ہائی سکول تک پڑھائی اس میں برابر ہوتی ہے۔

سوسائٹی کا دفتر

۱۸۶۴ء میں سرسید غازی پور سے تبدیل ہو کر علیگڑھ آئے وہاں علیگڑھ کے جج مسٹر ولیم جنکنسن بریلی سوسائٹی کے صدر بنے۔ ہندوستانی اور یورپین ممبروں کی تعداد بڑھ گئی اور سوسائٹی کے لئے ایک مستقل مکان بننے کی تجویز ہوئی۔ اسوقت ایک عالیشان عمارت دلکش چمن اور وسیع احاطہ کی صورت میں موجود ہے تیس ہزار روپے اس کی تعمیر پر خرچ ہوئے۔ بنیاد کا پتھر آنریبل ڈائمنڈ لفٹننٹ گورنر نے رکھا۔ ۱۴ر فروری ۱۸۶۶ء کو مسٹر ولیمس کمشنر میرٹھ کے ہاتھ سے اس کی افتتاح کی رسم ادا ہوئی۔ (حیات جاوید)

اس مکان میں ہر مہینے متعدد جلسے ہوتے تھے۔ اور مختلف مضامین خاص طور پر رد نصاریٰ پر لکچر دیے جاتے تھے۔ ڈاکٹر کلکلی ایک لکچر نیچرل سائنس پر دیتے تھے اور علمی آلات جو سوسائٹی میں موجود تھے سامعین کو تجربے دکھاتے۔ مترجم مولوی پرسیمن چپراسی اور حالی وغیرہ پانچسو روپے کے تنخواہ دار ملازم تھے۔

ترجمے کے عملہ کو ۲۴۵ روپے اور عملہ مطبع کو ۲۳۴ روپے۔ اور روشنی انتظام مکان کیلئے ۱۰ روپے ماہوار مقرر تھا۔
(سوسائٹی اخبار ۱۳ر ستمبر ۱۸۶۷ء جلد ۲ ص ۱۲)

چند برس میں بہت سی کتابیں سوسائٹی نے انگریزی سے ترجمہ کرکے چھاپیں۔ مثلاً الفنسٹن کی تاریخ ہند، رولن کی تاریخ مصر قدیم۔ تاریخ یونان قدیم، اسکاٹ برلن کا رسالہ علم فلاحت، سیرل کا رسالہ سیاست مدن، سرجان ملکم کی تاریخ ایران، ریورنڈ ایکیسوس کی تاریخ چین کا فارسی ترجمہ وغیرہ۔ تبیین الکلام کے چھاپنے کیلئے سرسید نے اپنا ذاتی پریس خریدا تھا۔ تمام سوسائٹی کی روئدادیں اور تمام انگریزی اور اردو کاغذات ابتدا سے اسی پریس میں چھپتے تھے۔ جب تبیین الکلام کی چھپائی موقوف ہوگئی تو کل سامان پریس کا ایک عام جلسہ میں سوسائٹی کو سرسید نے مفت دے دیا تھا۔

۱۸۶۶ء میں سرسید نے "سائنٹیفک سوسائٹی" کے نام سے اخبار نکالا جو انسٹی ٹیوٹ گزٹ کے نام سے ان کے آخر دم تک جاری رہا یہ اخبار پہلے ہفتہ وار نکلتا تھا پھر ہفتہ میں دوبارہ نکلنے لگا۔

اول ہر سید زیادہ تر اس میں پولٹیکل معاملات پر مضامین اور نوٹ لکھتے تھے۔ اس اخبار کی خصوصیت یہ تھی کہ اسکا ایک کالم انگریزی میں اور ایک اردو میں ہوتا تھا۔ اور بعض مضامین اردو میں الگ چھاپے جاتے تھے اس سے انگریزی اور ہندوستانی سب فائدہ اٹھاتے تھے۔

اس میں سوشل اخلاقی علمی اور پولٹیکل ہر قسم کے مضامین ہوتے تھے۔ اس کی سب سے بڑی غرض یہ تھی کہ انگریزی داں طبقہ بھی اردو کے شائق بنیں۔ اس کی باقاعدگی کی یہ حال تھا کہ وہ تنتیس برس جاری رہا اس عرصہ میں شائد ہی کوئی نمبر ایسا ہوگا جو اپنی تاریخ معین پر نہ نکلا ہو۔ سوسائٹی کئی ہزار کی مقروض ہوگئی تھی مگر سرسید نے جس طرح ہوسکا اخبار کو بند ہونے نہیں دیا۔

(حیات جاوید)

دوسرا دور

آخر علماء کرام بیدار ہوئے اور اُن کی شبانہ روز تقریروں اور تحریروں نے گل کھلایا جس طرح عیسائی مشنری سرمایہ اور حکومت ہند کے زعم اور شہ پر طوفان اور سیلاب کی طرح ابل پڑے تھے۔ اور ہندوستانیوں کو مجموعی طور پر نصرانیت کے پھندے میں پھنسانا چاہتے تھے۔ اسی طرح کچھ عرصہ مشنریوں کے ہتھکنڈے دیکھکر مسلمانوں میں ردِّ نصاریٰ کی ایک منتقانہ لہر دوڑ گئی وہ بھی کمربستہ ہوئے اور مقابلہ کیلئے نکل آئے ہر صوبے ہر ضلع اور ہر قصبہ میں ہر پڑھالکھا مسلمان مناظرہ کرنے کے لئے انجیل پڑھنے لگا اور مولینا رحمت اللہ اور مولانا آل حسن کی تصنیفات کا بھی بڑے شوق و ذوق سے مطالعہ ہونے لگا۔ اور بازاروں گلی کوچوں میں مناظرے ہونے لگے پادری اور عیسائی مشنری گھبرائے۔ ایک مرتبہ کے بعد دوبارہ مناظرہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے۔ اسوقت جب کہ علماء کرام ان کو قابل توجہ نہیں سمجھتے تھے۔ یہ بڑے اکڑ کے ساتھ مسلمانوں کو مخاطب کرکے چیلنج کرتے تھے اور رکیک و کمینہ حملے کرکے ہندوستانیوں پر رعب جماتے تھے لیکن جب مقابلہ ہوا۔ تو مناظرہ کو بیکار اور تضیع اوقات قرار دینے لگے۔ اور تبادلہ خیال کرنے کو بھی گناہ سمجھنے لگے۔

چنانچہ مسلمانوں نے ہر وہ طریقے جو مقابلہ کرنے کے تھے اختیار کئے ہر صوبے ہر ضلع اور ہر قصبہ میں انجمنیں مردانہ اور زنانہ سکول کالج اور یتیم خانے قائم کئے لٹریچر اخبارات و رسالے ہزاروں کی تعداد میں چھپوا کر گھروں دکانوں دفتروں میں تقسیم کرائے جابجا لائبریریاں کھولیں اور مبلغین ردِّ نصاریٰ شہروں اور قصبوں اور بازاروں میں اسلام کی حقانیت اور ابطال تثلیث کرنے کے لئے تیار ہوئے مسلمانوں کو یہ تلقین کی تم بھوکے مرجاؤ مگر اپنا مذہب تبدیل نہ کرو۔ اپنے گھروں میں نصرانی کرسٹان عورتوں کو مت داخل ہونے دو مشنری سکولوں اور کالجوں میں اپنے معصوم بچوں کو مت پڑھاؤ۔ سرمایہ داروں کو غریبوں کی مدد کرنی چاہیئے تاکہ وہ اپنا محبوب مذہب چھوڑ دیں۔

اس نازک دور میں جب کہ عیسائیوں کو "نصاریٰ" کہنے پر پھانسی دیجاتی تھی اس وقت ردِّ نصاریٰ جیسا خوفناک جرم کرنے کے لئے حسب ذیل جماعتوں نے مدارس اور یتیم خانیں وغیرہ بنانے کیلئے قدم اٹھایا۔ یہی جماعتیں اور ادارے تھے جنہوں نے علماء کرام کی ہدایتوں پر عمل کرکے مناظرین ردِّ نصاریٰ پیدا کئے۔ اور مسلمانوں کو مشنریوں سے مقابلہ کرنے کے لئے بیدار اور آمادہ کیا۔

دارالعلوم دیوبند یہ دارالعلوم ہندوستان بلکہ دنیائے اسلام میں ایک معروف و بے مثل درسگاہ ہے۔ جس کی علمیت و لیاقت اور مذہبیت و خودداری کا سکہ ہر مخالف و دشمن نے مانا ہے۔ اس کا تعارف کرانا سورج کو دیا دکھانے کے مترادف ہے۔ وہ چار دانگ عالم میں مشہور ہے۔ اور اس مجاہد کی دل کی آواز ہے جس کا نام نامی قطب الاقطاب حضرت مولانا سید احمد بریلوی ہے۔ ان کا قدم جب دیوبند کی زمین پر رکھا گیا تو آپ نے خوش ہو کر فرمایا۔ یہ سرزمین دنیا میں سورج کی طرح علم کی روشنی پھیلائے گی۔ اس سرزمین سے علم کی مہک آتی ہے۔ خدا کے محبوب بندے کی خواہش کیوں نہ پوری ہوتی۔ ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ میں اس کی بنیاد پڑی۔ جس نے مصر و مدینہ منورہ، فلسطین و روس و ایران و چین کے باشندوں کو علوم سے مستفید فرمایا۔ ہر سو ہر سمت سے طالبانِ علم کھنچے چلے آتے تھے۔

مدرسے کی ابتدا کی شان نرالی ہے۔ قصبہ کے کنارے پر ایک پرانے وقت کی بنی ہوئی چھتہ کی مسجد میں مختصر سے مکتب کی شکل میں قائم ہوتا ہے۔ قسمت دیکھئے جہاں معلمی کے لئے ملا محمود صاحب پندرہ روپے کے مشاہرہ پر مدرس اول مقرر ہوتے ہیں۔ تو فوراً دنیا میں علم پھیلانے والے اکیس طالب علم اس مکتب میں داخل ہو جاتے ہیں۔ سال ختم نہیں ہوتا کہ استاد حضرت العلامہ مولانا محمد یعقوب صاحب مدرس اول۔ اور مولانا سید احمد صاحب دہلوی مدرس دوم۔ اور ملا محمود صاحب مدرس سوم جیسے ملے زمام اہتمام بالآخر شاہ عبدالغنی کے خلیفہ راشد مولانا رفیع الدین صاحب کے دست مبارک کو سونپی گئی سرپرستی حضرت المشائخ امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے منظور فرمائی۔ پھر کیا تھا بنارس پنجاب کابل بنگال و سندھ اور دہلی سے طلبا کا تانتا بندھ گیا۔ امتحان کے زمانہ میں طلباء کی تعداد (۷۸) تھی طلباء کی کثرت ہوئی تو مسجد قاضی کے متصل ایک بڑا مکان کرایہ پر لیا گیا۔ اور ۱۲۹۲ء میں جہاں اب مدرسہ ہے، وہاں بنیاد رکھی گئی۔ اول پھر جناب مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپور نے اپنے دستِ مبارک سے رکھا۔ اور اس کے بعد حضرت مولانا قاسم صاحب اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور مولانا مظہر صاحب نانوتوی نے ایک ایک اینٹ رکھی اور خواجہ حکیم محمد یوسف صاحب رئیس علی گڑھ نے اسی وقت مدرسہ کی تعریف فرمائی اور اس کے قیام و استحکام کی ضرورت ظاہر کی جب تعمیر مدرسہ کی سنگ بنیاد رکھا جا چکا تو سب بزرگوں نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے نہایت گڑگڑا کر مدرسہ کی کامیابی کے لئے دعا کی اور حضرت مولانا قاسم صاحب نے فرمایا کہ عالم مثال میں اس مدرسہ کی شکل ایک معلق ہانڈی کی ہے یعنی جبتک اس کا مدار توکل و اعتماد علی اللہ پر رہیگا۔ یہ مدرسہ ترقی کرتا رہے گا۔ حضرت مولانا یعقوب صاحب نے تعمیر مدرسہ کی تاریخ اشرف عمارت نکالی تھی

(روئداد مدرسہ ۱۲۹۳ھ)

چنانچہ اس علوم و فنون کے منبع و مخزن سے وہ چشمے جاری کئے جس نے اطراف و اکناف عالم کے تشنگان کتاب اللہ کو سیراب کر دیا۔ اور دنیا کی کوئی سمت باقی نہیں رہی جہاں اس کا فیض نہ پہنچا ہو۔

اس مدرسہ کا نصیب دیکھیے اس کے اولین علم دین کے شیدائی شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن حاصل ہوئے اور ۱۲۸۴ھ میں کنز الدقائق میبذی، و مختصر معانی کا امتحان دیا ۱۲۸۵ھ میں ہدایہ مشکوٰۃ اور مقامات وغیرہ اور ۱۲۸۶ء میں کتب صحاح ستہ اور بعض دیگر کتب اپنے فخر زمانہ استاد مولانا قاسم صاحب سے پڑھی اور آخر فارغ ہو کر ۱۲۸۶ء میں اسی مدرسہ کے معین المدرسہ بنے ۱۲۹۰ء کو آپ کی دستار بندی ہوئی ۱۲۹۲ء میں آپ مدرس چہارم مقرر ہوئے۔ مولانا محمد یعقوب صاحب ۱۹ ذیقعدہ کی وفات کے بعد مولانا سید احمد صاحب دہلوی جو خاص طور پر فنون ریاضیہ میں امام وقت تھے چالیس روپے کے مشاہرہ پر مدرسہ اول مقرر ہوئے۔ اور ملا محمود صاحب مدرس دوم۔ اس وقت حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ تیس روپے کی تنخواہ پر مدرس سوم ہوئے۔ اور آپ کی جگہ مولوی عبدالعلی مدرس چہارم بنائے گئے۔ دو سال کے بعد ملا محمود کی وفات پر حضرت مولانا مدرس دوم مقرر ہوئے۔ مگر اسباق آپ کو صحاح اور بڑی کتابوں کے سپرد ہوئے۔ ۱۳۰۵ھ میں مولانا سید احمد صاحب بھوپال تشریف لے گئے تو متفقہ طور پر حضرت شیخ الہند کو

صدارت پر بٹھا دیا گیا۔ اور مولوی عبدالعلی صاحب مدرس دوم بنائے گئے۔ تین سال گذرنے کے بعد مولوی عبدالعلی صاحب بھی چلے گئے۔ تو امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی۔ مولانا خلیل صاحب کا انتخاب فرما کر آپ کو بریلی سے بلا لیا۔ اور آپ ۱۳۰۵ھ میں مدرس دوم بنائے گئے۔ پہلے آپ کی تنخواہ پندرہ تھی ربیع الاول ۱۳۰۹ھ تینتیس ۳۳ اور محرم ۱۳۱۴ھ سے پینتیس ۳۵ کر دی گئی۔

اہتمام

ابتدا میں اہتمام کی باگ ڈور حضرت حاجی عابد حسین صاحب مرحوم کے ہاتھ میں رہی اور پھر تھوڑے عرصہ کے بعد مولانا رفیع الدین صاحب مرحوم کے ہاتھ میں آئی۔ حضرت مولانا رفیع الدین صاحب مرحوم کی ہجرت مدینہ منورہ کے بعد پھر جناب عابد حسین نے اہتمام کی ذمہ داری اپنے ذمہ لی۔ مگر ان کی قبولیت عامہ اور خلق اللہ سے زیادہ تعلق و خدمت کرنے نے بہت جلد ان کو مجبور کر دیا کہ وہ محض مجلس شوریٰ کے ممبر رہیں اور کاروبار و اہتمام کسی دوسرے کے سپرد کر دیں چنانچہ منشی فضل حق صاحب مرحوم اور ان کے بعد مولانا محمد منیر صاحب مرحوم تھوڑے ہی عرصہ میں مسند اہتمام پر مامور ہوئے لیکن ان کی بیرونی وجاہت و شہرت نہ ہونے کی وجہ سے دارالعلوم کو نمایاں ترقی نہیں ہوئی ۱۳۱۳ھ میں زمانہ کی ضرورتوں اور مدرسہ کی حالت نے حضرت قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سرپرست دارالعلوم کو مجبور کیا کہ وہ خود دیوبند تشریف لائیں اور دائرہ اہتمام کی ذمہ داری کسی مناسب اور لائق ہستی کے سپرد کریں آخر کار حضرت گنگوہی دیوبند تشریف لائے۔ نواب محمود علی خاں صاحب آف چھتاری مولانا کاندھلوی حکیم ضیاء الدین صاحب رامپوری اور بہت سے اہل باطن اور اہل ظاہر اس وقت جمع ہوئے۔ نشیب و فراز پر غور کیا گیا۔ مختلف مجالس کی گئیں۔ پورے غور و خوض کے بعد حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ اور دوسرے اکابر نے یہی بہتر سمجھا کہ جناب حافظ احمد صاحب کے ہاتھ میں اہتمام کی ذمہ داری سونپ دی جائے۔ اس وقت مدرسہ کے مہتمم مولانا طیب صاحب ہیں جو بحسن و خوبی انتظام کر رہے ہیں۔

مجلس شوریٰ

ابتدائی مجلس شوریٰ ان افراد پر مشتمل تھی۔ حضرت مولانا قاسم نانوتوی حضرت حاجی عابد حسین دیوبندی، مولوی مہتاب علی دیوبندی، مولانا ذوالفقار علی صاحب دیوبندی مولوی فضل الرحمان صاحب دیوبندی منشی فضل حق دیوبندی، شیخ نہال احمد دیوبندی ۱۲۹۰ھ کی مجلس شوریٰ میں ایک نام کے تبدیلی کے علاوہ وہی نام ہے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ شامل کئے گئے۔ مولوی مہتاب علی اس مجلس شوریٰ میں نہیں لئے گئے۔

مدرسہ دیوبند کی شاخیں

دور بیں نگاہیں اور مخلص دل تاڑ گئے کہ دیوبند کا مدرسہ مقبول عالم ہوگا۔ اس لئے انہوں نے اپنی سعادت سمجھی کہ وہ مختلف اضلاع و قصبات میں دیوبند کے مدرسہ کے نقش قدم پر مدارس قائم کرکے مدرسہ دیوبند سے اپنے مدرسہ کو منسلک کر دیں۔ چنانچہ حافظ عبدالرزاق صاحب ساکن تھانہ بھون نے اپنی امداد سرپرستی میں تھانہ بھون کے اندر ایک مدرسہ قائم کیا تھا جس میں مولوی فتح محمد صاحب مدرس فارسی و عربی مقرر تھے۔ حافظ صاحب موصوف نے تھانہ بھون کے مدرسہ عربی کے جملہ اخراجات کفیل بناتے ہوئے پچیس روپے سالانہ مدرسہ عربی کیلئے مقرر فرمائے اور ۱۲۹۰ھ میں تھانہ بھون کے اس مدرسہ کا انتظام و نگرانی حافظ صاحب نے مدرسہ دیوبند کو سپرد فرمائی۔ جس کا انتظام مہتمم دیوبند کے ذمہ کر دیا گیا۔

مدرسہ ترقی پر ترقی کر رہا تھا۔ یوں بالعلوم تمام عربی مدارس حکومت کی نظروں میں مشتبہ تھے۔ مگر دیوبند کی طرف حکومت برطانیہ کی کبھی مہربانی نہیں رہی اور نظر عتاب سے ہی اس کو مشتبہ دیکھتی رہی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کے ہمدردوں میں متعدد اصحاب وہ تھے جن کی نسبت حکام وقت کا یہ خیال تھا کہ انہوں نے ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں حصہ لیا تھا اور وہ مسلمانوں کا مذہبی جوش قائم کر رہے تھے۔ مدرسہ کے بانیوں میں سے کئی علماء ایسے تھے جنہوں نے ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ تحصیل شاملی ضلع مظفر نگر پر قبضہ کر لیا تھا جسے انگریزوں نے پھر واپس لے لیا تھا۔ اس کے ساتھ دوسری وجہ یہ تھی کہ اس مدرسے نے نہ کبھی سرکاری امداد لینی پسند کی اور نہ ڈپٹی انسپکٹروں کو اپنے ہاں آنے کا موقع دیا۔ جو انہیں سرکاری امداد لینے اور وفاداری کرنے پر مائل کرتے بلکہ انہوں نے شرع محمدی کی تعلیم کو مقدم رکھا جس کو حکام وقت عتابی نظروں سے دیکھتے تھے۔ خاص طور پر مدرسہ دیوبند کے بانی نہ صرف حکومت بلکہ امراء کے تعلقات

سے احتراز کرتے تھے۔ بدقسمتی سے مسلمان عہدہ داروں کی ایک جماعت نے جسے انگریزی تعلیم کی اشاعت میں غلو تھا۔ اس کی مخالفت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تاہم اس کے مخلص اور صاحب بصیرت بانی خالص مذہبی علوم خصوصاً حدیث شریف کے تحفظ اور ان کی تعلیم و اشاعت کرنے میں کامیاب ہوئے۔ چنانچہ ان درسگاہوں کے سند یافتہ نہ صرف ہندوستان بلکہ افغانستان حجاز اور دیگر اسلامی ممالک میں درس و تدریس اور تبلیغ و اشاعت کے ساتھ رد نصاریٰ اور دیگر اوہام باطلہ کے ازالہ میں معروف رہے خود مدرسہ کے مبلغین و نصاریٰ اور تبلیغ کرنے پر بھی مامور تھے جو ہر صوبے اور اضلاع میں دورے کرتے تھے۔

مدرسہ کی ابتدائی حالت یہ ہے ۱۹ سال کے بعد ۱۹۳۳ء میں کیا حالت تھی وہ ملاحظہ کیجئے۔ اسوقت صدر مدرس شیخ الہند مولانا محمود الحسن ہیں۔ مدرس دویم مولانا سید انور شاہ صاحب ہیں۔ اور مولوی غلام رسول صاحب مدرس سویم ہیں۔ اور عربی کے اعلیٰ تعلیم کے معلم یہ حضرات تھے۔ مولانا شبیر صاحب، مولانا اعزاز علی صاحب۔ مولوی رسول خاں صاحب۔ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب اور مولانا محمد ابراہیم صاحب اور مولانا عبدالسمیع صاحب۔

ابتدائی تعلیم عربی کے معلم مولوی عبدالسمیع (مدرس اول محمد امین (مدرس دویم) مولوی بنیہ حسن صاحب مدرس سویم تھے چنانچہ مولانا انور شاہ صاحب کو ترمذی، علم شریف متن مولانا شبیر احمد صاحب پڑھاتے تھے صحاح ستہ میں سے باقی کتابیں نسائی شریف ابن ماجہ اور موطا، طحاوی شریف شمائل ترمذی یہ کتب وسطانی دونوں مذکورہ اصحابوں میں سے کسی کے ہاں یا مولوی غلام رسول اور مفتی عزیز الرحمان اور مولانا سید اصغر حسین کے یہاں ہوتی تھیں۔ اسی طرح دورہ ختم ہوتا۔ امسال ابو داؤد۔ مولانا سید اصغر حسین کو دی گئی۔ اور بقیہ کتابوں میں سے حسب دستور قدیم بعض کتب مولوی شبیر صاحب اور بعض مولوی غلام رسول اور مولوی اعزاز علی صاحب وغیرہ و دیگر مدرسین کے سپرد ہوئیں۔

ابتدائی کتب صرف میر نحو میر پنج گنج، شرح مائۃ عامل منشعب، کبریٰ، علم الصیغہ، قال اقول، مرقات، فصول اکبری۔ منیۃ المصلی، نفحۃ الیمن، شرح تہذیب، نور الایضاح، قدوری، وغیرہ، مولوی عبدالسمیع، مولوی محمد امین، مولوی نبیہ حسن کے سپرد تھیں۔

مدرسہ کی تعلیم کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ حیثیت و قابلیت کا معلم ہے اور کتنا تجربہ رکھتا ہے اس نے کہاں تعلیم پائی ہے۔ اور کس استاد سے پڑھا ہے۔ چنانچہ ہم ان مدرسین کی جو مدرسہ میں طلباء کو تعلیم دے رہے ہیں انکی استعداد اور پوزیشن بیان کر دیتے ہیں۔ جس سے آپ کو خود اندازہ دارالعلوم کی وسعت تعلیم سے ہو جائیگا۔

(۱) مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری مدرس دارالعلوم قائم مقام صدر مدرس دارالعلوم۔ مولانا سات سال سے دارالعلوم میں مقیم ہیں اور طلبہ کو علوم حدیث کا مستقلاً درس دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر فنون کی ہر قسم کی کتابوں کا وقتاً فوقتاً داخلی و خارجی اوقات میں درس دیتے رہتے ہیں۔ طلبہ رات دن میں ہر قسم کے استفادے آپ سے کرتے ہیں۔ آپ بحمدللہ جامع علوم ہیں ہر فن میں اس درجہ تجربہ حاصل ہے کہ اس فن کا امام کہدیا جائے تو بیجا نہ ہوگا سیرتاً و صورتاً آپ اپنے سلف کے نمونہ و سچے جانشین ہیں آپنے اس وقت تک دارالعلوم سے مشاہرہ لینے کو پسند نہیں فرمایا۔ آزادانہ و درویشانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ دارالعلوم کی جانب سے بمشکل اتنا قبول کرتے ہیں جس سے متفرق ضروریات پوری ہو جائیں۔ کبھی ۱ کبھی ۵ کبھی ۲ بقدر حاجت پیش کرتے جاتے ہیں۔ اور آپ اصرار کے بعد اسکو قبول کرتے ہیں۔ مولانا کا عزم تھا کہ حرمین شریفین کا قیام اختیار فرمائیں اور اسی وجہ سے چھ سال تک دارالعلوم کا قیام بطور غیر مستقل رہا۔ لیکن حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم اور اس ناچیز خادم کی اصرار پر آپنے یہاں کا ارادہ فرمالیا والحمدللہ علیٰ ذلک۔

(۲) مولانا عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندی مدرس و مفتی دارالعلوم۔ مولویصاحب موصوف دارالعلوم کے نہایت قدیم فارغ التحصیل ہیں۔ ۱۲۹۸ھ کی دستار بندی میں آپ کو سند و عمامہ فضیلت حضرت شیخ شیوخ العالم مولانا گنگوہی قدس سرہ

کے دستِ مبارک سے عطا ہوا ہے۔

یہ وہ وقت ہے کہ حضرت مولانا **قاسم العلوم والخیرات** کی وفات کو ایک ہی سال گذرا تھا۔ باقی سب حضرات بزرگان مدرسہ موجود تھے۔ مولانا رفیع الدین صاحب قدس سرہٗ مہتمم دارالعلوم تھے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہٗ مدرس اول اور حضرت مولینا سید احمد صاحب دہلوی قدس اللہ سرہٗ مدرس دوم اور باقی سب ارکان و بانیان دارالعلوم موجود تھے۔

مولوی عزیز الرحمن صاحب نے بعد فراغت تحصیل علوم ایک زمانہ تک بطور معین المدرسین دارالعلوم میں درس دیا۔ اور حضرت مولانا **محمد یعقوب** صاحب کی نگرانی میں افتار کا کام بھی کیا۔ اسی زمانہ میں آپ کو داعیہ طریقت پیدا ہوا۔ خاندانِ نقشبندیہ میں حضرت مولانا **رفیع الدین** صاحب خلیفہ خاص حضرت شاہ **عبد الغنی** دہلوی قدس سرہٗ کے ہاتھ پر بیعت کی چند سال کی ریاضات و مجاہدات کے بعد اجازت سلسلہ حاصل ہوئی۔ چند سال تک میرٹھ کے مدرسہ اسلامیہ واقع اندر کوٹ میں مدرس رہے۔ اور اس زمانہ میں آپ کو باوجود یکہ ایک بار حج کر چکے تھے۔ مگر داعیہ سفر حرمین شریفین پیدا ہوئے۔ اس سفر میں آپ کو حج کے ساتھ یہ بھی مقصود تھا کہ حضرت شیخ المشائخ رحمت الٰہی جناب حاجی **امداد اللہ** صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں قیام فرمائیں چنانچہ تقریباً ڈیڑھ سال آپ کا اس سفر میں صرف ہوا۔ اور حضرت حاجی صاحب نے بھی آپ کو مجاز فرمایا۔ شوال ۱۳۰۵ھ میں تشریف لیگئے تھے۔ اور صفر ۱۳۰۷ھ میں واپس تشریف لائے ۱۳۰۹ھ میں آپ میرٹھ سے دیوبند بلائے گئے۔ اور اسوقت سے برابر دارالعلوم کی خدمات میں مصروف ہیں۔

آپ اسوقت مستقلاً مفتی مدرسہ ہیں۔ لیکن حدیث تفسیر وفقہ کے چند سبق بھی آپ کے متعلق رہتے ہیں۔

(۳) مولوی **غلام رسول** صاحب ساکن بفہ ضلع ہزارہ دارالعلوم کے قدیم تعلیم یافتہ۔ تمام علوم عقلیہ ونقلیہ کے جامع متبحر۔ بالخصوص علوم منطقیہ فلسفیہ ریاضیہ میں استاد کامل۔ امام فن ہیں۔ آپ اُن علمار اساتذہ میں ہیں جن پر دارالعلوم کو بجا فخر حاصل ہے۔ اور آپ اس وقت ہندوستان کے مشاہیر و بے نظیر علمار میں ہیں ۱۳۰۸ھ سے اسوقت تک آپ برابر مدرس ہیں۔ اور اپنی خدمات نہایت جانفشانی عرق ریزی اور انہماک سے انجام دیتے ہیں۔

(۴) مولوی حکیم **محمد حسن** صاحب دیوبندی۔ آپ حضرت مولانا **محمود حسن** صاحب صدر مدرس دارالعلوم کے برادر خورد ہیں۔ دارالعلوم کے قدیم فارغ التحصیل حضرات میں سے ہیں۔ تحصیل علوم کے بعد آپنے دہلی قیام فرما کر جناب حکیم **عبد المجید** خانصاحب کے یہاں کتب طب اور ساتھ ہی ساتھ مطب حاصل کر کے سند طب حاصل کی۔

دارالعلوم میں ایک ایسے عالم فاضل کی ضرورت تھی کہ علوم درسیہ کے علاوہ طب کی تعلیم بھی دیسکیں۔ اور حسب ضرورت مدرسہ طلبہ کی مداوات بھی کریں۔ حضرت مولانا رفیع الدین صاحب قدس سرہٗ مہتمم دارالعلوم نے اس ضرورت کو محسوس فرما کر۔ مولانا حکیم محمد حسن صاحب کا انتخاب فرمایا ۱۳۰۲ھ میں آپ کا تقرر ہوا۔ اور اس وقت سے برابر آپ ہر قسم کی کتب درسی کے درس میں مشغول ہیں۔ اور اس کے ساتھ تعلیم طب ومطب کی خدمت بھی انجام دیتے رہے۔

آپ حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ کے اصحاب خدام خاص میں سے ہیں۔ اور طریقہ سلف پر علماً وعملاً قائم ہیں۔ دارالعلوم کے وسعت پذیر ہوجانے طلبہ کے اجتماع میں بیش از بیش ازدیاد کی وجہ سے کتب طب کی تعلیم کا مشغلہ بھی بڑھ گیا۔ اور مطب مداوات مرضیٰ کا دائرہ بھی وسیع ہوگیا اس لئے چند سال ہوئے کہ آپ کو مستقلاً طبیب مدرسہ کا عہدہ تفویض کر دیا گیا۔ کتب طب کی تعلیم اور مداوات طلبہ آپ کا مستقل کام ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی علم وحدیث وفقہ وتفسیر کی کسی بڑی جماعت کا درس بھی آپ کے متعلق رہتا ہے۔

(۵) مولوی **شبیر احمد** صاحب دیوبندی۔ مولوی صاحب موسٔر طبقہ کے اصحاب میں سے ہیں۔ اور ماشار اللہ اُن نوجوان اہل علم میں سے ہیں جن کو علوم اکابر کا حامل قرار دیا جائے۔ تمام علوم معقول ومنقول میں کامل استعداد رکھتے ہیں۔ تقریر و تحریر میں بے مثل

ہیں خصوصاً علم حدیث میں ایسا ملکہ ہے جو معمر اور تجربہ کار مشائخ حدیث کو ہوتا ہے۔ ہمیں خدا تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ یہ نوجوان اپنے علم و صلاحیت اور ہر قسم کی قابلیت سے دار العلوم کے شاندار امتیازات میں ہونے کے ساتھ اپنے سلف کے سچے خلف ہوں گے مولوی صاحب موصوف اُس زمانہ میں بھی جب کہ خود تحصیل علم میں مشغول تھے۔ طلبہ کو درس دینے میں اپنا بہت سا وقت صرف کرتے تھے منتہی طلبہ تمام علوم کی کتابیں آپ سے بے تامل پڑھتے تھے۔ ۱۳۲۶ھ میں آپ مدرسہ فتحپوری دہلی کے مدرس اول مقرر ہو کر گئے ۱۳۲۸ھ تک وہاں رہے۔ ممبران مدرسہ کو یہ امر پسند تھا کہ ایسے لائق اور کار آمد شخص کو دار العلوم سے جدا رکھا جائے۔ اس لئے ۱۳۲۸ھ میں دیو بند بلا لئے گئے۔ اور اس وقت تک دار العلوم کی خدمت درس اور ہر قسم کی خدمات کو نہایت خوبی سے انجام دیتے ہیں۔ مولوی صاحب کے بیانات اور تقریروں کا ملک میں عام اثر ہے۔ اس بنا پر اکثر مشہور جلسوں میں آپ کو باصرار بلاتے ہیں۔ مگر بوجہ خیال نقصان تعلیم سوا ر مخصوص مقامات کے اکثر جگہ عذر کہدیا جاتا ہے۔ ہماری دعا ہے۔ کہ خداوند عالم اس نوجوان کے علم اور عمر میں برکت فرمائے۔ آمین۔

(۶) مولوی اعزاز علی صاحب۔ مولوی صاحب موصوف طبقہ وسطیٰ وآخروی کے درمیانی فارغ التحصیل حضرات میں سے ہیں بعد فراغت تحصیل آپ چند جگہ مدرس رہے۔ آخر میں آپ مدرسہ پورینی ضلع بھاگلپور میں مدرس تھے۔ وہاں سے دیو بند بلا لئے گئے۔ آپ ایک نوجوان با استعداد صاحب صلاح و تقویٰ عالم ہیں۔ صورتاً و سیرتاً اپنے سلف کی یادگار ہیں۔ علوم میں استعداد تام رکھتے ہیں۔ خصوصاً علم ادب میں خاص مہارت ہے۔ ابھی آپ نے حماسہ کا تحشیہ کیا ہے جو مطبع قاسمی میں طبع ہو کر ملک میں شائع ہو چکا ہے اور اس کے بعد آپ کنز کا تحشیہ کر رہے ہیں۔ اس سے قبل دیوان متنبی کا تحشیہ کر چکے ہیں۔ جو عنقریب مطبع قاسمی میں طبع ہونے والا ہے۔ آپ دار العلوم کے درجۂ وسطیٰ میں درس دیتے ہیں اور علم و ادب کے اکثر اسباق آپ کے پاس ہوتے ہیں طلبہ کو عربی تحریر کی مشق بھی آپ کراتے ہیں خوش تقریر ہیں طلبہ آپ سے نہایت مانوس ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کے علم و عمل میں برکت عطا فرمائے۔

(۷) مولوی محمد ابراہیم صاحب بلیاوی۔ مولوی صاحب موصوف بھی مولوی شبیر احمد صاحب کے ہمعصر ہیں۔ دار العلوم سے تحصیل علوم کرنے کے بعد مدرسہ فتحپوری دہلی میں مدرس رہے۔ وہاں سے مدرسہ عمری ضلع مراد آباد میں مدرس مقرر ہو کر گئے۔ اور ۱۳۳۱ھ میں دیو بند بلا لئے گئے۔ مولوی صاحب موصوف نوجوان صالح۔ تمام علوم میں کامل الاستعداد ہیں۔ درجہ متوسط کے مدرس ہیں معقول و فلسفہ کی تمام کتابیں نہایت خوبی سے پڑھاتے ہیں۔ فلسفہ منطق و کلام کے انتہائی اسباق صدرا شمس بازغہ۔ قاضی احمد اللہ امور عامہ کے علاوہ وہ کتابیں بھی جو داخل نصاب نہیں ہیں۔ مثل شرح مطالع شرح اشارات وغیرہ کے پڑھاتے ہیں اور طلبہ کا بہت زیادہ میلان ان کی طرف رہتا ہے۔ نہایت خوش تقریر ہیں۔ غرض یہ ایک نہایت قابل قدر اور جلد شہرت و وقعت حاصل کرنے والے مدرس ہیں۔

(۸) مولوی رسول خاں صاحب ہزاروی۔ مولوی صاحب موصوف زمانہ وسطیٰ کے فارغ التحصیل حضرات میں سے ہیں بعد فراغت تحصیل علوم چند مدارس میں مدرس رہے۔ اب آخر میں چند سال سے میرٹھ صدر بازار کے عربی مدرسہ میں مدرس تھے اور آپ کی وجہ سے مدرسہ نہایت پر تھا۔ اسی سال یعنی ۱۳۳۳ھ میں انکو یہاں بلا لیا گیا۔ مولوی صاحب ایک جامع معقول و منقول اور نہایت تجربہ کار با استعداد صالح و متدین شخص ہیں سب علوم مستحضر ہیں۔ تقریر نہایت صاف اور طرز بیان موثر و دل آویز ہے۔ طلبہ اُن سے بہت خوش رہتے ہیں۔ غرض دار العلوم کے ممتاز مدرسوں میں ہیں۔

(۹) مولوی سید اصغر حسین صاحب دیو بندی۔ مولوی صاحب موصوف دیو بند کے مشہور خاندان کے بزرگ ہیں آپکا خاندان تقدس و بزرگی میں مسلم و ممتاز ہے۔ آپنے تمام علوم دار العلوم میں حاصل کئے۔ زمانہ وسطیٰ کے فارغ التحصیل حضرات میں سے ہیں۔ تحصیل علوم سے فراغت کے بعد جونپور کی مسجد اٹالہ میں مدرس ہوئے۔ وہاں چند سال آپ رہے۔

جونپور میں آپ کے علم وتقدس کی بہت کچھ وقعت تھی ۔ ۱۳۲۰ھ میں جب رسالۃ القاسم کے اجرار کا فیصلہ ہوگیا تو مولوی صاحب موصوف کو اس کی علمی خدمات کے لئے دیوبند بلایا گیا ۔ چند سال آپ اس کی خدمات مستقلاً کرتے رہے ۔ اسی مدسے آپ کو تنخواہ ملتی رہی لیکن ساتھ ہی سلسلہ درس جاری رہا ۔ اب دو تین سال سے مولوی صاحب موصوف کو درجہ تعلیم میں منتقل کرلیا گیا ۔ مولوی صاحب موصوف کو علوم دینیہ حدیث وتفسیر فقہ وفرائض وغیرہ میں اعلیٰ درجہ کی لیاقت واستعداد حاصل ہے ۔ آپ صاحب تصنیف بھی ہیں ۔ فرائض میں ایک مستقل کتاب آپ کی ملک میں شائع ومقبول ہوچکی ہے ۔ دارالعلوم کی جانب سے آپ کو دورۂ حدیث کی ایک جماعت اور تفسیر وفقہ کی کوئی اوپر کی کتاب مثل جلالین شریف ودرمختار وغیرہ کی ملتی رہتی ہیں ۔ اُن کے علاوہ دیگر فنون کے اسباق بھی پڑھاتے ہیں غرض آپ ایک صاحب ورع وتقویٰ عالم باعمل اور سلف کے نمونہ اُن کے صحیح خلف ہیں حق تعالیٰ برکت عطا فرمائے ۔

(۱۰) مولوی احمد شبیر صاحب زمانہ آخر کے فارغ التحصیل ہیں تحصیل علوم سے فراغت کے بعد ملک بنگال کے ایک عربی مدرسہ میں مدرس مقرر ہوئے ۔ چند سال وہاں کام کیا وہاں سے دیوبند بلائے گئے ۔ آپ ایک نہایت صالح شخص ہیں علم دینیہ سے خاص مناسبت ہے درجۂ متوسط اور ابتدائی کے درمیانی اسباق آپ کو دئے جاتے ہیں ۔ دیوبند میں ابھی دو تین سال سے درس دیتے ہیں ۔ مگر طلبہ ان سے مانوس وخوش ہیں ۔ اور وہ جلد ترقی کرنے والے ہیں ۔

(۱۱) مولوی سراج احمد صاحب میرٹھی ۔ مولوی صاحب موصوف نے دارالعلوم کی شاخ مدرسہ اسلامیہ واقع اندر کوٹ میرٹھ میں تحصیل کی مولانا عزیز الرحمن صاحب مفتی مدرسہ جناب مولانا ناظر حسن صاحب حال مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ سے سب علوم حاصل کئے اور بعد فراغت مختلف مدارس عربیہ میں مثل مدرسہ مولوی عبدالرب صاحب دہلی ۔ اولدن ضلع میرٹھ اور بالآخر مدرسہ سردھنہ ضلع میرٹھ میں مدرس رہے ۔ حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ کے خاص اصحاب میں سے ہیں ۔ دیوبند میں جب جمعیۃ الانصار قائم ہوئی تو آپ اس کے انتظام کے لئے سردھنہ سے دیوبند بلائے گئے ۔ اور اس کے بعد رسالہ القاسم والرشید کی علمی خدمات آپکے سپرد کر کے معتمد المدیر مقرر کئے گئے اس کے ساتھ مولوی صاحب موصوف درس کی خدمات بھی انجام دیتے ہیں ۔ دو تین گھنٹہ یومیہ درس میں مشغول رہتے ہیں ۔ متوسط درجے کے اسباق آپکے سپرد کئے جاتے ہیں ۔ آپ ایک نہایت صالح دیندار متقی عالم ہیں ۔ علوم دینیہ میں پوری مہارت واستعداد حاصل ہے ۔

(۱۲) مولوی گل محمد خاں صاحب آپ زمانہ وسطی کے فارغ التحصیل حضرات میں سے ہیں ۔ فراغت تحصیل کے بعد مدرسہ منگلور میں مدرس ہوکر گئے ۔ وہاں سے دارالعلوم میں کتب ابتدائی کی تعلیم کے لئے بلائے گئے ۔ کچھ زمانہ قیام کے بعد منگلور کے معتمد حضرات جو مولوی صاحب سے زیادہ مانوس تھے ۔ دوبارہ اُن کو منگلور لے گئے ۔ لیکن چونکہ دارالعلوم میں ان کی ضرورت تھی کچھ زمانے کے بعد پھر انکو بلالیا گیا ۔ اور عرصہ طویل تک مولوی صاحب نے درجہ ابتدائی کو سنبھالا ۔ بعد ازاں درجۂ ابتدائی کا انتظام مستقل کیا گیا اور اس کے لئے تین مدرس مستقل تجویز کئے گئے ۔ تو مولوی صاحب کو ان کی نہایت مستعدی اور ہمدردی کی وجہ سے صیغۂ انتظامیہ میں منتقل کر کے دارالعلوم کی خدمات انتظامی ان کو متعلق کردی گئیں ۔ لیکن سلسلہ درس سے بھی آپ علیحدہ نہیں ہوئے ۔ علوم فرائض میں آپ کو خاص ملکہ ہے ۔ یہ فن ان ہی سپرد رہتا ہے فرائض کے مسائل بھی اکثر آپ ہی لکھتے ہیں ۔ مولوی صاحب موصوف شب وروز دارالعلوم کی خدمات میں مصروف ومنہمک رہتے ہیں ۔

(۱۳) مولوی عبدالسمیع صاحب دیوبندی ۔ مولوی صاحب کا ذکر ہمیں اوپر کرنا چاہتے تھا کیونکہ مولوی صاحب ۔ مولوی شبیر احمد صاحب ، مولوی محمد ابراہیم صاحب وغیرہ سے قدیم ۔ مولوی سید اصغر حسین صاحب کے معاصر ہیں ۔ مگر آپ درجہ ابتدائی کے مدرس اول ہیں ۔ اور درجہ ابتدائی کے مدرسین کا تذکرہ آخر میں رکھا گیا ۔ اس لئے آپ کے ذکر کو بھی مؤخر کیا گیا ۔ مولوی صاحب موصوف تحصیل علوم سے فراغت کے بعد خنگدھ ضلع فرخ آباد میں کئی سال تک مدرس رہے ۔ بعد ازاں مدرسہ اسلامیہ رڑکی میں ۔ اور اس کے بعد مدرسہ فتح پوری دہلی میں جب درجہ ابتدائی کا انتظام مستقل کیا گیا ۔ تو مولوی صاحب کو ۱۳۲۸ھ کے آخر میں دہلی سے دیوبند بلالیا گیا ۔ اور اُس وقت سے اس وقت تک

آپ نہایت خوبی سے مفوضہ خدمات کو انجام دیتے ہیں آپ ایک سلیم الطبع خوش تقریر عالم ہیں - طلبہ آپ کی تقریر طرز بیان سے نہایت مانوس و خوش ہیں - آپ کا وعظ بیان بھی نہایت موثر اور پسندیدہ ہوتا ہے - جفاکش بہت زیادہ ہیں - درجہ ابتدائی کی اعلیٰ تعلیم آپکے سپرد رہتی ہے داکثر جماعتوں میں طلبہ کی مقدار بہت زیادہ ہوتی ہے - مختصر معانی وغیرہ میں اسّی ، نشتر - ساٹھ طلبہ ہوتے ہیں - مگر آپ نہایت مستعدی سے درس دیتے ہیں - خدا تعالیٰ اُن کے علم و عمر میں برکت عطا فرمائے -

(۱۴) مولوی احمد امین صاحب مدرس دوئم درجہ ابتدائی - مولوی صاحب امروہہ کے رہنے والے ہیں - اور دارالعلوم ہی میں تحصیل علوم کی ہے - کچھ زمانہ تک مدرسہ اسلامیہ مظفر نگر میں مدرس رہے اور پھر دیوبند بلائے گئے - مولوی صاحب متین - خوش تقریر اور مفوضہ خدمات کو تندہی اور انہماک سے انجام دیتے ہیں - طلبہ اُن کے طرز تعلیم سے خوش رہتے ہیں -

(۱۵) مولوی نبیہ حسن صاحب دیوبندی - مولوی صاحب آخری طبقہ کے فارغ التحصیل حضرات میں سے ہیں - فراغت علمی کے بعد آپ کسی جگہ نہیں گئے - دیوبند ہی میں طلبہ کو بطور معین المدرسین درس دیتے رہے کارکنان مدرسہ نے ان کی لیاقت صلاحیت تحصیل کا اندازہ کرکے مناسب سمجھا کہ ان کو درجہ ابتدائی کا مدرس سوئم بنا دیا جائے - الحمد للہ کہ مولوی صاحب کو جس کام کے لئے منتخب کیا گیا تھا اُس کے پورے اہل ثابت ہوئے - آپ نہایت ہونہار اور جلد ترقی کرنیوالے نہایت محنتی وجفاکش مدرس ہیں - طلبہ اُن سے بہت خوش رہتے ہیں - والحمد للہ علی ذلک -

(۱۶) یہاں تک ہمنے ان حضرات کا ذکر کیا ہے - جو دارالعلوم میں بعہدۂ مدرسی مقرر ہیں لیکن یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب مدظلہ العالی مہتمم دارالعلوم جنکے ہی زمانہ میں انکی مساعی جمیلہ و توجہات ظاہری و باطنی سے دارالعلوم نے اس قدر ترقی کی ہے - جو برای العین مشاہد ہے - باوجود اس قدر مشغولی اور انہماک کے کہ شب روز دارالعلوم کی فکر کے سوا اور کوئی فکر ہی نہیں آپ کے حالات سے واقف خوب جانتے ہیں کہ آپ اپنے ذاتی معاملات کی طرف کچھ بھی توجہ نہیں فرماتے - جو کچھ فکر ہے - جتنی مشغولی ہے - جتنا انہماک ہے - وہ مدرسہ ہی کے معاملات میں ہے - مگر بایں ہمہ آپنے خدمت درس کو بھی ترک نہیں کیا - آپ طبقہ ثانیہ کے فارغ التحصیل حضرات میں سے ہیں - حضرت مولانا اشرف علی صاحب اور آپکا زمانہ ایک ہے - آپ نے اپنے والد ماجد حضرت قاسم العلوم والخیرات قدس سرہٗ روحہ و نور ضریحہ سے بھی چند سبق مختصر معانی وغیرہ کے پڑھے ہیں - چند ماہ آپنے حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہی مدرس اول مدرسہ شاہی مراد آباد کے پاس بھی تعلیم حاصل کی ہے - آخر میں حضرت قاسم الخیرات کا ارادہ یہ تھا کہ آپ کو خود تعلیم دیں - مگر اسی سال مولانا کی وفات ہوگئی اور یہ خیال سکون پورا نہ ہوا بعد وفات حضرت قدس سرہٗ آپنے دارالعلوم ہی میں تمام علوم کی تکمیل کی - اور حدیث میں مشکوٰۃ شریف کو تمام کرکے ترمذی شریف بھی دیوبند میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہٗ کے یہاں شروع کر دی مگر ۱۳۰۰ھ کے ماہ صفر میں حضرت قطب العالم مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہٗ حج سے واپسی کے وقت دیوبند میں تشریف لائے تو آپنے حضرت مولانا سے عرض کیا کہ حدیث کی کتابیں گنگوہ رہ کر پوری کریں - حضرت نے اس امر کو منظور فرمایا - اور بماہ ربیع الاول ۱۳۰۰ھ آپ گنگوہ حاضر ہوئے - اور وہاں ایک سال سے زیادہ مقیم رہے - وہاں پر صحاح ستہ بیضاوی شریف جلالین شریف پڑھیں - جناب مہتمم صاحب کی بدولت مجھ احقر کو بھی یہ شرف حاصل ہوا کہ حضرت قاسم العلوم والخیرات کے یہاں چند سبق پڑھکر بلاواسطہ تلامذہ کے سلسلہ میں داخل ہوا - اور پھر گنگوہ بھی آپ ہی کے ہمرکاب حاضر ہوا - اور آخر تک آپکے ساتھ رہ کر کتب مذکورہ کی تحصیل کی -

حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ کے یہاں اسوقت تک دورۂ حدیث کی جماعت اس شان سے قائم نہوئی تھی - قبل ازیں جو طلبہ حاضر رہتے تھے - ان کے اسباق وحدیث اور دیگر علوم کے متفرق طور پر رہتے تھے - مثلاً مولانا مولوی محمد حسن صاحب مراد آبادی مولوی [illegible] حسن صاحب دیوبندی مدرس وطبیب دارالعلوم مولینا حافظ عبدالرحمن صاحب قدس سرہٗ خلیفہ خاص حضرت مولینا مولوی الطاف الرحمن صاحب مرحوم ہمشیرزادہ حضرت مولانا مولوی اللہ رکھا صاحب مرحوم ساکن انبٹھہ و امثالہم نے اسی طرح

آپ کی خدمت میں اکثر علوم حاصل کئے قبل از حج حضرت مولانا قدس سرہٗ نے علاوہ کتب دینیہ فقہ حدیث و تفسیر کے معقول کی کتابیں بھی پڑھائیں ۔ لیکن اس سال ۔ ایک رویا صالحہ دیکھنے کے بعد حضرت قدس سرہٗ کی توجہ صرف تعلیم علم حدیث کی طرف مبذول رہی اور اس کی ابتدا حضرت مولنا حافظ محمد احمد صاحب سے ہوئی ابتدائً بماہ ربیع الاول ۱۳۰۰ھ ترمذی شریف شروع ہوئی ۔ اس وقت کل سات طلبہ تھے علاوہ حضرت مہتمم صاحب کے یہ احقر اور مولوی حکیم جمیل الدین صاحب نگینوی ، مولوی ممتاز علی صاحب نگینوی ، مولوی محمد یحییٰ صاحب غزنوی مولوی کمال الدین صاحب پنجابی ۔ مولوی حکیم محمد صدیق صاحب کاندہلوی شریک تھے ۔ لیکن اسی سال جماعت بڑھ کر تیس ۳۰ پینتیس ۳۵ تک نوبت آگئی ۔ اور پھر تو ساٹھ ستر طلبہ کا مجمع ہونے لگا ۔ اس وقت سے ۱۳۱۲ھ تک ہر سال دورۂ حدیث بڑی بڑی جماعتوں کا ہوتا رہا اِن بارہ تیرہ سال میں کئی سو تشنگانِ علوم حدیث تمام اقطار و امصار کے سیراب ہو کر گئے ۔ اور ممالک قریبہ و بعیدہ میں علم حدیث کے سلسلے میں اُن کے ذریعہ سے قائم ہو گئے ۱۳۰۱ھ کے آخر میں مہتمم صاحب اور یہ احقر گنگوہ سے دیوبند حاضر ہوئے چونکہ حضرت مولانا کے یہاں رہ کر حدیث کا حاصل کرنا اسی درجہ میں تھا کہ خود دارالعلوم میں رہ کر حاصل کرتے اس لئے حضرت مولانا رفیع الدین صاحب قدس سرہٗ مہتمم دارالعلوم نے ہم دونوں کو دارالعلوم کے امتحان سالانہ میں شریک کیا ۔ (ملاحظہ ہو روداد ۱۳۰۱ھ)

اس کے بعد حضرت مہتمم صاحب نے بقیہ کتب دارالعلوم میں رہ کر پوری کیں ۔ اور بعد ازاں مدرسہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر میں بجائے مولوی انوار احمد صاحب کے مدرس ہو کر تشریف لے گئے وہاں سے واپس ہو کر ۱۳۰۳ھ میں دارالعلوم کے اندر مدرس مقرر ہوئے دس سال یعنی ۱۳۱۳ھ کے ماہ جمادی الاولیٰ تک برابر مدرس رہے ۔ اور تمام فنون معقول و منقول کی کتابیں مکرر پڑھائیں ۔ بہایت محنت و جانفشانی سے کام کیا ۔ طلبا آپ کے طرز تفہیم سے عموماً خوش رہتے تھے ۱۳۱۳ھ میں حضرت مولنا گنگوہی قدس سرہٗ نے آپ کو دارالعلوم کا مہتمم مقرر فرمایا ۔ لیکن آپ نے زمانہ اہتمام میں بھی کبھی سلسلہ تعلیم کو نہیں چھوڑا ۔ ایک دو گھنٹہ برابر اس میں مشغول رکھا ۔ اور سوائے اس زمانہ کے کہ آپ کو بضرورہ مدرسہ سفر پیش آیا یا خاص ضروریات مدرسہ میں مشغول رہے ۔ برابر یہ سلسلہ جاری رکھا ۔ کبھی دورہ حدیث کا کوئی سبق مثل مسلم شریف و ابوداؤد شریف یا مشکوٰۃ شریف یا فقہ کا کوئی سبق مثل ہدایہ کے یا تفسیر کا سبق مثل جلالین شریف کے آپ کے متعلق رہا غرض سلسلۂ تعلیم بھی آپکے ساتھ وابستہ رہا ۔ اور اس وجہ سے علاوہ مہتمم دارالعلوم ہونے کے ۔ آپ کا شمار مدرسین دارالعلوم میں بھی رہا اور ہے اور اسی وجہ سے ہمنے آپ کا تذکرہ بھی اس موقع پر ضروری سمجھا ۔

معین المدرسین درجہ عربی

علاوہ حضرات مدرسین مذکور الصدر کے مسائل زیر بحث میں حضرات ذیل بطور اعانت درس دینے میں مشغول رہے ۔ یہ وہی حضرات ہیں جن کو بعد فراغت تحصیل علوم دارالعلوم میں قیام کی اجازت دی گئی ۔ اور کار درس اُن کے سپرد کر دیا گیا ۔ ان میں سے اکثر حضرات کو دارالعلوم کی جانب سے بمد اعانت خدمت بھی کیجاتی ہے ۔

(۱) مولوی محمد صدیق صاحب نجیب آبادی چند سال رہ کر دارالعلوم میں درس دیا اور ۱۳۲۴ھ میں ان کو مدرس مقرر کر کے گنگوہ بھیجا گیا اور آج کل خانقاہ رشیدی میں بمقام گنگوہ مدرس ہیں ۔

(۲) مولوی محمد ادریس صاحب سکروڈوی چند سال سے خدمت معین المدرسین انجام دیتے ہیں ۔ اور ہنوز دارالعلوم میں ہی خدمت انجام دیتے ہیں ۔

(۳) مولوی محمد اسماعیل صاحب بادہنکی آپ بھی کئی سال سے یہ خدمت دیتے ہیں ۔ اور اب بھی دارالعلوم میں مقیم ہیں ۔

(۴) مولوی محمد ادریس صاحب ساکن کمرلا ملک بنگال ۔ آپنے کچھ عرصہ تک دارالعلوم میں قیام کر کے درس دیا ۔ بہایت مستعد فہمیدہ ہیں ۔ اب آپ اپنے ملک میں ہیں ۔

(۵) مولوی خلیل الرحمٰن صاحب ہزاروی بہایت لائق مستعد ۔ خاص علم ہیئت و ریاضی میں کامل دستگاہ رکھتے ہیں دارالعلوم میں خدمت معینی انجام دیتے ہیں ۔ ان کو مدارس اسلامیہ گلاوٹھی ، راندیر وغیرہ میں معقول تنخواہ پر بلا لیا گیا ۔ مگر دیوبند سے جدا ہونا

پسند نہیں کیا۔ دارالعلوم نے بھی ان کو علیحدہ کرنا نہیں چاہا اور ۱۳۳۴ھ میں انکو جدید مدرسین میں لے لیا گیا۔

یہاں تک ہم نے درجہ عربی کے مدرسین و معین المدرسین کا ذکر کیا ہے۔ لیکن دارالعلوم کی تعلیمی حالت کو ظاہر کرنے کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے درجات کے مدرسین کا تذکرہ بھی کر دیا جائے۔

درجہ قراءۃ و تجوید

دارالعلوم میں زمانہ دراز تک اس خاص فن کی تعلیم و مشق کا اہتمام نہیں کیا گیا تھا۔ حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم کو دارالعلوم میں ایسے نہایت ضروری فن کی ترویج و تعلیم کا خیال پیدا ہوا ۱۳۲۱ھ میں یہ درجہ قائم کیا گیا۔ مولوی حافظ قاری عبدالوحید خاں صاحب تلمیذ خاص جناب حافظ قاری عبدالرحمن صاحب الہ آبادی مدرس مدرسہ الہ آباد برادر خورد و شاگرد جناب حافظ قاری عبداللہ صاحب مکی مدرس مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ زادھا اللہ شرفاً و تعظیماً۔ اس درجہ کے مدرس قرار دئے گئے۔ قاری صاحب موصوف اس فن میں نہایت باکمال ہیں۔ آپ جس وقت دارالعلوم میں مدرس درجۂ تجوید مقرر ہوئے تو کتب درسیہ آپ کی ناتمام تھیں۔ دارالعلوم کی جانب سے دو گھنٹے آپ کو اس غرض کے لئے دئے گئے کہ درجہ تجوید کے طلبہ کو تعلیم دینے کے ساتھ اپنی تحصیل کو پورا کریں چنانچہ کئی سال میں آپنے درسی کتب سے فراغت حاصل کی اور اس وقت سے سارا وقت درجہ تجوید کی تعلیم میں صرف فرماتے ہیں۔

دارالعلوم میں درجۂ تجوید کے قائم ہونیسے اس فن کا چرچا بہت زیادہ ہو گیا۔ اکثر مدارس اسلامیہ میں یہ درجہ کھل گیا۔ بہت سے مدارس میں دارالعلوم کے تعلیم یافتہ مدرس مقرر ہو گئے۔ یہاں تک کہ علی گڈھ کالج میں بھی یہ درجہ کھل گیا۔ اور وہاں بھی دیوبند کے تعلیم یافتہ حافظ قاری محمد میاں مدرس ہیں۔

مدرسین درجہ فارسی و ریاضی

درجہ فارسی و ریاضی ابتدائے قیام سے قائم ہے۔ اور اس سے زیادہ تر مقصود قصبہ کے باشندوں کو تعلیم دینا ہے۔ خواہ وہ اسی درجہ کی تعلیم پر قناعت کریں۔ یا اُس کے نصاب کو پورا کر کے درجہ عربی میں داخل ہو جائیں۔ اس درجہ کی خواندگی اس انداز پر رکھی گئی ہے۔ کہ فارسی میں پوری استعداد ہونے کے ساتھ ریاضی و ہندسہ کی تعلیم بھی اُس حد تک ہو جائے کہ پرائیویٹ طور پر مڈل اُردو کا امتحان دے سکیں۔ چنانچہ بہت سے طلبہ اس درجہ کے امتحان دے کر سند اردو مڈل حاصل کر چکے ہیں۔

اس درجہ میں دو مدرس ہیں ایک مدرس فارسی۔ دوسرے مدرس ریاضی۔

(۱) مولوی محمد یٰسین صاحب مدرس اول درجہ فارسی و ریاضی مولوی صاحب موصوف قدیم تعلیم یافتہ دارالعلوم کا نصاب حاصل کئے ہوئے بااستعداد شخص ہیں۔ فارسی و ریاضی میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ تقریباً تیس سال سے اس درجہ میں مدرس ہیں۔

(۲) منشی منظور احمد صاحب مدرس درجہ ریاضی۔ آپ بھی دارالعلوم کے تعلیم یافتہ۔ مدرس اول فارسی کے برادر خورد ہیں۔ مڈل اور پٹوارگری کا امتحان پاس کئے ہوئے ہیں۔ ریاضی و ہندسہ میں پورے ماہر ہیں طرز تعلیم بہت اچھا ہے۔ ۲۵ سال سے اس مدرسہ کے مدرس ہیں۔

درجہ فارسی و ریاضی میں زائد مدرسین کی ضرورت ہے انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب ایک یا دو مدرس کا تقرر عمل میں آئے گا۔

درجہ حفظ قرآن مجید

یہ درجہ بھی دارالعلوم کے ساتھ ساتھ جاری ہوا۔ اور اس عرصہ ۵۰ سال میں کئی سو حافظ اس درجہ میں تیار ہوئے۔ اس میں بھی بالفعل دو مدرس ہیں۔

(۱) حافظ نامدار خاں صاحب۔ حافظ صاحب موصوف بڑے معمر بزرگ اور نہایت عمدہ حافظ ہیں۔ آپ کی تعلیم میں خاص برکت ہے۔ آپ ضلع سہارنپور کے ایک گاؤں کے رہنے والے ہیں۔ نو عمری میں آپ کا قیام تھانہ بھون میں رہا۔ اور اس زمانہ میں آپ نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب اور حضرت مولانا شیخ محمد صاحب قدس سرہما کا فیض صحبت حاصل کیا۔

دیوبند کے چند بزرگوں نے اپنی اولاد کی تعلیم کی غرض سے آپ کو دیوبند بلالیا۔ اور کئی ایک لڑکوں نے آپ سے قرآن مجید حفظ کیا۔ پھر جب دارالعلوم کی بنیاد قائم ہوئی تو آپ اس میں مدرس مقرر ہوئے۔ اور بحمداللہ ابتک ہیں۔ دیوبند کا اکثر حصہ آپ کا یا آپ کے شاگردوں کا شاگرد ہے۔

(۳) حافظ **نور محمد خاں** صاحب ساکن گمتھلہ ضلع انبالہ آپنے رائے پور ضلع سہارنپور کے مدرسہ میں قرآن مجید حفظ کیا۔ اور ۱۳۲۷ھ میں مدرس دویم دارالعلوم میں مقرر ہوئے۔ آپکا طرز تعلیم نہایت عمدہ ہے۔

واعظین و مناظرین تعلیم کے ساتھ دوسرے شعبوں کا انتظام کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی دارالعلوم کی جانب سے اس کے مدرسین و واعظین نے ملک کے دور دراز حصوں میں جاکر اپنے مواعظ سے خلق خدا کو مستفیض کیا اور رد نصاریٰ کرکے دین الٰہی کی حیثیت بتاکر ہندوستانیوں کو اپنے دین اور دھرم کے بدلنے سے روکا۔

دارالعلوم کے مناظرین میں حضرت مولینا قاسم رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی بھی ہے جنہوں نے ہندوستانیوں کو آزادی کا سبق دیا۔ اور انگریزوں کے ہتھکنڈوں سے بچانے کے لئے عیسائیوں سے مناظرے کئے۔ دارالعلوم کے مناظرین میں دو ہستیاں اور بھی مشہور ہیں حضرت العلامہ مولینا اعزاز علی صاحب اور مولینا سراج احمد صاحب، دیوبندی اڈیٹر القاسم والرشید اور یوں تو آج تک ہزاروں علماء جو دیوبند سے نکلے۔ انہوں نے انگریز کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ اور انگریز کی مذہبی جنون کا علاج قلم اور تلوار دونوں طریقوں سے کرنے میں کامیاب ہوئے۔ مولینا اشرف الحق مولینا ثناءاللہ پانی پتی اور مفتی کفایت اللہ بھی اسی مدرسے کے کامیاب مناظر ہیں اسی مدرسے کے اساتذہ کی تعلیم کے طفیل جگادری پادریوں سے معرکے کئے اور ان کو سر محفل قائل کیا۔ اور منوایا کہ انجیل میں تحریف ہوئی

بچوں کا گھر دارالعلوم میں عرصے سے یہ طریقہ ہے کہ جو یتیم بچہ آیا اس کی حفاظت اور نگرانی کی اور بچوں کو مہتمم مدرسہ یا مدرسین کے انتظام میں دے دیا۔ اور اب تو حالت ہر مقامی اور ہندوستانی بچے ہی نہیں بلکہ بیرون ہند کے بچے بھی داخل ہونے کے لئے آتے ہیں اور اسکا معقول انتظام ہے۔

رسالے دارالعلوم کے پروپیگنڈے کرنے اور اس کے کارناموں کو عوام کے سامنے لانے کے لئے دو رسالے جاری ہوئے۔ القاسم (۱) القاسم (۲) الرشید (۵) رسالہ القاسم دیوبند ۳ رپورٹ دارالعلوم دیوبند ۱۳۴۳ء

القاسم، اور الرشید دونوں کے اڈیٹر مولینا حبیب الرحمٰن صاحب تھے جو قاسمی پریس دیوبند میں چھپتا تھا۔ القاسم ۱۳۲۸ء میں نکلا اور اور دس بارہ سال تک چلا۔ الرشید رجب ۱۳۳۵ھ میں نکلا۔ اور پانچ چھ سال سے زیادہ نہیں چل سکا۔ القاسم مولینا قاسم کی یادگار تھا جس کے سرپرست حضرت حکیم الامتہ مولینا اشرف علی صاحب مرحوم تھے۔

الرشید مولینا رشید احمد گنگوہی کے خیالات واصول پھیلانے کا مدعی تھا۔ مولینا عبدالرحیم صاحب حافظ محمد ابراہیم صاحب مہتمم مدرسہ اس کے سرپرست تھے۔

یہ دونوں پرچے علمی مذہبی، اخلاقی، تاریخی، تنقیدی مضامین شائع کرتے تھے۔ زیادہ تر مولینا اعزاز علی، اور مولینا اشرف علی کے مضامین ان میں شائع کئے جاتے تھے۔

مولوی مناظر حسن صاحب، اور مولینا سید اصغر علی صاحب رسالہ الرشید کے مدیر کے مددگار تھے۔ منشی انعام الحق اور کالے خاں اس دفتر کے محرر اور ملازم تھے۔ (روداد ۱۳۳۶ھ ص ۳۶)

مولینا محمد احمد صاحب ان رسالوں کے جو مقاصد ہیں انکو حسب ذیل الفاظ میں بیان کرتے۔ ان کی اشاعت کا مقصد علمی فیوض کی تعمیم ہے۔ کیونکہ وہ طبقہ جو علم حاصل کرنے کے لئے دارالعلوم نہیں آسکتے اور نہ انکو اسکا موقع ملتا ہے۔ کہ صحیح مسائل یا صحیح معلومات حاصل کرسکیں ان کے لئے اپنے مقامات پر بیٹھے ہوئے یہ رسالے ایک معلم اور عالم حقانی کا کام دیتے ہیں۔

ان دونوں رسالوں میں اس امر کا التزام کیا ہے۔ کہ کوئی مسئلہ اہل سنت کے مسلک کے خلاف نہ لکھا جائے۔ تاریخی حالات بھی وہی درج کئے جائیں جن سے اسلامی طبقہ کی معلومات میں قابل قدر اضافہ ہونے کے ساتھ اسلام کی حقیقی محبت اور مستحکم رسوخ ہو جائے۔

(روداد ۱۳۳۳ھ)

کتب خانہ ۱۳۳۰ھ میں دارالعلوم دیوبند کو جتنی کتابیں اس سال ملی ہیں۔ سابقہ کسی ایک سال کے اندر ایسی قابل مطالعہ اور نادر کتابیں کتب خانہ میں داخل نہیں ہوئیں

دیوبند میں وہ لوگ کتابیں زیادہ داخل کرتے ہیں۔ جو خاندان میں فرد واحد ہوں۔ اور ان کی اولاد نہ ہو۔ ایسے لوگ یقیناً سمجھداری اور دانشمندی سے کام لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی وفات کے بعد دیکھا گیا ہے۔ کہ نااہل رشتہ دار اسکو ضائع کر دیتے ہیں۔ یا ان کتابوں کو کوڑیوں کے بھاؤ۔ ردی سے بھی کم قیمت پر فروخت کر دیتے ہیں۔ چنانچہ مرزا حیرت کے کتب خانہ کی یہی درگت بنی۔

مدرسہ کی گذشتہ روئدادوں کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جناب عابد حسین صاحب مرحوم، رئیس جونپور، مولینا سکندر علی مرحوم خالص پوری، کنور لطافت علی خانصاحب رئیس سعد آباد، شاہ احسان اللہ صاحب رئیس غازی پور، مولوی نظام الدین صاحب ڈپٹی کلکٹر پنشنر رئیس مچھلی شہری۔ اور محمد جمال شاہ صاحب تحصیلدار مرحوم اپنے بیش بہا علمی ذخائر مدرسہ کے کتب خانہ میں داخل کر چکے ہیں۔

۱۳۳۰ھ میں دو حسب ذیل کتب خانے مدرسہ دارالعلوم دیوبند کو حاصل ہوئے تھے۔

(۱) جناب مولوی وکیل احمد صاحب سکندر پوری کا کتب خانہ باعتبار جامعیت فنون اور باعتبار کتب نادر قلمی و مطبوعہ درسی وغیرہ کامل و مکمل ہیں۔ یہ مولینا ..... کا خاندانی کتب خانہ ہے لیکن آپ نے اپنے زمانہ میں ہزار ہا روپیہ خرچ کرکے اس میں بہت کچھ اضافہ کیا ہے مصری، و غیر مصری کتابیں جہاں سے جس قیمت پر ملیں خریدلیں۔ اسمیں بعض قلمی کتابیں ایسی نادر ہیں جو ہزاروں جتن کرنے کے بعد بھی دستیاب نہیں ہوتیں۔ اور کتب طب کا تو عجیب ہی ذخیرہ اس میں ہے۔ الغرض آپکا کتب خانہ ہر طرح مکمل تھا۔ مولینا کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے مولوی حکیم جمیل صاحب نے اس تمام کتب کو دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ کے حوالے کر دیا۔ یہ کتب خانہ جس میں ایکہزار چھ سو کتابیں اور جلدیں ہیں مع چھ سو عدد الماریوں کے رمضان المبارک ۱۳۳۰ھ میں پہنچ گیا تھا۔

(۲) مولوی محمد جمال الدین صاحب مقیم بمبئی نے وصیت فرمائی کہ ان کا عام کتب خانہ جسمیں تقریباً تین سو کتابیں دارالعلوم میں بھیجدی ہیں

(روداد۔ دارالعلوم دیوبند ۱۳۳۰ھ صـ ۳۷)

دارالکتب ۱۳۲۲ھ میں نواب یوسف علی خاں نے دارالعلوم میں ایک وسیع مکان کتب خانہ کے لئے تیار کرایا تھا۔ اور اس کے بعد دو کمرے اور بھی تیار ہوئے۔ ایک منشی رحمت اللہ صاحب خورجوی، اور دوسرا شیخ ضیاء الحق رئیس راجپور کی توجہ سے تعمیر ہوئے۔ لیکن کتب خانہ کی روز افزوں ترقی کی وجہ سے یہ سب مکانات کتب خانہ کے لئے کافی نہیں ہیں۔ دارالکتب کی عمارت کی توسیع کی ضرورت ہے۔

(روداد ۱۳۳۶ھ صـ ۲۵)

۱۳۳۳ھ میں مولوی احمد حسن صاحب مرحوم لکھنوی۔ ڈپٹی انسپکٹر مدراس پنشنر عطیہ صاحبزادگان موصوف مولوی محمد اسحاق صاحب و منشی سید صادق حسین صاحب نے پانچسو کتب۔ منجانب مولوی عطاء الحق صاحب مرحوم ساکن کانٹہ تحصیل باغپت ضلع میرٹھ نے ڈیڑھ سو۔ اور مولوی حافظ ولی الدین صاحب مہتمم مجلس اشاعۃ العلوم حیدر آباد دکن نے پچاس جلدیں دارالعلوم کو تقریباً ڈیڑھ سو کے قریب اور دس دس بیس بیس کتابوں کی شکل میں دارالعلوم دی گئیں۔

۱۳۳۶ھ میں مولینا اشرف علی صاحب تھانہ بھون نے تقریباً پچاس جلدیں۔ قاضی عبدالباقی صاحب ملا کا تیار۔ ضلع حیدر آباد سندھ سو ۵، جلدیں غلام محمد شمس الحق مالنگاؤں محلہ قلعہ ضلع ناسک نے ۷، متفرق تین سو جلدیں مدرسہ کو ملیں۔۔

زیادہ حساب پھیلانے کی ضرورت نہیں ہے ۱۳۳۳ھ میں بیس ہزار کتب تھیں ۱۹۴۲ء میں پچاس ہزار سے زائد کتابیں کتب خانہ میں موجود تھیں آج جبکہ ۳۳ سال گذر چکے ہیں۔ دیوبند کے کتب خانہ میں کتنی کتابیں ہونگی اس کا اندازہ مشکل ہے۔

اِن کتابوں کو کتب خانہ کے اندر تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔

(۱) وہ کتابیں جو طلبہ دارالعلوم کو مستعار دیجاتی ہیں وہ ان کو لے کر اور پڑھنے کے بعد واپس کر دیتے ہیں۔ ان مستعار لینے والوں کے کوئی شرط نہیں۔ مدرسہ سے جب کسی طالب علم کو کوئی کتاب کے پڑھنے کی اجازت مل جاتی ہے۔ تو وہ اس کتاب کو لے سکتا ہے۔ ان کتابوں کی تعداد بھی ہزاروں ہیں۔

(۲) وہ مطبوعہ کتابیں جو درسیات کے شرح و حواشی ہیں یا اُس کے علاوہ دوسرے سلسلہ کی کتابیں جس نے اساتذہ دارالعلوم وغیرہ بصورت مطالعہ اور رعایت مستفید ہوتے ہیں۔

(۳) قلمی کتابیں ہیں جو نہایت قیمتی اور سلف کی یادگار ہیں ان کو شیشے کی الماریوں میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ قلمی کتابیں شکستہ حالت میں کتب خانہ کے اندر آتی ہیں تو ان کو ان کی اہمیت کے اعتبار سے عمدہ جلدوں میں محفوظ کر دیا جاتا ہے اس صورت میں سلف کی وہ یادگاریں باقی رہ جاتی ہیں جو بیشتر اوقات پسماندہ کی ناداری یا دوسری وجوہ سے بہت جلد ختم ہو کی حالت میں ہوتی ہیں تو ان کتابوں کو بجز خاص خاص صورتوں کے کتب خانہ سے باہر نہیں دیا جاتا ہے۔

تعداد طلبار

تعداد طلبار کے دو سال ۱۳۳۳ھ اور ۱۳۴۴ھ کے نقشوں سے اندازہ لگا لیجئے کہ مدرسہ نے کتنے جلدی ترقی کی ہے۔

تعداد طلبار ۱۳۳۳ھ

نام درجہ تعلیم	اہل دیوبند	بیرون جات	میزان
عربی	۲۴	۳۸۵	۴۰۹
فارسی	۵۳	۴۰	۹۳
کلام مجید	۴۵	۸	۵۳
قرأت تجوید	۲	۵	۷
میزان	۱۲۴	۴۳۸	۵۶۲

نام درجہ تعلیم	تعداد طلبار ۱۳۴۴ھ		
	اہل دیوبند	بیرون جات	میزان کل
درجہ عربی	۲۲	۵۶۲	۵۸۲
درجہ فارسی و ریاضی	۴۶	۱۵	۹۷
درجہ قرآن شریف	۷۶	۳۴	۱۱۰
فن تجوید و قراۃ	۲	۴	۶
میزان کل	۱۴۶	۶۴۹	۷۹۵

طلبار کے ساتھ سلوک

۱۳۳۳ھ کے سنہ کو چھوڑ کر صرف ۱۳۴۴ھ کے سنہ کے سلوک سے اندازہ لگا لیجئے۔ کہ مدرسہ کے ذمہ دار حضرت کیسا سلوک طلبار کے ساتھ کرتے ہیں۔

مدرسہ میں آخر سال پر کل (۵۹۰) طلبار ہر قسم کے موجود تھے - ان میں سے (۳۴۱) طلبار کو مدرسے سے کھانا ملتا ہے - (۱۰) طلبار کو اہل شہر کھانا دیتے ہیں (۳۴۰) کو نقد وظیفہ خوراک کے لئے مدرسہ سے دیا جاتا ہے - (۱۴۶) طلبار دیوبند کے ہیں وہ خود اپنے گھروں میں کھاتے پیتے ہیں باقی طلبار اپنے کھانے اور مصارف کا بطور خود انتظام کرتے ہیں -

تمام خوراک پانے والے طلبار خواہ انکو اہل شہر سے کھانا ملتا ہو یا مطبخ مدرسہ سے یا نقد وظیفہ ملتا ہو ان سب کو سال بھر میں چار جوڑے پارچہ تیار شدہ مع کلاہ و کمر بند اور ایک چادر - اور دو جوڑے جفت پاپوش اور موسم سرما میں ایک صدری، ایک لحاف مدرسے سے تیار کرکے دیا جاتا ہے - اور ہر ماہ اصلاحی پارچہ اور سکانات کے لئے - روغن تلخ دیا جاتا ہے - بیمار طالب علم کا علاج مدرسہ کی طرف سے ہوتا ہے - اس کے علاوہ طلبہ کی اکثر ضروریات کا انتظام بھی مدرسہ کی طرف سے کیا جاتا ہے - مثلاً موسم گرما میں گرم پانی کرانا روزانہ استعمال کے لئے مٹی کے ڈھیلوں کا ایک ڈھیر رکھا جاتا ہے - (روداد ۱۳۴۲ھ ص ۳۷، ۳۸)

دار العلوم کی شاخیں مدارس اسلامیہ کی معقول تعداد جس کا تعلق دار العلوم دیوبند سے ہے نظم و نسق امور انتظامیہ کے سالانہ امتحان حضرات مدرسین دیوبند ہی لیتے ہیں - اور ایسے مدرسین ماہ رجب اور بعض اوائل شعبان میں ممتحن صاحب متعلقہ خطوط لکھتے ہیں - اور سالانہ امتحان کے دوران میں ممتحنوں کی روانگی کی تاریخیں مقرر کیجاتی ہیں - اور ممتحن حضرات اور متعلقہ مدارس کو بھی اطلاع دی جاتی ہے -

ریاست بھوپال سے کتب امتحان کی فہرست آجاتی ہے - اور یہاں سے سوالات مرتب کرکے روانہ کردیئے جاتے ہیں - وہاں سے جوابات آجاتے ہیں - حضرات مدرسین دار العلوم دیوبند انکو دیکھ کر نمبر دیتے ہیں -

بعض مدارس ایسے بھی ہیں جن کے لئے سوالات تحریر کرنا انکو طبع کرانا ہر ایک کتاب کے سوالات کو جدا کئے جاتے ہیں -

بھاشا اور سنسکرت کی تعلیم ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ کو مولوی ابو رحمت حسن میرٹھی کو پچاس روپے کی تنخواہ پر ماہوار او کھانے پر رکھا گیا کہ وہ دار العلوم کے طلبار کو بھاشہ کی تعلیم دیں - چنانچہ مولوی صاحب موصوف نے اس تعلیم کے سلسلہ کو شروع کیا - کچھ دنوں کے بعد ہی یکم محرم ۱۳۴۲ھ سے مولانا غلام محمد صاحب سیتاپوری کو بھاشہ کی تعلیم کیلئے رکھ گیا - آپ نے بھاشہ کی تعلیم انگریزی مدرسہ سے مڈل تک حاصل کرچکے ہیں - آپ مدرسہ دار العلوم کے فارغ التحصیل بھی ہیں -

اول الذکر افسوس ۱۳۴۱ھ میں فوت ہوگئے - اس کے بعد ڈاکٹر غلام سنسکرت کے ماہر تھے ۱۲ ذی الحجہ کو انہیں ساٹھ روپے ماہوار پر بھاشا پڑھانے کے لئے رکھا گیا - طلبار کی تعداد سو سے زیادہ ہوگئی تھی - مذکورہ حضرات نے پوری توجہ دی جس میں کامیابی حاصل ہوئی -

اس کے علاوہ ۳ محرم ۱۳۴۲ھ کو دار العلوم دیوبند کے دو فارغ التحصیل جناب مولوی سید احمد صاحب دیوبندی - اور جناب مولوی محمد اشفاق صاحب سنبھلی سنسکرت کے حصول کے مدرسہ کے مصارف پر ڈھاکہ میں مولانا مشہد اللہ کے ہاں بھیجا - (روداد ۱۳۴۲ھ ص ۹)

مظاہر العلوم سہارنپور ۱۸۶۶ء میں مولانا سعادت علی صاحب مفتی سہارنپور کے ذہن میں ایک دینی مدرسہ بنانے کا خیال آیا - چنانچہ انہوں نے یکم رجب کو محلہ قاضی میں اس کی بنیاد رکھی - مولوی سخاوت علی صاحب انبہٹوی کو ۲۳ روپے ماہوار پر مدرسی کے لئے ملازم رکھا - مولوی عنایت علی صاحب - اور حافظ قمر الدین صاحب کو جو مولانا سعادت علی صاحب سے عربی پہلے سے پڑھتے تھے مدرسہ کے ابتدائی طالب علم ہے جن کو مولوی سعادت علی نے نحو میر شروع کرائی - اور خود مولانا نے بلا تنخواہ مدرسہ کی ہر خدمت کو انجام دیا - پھر مولانا احمد علی صاحب نے اعانت فرمائی - اور تین ماہ بعد شوال ۱۲۸۳ھ میں مولانا مظہر صاحب اس مدرسہ سے صدر مدرس بنا دیے گئے - مولانا سخاوت علی مدرس دوم ہوئے -

قاضی کے محلہ میں جو مکان تھا اور جس میں مدرسہ قائم تھا وہ مدرسہ کے لئے ناکافی ہوا - کوشش کی گئی کہ اس محلہ میں مدرسہ کے لئے مکان بنایا جائے - چند سال بعد حافظ فضل حق صاحب جو مولانا قاسم سے بیعت اور مولانا مظہر صاحب کے مخلص دوست تھے کو خیال ہوا کہ مدرسہ کو اپنے

محلہ میں منتقل کرلیں۔ یہ مکان جس میں اس وقت مدرسہ ہے۔ حافظ صاحب کا ذاتی مکان تھا۔ اس کو انہوں نے توڑ کر مدرسہ کی موجودہ حالت پر تعمیر کرایا۔ اور مدرسہ کے نام ہبہ نامہ کرکے مدرسہ اس میں قائم کیا۔ اثنائے تعمیر میں مولنا سعادت علی صاحب فقیہ اور بانی مدرسہ کا انتقال ہو گیا۔ اسی تعمیری سال میں مدرسہ کا تاریخی نام مظاہر علوم تجویز ہوا۔ اس وقت مدرسہ کے ممبران سرپرست صرف تین حضرات تھے۔ مولنا مظہر صاحب قاضی فضل الرحمٰن اور حافظ فضل حق صاحب۔

۱۲۹۵ھ میں جب اکابر کا مشہور قافلہ حج کو روانہ ہوا۔ تو مولنا مظہر صاحب اور مولانا احمد حسن صاحب کانپوری مدرس دوئم تھے یہ حضرات اور ان کے ساتھ مولوی عنایت صاحب بھی ہمرکاب ہوئے۔ ان کی جگہ پر مولنا احمد علی صاحب محدث اور ان کے صاحبزادے مولوی حبیب الرحمٰن اور ایک بنگالی مولوی امین الحق عارضی طور پر رکھے گئے۔ ان حضرات کی آمد کے بعد ہٹا دیئے گئے۔

۲۴ ذی الحجہ ۱۳۰۲ھ کی شب ۸ بجے مولنا مظہر نے انتقال فرمایا۔ مولنا کی وفات کے بعد قاضی فضل الرحمٰن صاحب نے مدرسہ کی کمیٹی کیلئے ممبران کا اضافہ اور قاضی ابو سعید، مولوی ناظر حسین وکیل، خواجہ احمد حسن، میر لوگر علی، مولوی مشتاق احمد وغیرہ کو ممبر منتخب کیا۔ اور ۱۳۱۴ھ میں ممبران کی رائے سے حضرت العلامہ امام ربانی مولنا رشید احمد گنگوہی کو سرپرست بنایا گیا۔ اور مولنا خلیل احمد صاحب صدر مدرس مامور ہوئے۔ اس تقرر نے کچھ چپقلش کی صورت اختیار کرلی۔

چونکہ کچھ ممبران کو نہ مولنا خلیل سے کوئی انس و تعلق تھا۔ اور حضرت امام ربانی سے کوئی عقیدت تھی۔ مولنا کو صرف پڑھانے کا کام سونپ رکھا تھا۔ نہ آپ سے کوئی مشورہ لیا جاتا۔ اگر کسی بات میں مشورہ بھی دیتے تو ٹھکرا دیا جاتا تھا۔ آپ نے خاموشی کامل پانچ سال گذارے اپنے پڑھانے کے کام سے واسطہ رکھتے۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا ممبران کی کثرت حضرت گنگوہی کی مخالفت میں ہے۔ اور حضرت کی سرپرستی کے مولانا کی صدارت بھی دل سے ناگوار ہے تو آپ نے امام ربانی سے مشورہ کیا۔ تو حضرت نے استعفی دیدیا۔ وہ منظور کرلیا گیا۔ اور اس کے بعد پانچ آدمیوں کی کمیٹی بناکر مولنا خلیل کو برطرف کردیا گیا۔ معاملہ فساد کی شکل اختیار کرنے لگا۔ سکی اطلاع پولیس کو ملی۔ علاقہ انچارج نے مداخلت کی اور عام ممبران کی منظوری سے مولوی ذوالفقار علی صاحب دیوبندی۔ اور مولوی عبدالرحیم صاحب رائپوری۔ اور مولنا اشرف علی صاحب تھانوی کی کمیٹی بنادی۔ اور فیصلہ دیا کہ مولنا خلیل بے قصور ہیں۔

مدرسہ کے لئے یہ کمیٹی نعمت ثابت ہوئی۔ مدرسہ باہمی جھگڑوں میں پڑا ہوا تھا۔ اب صحیح حالت پر آیا۔ طلباء کی کثرت ہوئی مدرسین کا اضافہ ہوا۔ چندہ میں توسیع ہوئی۔ نایاب کتابیں بذریعہ وقف خریدی گئیں۔ عالیشان کتب خانہ جدید بنایا گیا۔ خالی چھتوں پر درسگاہیں تعمیر ہوئیں۔ ماہر تجوید قاری کا تقرر ہوا مفتی رکھے گئے۔ فتوی نویسی کا مستقل انتظام ہوا۔ واعظین رد نصاریٰ ملازم رکھے گئے۔ ان کے دورہ کا پروگرام کا نقشہ بنایا گیا۔

جب مدرسہ ترقی کرنے لگا اور طلباء کثیر تعداد میں داخل ہونے لگے تو مدرسہ کا مکان ناکافی ہو گیا۔ مدرسین بھی پریشان۔ ان کے لئے کوئی جگہ نہ تھی۔ طلبہ شہر کی مسجدوں میں مقیم اور مختلف محلوں میں ان کی روٹیاں مقرر تھیں۔ سرسطی ان پر حکومت جتلاتا تھا۔ اس رلانے والی خستہ حالت کو دیکھکر مولنا خلیل بے تاب ہو گئے۔ توکل علی اللہ ایک وسیع زمین خرید کر عالیشان تعمیر کی بنیاد ڈالی کہ اوپر کے حصہ میں جداجدا متعدد درسگاہیں ہوں اور نیچے کے طبقہ میں طلباء کی رہائش کے لئے کافی مقدار میں حجرے ہوں۔

خلیل الٰہی آواز امداد کے لئے بلند ہوئی۔ پہلے سال ۷۵۰۴ روپے دوسرے سال ۴۸۶۶ روپے آئے ۱۳۲۶ھ میں اس یادگار خلیل کا بنیادی پتھر رکھا گیا۔ ادھر تعمیر جاری ہوئی۔ ۱۳۳۷ھ میں مدرسہ کی یہ عمارت مکمل ہوئی۔ جس کے متصل خوشنما مسجد تیار کی گئی۔ نادار طلباء کے کھانے کا بھی مدرسہ کی طرف سے انتظام کیا گیا ۱۳۱۴ھ میں جب آپ مدرس اول بنکر آئے تو طلبہ کی تعداد ۱۴۵ تھی۔ مگر ۱۳۴۴ء میں جب آپ مدرسے سے حج کے لئے گئے تو ۵۰۲ تھی۔

آج تک مظاہر العلوم سے ہزاروں عالم دین فارغ التحصیل ہو کر جاچکے ہیں۔ ۱۳۳۹ھ تک چار سو کے قریب علماء کو فراغت

کی سندیں دی گئی ہیں - جو درس و تدریس میں مشغول ہیں - اور عالم بنانے کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں - جن میں کچھ مشاہیر کے نام حسب ذیل درج ہیں - پہلے گیارہ حضرات مظاہر العلوم کے اساتذہ ہیں -

مولانا حافظ عبد اللطیف ناظم، مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مولانا عبد الرحمٰن صاحب، صدر المدرسین، مولوی اسد اللہ صاحب رامپوری مولوی محمد زکریا صاحب قدوسی، مولوی منظور احمد صاحب سہارنپوری مولوی جمیل احمد صاحب تھانوی - مولوی مسعود علی صاحب راجوپوری مفتی ضیا احمد صاحب گنگوہی، قاری عبد العزیز صاحب، اور قاری سعید احمد صاحب وغیرہم ؛

مولوی عبد الکریم صاحب مدنی نواسہ حضرت شاہ عبد الغنی صاحب مہاجر؛ اور مولوی عبد الحق صاحب مدنی مدرسان مدرسۃ الایتام مدینہ منورہ ؛ مولوی علیم اللہ صاحب مدرس کنز العلوم ٹانڈہ ؛ مولوی اشفاق الرحمٰن خاں صاحب کاندھلوی مدرس فتحپوری دہلی - مولوی محمد مبین صاحب دیوبندی مدرس مدرسہ اسلامیہ چھاؤنی ؛ مولوی عبد الرحمان صاحب اورنگ آبادی مدرس مدرسہ وسطانیہ (دکن) مولوی سید میر جہاں شاہ مدرس مدرسہ اسلامیہ عدن کیمپ ؛ مولوی شمس الحق صاحب مدرس موضع اجراڑہ ؛ مولوی حامد صاحب مدرس کالج پشاور ؛ مولوی بدر عالم صاحب مدرس مدرسہ ڈابیل ضلع سورت ؛ مولوی محمد عادل گنگوہی مترجم (حیدر آباد - دکن) مولوی عتیق احمد صاحب دیوبندی مولوی شبیر علی صاحب برادر زادہ مولانا تھانوی ؛ مولوی حافظ عبد العزیز صاحب نواسہ - مولانا رائپوری ؛ مولوی شفیق احمد صاحب صاحبزادہ حضرت مولانا صدیق احمد ؛ مولوی فیض حسن صاحب، سہارنپوری حکیم ایوب صاحب سہارنپوری - مولوی لطف الرحمٰن صاحب کاندھلوی مولوی محمد طیب صاحب رامپوری ؛ مولوی محمد الدین صاحب کشمیری ؛ مولوی غلام الرحمٰن صاحب تبتی ؛ مولوی عبد الرحیم صاحب غزنوی مولوی غلام حیدر صاحب بخاری ؛ مولوی روشن دین صاحب بہاولپوری - اور مولوی محمد عرفان صاحب ہزاروی وغیرہم -

مظاہر العلوم کا فیض ہر چہار طرف شمال و مغرب جنوب تمام اکناف و اطراف ہند کے بڑے شہروں میں بالواسطہ یا بلاواسطہ پہنچا ہوا ہے - ہزارہ ؛ پشاور ؛ دریاں خاں ؛ غزنی ؛ بخارہ ؛ کابل ؛ سیالکوٹ ؛ جموں ؛ راولپنڈی ؛ ملتان گوجرانوالہ ؛ جہلم ؛ امرت سر، فیروزپور ؛ جالندھر ؛ کوہاٹ ؛ مظفر گڈھ ڈیرہ غازی خاں ؛ بہاولپور ؛ جیندھ ؛ پٹیالہ ؛ دہلی ؛ میرٹھ ؛ علی گڈھ ؛ مراد آباد ؛ لکھیم پور ؛ فیض آباد اعظم گڈھ ؛ سیتاپور ؛ منگیر ؛ آرہ ؛ بردوان ؛ چاٹگام ؛ نواکھالی ؛ باریسال ؛ فرید پور ؛ کمرلا ؛ لوریہ ؛ میمن سنگھ ؛ ملاہ، سلہٹ ڈھاکہ سندھ اور دکن میں کوئی بڑا ایسا ضلع نہیں جہاں مدرسہ کے علم کی روشنی نہ پہنچی ہو

سنہ ۱۳۱۴ھ سے سنہ ۱۳۴۴ھ تک کے سالوں میں کتنی فارغ التحصیلی کی سندیں ملیں اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں -

سنہ ۱۳۱۴ھ میں چار طلبہ کو سند فارغ التحصیل ہونے کی دی گئی سنہ ۱۳۱۵ھ میں پانچ کو سنہ ۱۳۱۶ھ میں سات، سنہ ۱۳۱۷ھ میں بھی سات سنہ ۱۳۱۸ھ میں چھ سنہ ۱۳۱۹ھ میں سات سنہ ۱۳۲۰ھ میں دس سنہ ۱۳۲۱ھ میں پانچ، سنہ ۱۳۲۲ھ میں آٹھ سنہ ۱۳۲۳ھ میں دس سنہ ۱۳۲۴ھ میں نو، سنہ ۲۵-۲۶، ۲۷-۲۸ھ میں ۴۳ سنہ ۲۹-۳۰-۳۱-۳۲ھ میں ۵۲ سنہ ۳۳-۳۴-۳۵-۳۶ھ میں ۳۹ سنہ ۳۷-۳۸-۳۹-۴۰ھ میں ۶۳، سنہ ۴۱-۴۲-۴۳-۴۴ھ میں ایکسو بیس ۱۲۰ کو سندیں عطا کی گئیں -

سنہ ۱۳۲۲ھ میں حضرت مولانا ذو الفقار علی صاحب نے وصال فرمایا - تو آپ کی جگہ آپ کے لخت جگر اور دنیا کے نور نظر شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب مدرسہ کے سرپرست قرار پائے - اور پھر حضرت محمد احمد صاحب رامپوری اور سر رحیم بخش پریذیڈنٹ بہاولپور کا سرپرستوں میں اضافہ ہوا - اور آخر میں تمام سرپرستان کے اصرار پر مولانا خلیل کا اسم گرامی سرپرستوں میں شامل ہوا -

اس طرح مدرسہ مظاہر العلوم دنیا کے چیدہ برگزیدہ افراد کی ہمت وسعی سے چلا - اور اس اسٹیج پر پہنچا کہ دیوبند، سہارنپور اور رائپور کے مقتدا مدرسہ کے نظام کو اپنے خدام کے حوالہ فرما کر عالم قدس کا سفر اختیار کر گئے - اور مدرسہ اسی شان کے ساتھ اہل دل کے قلوب کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے - اور دیکھنے والا کہتا ہے ؎

زفرق تا بقدم ہر کجا مے نگرم !
کرشمہ دامن دل مے کشد کہ جا اینجا است

انجمن حمایت اسلام لاہور

انجمن کے مقاصد ہی صاف طور پر ظاہر کر رہے ہیں۔ کہ وہ ردنصاریٰ کے لئے قدرتی طور پر بنائی گئی ہے۔ چنانچہ حسب ذیل مقاصد سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔

(۱) مخالفین مذہب مقدس اسلام کے جواب تحریری و تقریری تہذیب کے ساتھ اور اس غرض کے واسطے واعظوں کی تقرر اور رسالے کے اجراء وغیرہ وسائل کو عمل میں لانا۔

(۲) مسلمان لڑکے اور لڑکیوں کی مذہبی تعلیم کا انتظام کرنا تاکہ وہ غیر مذہب کی مذہبی تعلیم کے برے اثر سے محفوظ رہیں۔

(۳) اہل اسلام کو اصلاح معاشرت و تہذیب اخلاق اور تحصیل علوم دینی و دنیوی اور باہمی اتحاد و اتفاق کا شوق دلانا۔

انجمن نے اپنے مذکورہ مقاصد کا پروپیگنڈہ کرانے اور ردنصاریٰ کو کامیاب کرنے کے لئے حسب ذیل مناظر واعظ ملازم رکھے تھے جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

(۱) مولینا سید احمد علی صاحب دہلوی
(۲) منشی شمس الدین صاحب سیکرٹری انجمن
(۳) مولوی عبدالمجید صاحب دہلوی
(۴) مولینا غلام محی الدین صوفی۔
(۵) مولوی عبداللہ دہلوی۔
(۶) مولینا محمد ابراہیم صاحب
(۷) میاں اللہ دیا صاحب۔
(۸) سید محمد شاہ صاحب گیلانی۔
(۹) خلیفہ عبدالرحیم صاحب لاہور
(۱۰) مولوی مبارک علی صاحب۔
(۱۱) مولوی الہ دین واعظ ورد نصاریٰ۔

مولوی سیّد احمد علی صاحب

واعظ ردنصاریٰ نے انجمن کے قایم ہوتے ہی اس کی خدمت کرنی شروع کردی۔ آپ مدت سے اپنے دلی شوق کے ساتھ وعظ کرتے ہیں۔ اور غیر مذاہب خاصکر عیسائیوں کے اعتراضات کے جوابات دینے۔ اوران کے عقائد کے بطلان میں بڑی مہارت رکھتے ہیں۔ ۱۸۸۴ء میں جب کہ انجمن اپنے ابتدائی دور سے گذر رہی تھی اس وقت آپ نے انجمن کے اشاعت کرنے کے لئے لاہور شہر کے ہر حصہ میں ردنصاری کیا۔ انارکلی میں ہر ہفتہ پادریوں کے اعتراضات کے جوابات کے لئے مقرر تھا۔

محمڈن ڈبیٹنگ کلب کی طرف سے۔ اس میں جو ہفتہ واری جلسے ہوتے تھے۔ آپ نے اپنی تقریر دلپذیر سے۔ اس کی شان دوبالا کرتے تھے۔ آپ نے اس کلب کے اغراض و مقاصد بتائے کہ یہاں اسلام کی موجودہ اور گذشتہ حالت کا خاکہ کھینچکر بتایا جاتا ہے۔ جن ضروری باتوں سے مسلمانوں کو دینی و دنیوی عزت حاصل کرسکتے ہیں۔ ان کی ترغیب دیجاتی ہے۔ تعلیم یافتہ نوجوانوں کو عام مجموعوں میں بولنے اور خیالات ظاہر کرنے کا بہت کم موقع ملتا ہے۔ اس جلسہ میں فاضل اشخاص تحریرًا یا تقریرًا مستفید کرتے ہیں۔ اور انہیں مضمون لکھنا، اور تقریر کرنا سکھاتے ہیں۔

مولینا نے انجمن میں پانچ چھ سال کام کیا اور شب و روز یہی پیغام دیا کہ مسلمانوں۔ نادار یتیم۔ لاوارث۔ بچوں کا انتظام کرو۔ جو ماں باپ کی تربیت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ جن کے پالنے والے انہیں بےکسی کی حالت میں چھوڑ جاتے ہیں۔ اور جو آخر کار پادریوں کے دامن کی تربیت میں پلکر اپنے باپ دادا کے مذہب کے مخالف بنکر وعظ کہتے پھرتے ہیں۔ ان کو اپناؤ۔ ان کو زکوٰۃ کا حصہ دو۔

مشن کی ایسی عورتیں ہیں اور مسیں، دُولیوں میں بیٹھکر گلی گلی کوچہ بکوچہ گھر آتی ہیں۔ کہیں دستکاری سکھانے کا بہانہ بناتی ہیں کہیں تعلیم دینے کا ترانہ گاتی ہیں۔ کہیں مفلس و غریب کی خیرخواہی جتاکر انہیں روپے سے مدد دیتی ہیں۔ کہیں یورپ کی عجیب و غریب چیزیں اور نفیس نفیس تصویریں دکھاتی ہیں۔ اور ایسے ہی ذریعوں سے مسلمانوں کے گھروں میں پہنچ جاتی ہیں +

اے اپنے رسول کے محبو! اس کی صداقت پر گواہی دینے والے استبازو! جانتے ہو عورتوں میں راہ پاکر انہیں کیا سکھاتی ہیں۔ اور کیا کچھ بتاتی ہیں۔ وہ ان عورتوں کو جنہیں اسلام نے پردے کا اچھا طریقہ بتایا۔ آزادی کی ترغیب دیتی ہیں۔ پردے کو قید خانہ' انہیں قیدی بتاتی ہیں۔ کبھی ان کو خدا کے سچے مذہب اسلام سے پھیرتی ہیں۔ اور ان کے دلوں میں گمراہانہ خیال بٹھاتی ہیں۔ کبھی کلام اللہ کی بےحرمتی کرتی ہیں کبھی ہمارے مقدس پیشوا پر بناوٹی عیب لگاتی ہیں۔ کبھی بزرگان اسلام کی توہین کہیں ارکان اسلام کی تحقیر غرض جس صورت سے بنتا ہے اُن کے دلوں سے اسلام کی بیخکنی کرتی ہیں۔

(۲) منشی شمس الدین صاحب عرصے سے دہلی دروازہ وغیرہ مقامات پر رد نصاریٰ فرماتے ہیں۔ یہی وہ صاحب ہیں جنہوں نے ہر شام شہر کی کسی نہ کسی مسجد میں رد نصاریٰ نہ کیا ہو اور مختلف برادیوں میں جاکر اسلام کی موجودہ حالت اور اس کی اصلاح کے طریقے نہ بتائے ہوں۔ یہی وہ صاحب ہیں جنہوں نے گرمی کے موسم میں عین دوپہر کے وقت ریلوے کارخانہ میں جاکر پادریوں کی شرارتوں سے آگاہ کیا۔ ان سے وعدہ لیا کہ اپنے محلوں میں نسوانی مدرسے بنائیں گے۔ اور مشن کے مدرسوں میں سے اپنی لڑکیوں کو اٹھا دیں گے یہی وہ صاحب ہیں جنہوں نے انارکلی کی جامع مسجد میں ماہ رمضان کے دنوں میں روزے کی حالت میں کھڑے ہو کر یتیموں کی بےبسی اور ان کے عیسائی بنجانے کی داستانیں سنائیں نمازیوں کو رلایا۔ اور آپ بھی رو دیئے۔

یہی وہ صاحب ہیں جنہوں نے انجمن کے ہفتہ وار جلسوں میں "اسلام تلوار سے پھیلا ہے"۔ "قرآن مجید الہامی کتاب نہیں ہے۔ حضور کی ازدواج زیادہ کیوں ہیں"۔ پادریوں کے ان اعتراضات کے مدلل اور دندان شکن جوابات دیئے۔ اور ثابت کیا کہ یہ سب غلط اور مہمل اعتراضات ہیں

(۳) مولانا عبدالمجید دہلوی ۱۸۸۵ء میں ہفتہ وار جلسوں میں تعلیم نسواں پر بھی آپکے وعظ ہوئے اور اس میں مستورات کی موجودہ تعلیم پر بحث ہو کر یہ قرار پایا کہ شاہی مسجد میں ایک عام جلسہ کیا جاوے۔ اور اس میں لاہور کے مسلمانوں کو کثرت سے شامل کر کے مستورات کی تعلیم کے موجودہ حالت کا بیان کیا جائے۔ چنانچہ مئی ۱۸۸۵ء کو شاہی مسجد میں عام عظیم الشان جلسہ ہوا۔ اُس میں انجمن کے واعظوں کے علاوہ۔ دہلی کے مشہور مناظر۔ دہلی کے پادریوں کو لاجواب کرنے والے ہردلعزیز واعظ مولینا عبدالمجید دہلی نے اس مضمون پر ایک نہایت مؤثر تقریر دلکش انداز میں فرمائی۔ کہا جو نقصان عیسائی عورتوں سے مسلمانوں کے گھروں میں آنے سے ہوتا ہے۔ اس سے بچنے کے لئے لاہور کے مسلمانوں کو تدارک کرنا چاہیئے۔ اور اس کا صحیح تدارک یہ ہے کہ ان کو اپنے گھر میں نہ گھسنے دو۔ اور دوسرا قدم تدارک یہ اٹھائیں کہ اپنے خرچ سے اپنی لڑکیوں کے واسطے مدرسے قائم کریں۔ جو انہی کے محلوں میں ہوں مئی ۱۸۸۵ء جبکہ تعلیم نسواں کے بارے میں خاص تحریک کے ذریعہ عملی قدم اٹھایا تو اس وقت بھی مولینا عبدالمجید صاحب مناظر نے ایک نہایت مفید تجویز اپنی مختلف تقریروں میں بیان فرمائی کہ ہر ایک مسلمان کو خواہ وہ کسی حیثیت ہی کا کیوں نہ ہو گھر میں اس بات کی تاکید کر دے کہ آٹا گوندھتے وقت ایک مٹھی آٹے کی ایک ڈبہ میں ڈالدے ہفتہ یا مہینے کے اندر وہ آٹا یا اس کی قیمت انجمن کو دیدے۔ انجمن اس طرح سے آپ کے محلوں میں نسوانی سکول کھولے گا۔ اس سے دو مفید نتیجے برآمد ہوں گے ایک یہ کہ محلہ کی جو لڑکیاں مشن کے سکولوں میں جاتی ہیں وہ اپنے محلے کے اسکولوں میں جائیں گی۔ اور مشن کے سکولوں میں ان کا جانا بند ہو جائے گا۔ دوسری چیز فائدہ کی یہ ہوگی کہ جب مشن کے مسلمان محلوں کے مدرسوں میں لڑکیاں نہیں جائیں گی تو لازماً ان کے مدرسے ٹوٹ جائیں گے۔ اور وہ خطرناک وبا محلہ سے ختم ہو جائے گی۔

(۴) مولینا غلام محی الدین صوفی آپ انجمن حمایت الاسلام کے ممبر ہیں اور ردنصاریٰ اور انجمن کے کاموں میں بہت حصہ لیتے ہیں ۱۹۸۵ء میں آپ نے مشن کی شرارتوں اور انجمن کے اغراض اور اس کے مقاصد پر مختلف مقامات میں دن رات جلسے کئے۔ اور اپنی مؤثر تقریروں سے لاہور کے مسلمانوں کو انجمن کی کارروائیاں سنائیں۔ جو انہوں نے یتیموں کو پادریوں کے پھندے سے نکالنے کیلئے کی تھیں۔ اسی طرح جو مسلمان نصرانی بن گئے تھے یا جو عورتیں مشن والوں کے قبضہ میں چلی گئی تھیں انکی دردناک داستانیں سنائیں۔ اور انکو کس طرح مسلمان کیا۔ کیا کیا دقتیں پیش آئیں۔ اسکو تفصیل سے بیان کیا۔ ۱۸۸۶ء میں بھی اسی طرح کام کر رہے

بلکہ اس سال انہوں نے لاہور سے نکل کر بیروں نجات میں بھی انجمن کے مقاصد بیان کئے - اور تثلیث ، اور کفارہ مسیح کی پول کھولی - کئی دن تک مختلف مقامات پر انجمن کے مقاصد بتائے - انہیں مسلمانوں نے پسند کیا اور تقریباً ساڑھے چار سو روپے کی رقم ، لوگ چندہ کی وہاں ملی اس کے بعد آپ جالندھر اور کپور تھلہ تشریف لے گئے - وہاں کے لوگوں کو نسوانی مدرسہ بنانے کی تلقین کی - چنانچہ آمادہ ہو گئے ہیں انہوں نے تیاریاں شروع کر دی ہیں - انجمن کے امداد کے واسطے بھی چندہ ہو رہا ہے -

شملہ میں انجمن اسلامیہ کی خواہش تھی کہ یہاں ایک مناظر بھیجا جائے جو پادریوں سے مناظرہ کرے - چنانچہ صوفی صاحب کو شملہ بھیجا گیا - انہوں نے شملہ میں جا کر وہاں کی مختلف مساجد میں تقریریں کیں - اور انجیل میں تحریف ہے - اور بہت سی کتابیں انجیل سے نکالدی گئی ہیں اس پر سیر حاصل اور مدلل بحث کی - کتاب مقدس کے حوالوں سے ثابت کیا - پادری لوگ مقابلہ کے لئے تیار نہیں ہوئے - مسلمانوں نے آپ کی تقریر کو بہت پسند کیا - اور اچھی خاصی چندہ میں رقم دی - ماہِ شعبان میں شیخ صاحب ملتان تشریف لے گئے وہاں کے مسلمانوں کو مدرسہ بنانے کی صلاح دی - اس کے فوائد بتائے مشن کے پادریوں اور میموں کی حرکات اور ہتکنڈوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا - انجمن کے اغراض بتاتے - انہوں نے پسند کئے چندہ دینے کے ساتھ وعدہ کیا کہ ہم ملتان میں جلد مدرسہ قائم کریں گے -

(۵) مولوی عبداللہ دہلوی

ماہِ شعبان ۱۳۰۲ھ میں مولوی عبداللہ صاحب دہلوی نے ماہِ شعبان سے شوال تک لاہور میں جا بجا رد نصاریٰ کیا - انجمن کے دو جلسوں میں شریک ہوئے - اور وعظ فرمایا - یہ دونوں جلسے بڑے بارونق تھے - آپنے اس جلسوں میں پادریوں کے اعتراضات "اسلام تلوار سے پھیلا ہے - قرآن مجید الہامی کتاب نہیں ہے" اس کی تردید کی - اور دلائل سے ثابت کیا کہ یہ الزام قرآن پر نہیں ہوتا بلکہ انجیل میں بہت سی آیتیں داخل کی گئی ہیں اور انجیل کے بہت سے حصے الہامی نہیں ہیں

(۶) مولینا محمد ابراہیم

۲۹ رجنوری ۱۸۹۷ء کو انجمن حمایت الاسلام کا جلسہ ہوا اس میں مولینا ابراہیم نے تقریر فرمائی - مولینا ابراہیم انجمن حمایت الاسلام گوجرانوالہ واعظ اور رد نصاریٰ ہیں - آپنے اپنی تقریر سورہ صف کا اول رکوع پڑھا جس میں جناب رسالتمآب علیہ السلام کی تشریف آوری کی نسبت جو حضرت عیسٰی نے پیشگوئی کی تھی اور پہلے کتب سماوی اور چند دیگر انگریزی کتب کے حوالوں سے حضور اقدس کی نبوت کا ثبوت دیا اثنائے تقریر میں مولینا صاحب نے اس مناظرہ اور مباحثہ کا ذکر کیا جو ان کے ڈیرہ غازیخان کے پادریوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت کے باب میں ہوا - جس میں مولینا صاحب غالب آئے

(۷) میاں اللہ دیا

آپ جلد سازی کا کام لدھیانہ میں کرتے ہیں - اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور مولینا آل حسن ، مولینا رحمت اللہ کی تصنیفات کا فیض ہے - کہ مسلمانوں نے خواہ کسی درجہ کا ہو پادریوں سے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا - چنانچہ ایک مثال - میاں اللہ دیئے کی ہے - انجمن حیات الاسلام کی سالانہ رپورٹ ۳۱ رجنوری ۱۸۸۶ء میں سیکرٹری صاحب اپنے رسالے رد نصاریٰ کے مضامین کے بارے میں لکھتے ہیں -

اس رسالے میں جو مضامین عیسائیوں کے اعتراضوں کی تردید یا ان کے عقائد پر نکتہ چینی کرنے کے متعلق چھپے ہیں ان میں سے سوائے ایک کے سب میاں اللہ دیا صاحب جلد ساز ساکن لدھیانہ کی قلم سے لکھے ہوئے ہیں - ایک مضمون مولوی غلام نبی صاحب (مسلم) تاجر کتب امرتسر کی تالیفات سے ہے -

(۸) سید محمد شاہ گیلانی

آپ یکم دسمبر ۱۸۸۶ء میں انجمن حمایت الاسلام میں ملازم ہوئے - آپ اس سے بیشتر ممالک حصہ میں مختلف مقامات پر رد نصاریٰ فرماتے تھے - انجمن نے آپ کو اپنا واعظ مقرر کیا ہے - آپ قاری بھی ہیں -

(۹) مولوی محمد مبارک

سیالکوٹ میں جب پادری ۱۸۹۷ء صاحبان نے زور پکڑا تو وہاں کے معزز لوگوں نے استدعا کی کہ اس علاقہ میں مستقل طور پر ایک رد نصاریٰ واعظ مقرر کیا جائے جو دیہات میں پھر کر اسلام کی حمایت

کریں - اور موجودہ دین عیسوی کے عقل اور قیاس سے باہر مسائل کی قلعی کھول کر ناواقف لوگوں کو جو دھوکے میں آکر اپنے مقدس مذہب سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں بچاویں۔ انجمن نے اس کام کے لئے مولوی مبارک کو مقرر کیا۔ جنہوں نے اپنے فرائض بخوبی اور سرگرمی کے ساتھ انجام دیئے انہوں نے تحصیل پسرور اور ریدکے کے بہت سے گاؤں میں دورہ کیا۔ وہ جب موضع بدو میں تشریف لے گئے۔ تو وہاں پادری کنگ صاحب کا ڈیرہ لگا ہوا تھا۔ مولینا موصوف نے ان سے مناظرہ کرنے کی خواہش کی۔ مگر وہ نہیں مانے۔ مولینا نے ایک بڑے جلسہ میں پڑھے شدہ مدد کے ساتھ رد نصاریٰ کیا جس پر پادری صاحب اپنا ڈیرہ اٹھا کر لے گئے۔

ماہوار رسالہ

رمضان المبارک سنہ ۱۳۰۲ھ سے اس انجمن نے ایک ماہوار رسالہ بھی نکالنا شروع کر دیا ہے۔ جس میں غیر مذاہب کے اعتراضوں کے جواب دینے، انکے عقاید پر تہذیب کے ساتھ نکتہ چینی کرنے، اہل اسلام کو اصلاح طرز معاشرت اور اخلاق کی اصلاح کی ترغیب دینے کے مضمون اور انجمن کی کارروائی درج کی جاتی ہے۔

یہ رسالہ انجمن کے ممبروں، پنجاب کی اسلامی انجمنوں، ہندوستان کے اکثر مسلمان اڈیٹروں کی خدمت میں بلاقیمت بھیجا جاتا ہے پہلے یہ رسالہ چھوٹی تقطیع پر چھپتا تھا لیکن ماہ رجب سے اب اس کا سائز بڑا کر دیا گیا ہے۔ اس رسالہ میں ماہ ربیع الثانی سنہ ۱۳۰۳ھ سے سنہ ۱۳۰۴ھ یعنی ایک سال میں جو مضامین شائع ہوئے ہیں۔ اس کی تفصیل اس نقشہ سے ظاہر ہوتی ہے۔

ربیع الثانی سنہ ۱۳۰۳ھ	انجمن کی سالانہ رپورٹ۔
جمادی الاول "	انجمن کے سالانہ جلسے کی روداد۔
جمادی الثانی "	مسلمانوں کی ترقی کا وسیلہ جہالت اور مسلمان مشنری اور انجمن کی کارروائی کی کیفیت
رجب المرجب "	اسلامی یتیم خانے قایم کرنے کی ضرورت۔
شعبان المعظم "	قرآن کا یہ دعویٰ کہ انجیل میں آنحضرت کی خبر دی گئی ہے صحیح ہے۔
رمضان المبارک "	مضمون مندرجہ قرآن کا دعویٰ الخ شعبان کا حصہ، عورتوں کے لئے پردہ کی ضرورت
شوال المکرم "	عیسائیوں کے پاس کوئی دلیل نہیں جس سے حضرت مسیح کا آسمان پر جانا ثابت ہو۔
ذیقعدہ و ذی الحجہ "	انجمن کی کارروائی کی کیفیت۔
ربیع الاول۔ ربیع الثانی "	مضمون مسئلہ جہاد، انجمن کی کارروائی۔
	اس رسالے کے مضمون مسلمانوں نے پسند کئے۔ ان سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچا، خاص طور پر پردہ کے مضمون نے مسلمان عورتوں پر کافی اثر کیا، علاوہ مولینا غلام نبی کے مضمون کے۔
رسالے میں	رد نصاریٰ پر جو مضامین لکھے گئے ہیں وہ اللہ دیا صاحب نے لکھے ہیں۔

انجمن حمایت الاسلام لاہور حقیقی معنوں میں سنہ ۱۸۸۴ء کو وجود میں آئی ان کے عہدیداروں اور مناظروں و واعظین کی شب و روز کی جدوجہد کا یہ ثمرہ ہے۔ کہ سنہ ۱۸۸۶ء تک دو سال کے بعد دس زنانے سکول قائم ہو گئے ہیں۔

مدارس نسوانی

ان نئے جاری شدہ مدرسوں میں ایک مدرسہ ایسا ہے جس میں انجمن کا کوئی خرچ نہیں ہوتا اسی مدرسہ کا نمبر ۱ ہے حکیم محمد علی صاحب مالک فیاضی شفاخانہ کی زوجہ محترم اس کا خرچ اٹھاتی ہیں انہی کے دولت کدہ میں یہ مدرسہ کھلا ہے جون سنہ ۱۸۸۵ء کو موچی دروازہ میں دو مدرسے جاری کئے گئے۔ جنہیں نمبر ۲ کا مدرسہ خلیفہ حمیدالدین کی نگرانی میں جاری ہوا۔ دوسرا مدرسہ مولوی غلام کی سرگرمی میں کر دیا گیا۔ اگست سنہ ۱۸۸۵ء میں ایک مدرسہ جسکا نمبر ۳ ہے شیخ فتح بخش صاحب نے اپنے گھر میں کوچہ تیر گال میں جاری کیا خرچ لینا پسند نہیں کیا۔ دوسرا مدرسہ جس کا نمبر ۴ ہے اہل محلہ کی رضامندی پر خلیفہ عبدالرحیم کی زیر نگرانی انکے گھر میں جاری ہوا

جس میں انجمن معمولی اخراجات دیتی ہے۔ مدرسہ نمبر ۵ اکتوبر ۱۸۸۵ء کے شروع میں کی دروازہ کے مسلمانوں کی ہمت اور کوشش سے خصوصاً میاں افتخار الدین صاحب پریس مین مطبع کوہ نور کی سرگرمی سے جاری ہوا۔ اور اس مدرسہ کا اہتمام میاں فتح الدین صاحب کے سپرد ہوا۔ مدرسہ نمبر ۶ مارچ ۱۳۰۳ھ میں محلہ چوڑی سوری میں محلہ والوں نے جاری کیا۔ مدرسہ نمبر ۷ طویلہ شاہ نواز میں شوال سے جاری ہے۔ جو سید فضل شاہ صاحب کی مردانہ ہمت کا ثمرہ ہے۔ مدرسہ نمبر پہلے شاہ نواز میں تھا بعد میں باروت خانے میں منتقل کر دیا گیا۔

مدرسہ نمبر ۹ جس کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ اس مدرسے کا اجراء سب مدارس سے زیادہ قابل قدر ہے اور انجمن کے لئے بھی باعث فخر ہے۔ اور اس کی کامیابی کا بین ثبوت ہے۔ کیونکہ اس مدرسہ کی معلمہ پہلے مشنریوں سے تنخواہ پاتی تھی۔ اور یہ مدرسہ عیسائیوں کا تھا جب اس محلے کے مسلمانوں کو مدرسہ کی خرابیوں کا علم ہوا تو انہوں نے اپنی لڑکیوں کو مدرسہ میں بھیجنا بند کر دیا۔ آخر کار معلمہ نے درخواست کی میں مجبوری اس کام کو کر رہی تھی میرا گذارہ اسی آمدنی پر تھا۔ اگر انجمن میری مدد کرے تو بخوشی قبول کر لوں گی۔ اور وہ گناہ جو مجھ سے اپنے گھر میں دین عیسوی کی اشاعت کی وجہ سے ہوا۔ اس سے تائب ہوتی ہوں۔ چنانچہ یہ درخواست اس کی منظور ہو گئی۔

ان نسوانی مدرسوں کے جاری کرنے کا مقصد انجمن کا یہی تھا کہ پادریوں کا زور ٹوٹے اور محلوں میں مشن کے مدرسے بند ہوں۔ چنانچہ مدرسے ٹوٹے دو مدرسے ٹوٹنے کی اطلاع آچکی ہے۔ انجمن کے مدرسوں سے مسلمانوں کو بہت فائدہ ہوا۔ کیونکہ پادریوں کے روز افزوں مدارس کی تعداد بڑھنے سے کم ہو گئی۔ اگر توجہ نہ دیجاتی اور انجمن کے مناظر۔ رد نصاریٰ نہ کرتے تو آج لاہور کی ایک گلی کوئی کوچہ بلکہ کوئی گھر ایسا نہ رہتا جس میں مشن کا اثر نہ پہنچتا۔ ذیل میں نسوانی مدرسوں کی رپورٹ درج کیجاتی ہے جس سے ہر ایک مدرسے کا مفصل حال معلوم ہو جائے گا کہ تعلیم کا کیا حال ہے کس قدر ان میں لڑکیاں لڑکے تعلیم پاتے ہیں۔

(سالانہ رپورٹ نسوانی مدارس ۱۳۸۵ھ انجمن حمایت الاسلام لاہور)

مدرسے کہاں ہیں اس کا پتہ	کل تعداد طلباء		اوسط حاضری		جماعت اوّل		جماعت دوئم		جماعت سوئم		جماعت چہارم		جماعت پنجم		جماعت ششم	
	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
واقع کوچہ ڈھل زیر نگرانی خلیفہ حمید الدین صاحب	۳	۹	۲۰	۷	۸	۳	۱۰	۱۱	۵	۱	۰	۴	۵۱	۰	۱	۴
					۸	۳	۸	۱	۰	۱	۰	۴	۱	۰	۲	۰

۴ لڑکیاں قرآن شریف ختم کر چکی ہیں اور اردو کی کتابیں پڑھتی ہیں۔ اس مدرسہ کی پڑھائی بہت اچھی ہے کیونکہ ۳۲ میں صرف ۲ طلباء ناکامیاب رہی ہیں۔ بڑی لڑکیوں کو کاڑھنے اور جالی نکالنے کا کام سکھایا جاتا ہے، اور انکو نماز بھی پڑھائی جاتی ہے چھوٹی لڑکیاں نماز سیکھتی ہیں جماعت ششم کی لڑکیاں گن بھی سکتی ہیں۔ مدرسہ ۱۲ اگست ۱۸۸۴ء سے جاری ہوا۔

مدرسے کہاں ہیں اس کا پتہ	کل تعداد طلباء		اوسط حاضری		جماعت اوّل		جماعت دوئم		جماعت سوئم		جماعت چہارم		جماعت پنجم		جماعت ششم	
	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
واقع عقب مسجد ... خاں زیر نگرانی مولوی غلام رضا صاحب مدرس سکول	۲۰	۱۳	۱۶	۹	۱۰	۶	۱	۳۰	۲	۱	۲	۱	۰	۰	۴	۳
	۰	۰	۰	۰	۱۰	۶	۰	۰	۲	۱	۲	۱	۰	۰	۴	۳

جماعت ششم کے طلباء قرآن شریف ختم کر چکے ہیں اور چار کتابیں بھی پڑھ چکی ہیں گنتی بھی کر سکتی ہیں۔ نماز بھی پڑھتی ہیں چھوٹی لڑکیوں کو نماز سکھائی جاتی ہے۔ جماعت ششم لڑکیاں آزاد بند بنانے کا کام سیکھتی ہیں اس مدرسہ کے چار طلبہ فیل ہوئے پڑھائی اچھی ہیں۔ یہ مدرسہ ۱۵ اگست سے قائم ہے۔

۳ مدرسے کہاں ہیں اس کا پتہ	کل تعداد طلبار		اوسط حاضری		جماعت اول		جماعت دوم		جماعت سوم		جماعت چہارم		جماعت پنجم		جماعت ششم	
	مسلمان	ہندو	مسلمان	ہندو	مسلمان	ہندو	مسلمان	ہندو	مسلمان	ہندو	مسلمان	ہندو	مسلمان	ہندو	مسلمان	ہندو
واقعہ کوچہ بزرگان زیر نگرانی	۲۶	۱۶	۱۸	۱۳	۳	۷	۱۰	۱۰	۲	۴	۹	۱	۱	۲	۰	۲
میاں فتح بخش صاحب	۰	۰	۰	۰	۳	۱۷	۴	۵۲	۲	۱۲	۰	۱	۱	۲	۰	۲

جماعت ششم کے لڑکے قرآن ختم کر چکے ہیں اور کتابیں پڑھتے ہیں جماعت پنجم کے طلبار چھبیسواں ۲۶ پارہ پڑھتی ہیں اور اردو کی پہلی کتاب بھی ان کو جرابیں بنانی سکھائی جاتی ہیں طلبار کی تعداد اس مدرسہ میں زیادہ ہے - یہ مدرسہ ستمبر ۱۸۸۵ء سے جاری ہوا -

۴ مدرسے کہاں ہیں اُس کا پتہ	کل تعداد طلبار		اوسط حاضری		جماعت اول		جماعت دوم		جماعت سوم		جماعت چہارم		جماعت پنجم		جماعت ششم	
	مسلمان	ہندو	مسلمان	ہندو	مسلمان	ہندو	مسلمان	ہندو	مسلمان	ہندو	مسلمان	ہندو	مسلمان	ہندو	مسلمان	ہندو
واقع کوچہ تیرگراں زیر نگرانی	۱۷	۶	۱۶	۵	۶	۲	۹	۲	۰	۱	۰	۰	۱	۱	۱	۰
خلیفہ عبدالرحیم صاحب	۰	۰	۰	۰	۶	۲	۶	۱	۰	۰	۰	۰	۱	۱	۱	۰

جماعت ششم کی لڑکی قرآن شریف کتابیں پڑھ چکی ہیں۔ گلوبند وغیرہ بنانے بھی جانتی ہیں جماعت پنجم کے طلبار چھبیسواں ۲۶ پارہ پڑھتی ہیں - اور اردو کی پہلی کتاب پڑھتی ہیں - چار طالب علم فیل، پڑھائی اچھی، دستکاری سب سے عمدہ یہ مدرسہ ۱۵ ستمبر سے جاری ہے -

۵ مدرسے کہاں ہیں اُس کا پتہ	کل تعداد طلبار		اوسط حاضری		جماعت اول		جماعت دوم		جماعت سوم		جماعت چہارم		جماعت پنجم		جماعت ششم	
	مسلمان	ہندو	مسلمان	ہندو	مسلمان	ہندو	مسلمان	ہندو	مسلمان	ہندو	مسلمان	ہندو	مسلمان	ہندو	مسلمان	ہندو
واقع بکی دروازہ زیر نگرانی	۲	۳۰	۱	۲۷	۱	۱۶	۹	۱۵	۵	۱۰	۵	۰	۰	۰	۰	۰
میاں فتح الدین صاحب	۰	۰	۰	۰	۱	۱۶	۰	۶	۱	۵	۰	۰	۰	۰	۰	۰

اس مدرسہ میں ابھی تک صرف تین جماعتیں قائم ہوئی ہیں جس کی پڑھائی اچھی ہے - صرف تین لڑکیاں امتحان میں ناکامیاب رہ گئیں جو لڑکیاں بڑی ہیں انکو نماز بھی سکھائی جاتی ہے اور گنتی بھی اور جرابوں کا کام بھی سیکھتی ہیں - یہ مدرسہ ۱ ستمبر ۱۸۸۵ء سے قائم ہے -

۶ مدرسے کہاں ہیں اس کا پتہ	کل تعداد طلبار		اوسط حاضری		جماعت اول		جماعت دوم		جماعت سوم		جماعت چہارم		جماعت پنجم		جماعت ششم	
	مسلمان	ہندو	مسلمان	ہندو	مسلمان	ہندو	مسلمان	ہندو	مسلمان	ہندو	مسلمان	ہندو	مسلمان	ہندو	مسلمان	ہندو
واقع جوڑے موری زیر نگرانی	۱۵	۱۸	۸	۱۶	۴	۶	۶	۹	۲	۰	۰	۰	۰	۰	۱	۰
میاں وارث الدین صاحب	۰	۰	۰	۰	۴	۲	۵	۸	۲	۰	۰	۰	۰	۰	۱	۰

ایک لڑکی قرآن شریف ختم کر چکی ہے - اور پہلی کتاب پڑھ لی ہے - نماز پڑھتی ہے گنتی جانتی ہے جرابوں اور ازار بندوں کا کام سیکھتی ہیں بڑی لڑکیاں بھی دستکاری سیکھتی ہیں نماز بھی پڑھتی ہیں - ۶ طلبار فیل ۱۱ اچھی پڑھائی - یہ مدرسہ ۱۸۸۶ء سے جاری ہے -

۷ مدرسے کہاں ہیں اس کا پتہ	کل طلباء کی تعداد		اوسط حاضری		جماعت اول		جماعت دویم		جماعت سویم		جماعت چہارم		جماعت پنجم		جماعت ششم	
	عیسائی	مسلمان	عیسائی	مسلمان	عیسائی	مسلمان	عیسائی	مسلمان	عیسائی	مسلمان	عیسائی	مسلمان	عیسائی	مسلمان	عیسائی	مسلمان
واقع طویلہ شاہ نواز زیر نگرانی	۰	۱۸	۰	۱۵	۰	۲	۰	۲	۰	۲۵	۰	۳	۰	۲	۰	۴
سید فضل شاہ صاحب	۰	۰	۰	۰	۰	۱	۰	۱	۰	۵	۰	۳	۰	۲	۰	۴

۴ - لڑکیاں قرآن شریف ختم کر چکی ہیں اور کتابیں پڑھتی ہیں جالی کا کام بھی سیکھتی ہیں - پڑھائی اچھی ہے صرف دو لڑکیاں امتحان میں کامیاب رہیں - یہ مدرسہ ۲۸ دسمبر ۱۸۸۶ء سے جاری ہوا ہے -

۸ مدرسے کہاں ہیں اس کا پتہ	کل تعداد طلباء		اوسط حاضری		جماعت اول		جماعت دویم		جماعت سویم		جماعت چہارم		جماعت پنجم		جماعت ششم	
	عیسائی	مسلمان	عیسائی	مسلمان	عیسائی	مسلمان	عیسائی	مسلمان	عیسائی	مسلمان	عیسائی	مسلمان	عیسائی	مسلمان	عیسائی	مسلمان
واقع بارودخانہ زیر نگرانی																
منشی الہ داد صاحب																

یہ مدرسہ بارودخانہ میں جاری ہوا تھا - مگر معلمہ کی کثیر - غیر حاضری سے - ۲۲ دسمبر ۱۸۸۶ء سے بند ہے - بعد ملاحظہ انسپکٹر پھر جاری ہوا ہے -

۹ مدرسے کہاں ہیں اُس کا پتہ	کل تعداد طلباء		اوسط حاضری		جماعت اول		جماعت دویم		جماعت سویم		جماعت چہارم		جماعت پنجم		جماعت ششم	
	عیسائی	مسلمان	عیسائی	مسلمان	عیسائی	مسلمان	عیسائی	مسلمان	عیسائی	مسلمان	عیسائی	مسلمان	عیسائی	مسلمان	عیسائی	مسلمان
واقع کوچہ سادھووان زیر نگرانی	۰	۱۲	۰	۹	۰	۱	۰	۱۱	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰
ڈاکٹر محمد الدین صاحب	۰	۰	۰	۰	۰	۱	۰	۵	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰

یہ مدرسہ ۱۵ اکتوبر ۱۸۸۶ء سے جاری ہوا ہے - پڑھائی معمولی ہے - چونکہ یہ مدرسہ چند روز سے قائم ہوا ہے - اسواسطے صرف دو جماعتیں قائم ہوئی - اس مدرسے میں لڑکیاں چھوٹی ہیں - اس لئے ان کو کوئی کام نہیں سکھایا جاتا -

یہ دسواں مدرسہ بھی یکم دسمبر سے جاری ہوا ہے - پانچ بچے ابھی آئے ہیں - پڑھائی معمولی ہے - تھوڑے عرصہ سے قائم ہوا ہے اس واسطے کوئی کام شروع نہیں کرایا گیا ہے -

دسوں سکول میں طالب علموں کی تعداد کل ۲۲۷ ہے - لڑکیاں ۱۶۹ اور لڑکے ۵۸ ہیں -

---

مدرسۃ المسلمین ۱۸۸۶ء میں لڑکوں کے ایک مدرسہ انجمن نے قائم کیا جس میں پرائمری کی تعلیم دیجائیگی - اس مدرسے کے جاری کرنے کے واسطے ایک عالی شان جلسہ حویلی سید محمد شاہ میڈن واقع چوہٹہ مفتی باقر میں منعقد ہوا جس میں بہت سے مسلمان شامل تھے جنہوں نے عالی ہمتی اور حوصلہ کا ثبوت دیا انہوں نے ساڑھے چھ سو روپے لکھوائے غرض یکم محرم ۱۳۰۴ھ کو مدرسہ کا افتتاح ہوگیا - ابتدا میں تیس کے قریب لڑکے داخل ہوئے - اور مدرس ان کے واسطے مقرر

کئے گئے مگر تھوڑے عرصہ کے بعد طلبار کے زیادہ داخلہ پر لوئر پرائمری کی تینوں جماعتیں قائم گئیں مکان جس میں مدرسہ جاری کیا گیا تھا کافی نہ رہا مکان بدلتے بدلتے۔ آخر سکندر خاں کی حویلی میں مدرسہ منتقل کیا گیا۔ طالب علم اسقدر ہو گئے تھے کہ چھ ماسٹر اور ایک مانیٹر مقرر کرنے پڑے۔ اس مدرسہ میں اردو فارسی انگریزی، جغرافیہ حساب وغیرہ کے ساتھ کلام اللہ کی تعلیم دیجاتی ہے۔ نماز بھی پڑھائی جاتی ہے۔ اور جمعہ کے روز جامع مسجد میں طلبار کی نماز کی حاضری لی جاتی ہے۔ آخر دسمبر ۱۸۸۶ء اس کی پانچوں جماعتوں میں۔ ۱۹۱ طلبار تھے۔ آخر دسمبر [illegible]ء تک ۲۷۸ طلبار ہوئے اور شروع دسمبر میں موچی دروازہ کی مشن کا برانچ سکول ٹوٹ کر اس میں شامل ہو گیا۔ شروع سال ۱۸۸۷ء کو مدرسہ کی جماعتوں کو مڈل تک کر دیا گیا۔ آخری دسمبر ۱۸۸۷ء کو مدرسہ میں ۳۷۳ طالب علم داخل ہوئے۔ سال گذشتہ تک مدرسہ میں ہائی ڈیپارٹمنٹ کی صرف ایک جماعت [illegible]ء میں دوسری جماعت کھل گئی۔ ہوتے ہوتے ۱۸۹۲ء میں جبکہ مدرسہ اور اس کی شاخوں کے طالب علموں کی تعداد ۶۵۳ تھی کالج کھولدیا گیا۔ دوسرے سال سیکنڈ ایر کلاس بھی کھولدی گئی۔ ۱۸۹۶ء تک مدرسہ و کالج کے امتحانات کے نتیجے یہ ہیں: ایف اے میں ۱۶ میں سے دس پاس ہوئے انٹرنس میں ۵۲ میں سے ۲۸۔ مڈل میں ۲۵ میں سے ۱۲ پاس ہوئے۔ پنجاب کے کل کالجوں کے مقابلہ میں اسلامیہ کالج کا نتیجہ ایف اے تیسرے نمبر پر رہا۔ انجمن ہذا کی طرف سے ۴۴ وظائف طلبہ سکول و کالج کو ۱۸۹۶ء میں دیئے گئے۔ جن پر ایکہزار بارہ روپے خرچ ہوئے۔ ۷۰ طلبہ کو سامان تعلیم اور ۱۱۹ کو فیس کی مدد دی گئی۔ جس کے میزان سالانہ گیارہ سو چھیتر (۱۱۷۶) روپے ہوتے ہیں۔ کالج کے ساتھ بورڈنگ کا بھی انتظام تھا۔

یتیم خانہ

۱۸۸۴ء میں پادری اسلام کے خلاف جو کارروائیاں کر رہے تھے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچا رہے تھے اس میں ایک بیجا حرکت ان کی یہ تھی کہ وہ غریب و مفلس لوگوں اور لاوارث یتیم بچوں کو اپنے قبضہ میں لے لیتے تھے۔ ان کی پرورش کرتے تھے۔ اور آخر میں انکو عیسائی بنا لیتے تھے مسلمان سرمایہ داران کی مدد نہیں کرتے تھے۔ تو لاچار بہت سے غریب معاش کی تنگی کی وجہ سے عیسائیوں کے پاس جاکر روٹی کے بدلے ایمان فروخت کر دیتے تھے۔ کچھ یوں لاوارث اور یتیم بچے پیش کئے۔ کوئی مسلمان ان کی پرورش کا کفیل نہیں ہوتا تھا اس لئے انہیں بھی پادری عیسائی بنا لیتے تھے اور پڑھا سکھا کر ہر روز صبح و شام اپنے باپ دادا کے پاک مذہب کی توہین کرتے پھرتے تھے۔

انجمن نے یہ حالت دیکھ کر انجمن کے ابتدائی زمانے سے یتیم خانہ بنوانے کی کوشش شروع کر رکھی تھی۔ یتیم خانے کے لئے کافی سالوں تک معقول چندہ نہیں ملا۔ ۱۸۸۵ء میں صرف چالیس روپے یتیم خانہ کی مد کے ملے آخر دسمبر تک ۳-۹-۳۸ اڑتیس روپے سوا نو آنے ملے ۱۸۸۶ء میں قربانی کی کھالوں سے ستانویں روپے پونے پندرہ آنے ملا کر ۴۶۹ روپے جمع ہوئے [illegible]ء میں انجمن نے اغراض کی تکمیل کے لئے قدم بڑھا ہی دیا۔ اور یتیم خانہ قائم کر لیا۔ اس سال یتیم خانہ کو بیس روپے صرف دینا پڑا [illegible]ء میں یتیم خانہ کے لئے کل آمدنی ۶۰۹۵ ہوئی [illegible]ء میں یتیم خانہ میں ۹ نئے لڑکے داخل ہوئے خرچ پانچسو اکیاسی (۵۸۱) روپے سالانہ ہوئے ۱۸۹۵ء یتیم و مفلس و ناداروں کی تعداد ۱۱۸ تھی فنڈ سے وظیفہ فیس بالغان تعلیم کی مدد دی گئی بڑھتے بڑھتے ۱۸۹۶ء میں یتیموں کی تعداد ۵۲ تھی۔ اس سال یتیم خانہ کے لئے مکان بھی خرید لیا گیا۔

تصنیف تالیف

انجمن نے اپنے خانوں کے مطابق کتب کی تصنیف کا بھی سلسلہ شروع کر دیا۔ اس زمانہ سرکاری مدارس کے جو کتابیں پڑھائی جاتی تھیں اس میں سوائے معلومات دنیوی کے دینی نہیں ہوتی تھی ان میں اخلاقی اور دینی تعلیم کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ مگر مسلمانوں کے اس خطرناک زمانہ دو قسم کی تعلیم جس میں مذہبی بھی ہو۔ دنیا ضروری ہے۔ اس لئے انجمن نے ضروری سمجھا کہ مذہبی کتابیں تالیف کر کے شائع کرے جس میں دنیاوی معلومات بھی ہوں تاکہ مسلمان بچے جس طرح دنیا کے کاروبار سے واقفیت حاصل کریں اس طرح دین کی خوبیوں سے بھی آگاہ ہوں اور اس کے احکام پابند ہونے

کے لائق نہیں چنانچہ انجمن نے [illegible]ء میں اردو کی پہلی کتاب شائع کی۔ دوسرے سال اردو کا قاعدہ چھاپا اسی طرح بتدریج کتب شائع کیں چنانچہ ۱۸۹۲ء میں انجمن حسب ذیل کتب شائع کر چکی تھی۔

(۱) اردو کا قاعدہ
(۲) اردو کی پہلی کتاب لڑکیوں کے واسطے
(۳) اردو کی پہلی کتاب لڑکیوں کے واسطے
(۴) اردو کی دوسری کتاب لڑکیوں کے واسطے
(۵) اردو کی تیسری کتاب لڑکیوں کے واسطے
(۶) اردو کی چوتھی کتاب لڑکیوں کے واسطے
(۷) حصہ نظم اردو کی پانچویں کتاب لڑکیوں کے واسطے
(۸) اردو میں دینیات کا پہلا رسالہ
(۹) اردو میں دینیات کا دوسرا رسالہ
(۱۰) اردو میں دینیات کا تیسرا رسالہ
(۱۱) صرف اردو کا ابتدائی رسالہ
(۱۲) فارسی کی پہلی کتاب
(۱۳) فارسی کی دوسری کتاب
(۱۴) فارسی کی تیسری کتاب
(۱۵) فارسی کی چوتھی کتاب
(۱۶) صرف فارسی کا ابتدائی رسالہ
(۱۷) عربی میں دینیات کی پہلی کتاب
(۱۸) عربی میں دینیات کی دوسری کتاب
(۱۹) عربی میں دینیات کی تیسری کتاب
(۲۰) عربی میں دینیات کی چوتھی کتاب
(۲۱) عربی میں دینیات کی پانچویں کتاب
(۲۲) منیۃ الراغب
(۲۳) عوامل عربیہ
(۲۴) کتاب الصرف
(۲۵) کتاب النحو
(۲۶) انگریزی کا قاعدہ
(۲۷) انگریزی انگلش پرائمر
(۲۸) انگریزی فسٹ ریڈر
(۲۹) انگریزی سکینڈ ریڈر
(۳۰) گرامر
(۳۱) ایک عیسائی کے تین سوالوں کے جواب
(۳۲) ابطال الوہیت مسیح علیہ السلام
(۳۳) اثبات اصول اسلام
(۳۴) قرآن شریف کی دنیا کو ضرورت
(۳۵) تقدیس الانبیا
(۳۶) ازالۃ الشبہات
(۳۷) فطرۃ اللہ
(۳۸) لکچر گفت وشنید
(۳۹) توحید پر لکچر
(۴۰) آٹے نامہ
(۴۱) پنجابی نظم
(۴۲) مدامی جنتری
(۴۳) مسلمانوں کا نصاب تعلیم
(۴۴) لکچر
(۴۵) اسرار التنزیل
(۴۶) انگریزی بول چال
(۴۷) تحریف قرآن کا جواب

کتب خانہ اور لائبریری

کتب خانہ لائبریری بنانے کی خواہش انجمن شروع سے رہی مگر جب اس کو ۱۸۸۹ء میں منشی گلاب سنگھ مالک مطبع مفید عام وپبلشر گورنمنٹ نے اپنے مطبع کی ہر ایک کتاب اور نقشہ کی ایک جلد انجمن کو دی۔ جس سے ان کی ہمدردی اور بے تعصبی کا ثبوت ملتا ہے۔ کتب خانہ کی بنیاد پڑی۔

۱۸۹۱ء میں لائبریری اور کتب خانہ میں ترقی ہوئی گذشتہ سالوں سے زیادہ کتب و اخبار آئے۔ تبادلہ میں اخبارات حسب ذیل آتے تھے۔

رفیق ہند، صحیفہ قدسی، اسلام، سراج الاخبار، الصدیق، رسالہ اشاعۃ السنۃ، حامی ہند، الواعظ، انگریزی اخبار ہیرلڈ مدراس برابر انجمن کے نام آتے ہیں۔

صبح سے ۸ بجے تک کتب خانہ باقاعدہ کھلا رہتا ہے۔ جس سے ہر مذہب وملت کے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ کتب خانہ میں ۱۸۹۲ء میں مختلف زبانوں کی تعداد ۱۳۰۵ اور اخباروں کی تعداد ۱۴ تھی۔ ۱۸۹۳ء ۱۴۶۲ کتابیں ہو گئیں تھیں۔

درجہ بدرجہ لائبریری اور کتب خانہ نے ترقی کی ۱۹۵۰ء میں ۷۰۰ کتابیں ہوگئیں اور ۵۴ اخبار آتے رہے ۔ (اب تو یہ لائبریری ایک شاندار لائبریری ہوگئی ہوگی

یتیم بچوں اور عورتوں کو پادریوں کے پھندے سے نکالنا

علاقہ لدھیانہ کے دیہات کی ایک بال بچے والی عورت نے مفلسی کے ہاتھ تنگ آکر کسی کو اپنا کفیل و مددگار نہ پاکر پادریوں کے پاس چلی گئی ۔ وہاں کیا تھا جھٹ عورت کو بچوں سمیت بپتسمہ دیگیا ۔ وہاں کے مسلمانوں میں سے مولینا عبدالقادر صاحب لدھیانوی نے عورت کو سمجھانا شروع کیا ۔ مولینا کی نیک نیتی کی وجہ سے قدرت نے ان کی مدد کی اور وہ عورت پھر مسلمان ہوگئی ۔ اُس نے پادریوں سے اپنے بچے مانگے ۔ انہوں نے ان کے دینے سے انکار کیا ۔ مولینا موصوف نے مقدمہ دائر کیا ۔ لدھیانہ کی عدالتوں میں مولینا کی تہیں چلی اور وہ کامیاب نہ ہوئے ۔

مسلمانوں نے جو اس مقدمہ کے لئے چندہ کیا تھا وہ خرچ ہوگیا ۔ اب چیف کورٹ میں جانے کے لئے روپیہ نہ تھا ۔ مولینا نور احمد صاحب مدرس مدرسہ حقانی نے انجمن کو ان حالات کی اطلاع دی ۔ اور امداد کی درخواست کی ۔ چنانچہ انجمن نے اس کو ضروری سمجھا اور عدالت عالیہ کے واسطے جن اخراجات کی ضرورت تھی انہیں دے دی ۔ خدا کا شکر ہے کہ مولینا فتحیاب ہوئے ۔ اور چیف کورٹ نے اس کے بچوں کو عورت کے سپرد کرنے کا حکم دیدیا ۔

اجرائے ڈگری کے واسطے جب مولنا عبدالقادر صاحب نے ڈسٹرکٹ جج کی عدالت میں درخواست دی تو پادری نیوٹن نے عذر کیا میں اس مقدمہ میں درحقیقت مدعا علیہ نہیں ہوں نہ بچے میرے پاس ہیں ۔ میں قانون کی ناواقفیت کی وجہ سے مقدمہ کی پیروی کرتا رہا ۔ مجھ پر ڈگری کی تعمیل نہ کرائی جائے ۔ ڈسٹرکٹ جج نے اس عذر پر وہ فیصلہ چیف کورٹ میں بھیجدیا ۔ چیف کورٹ نے اپنے سابقہ فیصلہ کو برقرار رکھا ۔ چنانچہ دو بچے عیسائیوں کے قبضے سے لے ۔ تیسرے لڑکے کی نسبت انہوں نے کہدیا کہ وہ کہیں چلا گیا ۔ ان بیکس یتیم بچوں کی حالت زار کا نقشہ جیکہ وہ پادری نیوٹن کے قبضہ میں تھے یتیم بچوں کی زبان میں نذیر علی لکھنوی شاعر نے کھینچا ہے ۔ ملاحظہ ہو ۔

کھلی ہے قید ستم میں میری زباں نیوٹن
میں ظلمہائے ستم کیا کروں بیاں ۔ نیوٹن

دکھائی قید ستم ہم کو آب و دانہ نے
دگر نہ باپ کہاں؟ ماں کہاں؟ کہاں نیوٹن

ترے ستم کے نہ آتا میں زینہار قریب
نہ ہوتا باپ اگر خاک میں نہاں نیوٹن

نہ جب سے ہمیں عیسائی کر خدا سے ڈر
نہیں پسند ہم کو روٹیاں نیوٹن

رہا نہ جب ایماں تو جان بھی جائے
زمیں سے ہم کو اٹھالے اب آسماں نیوٹن

اپیل سے ہمیں چھوڑا ہے چیف جسٹس نے
نہ کر غرور ہمیں چھوڑ مہرباں نیوٹن

پھریں گے دین محمد سے ہم نہ تا دم مرگ
تمہاری جائے گی محنت یہ رائیگاں نیوٹن

خدا کا خوف تمہارے نہیں دلوں میں ذرا
جو اس فساد پہ باندھی کمر میاں نیوٹن،

چھڑائے قید ستم سے تو اے خدا ہم کو
ہیں ماں کے قدموں کے نیچے جناں جناں نیوٹن

(۲) ایک غریب مفلس اور نادار و شریف بیوہ سید زادی جو اپنے متعلقین کی طرف سے کافی گذارہ نہ ملنے کے باعث عیسائی ہوگئی تھی ۔ اُس کے بارے میں ہوشیار پور سے درخواست آئی اگر انجمن اسے مالی امداد دے تو وہ اپنے دونوں بچوں کے ساتھ پھر اسلام قبول کرلیگی انجمن نے بڑی خوشی سے یہ درخواست منظور کرلی ۔ وہ عورت پڑھی لکھی قابل تھی ۔ اس کو لاہور آنے پر نسوانی مدرسوں کی نگرانی پر مامور

کر دیا گیا - اور اُس کے بچوں کو پانچ رُوپے ماہوار دیا گیا - مکان بھی یتیم خانہ میں اسکو دیا گیا -

(۳) شروع ۱۸۹۰ء میں کابل کی دو شہزادیوں کو جو پہلے عیسائی ہو گئیں تھیں اور پھر انجمن کے ذریعہ مسلمان ہوئیں دونوں کو دس روپے ماہوار وظیفہ ملتا رہا - آخر سال ایک کا نکاح ہو گیا - اس لئے اس کا وظیفہ بند کر دیا گیا - دوسری شہزادی کو برابر وظیفہ مل رہا ہے -

انجمن کی شاخیں

یوں تو انجمن حمایت الاسلام کی ہندوستان بھر میں سینکڑوں شاخیں ہوں گی لیکن جو ہمارے علم میں مستند طور پر ہیں وہ یہ ہیں - جو ۱۸۹۶ء تک مرکز سے ملحق ہوئیں - انجمن امرتسر - انجمن گوجرانوالہ - انجمن پٹیالہ - انجمن ہرک دیرہ بالاں - انجمن بریا - انجمن حیدر آباد دکن -

لیورپول مسلم انسٹیٹیوٹ

مولانا محمد علی مونگیری نے اس سوسائٹی کا ذکر اپنی کتاب پیغام محمدی میں حسب ذیل الفاظ میں کیا ہے - یہ کہیئے خدائے تعالیٰ نے ہمیں وہ مذہب عنایت کیا ہے - جو اپنی ذاتی عمدگی کی وجہ سے مثل آفتاب خوب چمکتا ہے - یہ اس کی سچائی اور عمدگی کی کیسی روشن دلیل ہے - کہ جس مقام پر اس کے مخالفوں کی شان و شوکت ظاہری کا دریا موجزن ہے - وہاں بھی سچے دلوں میں یہ اپنا اثر دکھا رہا ہے - اور اپنی خوبیوں پر ان کے دلوں کو بیتاب کر رہا ہے - لندن - وغیرہ میں عیسائی مسلمان ہوتے جاتے ہیں - بعض ڈرتے ہیں مگر بعضوں کے دل میں ایسا جوش ہوا - کہ انہوں نے اعلان کر دیا ہے چنانچہ لیورپول میں انہیں پرجوش نوبہال مسلمانوں نے ایک انجمن قائم کی ہے - جس کا نام لیورپول مسلم انسٹیٹیوٹ ہے - Liverpool, Muslim Institute

اس انجمن کی غرض ؛ اشاعت اسلام ؛ تعمیر مسجد ؛ تعلیم فارسی ؛ عربی ؛ ترکی - ہندوستانی ؛ عبرانی ؛ مؤید اسلام کتابوں کا مشتہر کرنا ایک کتب خانہ مہیا کرنا ؛ غریب مسلمانوں کی مدد کرنا ہے -

مسلمانوں کو چاہئے کہ ہمت و مستعدی سے اس انجمن میں شریک ہوں - اس کی مدد کریں - اس انجمن کے میر مجلس مولوی رفیع الدین صاحب سابق میر مجلس انجمن اسلامی بمبئی ہیں - اور مسٹر جی لسٹر صاحب آنریری سیکرٹری ہیں - جو صاحب چاہیں ان سے خط و کتابت کریں -

(پیغام محمدی مطبوعہ ۱۳۰۸ھ ص ۳۲۳)

انجمن خادم علوم اسلامیہ

انجمن حمایت الاسلام کی کامیابی کے بعد تین سال کے عرصہ میں یہ خادم علوم انجمن قائم ہوئی پنجاب کے مسلمانوں میں ہمت پیدا ہوئی تو انجمن اسلامیہ پشاور ؛ انجمن اسلامیہ - امرتسر - انجمن اسلامیہ بٹالہ - انجمن اسلامیہ شملہ اور پنجاب کے علاوہ - ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں انجمنیں مثلاً انجمن اسلامیہ اجمیر - انجمن اسلامیہ احمد آباد - انجمن اسلامیہ مراد آباد ۱۸۸۸ء میں موجود تھیں -

(رسالہ انجمن حمایت الاسلام رپورٹ ۱۸۸۶ء)

انجمن خادم علوم کے مقاصد تقریباً وہی ہیں جو انجمن حمایت الاسلام کے عورتوں کو تعلیم دینا ، ان کو دستکاری سکھانا اور مسلمانوں کے جو علوم ہیں انکو زندہ رکھنا - اور یتیموں کی پرورش کرنا - تاکہ وہ عیسائیوں کے قبضہ میں نہ چلے جائیں - انجمن حمایت الاسلام لاہور اور مذکورہ انجمن کے اصولوں میں تھوڑا فرق ہے - مذکورہ انجمن چاہتی ہے - کہ مسلمانوں کے بچے پہلے اسلامی تعلیم پائیں ان کے لئے ایسے مدرسے قائم ہوں اس کے بعد خواہ وہ انگریزی مدرسہ میں چلے جائیں ان پر اسلامی اثر ہوگا - اور وہ مشن معلموں کے اثر میں نہیں آسکیں گے - وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ جو مسلمان طلباء سنٹرل موڈل سکول میں تعلیم پا رہے تھے وہ ساتھ میں اسلامی تعلیم بھی پائیں جن کو انجمن کا مدرسہ علوم اسلامیہ دے - چنانچہ

انجمن کے اغراض و مقاصد

مذکورہ انجمن کے اغراض و مقاصد یہ ہیں :-

(۱) مسلمانوں کے اخلاق اور معاشرت کو درست کرنا (۲) علوم عربیہ اسلامیہ کو جو اس ملک (ہندوستان) میں کالعدم ہو گئے ان کو زندہ کر کے سرسبز کرنا جس کے لئے بالفعل ایک اعلیٰ دینیاتی تعلیم کا مدرسہ جاری کیا جائے -

(۳) اس مدرسہ میں اعمال شرعیہ کی تعلیم دینا - ان کی پابندی کرانا - (۴) لڑکیوں کی دینی ابتدائی تعلیم کا انتظام کرنا دستکاری سکھانا مثلاً کشیدہ کاری اور ہوزری کا کام کنگی اور مناری بافی موزہ و دستانہ اور گلوبند اور اونی اور سوتی اور ہر ایک طرح کے سلائی کا کام -

مدرسہ میں تعلیم کس نوعیت کی ہوگی ۔ اس کی شرح بھی ۱۱ر نومبر ۱۸۹۴ء کے جلسہ انجمن میں حسب ذیل تجویز سے کردی گئی تھی ۔
فی الحال ایک مدرسہ ابتدائی تعلیم کے لئے رکھا جائے ۔ طلباء قرآن خواں کو ابتدائی تعلیم اسی طریقہ سے دیجائے کہ قرآن شریف کے ختم اور ابتدائی دینیاتی مسائل پڑھائے جانے کے بعد اگر ان کے رشتہ داران کو کسی انگریزی مدرسہ میں داخل کرنا چاہیں تو وہ وہاں مناسب جماعت میں داخل ہوسکے ۔ چنانچہ ایسی تعلیم کی ابتدا ۱۸۹۵ء سے کردی گئی ہے ۔

یتیموں کا انتظام

یکم مارچ ۱۸۹۴ء کے انجمن کے اجلاس میں یہ طے ہوا کہ خاص طور پر یتیم مسلمان بچوں کی کفالت خود انجمن کرے ۔ جو یتیم بچے ان کو ملیں نہایت نگرانی دینیات کی اعلیٰ تعلیم دلوا کر انکو قوم کی ہدایت کا ذریعہ بنائے ۔ تاکہ وہ رد نصاریٰ کرسکیں چنانچہ ۱۸۹۴ء میں ۴ بچے انجمن کے ذریعہ پرورش ہورہے ہیں ۔ اور تعلیم پارہے ہیں انجمن ہی انکی خوراک اور پوشاک دیتی ہے ۔ اس سے قبل شروع زمانے میں حاجی شیخ چراغ الدین نے اور حافظ چراغدین اور حکیم مفتی سلیم اللہ نے ان کے اخراجات کی ذمہ داری اپنے ذمہ لے رکھی تھی
چونکہ یتیموں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے ۔ تو اس کے لئے دار المقامہ) بورڈنگ کی ضرورت ہے ۔
(رپورٹ انجمن مذکور ۱۸۹۴ء صٹ)

واعظ و ردّ نصاریٰ

واعظ رد نصاریٰ ۔ مولانا مفتی سلیم اللہ اور حافظ چراغ دین لاہور میں گلی گلی کوچے کوچے تبلیغ کرتے اور پادریوں کو شکست دیتے پھرتے تھے ۔ ان کا کام یہ بھی تھا کہ وہ اور دوسرے صوبوں میں وعظ اور رد نصاریٰ کرتے اور انجمن کیلئے زیادہ سے زیادہ چندہ لاتے تھے ۔
چنانچہ وہ اپنی تقریروں میں صاف صاف یہ کہتے تھے کہ مسلمانوں کے بچوں کو انگریزی تعلیم دینے سے قبل ابتدائی اسلامی تعلیم دینا ضروری ہے نیز علماء اور رد نصاریٰ کرنے والوں کی ضرورت ہے ۔ جن کا وجود ختم ہوتا جاتا ہے ۔ اور قوم کی توجہ انگریزی کی طرف ہوگئی ہے ۔ اسواسطے انتہائی ضرورت اس بات کی ہے کہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم دینیات کے مدارس کھولے جائیں اور قوم کو اس کی طرف متوجہ کیا جائے ۔ انگریزی تعلیم کا انصرام کوئی قومی کام نہیں ہے جس کو عمل میں لایا جاوے ۔ قومی کام مذہبی اصلی تعلیم ہے ۔ اسکو رائج کرنا مسلمانوں کا فرض ہے ۔

مدرسہ علوم اسلام لاہور

یہ مدرسہ ۱۸۸۸ء میں مسجد بکن خاں میں واقع موچی دروازہ میں قائم ہوا ۔ اس مدرسہ میں ہر روز اور اتوار کو صبح و شام تعلیم دی جاتی ہے ۔ اس میں لائق اور قابل استاد مقرر ہیں ۔ اور اس میں اسوقت ۱۵۰ سے زیادہ طلباء پڑھتے ہیں اس کے مہتمم منشی عبداللہ ٹونکی ہیں ۔
اس انجمن نے اس بات کی بھی کوشش کی کہ لاہور کے سنٹرل موڈل اسکول کے مسلمان طلبا کو (جن کے بارے میں شک کیا جاتا تھا کہ وہ اپنے مذہب سے منحرف ہورہے ہیں) انجمن دینی تعلیم دے ۔ چنانچہ انجمن نے ڈائرکٹر تعلیم پنجاب کو اسی غرض کے ماتحت حسب ذیل درخواست ۱۴رمئی ۱۸۹۴ء کو دی ۔

(۱) یہ انجمن عرصہ سات سال سے لاہور میں مسلمانانِ پنجاب کی دینی اور اخلاقی حالت درست کرنے کے لئے قائم کی گئی ہے ۔
(۲) اس غرض کو حاصل کرنے کے لئے انجمن نے ۱۸۸۸ء سے ایک مدرسہ جاری کر رکھا ہے جس میں اعلیٰ درجہ کی تعلیم دیجاتی ہے ۔
(رپورٹ انجمن مذکور ۱۸۹۴ء ص ۳۳)

(۳) انجمن نے ارادہ کیا ہے کہ دینی تعلیم کے فوائد سے مسلمانان طلباء سنٹرل موڈل سکول لاہور کو بھی حسب منشا نمبر ۴۴۹ و نمبر ۱۶۰۰ کے ایجوکیشن کوڈ پنجاب و نیز دفعہ ۲۶ گورنمنٹ پنجاب ریزولیوشن نمبر ۱۱۴ مورخہ ۲۵ جولائی ۱۸۸۸ء جو گورنمنٹ گزٹ مورخہ ۲ اگست صدر کے صفحہ ۵۲۳ پر مندرج ہے ۔ مستفید کرے ۔
(۴) انجمن نے ان طلباء کے لئے جو تعلیم تجویز کی ہے وہ نہایت سادہ ہے ۔ اس کام کے لئے انجمن اپنے استاد رکھے گی ۔ اور ہر قسم کے متعلقہ اخراجات کو خود ادا کرے گی ۔

(۵) انجمن صرف اسقدر مدد چاہتی ہے کہ وہ طلباء کو اوقات مقررہ پر دینی سبق لینے کے لئے حاضر ہونے کی تاکید کردیں۔

(۶) انجمن چاہتی ہے کہ انکو مجوزہ تعلیم کے جاری کرنے کی اجازت دی جائے اور مہتمان مدرسہ کے نام ضروری احکام جاری کئے جائیں۔

اس چٹھی کا جواب مسٹر جے سائیم صاحب ڈائریکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب نے ۲۳ اپریل کو حسب ذیل دیا ہے۔ جسکا اقتباس ملاحظہ ہو۔

آپ کا خط ملا۔ جواب یہ ہے۔

تجویز زیر بحث نمبر ۴۴۹ پر مبنی ہو۔ کسی بورڈ سکول میں مذہبی تعلیم نہیں دیجاسکتی ہو سوائے خارج وقت کے اگر سکول کے وقت کے بعد مدرسہ کے مکان کے احاطہ میں مذہبی تعلیم دی جائے گی۔ تو ضرورت ہے کہ یہ تعلیم قواعد مرتبہ لوکل باڈی کے بموجب ہو۔ اور لوکل باڈی ایسا انتظام کرنے کی ذمہ دار ہوگی۔ جس سے تمام فرقے رضامند رہیں بورڈ سکول کے کسی طالب علم کو مدرسہ کے احاطہ میں ایسی تعلیم نہیں دیجائے گی۔ علاوہ اس صورت کے کہ طلباء کے والدین یا سرپرست صاف طور پر اس کی خواہش ظاہر کریں یہ لازمی ہے کہ بورڈ سکول کے کسی مدرس کو جبتک خود اُس کی مرضی نہ ہو مذہبی تعلیم دینے کے لئے نہیں کہا جائے گا۔ اور نہ کوئی خرچ پبلک فنڈ سے مذہبی تعلیم کی وجہ سے دیا جاسکتا ہے۔

مذکورہ خط کا جواب سررشتہ تعلیم کے ڈائریکٹر کو انجمن نے حسب ذیل دیا۔

انجمن کو اس امر کے تسلیم کرنے میں تامل ہے کہ سنٹرل ماڈل سکول میں علاوہ اوقات مدرسہ کے اور سرکاری مدد کے بغیر مذہبی تعلیم کا جاری کرنا حکومت کی مذہبی بے تکلفی کی پالیسی میں حارج ہوگا۔ ۱۸۵۴ء کی مراسلت درج ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو گورنمنٹ کبھی نہ کہتی کہ تعلیم سرکاری مدارس میں بھی جاری ہوسکتی ہو۔ ۱۸۸۲ء کے ایجوکیشن نے آپ کی فرمائی ہوئی پالیسی پر کبھی غور نہیں کیا۔ اس نے صرف اس پر توجہ دی کہ آیا یہ مناسب ہے کہ انگریزی مدارس میں معمولی تعلیم کے ساتھ اوقات مدرسہ کے دینی تعلیم کو جاری کیا جائے (دیکھئے دفعات ۵-۶ (س) از چٹھی آف انڈیا نمبر ۱/۳۸۴ مورخہ ۳۱ دسمبر ۱۸۸۳ء)

گورنمنٹ نے اس تجویز کو ناکافی سمجھکر اسی چٹھی کے حصہ ۸ میں اور باتوں کے یہ تجویز ہوئی کہ اوقات مدرسہ سے خارج وقت میں سرکاری مدارس میں بھی مذہبی تعلیم کے بارے میں کچھ نہ کچھ ہوسکتا ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ تجویز بلاشک ایسی ہے کہ اس سے مذہبی بے تعلقی بھی قائم رہتی ہے اور گورنمنٹ اسکول کیلئے طلباء دینی تعلیم بھی حاصل کرسکتے ہیں۔

طلباء کے والدینوں کی رضامندی حاصل کرنے کے بارے میں یہ گذارش ہے کہ سنٹرل ماڈل سکول کے بہت سے طلباء کے والدین اس انجمن کے حامی ہیں۔ اور یہ انہی کوششوں کی متحدہ کوشش کا نتیجہ ہے۔ لہذا یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے۔ کہ طلباء کے والدینوں کی مرضی کے بغیر انجمن نے یہ درخواست ارسال کی ہے۔

یہ خط و کتابت بالکل بیکار گئی حکومت کی جو پالیسی تھی وہی قائم رہی حالانکہ وہ اپنے مدارس میں دینی تعلیم یعنی عیسوی تعلیم دے رہی تھی۔

انجمن تبلیغ اسلام حیدرآباد دکن

یہ انجمن تبلیغ اسلام یعنی مذہب اسلام کو پھیلانے کی حامی ہو۔ اس انجمن کے اغراض و مقاصد بھی اسی اصول پر ہیں چنانچہ ملاحظہ ہوں۔

(۱) غیر مسلموں میں بذریعہ تقریر و تحریر کے اسلام کی تبلیغ و اشاعت کرنی۔

(۲) نومسلموں کیلئے تعلیم فرائض و سنن اسلامی کا بندوبست معلموں کے ذریعہ سے کرانا۔

(۳) نومسلموں کی حسب ضرورت دستگیری کرنا۔

تشکیل مجلس انتظامی

جناب مولانا شاہ عبدالرحیم قادری میر مجلس — جناب حاجی مولانا میر انوار اللہ نائب میر مجلس
جناب سید مرتضیٰ صاحب قادری معتمد خازن — جناب قادری غلام احمد صاحب شریک معتمد
جناب حاجی مولوی صفی الدین شریک معتمد — جناب مولوی سید احمد صاحب مہتمم
جناب مولوی شرف الحق صاحب دہلوی (ممبر) — جناب مولوی قمر الدین صاحب (ممبر)
جناب مولوی سید احمد صاحب قادری (ممبر) — جناب مولوی سید ابراہیم صاحب (ممبر)

واعظ ردّ نصاریٰ

یہ واقعہ ہے کہ حیدرآباد جیسی جگہ میں رد نصاریٰ یا مناظر کا ملنا مشکل ہے انجمن کے نو مسلمین دو آدمی تھے۔ انکو مولانا ہادی مبلغ ورد نصاریٰ کے ماتحت کر دیا۔ دو آدمی جو مقرر ہوئے ایک رحمت علی مرہٹی دال اور دوسرے محمد حسین تلنگی دال تھے۔ ان کا تقرر تین ماہ کیلئے ہوا انجمن نے انکے لئے طے کیا کہ یہ ایک وقت مقررہ اسلامی اور عیسوی معلومات کا امتحان دیں تاکہ معلوم ہو کہ یہ کس قدر مناظرہ اور تبلیغ ورد نصاریٰ کیلئے موزوں ہیں۔

نو مسلموں کی خبر گیری کیلئے غلام محمد نامی نو مسلم مقرر ہوا۔ تاکہ وہ نو مسلموں کے خیالات سے وقتاً فوقتاً معتمد کو اطلاع کرے انجمن کے قیام کو ابھی چھ ماہ ہوئے ہیں ۱۳۰۸ھ میں قائم ہوئی تھی۔ یہ خیالات ہم اسوقت کے لکھ رہے ہیں

انجمن کی طرف سے فی الحال ایک واعظ رد نصاریٰ مولوی عبدالہادی اور ایک محمد حسین صاحب کارآموز واعظ ورد نصاریٰ مقرر ہیں۔ ان کے علاوہ عبدالقادر صاحب بھی دعوت اسلام دینے میں ہمہ تن مصروف ہیں۔

اور اس مدت میں دہلی کے مشہور رد نصاریٰ مولانا شرف الحق صاحب بھی دہلی سے حیدرآباد تشریف فرما ہوئے انکو انجمن کے بانیوں میں سے سمجھنا چاہئے۔ انہوں نے اپنا تمام وقت انجمن کے پروپیگنڈے اور ردّ نصاریٰ کرنے میں لگا رکھا تھا۔ حیدرآباد کے کوچہ کوچہ میں ان کے وعظ ہوئے تھے پادریوں کا ناک میں دم تھا پادری گولڈ اسمتھ جو حیدرآباد مشن کے انچارج تھے وہ ان کا نام سنکے بہت پریشان ہوتے تھے۔

ایلنڈا پاڑ کے مسلمانوں نے انجمن سے واعظ و مناظر طلب کیے مولوی عبدالہادی وہاں روانہ کئے گئے۔ ان کے وعظ و نصیحت سے بہت سے لوگ مسلمان ہوئے۔ ان کے وعظ وہاں برابر ہوئے۔

اضلاع نلگنڈہ ... میں چونکہ پادریوں کا زور تھا۔ اور وہاں کے ہندوستانی اکثر عیسائی بنائے جا رہے تھے۔ اس لئے واعظ اور رد نصاریٰ مولانا عبدالہادی کو اسلام کی حقانیت اور ٹلیث کے ابطال کیلئے بھیجا گیا انہوں نے اپنی تقریروں میں فرمایا لاکھ لاکھ شکر ہے خدائے ذوالجلال والاکرام کا کہ اس نے ہم کو اس کی امت شمار کئے جانے اور اس کے پیروکار ہونے کا اعزاز بخشا ہے جس کی نسبت خود ہی فرمایا ہے (وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ) یعنی رحمۃ اللعالمین رسول خدا جس کے ہمارا دل قربان اور ہماری جان فدا جس نے ہم کو پاک دین کی جانب رہبری کی جو خدا کا دین ہے۔ یعنی اسلام خداوند رب العزت نے فرمایا کہ (اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ) وہ دین جس پر آپ اور اپنی اولاد قائم رہنے کے لئے حضرت اسماعیل علی نبینا نے ان الفاظ میں دعا مانگی (ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک) وہ دین جس کی نسبت حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو یہ جتلا کر یہی دین ہے۔ جس کو خدا نے تمہارے لئے پسند کر دیا ہے۔ اسی طرح ان الفاظ میں نصیحت کی (ان اللہ اصطفیٰ لکم الدین فلا تموتن الا وانتم مسلمون) وہ پاک مذہب جس کے خدا نے ابراہیم سے (اسلم) اور ابراہیم نے جواب کہا کہ (اسلمت لرب العالمین) وہ دین جس پر رہنے کیلئے حضرت عیسیٰ کے مقدس حواریوں نے خداوند تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد اس طرح گواہی دی (واشہد باننا مسلمون) وہ دین جس نے توحید کا سبق دنیا کو اور وحدانیت کا عالم میں چرچا کیا۔ وہ دین جس نے شرک کی بیخکنی کی ایسے دین کا پھیلانا۔ اور اس کے لئے مصائب جھیلنا اسی برگزیدہ ہستی کا حصہ تھا۔

جو خاتم النبیین تھا۔ اور رحمت اللعالمین کا لقب پایا ہوا تھا۔ جس کو خدا نے اپنے بندوں کی دینی اور دنیوی بھلائی کے لئے مامور فرمایا۔ جس نے قل ھو اللہ احد ۔ اللہ الصمد ۔ لم یلد و لم یولد و لم یکن لہ کفوًا احد ۔ کا سبق پڑھایا۔ اور صاف آیات اللہ سے ثابت کیا کہ حضرت عیسیٰ خدا کے بیٹے نہیں ہیں۔ اس کے پیرو کاروں پر اس کی سنت کی اتباع لازم ہے۔ چنانچہ تبلیغ الاسلام بھی ایک بہتم بالشان عمل ہے۔ جو انسانی ہمدردی کے مترادف ہے۔ بقول شیخ ہادی کے (خیر الناس من ینفع الناس) اور نفع بھی کیسا دینی اور دنیوی اور لازوال اور دائمی۔ ہر مسلمان پر مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ وہ تبلیغ کرے۔ اور تبلیغی جماعتوں کی اعانت میں حصہ لے۔ اسی مبارک و مقدس کام کے لئے۔ اور رد نصاریٰ کرنے کے لئے۔ انجمن تبلیغ الاسلام حیدر آباد دکن قائم ہوئی ہے۔ مشن کے پادریوں سے بچنے کا طریقہ یہی ہے۔ کہ تم انجمن کے ممبر بنو۔ اور انجمن جو پروگرام رد نصاریٰ کا بتائے اسکو رائج کرو۔ یہ یاد رکھو کہ اپنے گھروں میں اگر میموں اور مسوں کو داخل کرو گے۔ تو تمہاری عورتوں کا دین سلامت نہیں رہ سکتا۔ ان سے بچو اور انکو اپنے گھروں میں داخل مت ہونے دو۔

مولوی عبدالہادی صاحب شہر میں بھی ہر ہفتہ رد نصاریٰ اور وعظ فرماتے تھے مولانا عبدالقادر سب سے زیادہ لائق تعریف ہیں انجمن کو آپ کی ذات سے بہت کچھ مدد ملی اس عرصہ میں جو نو مسلم ہوئے ان میں بہت بڑا حصہ آپ کی ہی تلقین و مناظرہ کا نتیجہ ہے

تعداد نو مسلمین مولانا شرف الحق مولانا عبدالہادی مولانا عبدالقادر صاحبان کی کوششوں واعظوں اور مناظروں سے چھ ماہ میں جو مسلمان ہوئے اس کا گوشوارہ حسب ذیل ہے +

سابق		حال		جملہ		کل	کیفیت
مرد	عورت	مرد	عورت	مرد	عورت		
۷۵	۳۱	۱۸	۱۲	۹۲	۳۳	۱۳۶	
۴	۳	۷	۱۱	۱۱	۵	۲۶	
۰	۹	۱۲	۱۲	۲	۲۱	۴۱	
۰	-	۳	۴	۳	۴	۷	
جملہ ۸۷		۴۴	۴۰	۳۹	۱۲۷	۲۱۰	

اس گوشوارہ میں ۹۔ انگریز اور اٹھارہ کرسٹان اپنے مذہب کو بدل کر مسلمان ہو گئے تھے۔ ان نو مسلموں میں بعض انتہائی مشہور خاندان کے فرد ہیں۔ یہاں ان کا ذکر کرنا ضروری ہے۔

مسٹر سنوٹ اسلامی نام حامد۔ اس پر جوش نو مسلم سے اشاعت اسلام میں بہت کچھ مدد ملی ہے۔ تلاش معاش میں حیدر آباد گیا ہوا ہے۔ لیکن خاموش نہیں بیٹھا۔ محاسن اسلام اور رد نصاریٰ پر انگریزی مضامین شائع کر رہا ہے۔ یوارشین لوگوں کو اسلام کی دعوت دے رہا ہے۔

فضل مسیح اسلامی نام محمود۔ ایک پنجابی مسلمان ہے۔ مذہب اسلام کی لاعلمی اور پادریوں کے حسن سلوک کے دام میں آکر مرتد ہو گیا تھا۔ حیدر آباد دکن مشن کے انچارج پادری اولڈ سمتھ کا یہ مددگار اور بڑا حامی تھا۔ حامیان اسلام پادری گولڈ سمتھ سے جو مباحثہ کیا کرتے تھے۔ اس اسلامی حقانیت سے اس کے دل میں جگہ کی۔ اور اپنے باطل عقیدہ سے توبہ کر کے مشن کی تنخواہ پر لات رکھ کر پھر مشرف باسلام ہو گیا۔

مسٹر انتونی یہ شخص بھی فضل مسیح کی طرح پادری گولڈ سمتھ کا مددگار تھا اس نے بچپنا ستوار سر میں گزارا مرہٹی زبان سے بخوبی واقف ہے۔ یہ تثلیث کے فلسفہ سے اکتا کر مسلمان ہو گیا +

مس کرولن مس لیلیٰ آدم | یہ دونوں بہنیں ہیں انگریزی میں قابل ہیں اردو زبان سے بخوبی واقف ہیں ان سے محمد محسن محمد حسین نومسلموں کا نکاح پڑھوا دیا گیا ہے۔ مسائل اسلامی کی واقفیت میں اچھی ترقی کی ہے۔ عبادت الٰہی میں مصروف رہتی ہیں۔

کیخسرو فیروز شاہ | یہ دونوں بھائی ہیں قوم پارسی، دادا بھائی رستم جی نامی کے فرزند ہیں ان کے والد ایک مشہور سیٹھ کہلاتے ہیں۔ ان کی عمر ۲۰-۲۲ سال کی ہے محمد محسن، محمد حسین ان کا نام رکھا گیا علاوہ گجراتی کے انگریزی اور اردو کی نوشت و خواند کی بھی آزادی کے ساتھ کر سکتے ہیں۔ ۲۷ رمضان کو ان کے والد نے ان کے حالات سے واقف ہونے کے بعد ان کو اپنے مکان سے نکال دیا۔ یہ بیچارے حیران و سرگرداں تھے کہ ایک باحمیت انجمن کے رکن نے ان کو مع ان کی بیویوں کے اپنے مکان میں لاکر رکھا پھر معتمد انجمن نے ان کے خاص امداد کے لئے انجمن کے ارکان سے چندہ لیا۔ سردست ماہانہ پچاس روپے ان کو دیئے جاتے ہیں

اس چھ ماہ میں نومسلموں کی تعلیم اور سکونت کا ہنوز کوئی انتظام نہیں ہو سکا بعض معتمد صاحب کے پاس رہتے ہیں اور وہیں انکی مذہبی تعلیم بھی ہوتی ہے۔ اور بعضوں کی تعلیم کے فرائض مسجدوں کے پیش امام پوری کرتے ہیں محمد حسن محمد حسین۔ مولوی محمد غوث صاحب سعید کے پاس قرآن مجید پڑھ رہے ہیں۔

نومسلموں کو ٹھہرانے اور تعلیمی درسگاہیں قائم کرنے کے لیے سرمایہ کی انتہائی ضرورت تھی شروع کا کام۔ دقتیں ہزاروں پیدا ہوتی رہتی تھیں۔ آخر ترقی اور فراہمی چندہ کے اسباب فراہم کرنے کے لئے ایک سب کمیٹی بنائی گئی جس کے رکن مولانا شرف الحق صاحب دہلوی مولوی عزیز مرزا صاحب، مولانا محمد عبدالغفور صاحب، مولوی سید احمد قادری اور مرتضیٰ قادری معتمد اور مولوی غلام احمد شریک معتمد مقرر ہوئے۔

وکلاء کو مقرر کیا گیا۔ اشتہارات پروپیگنڈہ چھاپے گئے۔ حساب و کتاب کے رجسٹر منگائے گئے۔

چندہ دہندوں کی تعداد بڑھ گئی ہے۔ وصول یابی کیلئے ایک چپراسی ہے۔ وہ چندہ دہندگان کے پاس وقت پر نہیں جا سکتا اور وصول کنندہ کا اضافہ کیا جا رہا ہے۔

جناب مولوی محمد عبدالکریم ناظم ٹپہ نے بکمال حمیت جوش اسلامی اپنی مملوکہ زمین واقعہ کنڈہ گوشہ محل سے ایک تخمینا قیمتی دو ہزار روپیہ عطا کئے۔ انجمن نومسلموں کی بود و باش کے لئے وہاں پر ایک وسیع مکان اور ایک مسجد بنائے گی۔ یہ عطیہ انجمن کے لئے ایک دائمی یادگار ہے۔

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس | ۱۸۸۶ء میں سرسید نے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس قائم کی محمڈن کالج کی حالت جب کسی قدر اطمینان کے قابل ہوگئی تو سرسید احمد کو خیال ہوا۔ کہ اگر بالفرض یہ کالج ہر طرح مکمل ہوگیا تو بھی اس سے قومی تعلیم کا مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔ اور ایک کالج چھوڑ کر دس مسلمانوں کی تعلیم کی کفالت نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کی قوم جو ہندوستان کے دور دراز حصوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ وہ سب ایک دوسرے کی حالت سے محض بے خبر ہیں اور کوئی ذریعہ ایسا نہیں ہے۔ کہ مختلف صوبوں اور اضلاع کے لوگ کسی موقع پر آپس میں ایک جگہ جمع ہوں۔ اپنے اپنے خیالات قومی تعلیم اور قومی ترقی کی نسبت ایک دوسرے پر ظاہر کریں ہر حصہ ملک کے مسلمانوں کی ترقی یا تنزل کا حال تمام قوم کو معلوم ہو اور مسلمان جو باوجود ایک قوم ہونے کے بمنزلہ مختلف قوموں کی طرح ہو رہے ہیں۔ ان میں قومی یگانگت اور ہمدردی پیدا ہو۔ اسی بنا پر جیسا کہ سرسید نے پہلے اجلاس میں بیان کیا تھا یہ کانفرنس قائم کی گئی ہے۔ اور اسکا پہلا اجلاس ۲۷ دسمبر ۱۸۸۶ء کو علیگڈھ محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میں منعقد ہوا۔

اغراض و مقاصد

کانفرنس میں حسب ذیل ریزولیوشن پاس ہوئے ۔ مثلاً :-

(۱) قرآن مجید کی تعلیم کو ترقی دینا ۔ (۲) مسلمانوں کے اوقاف کی طرف حکومت کو توجہ دلانا ۔

(۳) تمام شہروں اور قصبوں میں مقاصد کانفرنس کی تائید کے لئے کمیٹیاں قائم کرنا ۔ (۴) اور اسلامی انجمنوں سے اس کی تائید کی خواہش کرنا

(۵) تمام اسلامی انجمنوں کا اس بارے میں کوشش کرنا کہ مسلمان طلبہ کی وظیفوں سے امداد کی جائے ۔

(۶) سرکاری مدرسوں میں مسلمانوں کو مذہبی تعلیم کا موقع دینے کی گورنمنٹ سے درخواست کرنا ۔

(۷) تعلیم نسواں کے لئے مذہب اسلام اور طریقہ شرفاء اہل اسلام کے مطابق مدرسہ جاری کرے ۔

(۸) یورپ کے مورخوں نے جو غلط الزام مسلمانوں پر لگائے ہیں ان کی غلطیاں دور کرنے کیلئے رسائل لکھے جائیں ۔

(۹) مسلمان بادشاہوں کے قدیم فرامین جمع کرنے ۔ ان کو محفوظ رکھنے کے لئے چھپوانا ۔

(۱۰) صاف اور سلیس اردو میں اخلاقی رسالے اور کتابیں لکھنا جو لڑکوں کی تعلیم میں کام آسکیں ۔

(۱۱) مسلمانوں کی قدیم اور مستند کتابوں کا جو نادرالوجود ہیں پتہ لگانا حتی المقدور ان کو فراہم کرنا ۔

(۱۲) جو علوم مسلمانوں نے یونان وغیرہ ملکوں سے حاصل کئے تھے ان پر کس قدر اضافہ انہوں نے خود کیا ہے ۔ وغیرہ وغیرہ سے ۱۸۸۶ء سے لے کر ۱۸۹۶ء تک اس کے اجلاس برابر ہوتے رہے ۔ مگر دوسرے سال گذشتہ سرکاری روک ٹوک کے سبب جو طاعون کے انسداد کے لئے ریل کے مسافروں کے ساتھ جابجا کی جاتی تھی ۔ اس کا اجلاس موقوف کیا گیا ۔ منجملہ گیارہ کے ۔ اول کے پانچ اجلاسوں میں پنجاب اور شمالی مغربی اضلاع کے مختلف مقامات کی چھوٹی بڑی ۳۵ رپورٹیں اسلامی انجمنوں اور خاص خاص شخصوں نے لکھ کر کانفرنس میں بھیجیں ۔ یا خود آکر پیش کیں ۔

ہر سال اجلاس کی تمام کارروائی ایک کتاب کی صورت میں چھپکر ممبروں کو تقسیم ہوتی رہی تھیں جس میں کیفیت انتظام کانفرنس فہرست ممبران و زیٹران کی تعداد زرچندہ ، رپورٹ سیکرٹری متضمن حساب جمع و خرچ زرچندہ و کیفیت تعمیل عدم ۔ تعمیل تجویزات سال گذشتہ ریزولیوشن جو اجلاس میں پیش ہو کر پاس ہوئے ۔ اور اُن کے متعلق ممبروں کی تقریریں اور مباحثے و مناظرے رپورٹیں جو مختلف اضلاع سے موصول ہوئیں ۔ وغیرہ وغیرہ درج ہوتی تھیں ۔

کانفرنس کے فوائد

کانفرنس سے جو نتائج پیدا ہوئے وہ بھی امید اور توقع سے زیادہ تھے ۔

(۱) سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا ۔ کہ ہر سال مسلمانوں کی ایک جماعت کثیر جس کی تعداد بعض اجلاسوں میں ہزار ہزار سے تجاوز ہوگئی ۔ نہ کسی سیر اور تماشے کی غرض سے نہ کسی حاکم کے حکم سے اور نہ کسی ذاتی منصب کے لئے بلکہ محض اس خیال سے کہ جو اجتماع قوم کی فلاح و بہبود کے لئے ہو رہا ہے اس میں شریک ہوں ۔ دور دراز سفر کی تکلیف اور آمد و رفت کا خرچ برداشت کر کے کانفرنس کے جلسوں میں شریک ہوتے تھے ۔ ایک دوسرے سے ملتے تھے ایک جگہ کھانا کھاتے تھے ایک جگہ رہتے تھے ۔ قومی معاملات پر گفتگو کرتے تھے ہنستے اور بولتے تھے ناواقفوں سے تعلق پیدا ہوتا تھا ۔ دوستوں میں خلوص بڑھتا تھا ۔ اور اسطرح ایک مردہ اور پراگندہ قوم کے اجزاء میں روز بروز قوت پیدا ہوتی تھی ۔

(۲) اس کے سوا جب سے کانفرنسیں ہوئیں مسلمانوں میں تعلیم کا خیال زیادہ ہو گیا تھا ۔ جس شہر میں کانفرنس کا اجلاس ہوتا وہاں کے باشندوں پر اور بھی زیادہ اثر ہوتا تھا ۔

(۳) کانفرنس کی بدولت گذشتہ برسوں میں غریب مسلم طلباء کی بہت زیادہ امداد ہوئی ۔ کانفرنس کے چندہ میں سے جس قدر روپیہ اخراجات سے بچتا وہ وظائف میں صرف ہوتا تھا ۔

(۴) پنجاب کی انجمنوں نے کانفرنس کی صلاح سے بہت سے طالب علموں کی امداد کی ۔

(۵) کانفرنس کی تحریک یا اقتضاء سے بہت عمدہ رسالے مضامین لیکچر ایسے تیار ہو گئے جس سے اُردو لٹریچر میں ایک معقول اضافہ ہوا۔

(۶) مباحثوں اور مناظرے کرنے سے بہت فائدہ ہوا

(۷) اسی کانفرنس کی تحریک سے الہ آباد یونیورسٹی نے نمائش ہسٹری کو جس میں مسلمانوں کی توہین کے مضامین درج تھے ہائی سکولوں کے کورس سے خارج کیا۔

(۸) اور جبکہ یونیورسٹی مذکور میں نہایت زور شور سے اس بات کی تحریک ہوئی کہ فارسی زبان یونیورسٹی کی تعلیم سے خارج کیجائے تو اسی کانفرنس کے ایجی ٹیشن کی وجہ سے اسکو مجبور ہونا پڑا۔ کانفرنس نے صاف طور پر اعلان کر دیا تھا کہ اگر فارسی زبان یونیورسٹی کے کورس سے خارج کی جائے گی۔ تو اس سے مسلمانوں کی دل شکنی ہی نہ ہوگی۔ بلکہ ہندوستان کی تہذیب اس کے علم مجلس اور اس کی زبان یعنی اُردو کو سخت صدمہ پہنچیگا۔

(۹) نیز کانفرنس کی تجویز کے مطابق نواب وقار الملک کو گورنمنٹ میں اس بات کی تحریک کرنے کی جرأت ہوئی کہ سرکاری مدرسوں میں مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کی اجازت دیجائے۔ چنانچہ گورنمنٹ اضلاع شمال مغربی نے بعض شرائط پر اس کی اجازت دے دی۔

مدرسہ امینیہ دہلی

یہ مدرسہ مولوی امین الدین صاحب نے ۱۳۱۵ء مطابق ۱۸۹۹ء میں دہلی کی کوتوالی کے قریب سنہری مسجد میں قائم کیا۔ جس کی تاریخ گلزار رضواں ہوتی ہے۔ سنہری مسجد کی کوتوالی کے حصہ میں مولوی کرامت اللہ کے داماد مولوی محبوب بچوں کو پڑھاتے تھے۔ جب انہوں نے مدرسہ کا نام سنا تو ان کو اپنی فکر ہوئی۔ مولوی امین کو طرح طرح سے پریشان کیا اور مدرسہ کی مخالفت کی، وہ سمجھتے تھے کہ مبادا حق چھین رہے ہیں اور چونکہ بچوں کے پڑھانے کے ساتھ امامت بھی کرتے تھے۔ سمجھے امامت بھی گئی۔ مولانا امین الدین اور حاجی محمد اسحاق حاجی الف خاں سپاہی والے اپنے مدرسہ بنانے کے پاک مقصد میں منہمک تھے انہوں نے اس جھگڑہ میں پڑنا پسند نہیں کیا۔ اور کشمیری گیٹ تھانہ کے پاس مسجد پانی پتیاں میں چاروں طرف مسجد کی وقف زمین پڑی ہوئی تھی وہاں مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ اسجگہ مدرسہ قائم ہوا اس مدرسہ کا بورڈنگ الغرض آخر تک (چار سال ہوئے سنہری مسجد سے اٹھا لیا گیا تھا) وہیں رہا۔ مدرسہ کے پہلے صدر مدرس مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ تھے بعد میں مولانا امین الدین صاحب شاہجہاں پور سے مفتی صاحب کو لے آئے تھے جب کہ شاہ صاحب چلے گئے تھے۔ مدرسہ عین العلم میں مدرس تھے۔ مدرسہ امینیہ میں مفتی صاحب کی تنخواہ ماہوار بیس روپے تھی۔ ۱۳۳۰ھ میں مولوی امین الدین صاحب بانی مدرسہ امینیہ کے انتقال کے بعد مفتی صاحب مدرسہ امینیہ کے مہتمم مقرر ہوئے۔ آپ پر یہ ذمہ داری مقدس ہاتھوں نے یعنی حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے سونپی تھی اس وقت سے لے کر آپ نے آج تک جس کو تقریباً ۳۵ سال ہوئے بحسن و خوبی انجام دیا۔ اس مدرسہ کا انتظام بڑی دیانتداری اپنے ہاتھ میں رکھ رکھا ہے۔ مدرسہ کو چار چاند لگا دئیے ہیں۔ یہ مدرسہ دنیائے اسلام میں مفتی صاحب کی فتویٰ نویسی کی وجہ سے مقبولیت کا سہرہ حاصل کئے ہوئے ہے۔ مفتی صاحب کا دم ہے کہ اس معمولی مدرسہ کو ایک بڑا مدرسہ بنا دیا ہے۔ جو اسلام کی بڑی خدمت کر رہا ہے۔

ردّ نصاریٰ

مدرسہ امینیہ کے استاد مولوی خدا بخش ردّ نصاریٰ میں ید طولیٰ رکھتے ہیں پادری احمد مسیح آپ سے مناظرہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا تھا۔ آپ کو مسیحیوں سے زیادہ واقفیت ہے۔ اسی طرح مفتی صاحب بھی مدرسہ امینیہ کے فارغ التحصیل عالم مولانا احمد سعید کو مناظروں کے لئے تیار کرائے تھے اور مناظرہ میں مدد فرماتے تھے۔ مولانا احمد سعید نے پادریوں اور پنڈتوں سے آریہ سماجی سے کافی مناظرے کئے ہیں اور آپ دہلی کے بہترین مناظر شمار کئے جاتے ہیں۔

ردّ نصاریٰ کرنے والے اخبارات

عیسائی مشنریوں نے جہاں سکول کالج قائم کئے نصرانیت کا پروپیگنڈہ کرنے کیلئے جاری کئے تھے۔ وہاں کتابوں کے ساتھ اخبارات و رسائل کے ذریعہ اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے تھے۔ اسی طرح مسلمانوں نے بھی ردّ نصاریٰ کرنے اور انکی توہین آمیز اور بے بنیاد الزامات کے جوابات دینے کیلئے اخبارات نکالے۔ بعض اخبارات ان کاموں کیلئے

مخصوص تھے۔ اور بعض حسب ضرورت پادریوں کے جوابات دینے کے لئے تیار رہتے تھے ہر ایک اخبار کسی نہ کسی طریقے سے ان کی مخالفت کرنا ضروری سمجھتا تھا۔ چنانچہ جن اخباروں نے خاص طور پر یہ فرض ادا کیا ہے۔ وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) اُردو اخبار — یہ اخبار ہفتہ وار دہلی سے نکلتا تھا۔ یہ پہلا اُردو کا اخبار ہے۔ جو انگریزوں کے بعد ۱۸۳۶ء میں جاری ہوا۔ اس کے اڈیٹر مولانا محمد حسین آزاد کے والد دہلی کے ہر دلعزیز عالم علامہ باقر علی تھے۔ یہ اخبار مولانا کے ذاتی پریس میں چھپتا تھا جس کا نام اُردو پریس تھا۔ یہ وہ اخبار ہے جو انگریز اور نصرانیت کے خلاف حقارت اور نفرت کے جذبہ کو بڑی ہوشیاری اور دانشمندی کے ساتھ ابھارتا تھا۔ اور اس مکر و فریب کو جو ہندوستانیوں کے ساتھ ہمدردی کے نام پر کیا جا رہا تھا۔ اس کو بڑی خوبصورتی سے بے نقاب اور طشت از بام کرتا تھا۔ جس سے عیسائیوں کے مشنری حصوں میں ایک تلاطم برپا ہو جاتا تھا۔ خاص طور پر مشنریوں کا سردار۔ ٹیلر۔ جو دہلی کالج پرکانسٹبل تھا اور جس نے اپنے شاعرانہ اخلاق و محبت سے اپنے چند طالب علموں کا مذہب تک بدلوا دیا تھا اس جادوگر کو مولانا کی تحریر بہت کھٹکتی تھی۔ وہ اس تحریر کو اپنے مشن کیلئے اتنا ہی نقصان دہ سمجھتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ مولانا ایسے مضامین لکھنا چھوڑ دیں۔ مولانا ایک اصول پرست باوضع ہستی تھی۔ وہ کب گوارا کر سکتے تھے کہ وہ اپنے خیالات کو دبائیں۔ اور علانیہ کلمۃ الحق نہ فرمائیں۔ ٹیلر کا دشمن جتنا تھا وہ بنا۔ اس کی دشمنی رنگ لائی غدر ہو گیا اور اس قتل و خونریزی کے زمانہ میں ٹیلر صاحب کا بہرہ ان کو ان کے گھر لے آیا محلہ والے بگڑے۔ مولانا نے محلہ کا مخالفانہ رُخ دیکھا تو ٹیلر صاحب کو بچانے کے لئے ہندوستانی لباس پہنا کر گھر سے روانہ کر دیا۔ وہ راستہ میں شناخت ہونے کی وجہ سے قتل کر دیا گیا۔ مولانا پر آفت آئی ہمدردی کو دشمنی پر محمول کیا گیا۔ سازش قتل کے الزام میں مولانا کو پھانسی دیدی گئی۔ گویا حق گوئی اور نصرانیت کی بیخکنی کا انتقام قتل ٹیلر کے ذریعہ لیا گیا۔

(۲) سید الاخبار — یہ اخبار بھی دہلی سے نکلتا تھا۔ اور اس کو سرسید احمد خاں کے بھائی سید محمد نکالتے تھے یہ بھی لگ بھگ ۱۸۳۷ء میں نکلا ہے۔ یہ اخبار بھی اس زمانہ کی رفتار کے مطابق چلتا تھا اس دور میں رد نصاریٰ کرنا لازمی امر تھا۔ اس لئے کہ انگریز خوفناک طور پر ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے پر تل گئے تھے۔ یہ اخبار بھی مجبور تھا کہ رد نصاریٰ کرے۔ اور عیسائی مشنریوں کو زور کو توڑے مولانا سید محمد اس دور کی تاریخ فاضل شخصیت ہیں آپ کی علمیت کا معترف ہر شخص تھا۔

(۳) سراج الاخبار — یہ اخبار ۱۸۳۹ء میں نکلنا شروع ہوا ہے دتاسی ۱۸۵۳ء میں لکھتا ہے کہ یہ اخبار دہلی کا پرانا اخبار ہے۔ یہ بھی دہلی کا مشہور اخبار ہے۔ اس کے ایڈیٹر و مالک مولانا فقیر محمد تھے۔ یہ اخبار انجمن حمایت الاسلام کے مقاصد کا بہترین طریقہ پر پروپیگنڈہ کرتا تھا۔

(۴) قطب الاخبار — قطب الاخبار آگرہ سے نکلتا تھا جس میں مذہب اسلام کی حقانیت ثابت کی جاتی تھی۔ اور رد نصاریٰ کیا جاتا تھا اسمیں احادیث، انبیا، شہدا۔ اور اولیاؤں کے حالات شائع کئے جاتے ہیں، اور قدیم مصنفین کی کتابوں کے اقتباسات بھی درج کئے جاتے ہیں۔ (خطبات گارساں دتاسی)

(۵) بنارس اخبار — دتاسی لکھتا ہے کہ سنا ہے کہ راجہ نیپال سے اس اخبار کو مدد ملتی ہے۔ بہر حال اس اخبار کے دو ایڈیشن نکلتے ہیں ایک ہندی دیوناگری میں دوسرا اردو میں۔ دونوں اخبار کا اڈیٹر ایک پرجوش ہندو تھے۔ جو دونوں اخباروں میں عیسائی مشنریوں کے خلاف اور ہندو مذہب کی حمایت کرتا ہے۔

(۶) شملہ اخبار — شملہ سے شائع ہوتا ہے۔ بہت اچھا اخبار ہے۔ جسے شیخ عبداللہ مرتب کرتے ہیں۔ جو انگریزی اور اُردو کے ماہر ہیں۔ یہ بھی مشنریوں کی اچھی خبر لیتا تھا۔

(۷) نور علی نور — یہ مشہور دشمن نصاریٰ تھا لدھیانہ سے نکلتا تھا۔ اس کو مولانا محمد حسین نے جاری کیا تھا۔ مولانا محمد حسین ایک اچھے اور مذہبی شاعر ہیں۔ احادیث رسول کو نظموں میں بیان کرتے ہیں۔ اس کی وجہ سے انکی زیادہ شہرت اور عزت ہے

(۸) مارتند اخبار

۱۸۶۳ء میں کچھ دنوں مولوی نصیر الدین یہ اخبار شائع کرتے رہے ہیں۔ جس کے پانچ کالم ہوتے تھے جو پانچ زبانوں میں شائع ہوتا تھا ہندی اُردو بنگالی فارسی انگریزی۔ اس کی غرض یہ تھی کہ اس زبانوں سے لوگوں کو شوق ہو اور مشنریوں کے الزامات کی تردید کرنے میں ان کو مدد ملے۔

(۹) منظور الاخبار

یہ اخبار سورت سے مئی ۱۸۶۶ء سے شائع ہوا تھا۔ یہ ہفتہ وار اخبار ہے۔ اس کے اڈیٹر منظور ہیں یہ مطبع قادری میں چھپتا ہے۔ اس اخبار کی تقطیع چھوٹی ہے۔ بارہ صفحات پر مشتمل ہے۔ اور ہر اتوار کو شائع ہوتا ہے تبھی لکھنا ہے کہ اسکے سرورق پر یہ مضمون کا ایک شعر ہوتا ہے "منظور الاخبار معلومات کا آئینہ اور گہوارۂ وعظ وارشاد کا چمن ہے" اس میں ہندوستان کی مختلف صوبوں اور مشرقی ممالک کی خبریں ہوتی ہیں اس میں نہایت دلچسپ تاریخی اور جغرافیائی مضامین ہوتے ہیں رد نصاریٰ میں بھی کبھی کبھی مضامین لکھتا ہے۔

(۱۰) امین الاخبار

الہ آباد سے مولانا عزیز الدین کے زیر ادارت نکلتا ہے۔ موصوف مشہور واعظ و رد نصاریٰ ہیں اور ہندو مسلمانوں میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

(۱۱) کشف الاخبار

بمبئی کا ہر دلعزیز اخبار ہے۔ ۱۸۸۲ء سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ ہفتہ وار بدھ کو شائع ہوتا ہے۔ چھوٹی تقطیع پر آٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے ایڈیٹر میرامان لکھنوی اس کے ہر ایک نمبر میں پہلے صفحہ پر ایک چھوٹی سی نظم ہوتی ہے۔ جس میں اس نمبر کا پروگرام ہوتا ہے۔ یہ بھی رد نصاریٰ میں مشہور ہے مسلمانوں کا اچھا ناصح و مددگار ہے۔

(۱۲) پنجابی اخبار

۱۸۸۶ء سے لاہور سے شائع ہوتا ہے۔ اس اخبار کے مدیر محمد عظیم ہیں۔ ان کے اخبار میں انجمن حمایت الاسلام کے اغراض و مقاصد پر تبصرہ کئے جاتے تھے پادریوں سے بچانے کے لئے یتیم خانہ کے قیام کی اہمیت پر اس اخبار نے بہت مضمون لکھے ہیں اور مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ انجمن حمایت الاسلام کے یتیم خانے کے بنانے میں امداد دیں۔

(۱۳) قاسم الاخبار

بنگلور سے بڑے بڑے چار ورق پر نکلتا ہے۔ کاغذ اور خط وکتابت عمدہ ہے۔ یہ اخبار اسلامی مدارس میں خوب چلتا ہے اس کے مالک وایڈیٹر محمد قاسم ہیں۔ منشی صاحب لائق اور بیدار مغز ہیں اور اچھے شاعر ہیں۔ یہ اخبار پندرہ سال پہلے یعنی ۱۸۶۱ء سے نکلتا ہے سب مدراسی اخباروں سے یہ اخبار بہتر ہے۔ اسکا ایڈیٹر مولانا قاسم کا شاگرد ہے۔ اور اس اخبار میں مشنریوں کی چالاکیوں کا بھی ذکر ہوتا ہے۔ کہ وہ کس طرح یتیم بچوں پر قبضہ کر لیتے ہیں (ناصر الاخبار ا/ فروری ۱۸۸۶ء)

(۱۴) خیر المواعظ

یہ ہفتہ وار اخبار اُردو میں دہلی سے ۸ صفحے پر شائع ہوتا تھا۔ اس کے پیش نظر یہ مقصد ہے۔ کہ اصول اسلام کی نشر و اشاعت اور مسیحی عقائد کا رد کرے۔

(۱۵) مفید انام

یہ ہفتہ وار اخبار فتح گڑھ سے اُردو میں نکلتا ہے۔ اس کے ایڈیٹر شنکر سروپ ہیں۔ اس اخبار میں عورتوں کو مسیحی مذہب قبول کرنے سے باز رکھنے کی تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ اور اس غرض سے ایک انجمن قائم کرنے کا اعلان کیا گیا ہے۔ چنانچہ چالیس ہزار روپے انجمن کے لئے جمع بھی ہو گئے ہیں۔ (خطبات گارسان دتاسی)

(۱۶) رہبر ہند

یہ اخبار لاہور سے ہفتہ وار ۱۸۸۶ء میں جاری ہوا۔ اسکے مالک وایڈیٹر سید نادر علی شاہ صاحب سیفی ہیں۔ جو نہایت قابل آدمی ہیں اور اصول اخبار نویسی سے بخوبی واقف ہیں۔ پہلے آپ اتالیق ہند نکالتے تھے جو اب بند ہو گیا ہے۔ اس اخبار میں اچھے مضامین ہوتے ہیں۔ عبارت نہایت سلیس اور کاغذ کتابت بھی پاکیزہ ہے۔ مشنریوں اور عیسائی کتابوں کے جوابات دینے میں بہت ماہر ہے۔

(۱۷) ناصر الاخبار

یہ اخبار ۱۸۸۶ء میں دہلی سے جاری کیا گیا تھا۔ جو مہینہ میں تین بار نکلتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر رد نصاریٰ کی کثیر کتابوں کے مصنف مولانا نصرت علی صاحب ہیں اس اخبار میں مولانا ابو المنصور کے رد نصاریٰ کے سلسلہ میں مضامین درج ہوتے ہیں۔ اڈیٹر موصوف مولانا کے صاحبزادے ہیں۔ جنکا اپنا پریس نصرت المطابع فراشخانہ میں تھا۔ اس میں یہ اخبار چھپتا تھا۔ اس اخبار میں بے لاگ تنقید یں اخبارات پر کیجاتی تھیں اور بہت کم اخبارات کو اچھا لکھا جاتا تھا۔ غرضیکہ اخبار خاموش رہتے۔

(۱۸) **مہر درخشاں** | یہ اخبار پادریوں اور مشنریوں کے حامی اخبار نور افشاں ہفتہ وار کا جواب ہے، نور افشاں وہ اخبار ہے جو تعصب پھیلانے میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ ہندو مسلمانوں سے ذرا ذرا سی بات پر الجھتا تھا حتیٰ کہ مشن لکھنؤ بھی اس سے نالاں تھی مہر درخشاں کی طرح رد نصاریٰ میں ایک اخبار ناصر الاسلام نکلتا تھا جو ایسے معقول جواب اور اعتراض کرتا تھا کہ اس کا جواب مخالف نہیں دے سکتا تھا۔

(۱۹) **فتنہ** | یہ اخبار ہفتہ وار حکیم برہم کی ادارت میں گورکھپور سے نکلتا تھا حکیم صاحب امیر مینائی کے شاگرد تھے۔ آپ قصبہ فتح پور ضلع بارہ بنکی میں پیدا ہوئے علوم عربی کے فراغت کے بعد آپ نے حکیم شیر محمد خانصاحب سے طب پڑھی۔ آپ شاعری اور انشا پردازی میں مشہور عالم ہیں ہندوستان کے متعدد اخبارات میں آپ کے مضامین شائع ہوئے آپ چند مشہور کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ بھوپال میں ایک عہدہ پر مامور بھی ہو چکے تھے۔ آپ فتنہ اور عطر فتنہ آب و تاب سے شائع کرتے تھے۔ آپ کا سلسلہ قندھاری افغانوں سے ملتا تھا۔ آپ ایک بہت اچھے واعظ اور ردّ نصاریٰ بھی تھے (تاریخ التواریخ)

(۲۰) **دبدبہ سکندری** | یہ ہفتہ وار اخبار زیر ادارت مولوی فاروق حسن رامپور شائع ہوتا تھا۔ اس اخبار کو مولوی محمد حسن مرحوم نے اپنے اہتمام اور ادارت میں جاری کیا تھا۔ ان کے جد اعلیٰ شاہ محمد خاں ہند کو نواب رامپور نصیر اللہ خاں افغانستان سے اپنے ہمراہ لائے تھے۔ جب رامپور آباد کیا گیا ہے۔ تو آپ کے نام کا ایک محلہ آباد کرنے کی اجازت دی تھی چنانچہ محلہ شاہ محمد خاں کے نام سے ایک محلہ موجود ہے ان کے صاحب زادے نور محمد خاں، اور نور محمد خاں کے فرزند مولوی محمد حسن خاں تھے انہوں نے ۱۱۷۶ء میں رامپور کے اندر مطبع حسینی جاری کیا ۱۲۸۵ء کو نواب کلب علی خاں کی فرمائش سے دبدبہ سکندری جاری ہوا۔

۱۷ شوال ۱۳۱۴ھ یوم دوشنبہ کو مولوی صاحب ممدوح نے ۸۴ سال کی عمر میں رحلت فرمائی اسکے بعد شاہ محمد حسین خاں صاحبزادہ مولینا موصوف دبدبہ سکندری کے مہتمم اور اڈیٹر قرار پائے۔ انہوں نے ۲۹ شعبان ۱۳۱۲ھ کو انتقال کیا تو مولینا محمد فاروق حسن صابری نے اڈیٹری کے فرائض انجام دئے آپ اخبار کو اسی شان سے چلا رہے تھے جیسے ابتدا سے نکل رہا تھا۔ سرکار رامپور اس اخبار اور مطبع کو بنظر اعزاز دیکھتے تھے۔

یہ اخبار رد نصاریٰ کا حامی تھا اور مشنریوں کے پنجوں اور جالوں سے یتیموں کو بچانے کیلئے اس اخبار نے بہت سے آرٹیکل لکھے۔ چنانچہ انجمن حمایت الاسلام لاہور اپنی رپورٹ ۱۸۸۶ء میں لکھتی ہے۔ کہ دبدبہ سکندری نے بھی کمال مہربانی سے اس انجمن کے مقاصد کو اپنے اخبار میں شائع کیا جو اظہار شکریہ کا مستحق ہے

(۲۱) **صحیفہ** | یہ بجنور سے مولوی فیض الحسن کی ادارت میں نکلتا تھا اس میں خصوصیت کے ساتھ تثلیث کا ابطال کیا جاتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر لائق و فاضل اور باوضع انسان تھے۔

(۲۲) **ضیاء الاسلام** | یہ رسالہ ماہنامہ ہے جو لاہور سے شیخ فضل الدین کی ادارت میں نکلتا تھا۔ اس میں مناسب اور سنجیدگی کے ساتھ مذہب پر بحث کی جاتی تھی۔ اور دلائل سے رد نصاریٰ بھی کیا جاتا تھا۔

(۲۳) **مسلم کرانیکل** | یہ اخبار انگریزی میں ہفتہ وار کلکتہ سے شائع ہوتا تھا۔ اسکے اڈیٹر مولوی عبدالجبار خاں صاحب رئیس شیر گاؤں (ضلع ملتان) کے صاحبزادے تھے جو لارڈ ڈلہوزی کے زمانہ میں میر منشی کے عہدہ پر مامور تھے ۱۸۵۳ء میں کلکتہ کے اندر پیدا ہوئے سائنس تک تعلیم پائی۔ ڈپٹی مجسٹریٹ کی ملازمت ملی۔ لیکن صحافت نگاری کو اس پر مقدم سمجھ کر ملازمت سے علیحدہ ہوئے آنریبل جسٹس سید امیر نے آپ کو نامہ نگار مقرر کیا۔ آپ نے اخبار کو معراج کمال پر پہنچا دیا تھا۔ مضامین بہت دلچسپ نکلتے تھے۔ اس کی آواز کو مسلمانوں کی آواز سمجھا جاتا تھا۔ بڑے بڑے انگریزی اخبارات لنڈن ٹائمز جیسے اس کے مضامین پر آرٹیکل لکھتے تھے۔ آپ کی علمی قابلیت اور دیگر فطری اوصاف ہر ساتھی کے زبان پر ہوتے تھے۔

اس اخبار کے اڈیٹر و منیجر سید عثمان علی صاحب تھے جنوری ۱۸۶۸ء کو قصبہ بلیا ضلع ۲۴ پرگنہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب خاندان سادات عظام سے ملتا ہے اڈیٹر ہونے سے قبل آپ ریاست فیروزپور کے نواب کے پرائیویٹ سیکرٹری تھے۔ انگریزی میں آپ کو ید طولیٰ حاصل ہے۔ (تاج التواریخ ص ۱۴۰)

(۲۴) **المستنصر** | یہ اخبار سید مستنصر علی دہلی سے ہفتہ وار نکالتے تھے۔ اس میں مشہور رد نصاریٰ کے مناظر مولینا ابو المنصور کے مضامین ردّ نصاریٰ اور تفسیر قرآن بھی شائع ہوتی تھی۔ اس کے مضامین مختصر اور دلچسپ ہوتے تھے۔

(۲۵) **حبل المتین** | یہ اخبار فارسی زبان میں سید جلال الدین ادیب ایرانی کی ادارت میں کلکتہ سے شائع ہوتا تھا۔ حکومت برطانیہ کی مشرقی

نواز پالیسی پر سونت نکتہ چینی کرتا تھا۔ سید صاحب موصوف جہاں فارسی دانی میں ملکہ رکھتے ہیں وہاں عربی سے بھی ماہر تھے

(۲۶) انجمن افتخار الاسلام

یہ ماہوار رسالہ انجمن افتخار الاسلام جاورہ سے نکلتا ہے۔ جو انجمن افتخار الاسلام کی حسب ذیل مقاصد کی اشاعت کے لئے جاری کیا گیا ہے۔

(۱) مسلمان بچوں کی دینی اور دنیوی تعلیم کا انتظام کرنا۔ (۲) مفلس اور یتیم و لاوارث بچوں کی پرورش اور تعلیم تربیت کا انتظام کرنا تاکہ وہ عیسائی پادریوں کے دستبرد سے محفوظ رہ کر اپنی قدیمی۔ جدی آبائی مذہب پر قائم رہیں۔ (۳) مسلمانوں کو تحصیل دینی اور دنیوی علم کا شوق دلانا۔ (۴) معترضین اسلام (پادریوں) کے جوابات دینا — اسی طرح انجمن حمایت الاسلام کے نام انجمن کا رسالہ نکلتا ہے۔ جس کا ذکر انجمنوں کے عنوان کے ماتحت کر دیا گیا ہے۔

(۲۷) اخبار الاخیار

یہ ہفتہ وار اخبار دہلی سے ۱۸۷۰ء میں منشی محمد دین کی ادارت میں نکلا تھا۔ بڑی تقطیع سائز ۲۰×۳۰/۴ پر چھپتا تھا۔ منشی محمد دین دہلی کی مشہور تاجر برادری جفت فروشاں کے موقر اور بااثر لوگوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ ان کا ایک علمی اور صحافتی طبقہ تھا۔ مولانا عبدالحق صاحب مصنف تفسیر حقانی اس طبقے کے روح رواں تھے۔ دوسرا طبقہ ناصر الاخبار کے اڈیٹر مولوی نصرت علی کا تھا جس کے سرغنہ اور رہنما مولانا ابوالمنصور تھے ان دونوں طبقوں کی علمی نوک جھونک ہوتی تھی جو بہت دلچسپ ہوتی تھی۔ ناصر الاخبار، اور اخبار الاخیار کو پڑھکر ایک لطف محسوس ہوتا ہے۔

منشی محمد دین بڑی جرأت اور ہمت کے مالک تھے۔ یہی وہ ہستی تھی جس نے بے باکانہ طور پر جامع مسجد کی منتظمہ کمیٹی کی بدعنوانیوں کو اپنے اخبار میں طشت ازبام کیا یہ وہ وقت تھا جبکہ جامع مسجد کی منتظمہ کمیٹی حکومت کی نگاہوں میں بڑی عزت رکھتی تھی۔ اس کے اشارہ پر حکومت ہر کام کرتی تھی۔ مشہور تھا کہ ڈلیسر ائے اگر غسل بھی کرتا ہوا ہوتا تھا تو امام جامع مسجد کو اپنے پاس بلاکر ان سے ضرور دریافت کرتا اور فوراً تکمیل کے لئے حکم دیتا۔ ایسے نازک اور خطرناک زمانہ میں منشی صاحب نے اخبار میں ہی آواز نہیں اٹھائی بلکہ منتظمہ کمیٹی جامع مسجد کے خلاف شیخ ذکاء اللہ ایڈوکیٹ کے ذریعہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت سے حساب فہمی طلب کرنے کی درخواست دی۔ یہ مقدمہ منشی جی نے مستقل مزاجی کے ساتھ تین سال تک لڑا۔ ہائیکورٹ تک پہنچے کبھی کسی وقت ہمت نہ ہارے۔ یہ اخبار جہاں مشنریوں کی پول کھولتا تھا۔ وہاں حکومت برطانیہ کے نظام پر آزادانہ تبصرہ کرتا تھا۔ نثر بھی بلا کی تھی — نظم بھی آتش فشاں تھی۔ غرض تنقیدی میزان کے مرد نے جس طرف قلم کا رخ کیا۔ بڑے بڑے راز چاک کر دیتا تھا۔ نظم کا حصہ ملاحظہ ہو۔

ایک مشاعرہ روس، انگلینڈ، اور ہندوستان کا اس زمانے میں منعقد کیا جاتا ہے جبکہ غدر ہو چکا ہے۔ اور ہندوستان انگریزوں کا غلام بن چکا ہے اور روس ہندوستان پر آنکھ لگائے بیٹھا ہے۔ اس وقت کا منظر اس اخبار کے شاعر نے غزلوں کی زبان میں کھینچا ہے۔

غزل روس:-

توکل پر بڑا ہے ہند کی جانب قدم میرا — ہے ہمسر چرخ اعظم کی بلندی پر علم میرا
میری فوجوں کی جمگھٹ ہند کی سرحد پر ہوگی — دکھا دوں گا کوئی دم میں اگر باقی ہے دم میرا
یہ فال نیک پائی میں نے انجیل مقدس سے — عرب اسلام کا حصہ ہے حصہ ہے عجم میرا

اگرچہ نام میرا زار ہے۔ لیکن وہ رستم ہوں!
ہٹا سکتا نہیں صاحب قرآں بھی ایک قدم میرا

غزل انگلینڈ:-

جما ہے سرزمین ہند پر جب سے قدم میرا — نہیں اوج فلک سے کم بلندی میں علم میرا
جسے کہنے ہیں جادو ہے وہ میری حکمت عملی — جہاں میں سیف کی جوہر دکھاتا ہے قلم میرا
رئیس ہندوستان کے تابع و محکوم ہیں میرے — مخالف بھی میرے اقبال سے بھرتے ہیں دم میرا
میرے انصاف کی میزان کے پلے یوں برابر ہیں — جو کالوں پر ستم میرا۔ تو گوروں پر کرم میرا

غزل ہندوستاں :۔

غنیمت جانتے ہیں سب وفاداری میں دم میرا
رہ تسلیم سے باہر ہوا ہے اب قدم میرا

میں پابند وضعداری تہیدستی میں اتنا ہوں
قیامت تک رہے گا قوم فاتح پر کرم میرا

مجھے غمگین کرتی ہے ہمیشہ میری غمخواری
کرم کرتا ہوں لیکن حصہ ہوتا ہے ستم میرا

میرا غمخوار کوئی بھی نہیں دنیا میں اے ہمدم
میں غم کا ناشتہ ہوں رزق ہے عالم میرا

ہزاروں مٹ گئے بن بن کے نقشے سامنے میرے
ہوا کی طرح اڑتا ہے۔ رہا نقش قدم میرا

میرے آباد گلشن کا عجب ایک پھوٹ میوہ ہے
کیا برباد جس نے سب کا سب جاہ وحشم میرا

سیہ بخت ازل ہوں نام میرا ہند ہے ہمدم
کرم غیروں کی قسمت میں ہے حصہ ہے الم میرا

نظم میں یوں چٹکیاں لیں نثر میں بھی اسی طرح حکومت اور اُن کے حکام پران کی بداعمالیوں کے طفیل بوچھاڑ کرتے تھے۔ چنانچہ اس اخبار کے ایک آرٹیکل کا جس کا عنوان ہے "غافل حکام کے لئے عبرت" ہے اس میں دھڑلے کے ساتھ انہوں نے ان کی خبر لی ہے۔ ہائے افسوس ہمارے بعض حکام کو کیا ہو گیا ہے۔ وہ اپنے فرائض منصبی کو کیا انجام دیتے ہیں وہ تو بیکار بھرتے ہیں۔ ہم جہاں تک ایسے حکاموں کی خراب حالتوں کے سبب دریافت کرتے ہیں۔ تو دو صورتوں سے خالی نہیں معلوم ہوتی۔ یا تو وہ عیش پرست بے پرواہ اپنے ڈیوٹی سے ناواقف محض غافل ہوتے ہیں یا حرام مال سے جیبیں بھرتے ہیں۔ اور حفاظت کرنے کے عوض ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلتے ہیں (اخبار الاخیار یکم ستمبر ۱۸۸۸ء)
یہ پرچہ مجموعی اعتبار سے سچا قوم کا نمائندہ تھا۔ اس کی آواز پر قوم بھی توجہ دیتی تھی۔ اور اس کے انتظار میں رہتی تھی۔ یہ پرچہ تقریباً دس سال تک چلا

(۲۷) دلگداز
۱۸۸۶ء میں جاری ہوا۔ اس میں ادبی تاریخی مضامین شائع ہوتے تھے۔ اور خاص طور پر رد نصاریٰ میں اور رسالوں کے مقابلہ میں سب سے پیش پیش تھا۔ انجمن حمایت الاسلام کے مقاصد کا پروپیگنڈہ کرنا اس کی تیتیم خانوں کی سکیم کی تائید کرنا اس کے رد نصاریٰ کے بارے میں جو بیانات ہوتے تھے اسکو شائع کرنا وہ اپنا فرض سمجھتا تھا۔ اس رسالے کے ایڈیٹر مشہور رد نصاریٰ مولینا عبدالحلیم شرر تھے۔ جو ایک مشہور افسانہ نگار بھی تھے۔ اُن کی ایک تصنیف فلورا فلورنڈہ رد نصاریٰ کی بے مثال تصنیف اور شاہکار ہے۔

(۲۸) نورالاسلام
شہر سیالکوٹ سے شائع ہوتا ہے۔ مہینہ میں دو مرتبہ نکلتا ہے۔ اس رسالہ کا مقصد رد نصاریٰ کرنا اور اسلام کی حقانیت ظاہر کرنا ہے۔ چنانچہ اس کا یہ مقصد اس کے ٹائٹل پر لکھا ہوا ہے۔ یہ رسالہ ۱۹۰۰ء سے جاری ہوا۔

(۲۹) منشور محمدی
یہ اخبار عشرہ وار اردو میں بنگلور سے مولوی شریف کے اہتمام میں نکلتا تھا۔ اور انہی کے پریس مجرالاسلام میں چھپتا تھا یہ اخبار ۱۸۷۱ء مطابق ۱۲۸۸ھ سے جاری ہوا۔ اور ۱۸۸۴ء میں پندرہ سال عرصہ میں بند ہو گیا۔ اس اخبار کے ٹائٹل کی پیشانی پر یہ رباعی لکھی ہوئی ہے۔

منشور رسولاں ہمہ محتاج بخاتم
باخاتم و مہر آمدہ منشور محمد

توریت بلا توریت انجیل و تنجیل
گوپال صفت و سیرت میر محمد

اور اسی پیشانی کے نیچے لکھا ہوا ہے۔ یہ اخبار عشرہ وار بمضامین تردید مذہب عیسوی چھپتا ہے۔ یہ حقیقت ہے۔ اس اخبار نے بڑی خستہ حالی میں عیسائیوں کے رد میں اپنے آپ کو کمربستہ کیا۔ اس نے شہنشاہیت کے بالک مشنریوں کے چھکے چھڑائے۔ اس کے مضامین عیسائی دنیا میں تہلکہ مچاتے ڈالے ہوتے تھے۔ یہ اسی کا کام تھا کہ اس نے جہلاء کو عیسائیت کی رو میں پھنسنے سے بچایا۔ اس کے اڈیٹر مرزا موحد اس اخبار کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس نے بہت سی وہ کتابیں جن کے مصنف غربت کی وجہ سے چھاپ

نہیں سکتے تھے۔ اپنے ہاں قسط وار شائع کیں۔ اور ان کو محفوظ کر دیا۔ نیز اس کے مضامین بھی مدلل اور محققانہ ہوتے تھے۔ اگر ان کو چھاپا جائے تو خاصی ایک ایک کتاب ایک ایک مضمون کی بن سکتی ہے۔ ایسے مضامین ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

صیانۃ الایمان ۔ بترجم القرآن الٰہی ۔ سترجمہا اھل الشرک والطیقال طقیالہ ۔

رابرٹس ری ٹن سس نامی انگریز نے سب سے پہلے متولی خانقاہ کلکتی جرمن کی استدعا پر اور ہرمائی نس ڈالماٹم ولندز ۱۱۴۳ء کو قرآن مجید کا لاطینی ترجمہ کیا یہ ۱۵۴۳ء بال میں چھاپا گیا۔ اس کے ساتھ قرآن مجید کی تردید بھی شائع کی گئی۔ اس ترجمہ کے خلاف ہفتول مذکورہ عنوان کے ماتحت جوابات لکھے گئے۔

زینبؓ و زیدؓ اور حضورؐ کا معاملہ

۲۳ ستمبر ۱۸۹۶ء کے نورافشاں نمبر ۳۸ - جلد ۱۴ میں آنحضرت کی شان میں گستاخیاں کیں۔ اور زید و زینب زوجہ محترمہ کے سلسلہ میں جھوٹات بکی گئیں۔ اس مضمون کا جواب "زید و زینب اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ" کے عنوان کے ماتحت قسط وار کافی ہفتہ شائع ہوا ہے۔ ۳۶ صفحہ پر چھپی ہے۔ تنویر الالفاظ لصاحب وجیہ الایمان۔ ایک پادری نے لدھیانہ کے پریس میں ایک رسالہ حضور کی نبوت کے ابطال میں نکالا تھا۔ اس کے جواب میں مولینا محمد غفور نے مندرجہ بالا عنوان کے ماتحت جواب دیا۔ یہ جواب بھی اگر چھپے تو ایک رسالہ بن سکتا ہے۔

دفع الا لیطی فی تحقیق لفارقلیط

ایک پادری نے اپنے مضمون میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ فارقلیط سے حضرت عیسیٰؑ مراد ہیں اس پر مذکورہ عنوان کے ماتحت قسط وار مضمون شائع ہوا ہے۔

ازالۃ الاوہام ترجمہ واقع الاقسام

مولانا نور محمد مہتمم مدرسہ حقانی لدھیانہ نے مولانا رحمت اللہ علیہ کتاب کا جو ۱۲۶۹ھ فارسی زبان میں شائع ہو چکی تھی ترجمہ کیا ہے۔ اسکو منشور محمدی نے قسط وار چھاپا تھا۔ اس ترجمہ کا نام مترجم موصوف نے دافع الاقسام رکھا تھا۔

جواب شمہ از لٹھ

منشی عنایت اللہ مسیحی پرپو عیسوی نے ایک پرچہ مطبع بپٹسٹ مشن پریس کلکتہ میں شائع کر کے تقسیم کیا۔ جس کا عنوان تھا "شمہ از لٹھ عیسوی" جس کا جواب عبدالعظیم صاحب نے دیا ہے جو کافی طویل مضمون ہے۔

اثبات نبوت آنحضرتؐ میں خلیل الرحمٰن عیسائی سے گفتگو

۱۲ اگست ۱۸۸۶ء سے ۵ اگست تک خلیل الرحمن عیسائی سے گفتگو۔ اثبات نبوت جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان پر مولوی تفضل حسین نے جو بحث کی اور اس بحث کے نتیجہ میں خلیل الرحمان عیسائی مسلمان ہوا۔ وہ بحث بھی بڑی دلچسپ اور معلومات و دلائل سے پر ہے وہ منشور محمدی میں بالاقساط شائع ہوئی تھی۔

ریویو رسالہ عدم ضرورت قرآن

یہ ریویو جو بہت طویل ہے پادری ٹھاکر داس صاحب کی کتاب پر ہے جس نے قرآن مجید کے بارے میں اپنی کتاب میں یہ ثابت کیا ہے کہ انجیل کی موجودگی میں قرآن کی ضرورت نہیں تھی۔ منشور محمدی میں اس پر ۱۵ ر جمادی الاول سے بالاقساط لکھنا شروع کیا۔ اور ۱۵ ر شوال ۱۳۰۵ھ میں ختم ہوا۔

جواب نورافشاں نمبر ۴۵، ۴۹، جلد ۱۲

اخبار نورافشاں نمبر ۴۵، ۴۹، جلد ۱۲ میں مسٹر ڈبلیو محی الدین نے ایک مضمون تمام مذاہب آدی اور کانشینس کے حقوق درج کیا تھا۔ جس میں انہوں نے مذہب اسلام پر گستاخانہ حملے کئے تھے

اور باوجود ادعائے تہذیب کے تہذیب کے باہر قدم رکھا تھا جس کا جواب منشور محمدی نے دندان شکن دیا۔ دس بارہ قسطوں میں یہ مضمون ختم ہوا جب یہ اخبار بند ہوا ہے تو مسلمانوں کے تمام اخباروں نے اسکا افسوس کیا۔ اور خاص طور پر مناظرین کے طبقہ میں اس کا ماتم کیا گیا۔ چنانچہ علامہ عبدالحق حقانی نے اس اخبار کے بند ہوتے ہی حسب ذیل توجہ نما اپیل شائع کی کہ رؤسا کو اس کی امداد کرنی چاہئے۔ اس اپیل کا اقتباس یہ ہے۔

"یہ ایک دینی اخبار ایک فرض کفایہ کو ادا کر رہا تھا اسی نے اس پر آشوب زمانہ میں اس سچے اسلام کے آفتاب کے سامنے سے (جس نے فاران کی چوٹیوں پر طلوع ہو کر تمام عالم کو ظلمات سے نجات دی تھی) مخالفین کے شکوک و شبہات کے گرد و غبار کو ہٹا رہا تھا مخالفین اسلام کے بیشمار دینی اخبار کا سینہ سپر ہو کر مقابلہ کر رہا تھا۔ تقریباً چودہ پندرہ برس تک یہ شمع روشن رہی مگر جب مسلمانوں نے اپنی امداد و ہمت تو کیا اس کے واجب الادا روپیہ کا اس کے سر پر فانوس رکھا تو حوادث و دہر کی باد صرصر سے یہ مشعل ٹمٹما کر گل ہو گئی۔ جس سے دشمنان اسلام کا دل ٹھنڈا ہوا۔ اور سچے مسلمانوں کے دل پر غم کا شعلہ بھڑکنے لگا۔

کہاں ہیں وہ مخیران اسلام جو ہر ایک کار خیر میں سبقت فرما کر سعادت دارین حاصل کیا کرتے ہیں ان کو اس شمع ہدایت کے دوبارہ روشن کرنے سے اور کونسا کار خیر اہم بالشان دکھائی دیتا ہے۔ جو ادھر توجہ نہیں فرماتے۔ عیسائیوں کی ہمت کی طرف نظر کرو کہ ان کے ایسے پرچے ہندستان کی مختلف رسالوں میں کتنے نکلتے ہیں۔ جنہیں صرف مذہب عیسوی کی تائید اور دیگر مذاہب اور خصوصاً اسلام کا رد بھرا ہوتا ہے۔ جاگو۔ خواب خرگوش سے باز آؤ اپنے دینی کاموں خصوصاً اخبار منشور محمدی کے اجراء میں دامے، درمے، قدمے کوتاہی نہ کرو۔

حسن — یہ رسالہ حیدر آباد۔ دکن ۱۸۸۹ء میں جاری ہوا۔ یہ ماہنامہ مطبع حسن ہی میں چھپتا ہے۔ اس کے ایڈیٹر بھی محمد حسن ہیں۔ اس کے صفحات اسی ہوتے ہیں۔ اس میں علمی اور تاریخی مضامین اور رد نصاری پر مضمون شائع ہوتے ہیں۔ اس کی جلد چہارم نمبر ۷ ماہ جولائی ۱۸۹۱ء میں ایک محققانہ مضمون "واعظان مسیحی کی ناکامیاں" کے عنوان ایک غیر مسیحی کی قلم سے شائع ہوا ہے۔ جس میں مسیحی تبلیغ پر تبصرہ کرتے ہوئے مشورہ دیا ہے کہ مشرقی ممالک میں آپ اپنے مقصد میں ناکام ہوئے ہیں یہاں اپنا مشن اور تبلیغ کو ختم کر دو۔

مواعظ حسنہ اور خیر المواعظ کا دوسرا دور — سید مولانا عبداللہ دہلوی ایڈیٹر رسالہ خیر المواعظ یکم صفر ۱۳۰۹ھ میں اپنے اخبار کی اجراء کی وجہ حسب ذیل الفاظ میں فرماتے ہیں۔ جس میں ان دونوں اخباروں کی حیثیت ظاہر ہو جاتی ہے۔ عرصہ چند مدت کا گذرا کہ دہلی میں پادری صاحبان کی طرف سے ایک پرچہ مواعظ عقبیٰ اسلام کے رد کے لئے نکلا۔ جس کے جواب میں مسلمانوں کی طرف سے الطاف حسین نے پرچہ مواعظ حسنہ اور مولانا ہاشم نے پرچہ خیر المواعظ بھی ماہانہ جاری کیا تھا۔ پادری صاحبان نے مقابلہ نہیں کیا۔ اور سکوت و خاموشی اختیار کی تو مولوی الطاف حسین نے مواعظ حسنہ بند کر دیا۔ لیکن مولانا ہاشم پرچہ خیر المواعظ میں پادری عماد الدین کی کتاب :۔ تحقیق الایمان کا جواب ایک مدت تک لکھتے رہے۔ لیکن اب چند روز سے دہلی میں عیسائیوں کی طرف سے پھر چھیڑ چھاڑ ہونے لگی ہے۔ جس کا جواب دینا ضروری ہے۔ ان کے جواب میں اور شبہ کے بر خلاف عیسائیوں کے جواب میں یہ رسالہ خیر المواعظ جاری کرتے ہیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ ۲۴ صفحے پر نکلتا تھا۔ سائز ۲۰×۳۰ تھا مطبع اکمل المطابع میں زیر نگرانی محی الدین صاحب کی چھپتا تھا۔ اس کے پہلے پرچہ میں بحث اثبات نبوت حضرت محمد رسول اللہ ہیں۔ اور ان اعتراضات کا جواب ہے جو کتاب میزان الحق اور رسالہ ثبوت دلائل نبوت، اور رسالہ تحقیق الایمان میں کئے گئے ہیں۔

(رسالہ خیر المواعظ دہلی ص ۳)

(۳۰) نسیم آگرہ — یہ ہفتہ وار اخبار۔ آگرہ سے نکلتا ہے۔ پرانا اخبار ۱۸۵۵ء سے نکلتا تھا۔ اپنی روش پر قائم رہا۔ کبھی بدلا نہیں۔ رد نصاری میں نام پیدا کیا۔ اور آگرہ کے مشنریوں کے لئے عذاب جان بنا۔

(۳۱) نور الانوار — ۱۸۹۵ء میں نکلتا تھا۔ اس قدر معقول تھا کہ تمام اخبارات تقریباً اس کے دلچسپ تاریخی مذہبی اور رد نصاری کے مضامین نقل کرتے تھے کانپور سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۶ صفحات پر نکلتا تھا۔

(۳۲) قیصر اخبار یہ رامپور سے ہفتہ میں ایک بار نکلتا تھا۔ قیصر پریس میں چھپتا تھا۔ مشنریوں کی خوب خبر لیتا تھا۔ اور ان کو بیکار محض ثابت کرتا تھا مسلمانوں کو مشورہ دیتا تھا۔ بار بار اسی پر زور دیتا تھا۔ کہ اپنی لڑکیوں کو مشنری سکولوں میں مت داخل کرو۔ یتیم خانہ اپنے بناؤ۔ تاکہ یتیموں پر عیسائی قبضہ نہ کر سکیں۔

(۳۳) برق خاطف بمبئی سے ۱۸۶۶ء میں زیر ادارت مولوی مظفر حسین جاری ہوا۔ یہ اخبار ہفتہ وار ہے۔ یہ رد نصاریٰ کرنیوالے عالموں کا حامی اور مشنریوں کا مخالف ہے چنانچہ اس نے مولانا ابو المنصور کی رد نصاریٰ کی خدمات کا ذکر ان الفاظوں میں کیا ہے۔ "مولوی ابو المنصور مناظرین کا ذکر پیشتر اخبار میں کیا جا چکا ہے۔ یہ مولانا موصوف وہ ہستی ہیں جنہوں نے مہینوں تک الہ آباد میں رہ کر عام اعلان کیا کہ کوئی عیسائی عالم میرے سوالوں کا ایسا جواب دے گا جو کہ عام پسند ہو اس کو نی سوال دس روپے دوں گا اس اعلان کے بعد پادریوں نے مناظرہ کرنے کا رخ تک نہیں کیا۔ پادری ڈیوڈ جب مولانا سے مناظرہ کرنے آئے تو دو روز کے بعد پادری صاحب نے فرمایا کہ میں سال بھر اسی طرح آپ کے پاس حاضر ہو سکتا ہوں۔ (۲۲ ستمبر ۱۸۶۹ء)

(۳۴) مفید الانام یہ اخبار ۱۸۶۵ء میں جاری ہوا۔ یہ ہفتہ وار ہے جمعہ تک یہ نکلتا ہے۔ اسکا سائز $\frac{20 \times 30}{8}$ ہے۔ یہ اخبار بھی رد نصاریٰ کے لئے جاری ہوا ہے۔ چنانچہ اپنے اخبار مورخہ ۱۶ ستمبر ۱۸۶۶ء جلد نمبر ۱ نمبر ۳۶ میں ان عیسائیوں کا تذکرہ ہے۔ جو دولت اسلام سے مستفید ہوتے ہیں۔

(۱) بلدیو سج حوالیڈر مسیح کا داماد ہے اور فتح گڑھ کے گرجا کی خدمت میں سرفراز تھا جامع مسجد چوک میں بعد نماز جمعہ مسلمان ہوا۔ اس کا نام عبدالعزیز رکھا گیا۔

(۲) عبداللہ پسر مراد علی صاحب عیسائی عرف مولوی عبداللہ واعظ عیسائی اپنے باپ کی حیات بلدیو سج کے مسلمان ہونے کے چند روز بعد مسلمان ہو گیا۔ اب وہ روزانہ بلاناغہ عیسائیت کی تردید سر بازار کرتا ہے۔

(۳) دلاور خاں جو مع زن و بچہ مشن فتح گڑھ میں عیسائی ہوا تھا۔ اور ایک مدت دراز تک پادری صاحب کی تربیت میں رہا اور مشن کی خدمتوں میں ممتاز وہ بھی مسلمان ہو گیا۔

(۴) فضل علی ٹیکہ لگانے والا ڈاکٹر اکبر آبادی جو فتح گڑھ میں ڈاکٹر سکاٹ کے پاس بہت عزت کے ساتھ عیسائی ہوا تھا۔ وہ عیسائی مذہب کو ترک کر کے مسلمان ہو گیا ہے۔

اخبارات رد نصاریٰ اسی طرح کوہ نور ۱۸۶۰ء میں سید نادر علی شاہ سلیقی کی اڈیٹری میں اور سلیف بمبئی ۱۸۷۵ء میں اور لوح محفوظ مراد آبادی ۱۸۷۰ء میں مولوی مہدی حسن کی اڈیٹری میں اور روزگار مدراس ۱۸۷۶ء میں جاری ہوئے۔ یہ سبکے سب رد نصاریٰ کے مضامین شائع کرتے تھے۔ اور اسی غرض کیلئے نکلے تھے۔

(۳۹) اخبار انجمن پنجاب یہ اخبار ہفتہ وار ہے اور ۱۸۶۵ء شائع ہونا شروع ہوا ہے۔ اس میں زیادہ تر مضامین بیوہ عورتوں کی شادی کے حمایت کے اور رد نصاریٰ میں ہیں۔ اس میں تاریخی ادبی علمی مضامین شائع ہوتے ہیں اور بھی غیر ممالک اور ہندوستان کی دیکھاتی ہیں۔

(۴۰) راجپوتانہ یہ اخبار ہفتہ ۱۸۶۴ء سے جاری ہوا۔ اس کے قابل و لائق اور مناظرہ واعظ اڈیٹر مولینا محمد علی مراد ہیں۔ یہ بڑی تقطیع پر نکلتا ہے۔ اس اخبار میں ۱۸۷۶ء میں دو تبدیلیاں ہوئیں ایک اڈیٹر وزیر علی صاحب مقرر ہوئے اور یہ اخبار ناگری اور اردو میں علیحدہ علیحدہ شائع ہونے لگے (ناظر الاخبار یکم مارچ ۱۸۶۶ء)

(۴۱) خیر خواہ عالم یہ رسالہ دہلی سے ماہانہ نکلتا ہے۔ پرانا اخبار ہے جو ۱۸۶۱ء میں سے نکلنا شروع ہوا تھا۔ اس کے اڈیٹر مولوی امیر حسن صاحب ہیں۔ چھ روپے سالانہ چندہ ہے۔ اس میں رد نصاریٰ کے علماء کے حالات جو [illegible]

اور مضامین اور خاص طور پر ریاستوں کی خبریں نکلتی ہیں۔

(۴۲) روہیل کھنڈ اخبار بریلی سے ناگری میں ہفتہ وار نکلتا ہے۔ اس کے اڈیٹر منشی عبدالعزیز ہیں جنکو صحافت نگاری کا اچھا تجربہ ہے۔ یہ اخبار ۱۸۶۵ء میں جاری ہوا۔

(۴۳) آگرہ اخبار یہ پرچہ ہفتہ وار ہے۔ اس کے ایڈیٹر خواجہ صدیق حسین صاحب مولوی خواجہ یوسف علی پروفیسر عربی آگرہ اور مالک آگرہ اخبار کے تیسرے فرزند ہیں۔ مولوی صاحب موصوف اکبرآباد کے ایک مشہور بزرگ اور مشرقی علوم کے عالم تھے صدہا گریجویٹ جن میں بڑے بڑے عہدہ دار انگریز شامل ہیں انکے شاگرد ہیں ۱۸۶۸ء میں آپنے آگرہ اخبار جاری کیا۔ اور سرسید احمد خاں کے جواب میں رسالہ تیرہویں صدی میں جاری کیا جن میں مشہور سخن طرازوں اور مشہور و مقبول انشاپردازوں کی مضامین شائع ہوتے تھے ۱۸۹۷ء میں مولانا فوت ہو گئے۔ اس وقت سے ان کے صاحبزادہ خواجہ صاحب موصوف آگرہ اخبار کے اڈیٹر اور مطبع کے مالک ہیں۔ یہ اخبار ۱۸۷۱ء میں جاری کیا۔ لکھائی چھپائی اور مجموعی حیثیت سے بہت اچھی ہے۔ اس اخبار کا تخیل یہ ہے کہ انگریزی پڑھنے سے نوجوان بہت سے لاپرواہ ہو جاتے ہیں۔ اسی تخیل کے مطابق اس اخبار میں مضامین چھپتے ہیں اور دعاری کیا جاتا ہے

(۴۴) میو گزٹ، اخبار نوبہار میو گزٹ ۱۸۶۲ء میں جاری ہوا۔ اور اخبار نوبہار ملتان سے ۱۸۷۲ء میں شائع کیا۔ دونوں پرچے ہفتہ وار ہیں۔ اور بڑے سائز پر نکلتے ہیں۔ (عین الیقین ص۴۰)

(۴۵) چشمہ علم یہ اخبار مدراس سے نکلتا ہے۔ اور ہفتہ وار ہے۔ بڑی تقطیع پر شائع ہوتا ہے۔ اس میں عیسائیوں کے مسلمان ہونے کی خبریں برابر شائع ہوتی ہیں۔ یہ مولانا شرف الحق کا بہت مداح ہے۔ ان کے علمی کارناموں اور ردعاری کی انتھک کوششوں پر روشنی ڈالتا ہے۔

(۴۶) کارنامہ ہند یہ اخبار سوہنہ ضلع گوجرانوالہ سے نکلتا ہے۔ اس کے قابل و لائق اور واعظ و مناظر اڈیٹر خواجہ محمد ہاشم تھے ۱۸۶۶ء میں اخبار نکلا تھا۔

(۴۷) ریاض الاخبار یہ اخبار گورکھپور سے نکلتا تھا۔ اس کے سرورق ٹائیٹل پر لکھا رہتا ہے۔ ریاض الاخبار میمنت اساس۔ یہ اخبار ہفتہ وار تھا۔ چھوٹی تقطیع پر سولہ صفحات پر نکلتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر، فارسی، و عربی اور ماہر حضرت ریاض تھے

(۴۸) جامع الاخبار مدراس سے نکلتا تھا دوشنبہ کو شائع ہوتا تھا۔ اس کے صفحات سولہ ہوتے تھے۔ ہر صفحہ دو کالم کا ہوتا تھا۔ اس کے اڈیٹر مولوی رحمت اللہ تھے۔

(۴۹) احسان الاخبار یہ اخبار ہفتہ وار تھا۔ بریلی سے نکلتا تھا۔ بڑی تقطیع پر، اڈیٹر کا نام مولوی احسان محمد ہیں۔ جو بریلی کے مشہور ادیب اور مورخ ہیں۔ (دتاسی)

(۵۰) مظہر العجائب یہ اخبار اردو میں رڑکی سے نکلتا تھا۔ یہ ہفتہ میں ایک مرتبہ شائع ہوتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر مولانا نجف علی خاں تھے۔ جو رڑکی میں قابل عزت سمجھے جاتے تھے۔

(۵۱) مطلع خورشید اور مجمع البحرین اس کے ایڈیٹر محمد شفیع صاحب تھے جن کا ذاتی پریس انکے نام پر تھا اس میں یہ اخبار مطلع خورشید چھپتا تھا کراچی سے شائع ہوتا تھا۔ مجمع البحرین لدھیانہ سے نکلتا تھا۔ اور اس کے اڈیٹر محمد ناصر خاں اور مالک محمد شاہ تھے جو نپور سے نسیم جونپور شائع ہوتا تھا۔ اس کے اڈیٹر سید منظر الدین واعظ و مناظر تھے۔

(۵۲) اخبار حیدری، اخبار حسینی دونوں اردو کے اخبار میں پہلے کے ایڈیٹر مرزا علی حسینی حیدری تھے۔ اور دوسرے کے مولوی سید حسین علی تھے۔ جو دہلی کالج کے پروفیسر تھے۔ اور جنہوں نے الف لیلہ کا ترجمہ کیا ہے۔

(۵۵) جام جمشید یہ اخبار قاضی جنید علی کی اڈیٹری میں ہفتہ وار مراد آباد سے نکلتا ہے۔ آپ مراد آباد کے سید ہیں۔ جن کا نسب حضرت امام رضا علیہ السلام سے ملتا ہے۔ آپ کے مورث اعلیٰ مولانا محمد صالح بادشاہ عالمگیر کے اتالیق تھے جن کو سلطان نے پرگنہ حسن پور ضلع مراد آباد میں سات آٹھ مواضع دے رکھے۔ جاگیر کا رقبہ ایک لاکھ بیگھے کے قریب تھا بغاوت کے الزام میں ۱۸۵۷ء میں گورنمنٹ نے ضبط کرلیا

(۵۶) ذوالقرنین یہ اخبار ہفتہ وار بدایوں سے مولوی نظام الدین حسین کے ادارت میں نکلتا تھا۔ اس میں رد نصاریٰ پر دلچسپ اور معلومات سے پر مضامین شائع ہوتے تھے۔ اور دیگر مضامین نئے طرز اور انوکھی روش کے لکھے جاتے تھے۔
(تاج التواریخ)

(۵۷) سرمہ روزگار یہ اخبار سید عزت حسین رضوی کے اہتمام سے آگرہ سے ہر ہفتہ نکلتا تھا۔ مضامین کا انتخاب اور اسپرفاضلانہ نوٹس اڈیٹر کی قابلیت۔ لیاقت کا مظاہرہ کرتے تھے۔

(۵۸) مخبر دکن یہ اخبار سید عبدالقادر کی ڈیٹری کی ہر مہینہ مدراس سے شائع ہوتا ہے۔ اس کا لٹریچر بڑے پایہ کا ہوتا ہے۔ بڑے قابلانہ آرٹیکل اس کے قابل و فاضل اڈیٹر ہر عنوان پر لکھتے ہیں۔ اچھے مناظر ہیں

(۵۹) ہمدرد یہ اردو کا رسالہ تین ماہ کے بعد شیخ جمال احمد کی اڈیٹری میں شائع ہوتا ہے۔ یہ پرچہ مسلمانوں کے قومی ہمدردی میں شائع کیا گیا تھا۔ اس میں ممتاز اہل قلم کے مضامین چھپتے تھے۔ جو...... قوم اور قومی امور سے دلچسپی رکھتے تھے۔

(۶۰) وطن یہ اخبار لاہور سے ہفتہ وار مولوی انشاء اللہ خاں نے جاری کیا تھا۔ آپ ہی اس کے اڈیٹر ہیں۔ آپ کے آبا و اجداد شیخ صدیقی تھے عہد ہمایوں میں ہندوستان آئے اکثر بزرگ اسی خاندان ہی میں اتالیقی کی خدمت پر مامور تھے آپ مولوی انعام اللہ ڈسٹرکٹ انسپکٹر ضلع گوجرانوالہ کے خلف اکبر ہیں ولادت ۱۷ اپریل ۱۸۷۰ء میں ہوئی ۱۸۹۵ء سے لیکر آخر ۱۹۰۰ء تک وکیل اخبار کے اڈیٹر رہے۔ اس کے بعد اخبار وطن شائع کیا۔ جو کثیر اشاعت اور مقبول پرچہ تھا (تاج التواریخ)

(۶۱) رسالہ انجمن نعمانیہ لاہور یہ ماہوار رسالہ انجمن نعمانیہ لاہور کی جانب سے نکلتا تھا اور انوار محمد پریس لاہور میں چھپتا تھا ۱۸۹۱ء میں جاری ہوا۔ اس رسالہ میں علاوہ مدرسہ کی رپورٹ کے پادریوں کے رسالے کتابوں مضامین، اور اعتراضات کے جوابات بھی مدلل شائع ہوتے تھے۔ چنانچہ جلد دوم ۔۔۔۔ کے صفحہ ۱۰۳ تا ۱۹۱ تک لارڈ بشپ لاہور کے مضمون مسیح معصوم کا جواب جو مولوی شفیق الرحمان نے دیا چھاپا ہے۔ اسی طرح اس رسالہ کی جلد دہم ۱۹۰۰ء میں اعجاز قرآن، مولوی ابوالفیض کا ایک عالمانہ مضمون ہے۔ جس میں قرآن مجید کی خوبیاں بیان کی گئیں ہیں۔ اس کے اور رسالوں میں اسلام کی حقیقت، نبوت، ضرورت علم ادب، علماء اسلام کے فرائض جیسے عنوانات پر مضامین شائع ہوتے تھے۔

(۶۲) رفیق ہند یہ اخبار ہفتہ وار ہے۔ جو منشی محرم علی صاحب چشتی کی اڈیٹری میں لاہور سے شائع ہوتا تھا چشتی صاحب پنجاب کے باثر علماء میں سے تھے جن کی زندگی کا تمام وقت قوم کی خدمت میں گذرا تھا۔ اسی وجہ سے یہ اخبار پنجاب میں خاص شہرت کا مالک تھا۔ اور تثلیث، عیسیٰ ابن عبداللہ کے عقائد کی مدلل تردید کرتا تھا۔ تحریف انجیل پر بھی اس میں مضامین شائع ہوتے تھے۔

رسالہ عصمت دہلی استادی مصور غم حضرت علامہ راشد الخیری ۱۸۶۹ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے جد اعلیٰ مولانا ابوالخیر خیر اللہ صاحب شاہجہاں کے زمانہ میں عرب سے دہلی آئے تھے۔ اور اسی وجہ سے وہ اپنے نام کے ساتھ خیری کا لفظ لکھا کرتے تھے اور سارا خاندان بھی خیری لکھتا تھا۔ ان کے پردادا مولوی عبدالخالق صاحب تھے۔ جس کا ذکر سر سید احمد خاں صاحب نے اپنی مشہور کتاب آثار الصنادید میں لکھا ہے۔ (منادی، فروری ۱۹۳۶ء)

"مولانا راشد الخیری صاحب شمس العلماء مولانا نذیر احمد مرحوم کی بیوی کے سگے بھتیجے تھے۔ مولانا لڑکپن کے زمانہ میں ہی سایہ پدری سے

محروم ہو گئے تھے۔ مولانا اس وقت دہلی کے عربی سکول میں تعلیم پاتے تھے۔ باپ کے سایہ اٹھنے پر مولانا کے چچا جو اوری ضلع جالون میں ڈپٹی کلکٹر تھے۔ یتیم بھتیجے کو اپنے ساتھ لے گئے۔ اور گورنمنٹ سکول میں داخل کر دیا۔ شفیق چچی نے باپ کا غم بھلا دیا اور مولانا ہمیشہ آپ کی شفقت اور محبت یاد کرتے تھے ضلع جالون سے ضلع اناؤ میں تبادلہ ہوا تو مولانا ساتھ آئے اور یہاں بندوبست میں انگریزی دفتر میں معقول تنخواہ پر ملازم ہو گئے اور یہیں مولانا نے اپنی پہلی تصنیف صالحات کی ابتدا اور تکمیل کی۔ اللہ تعالیٰ نے مولانا کو ملازمت کے لئے پیدا نہیں کیا تھا۔ دہلی میں شیخ عبدالقادر صاحب بیرسٹری پاس کر کے آئے اور رسالہ مخزن بھی دہلی لے آئے۔ مولانا اس رسالہ کے جوائنٹ ایڈیٹر اور پھر ایڈیٹر ہو گئے۔ اور شیخ صاحب مخزن مولانا کے حوالہ کر کے لاہور تشریف لے گئے۔ مولانا کو مخزن سے خاص لگاؤ نہ تھا ان کے سامنے عیسائی مشنریوں کے میموں کی حرکتیں تھیں۔ وہ معصوم اور بھولی بھالی عورتوں کو عورتوں کی آزادی کے نام پر اور پرشے کو لعنت بنا کر مذہب سے برگشتہ کرنے کی کوششوں میں معروف تھیں۔ جب کچھ لڑکیاں ان کے پھندے میں پھنس گئیں تو مولانا نے ایک مدرسہ "تربیت گاہ بنات" کی بنیاد ڈالی۔ چنانچہ آپنے رسالہ عصمت کو اپنے سعادت مند صاحبزادے رازق الخیری کے سپرد کر دیا جس نے رسالہ کو چار چاند لگائے۔ یہ رسالہ بھی مولانا نے مشنری عورتوں کے قریب سے مسلمان لڑکیوں کو بچانے کیلئے نکالا تھا۔

عورتوں کی اصلاح کرنے اور تعلیم نسواں پر زور دینے کے لئے آپکے بزرگ شمس العلماء مولانا نذیر احمد نے "مراۃ العروس" "بنات النعش" وغیرہ تصنیف فرما کر زمانہ قوم کی مستورات کی تعمیر کی بنیاد رکھی۔ مذکورہ کتابوں کے بعد ملک اور قوم کو مفید تصانیف کی از حد ضرورت تھی جس کو علامہ راشد الخیری نے پورا کیا۔

شب زندگی، شام زندگی، صبح زندگی اور طوفان حیات جیسی معرکۃ الآرا تصانیف اور عروس کربلا جیسے دلچسپ ناول۔ سیدہ کا لال اور آمنہ کا لال جیسی عام میلاد النبی اور شہادت کی کتابیں لکھیں۔ آپکے مفید اور اصلاحی کتابوں کی تعداد ستر تک پہنچتی ہے۔

آج خواتین ہند کو آپ کی جواہر ریز تصنیفات پر ناز ہے وہ مطمئن ہیں کہ سالہا سال یہ کتابیں آئندہ اور موجودہ نسلوں کی اصلاح کے لئے کافی ہیں چنانچہ ان کتابوں کے پڑھنے کے بعد بہت سے خاندان تباہ ہونے سے بچے۔ بہت سے میاں اور بیویوں کے تعلقات خوشگوار بنے اور بیوی میاں کی ضد میں اس کتاب کی طرز تحریر نے ختم کیں۔ ان کتابوں کا اثر یہ ہے کہ بڑے سے بڑا سنگدل انسان انکو پڑھنے کے بعد آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ کتابیں ماں باپ اپنی بچیوں کے پڑھانے کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ اور تقریباً یہ کتابیں ہر گھر میں نظر آئینگی۔ اور ہر عورت کے زبان پر ان کتابوں کے افراد کا ذکر پایا جائیگا۔

استاذی مولانا علیہ الرحمۃ نے ۳ر فروری ۱۹۳۶ء کو میرے والد ماجد مولانا شرف الحق کے وفات کے بعد انتقال فرمایا۔ ایک صدمہ کے بعد دوسرا صدمہ ایک سرپرست کے بعد دوسرے سرپرست کا اٹھنا بہت شاق ہوا۔

ہندوستان بھر میں مولانا کے وفات پر ماتم کیا گیا۔ ہر اخبار نے آپکا نوحہ لکھا۔ شاعروں نے نظم کی صورت میں مرثیئے لکھے۔ شاعروں نے جہاں نظمیں لکھیں وہاں نسوانی دنیا کی شعر و شاعری کی دنیا میں کھلبلی مچی چنانچہ خواتین دہلی کے ماتمی جلسے منعقدہ ۱۲ر فروری ۱۹۳۶ء محترمہ رابعہ صاحبہ نے یہ دردانگیز نظم سنائی۔ جس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

یا الٰہی یہ کیسی خبر! ٹکڑے ہو گئے قلب و جگر
راشد الخیری دریغا حسرتا ہو گئے رخصت سوئے دار البقا
لٹ گئی باغ وطن کی پھر بہار ہو گیا تاریک صحن لالہ زار
پھر چمن پر آ گیا دورِ خزاں ہو گیا برباد ویراں گلستاں
آہ خالی ہو گئی بزم سخن! غم سے ہیں بیتاب اہل علم و فن
درد میں ڈوبا ہوا تھا جس کا ہر کلام سود سے لبریز تھا جس کا پیام

مجاہدین رد نصاریٰ کے حالاتِ زندگی

۱ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی
۲ مولانا آل حسن صاحب
۳ مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی
۴ ڈاکٹر وزیر خانصاحب اکبرآبادی
۵ مولانا شرف الحق صاحب صدیقی
۶ مولانا محمد علی صاحب مونگیری
۷ مولانا ابوالمنصور صاحب دہلوی
۸ مولانا ابوالقاسم صاحب نانوتوی
۹ سرسید احمد صاحب مرحوم
۱۰ شمس العلماء مولانا الطاف حسین صاحب حالی
۱۱ علامہ سید امیر حسن صاحب
۱۲ مولانا سید عبدالباری صاحب
۱۳ مولانا محمد علی صاحب تحصیلدار
۱۴ مولانا عبدالحلیم صاحب شرر
۱۵ مولوی حکیم محمد حسن صاحب
۱۶ مولوی حافظ ولی اللہ صاحب
۱۷ مولوی حکیم عبدالرشید صاحب
۱۸ سید محمد حامد علی صاحب
۱۹ مولوی فقیر محمد صاحب جہلمی
۲۰ مولانا عبدالوہاب صاحب
۲۱ مولانا عنایت رسول صاحب
۲۲ مولوی امان علی احمد آبادی
۲۳ مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب
۲۴ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب

متفرق

۲۵ مولوی اکرام اللہ اکبرآبادی
۲۶ محمد جہانگیر خانصاحب ”
۲۷ مولوی نواب مرزا اکبرآبادی
۲۸ مولوی سید محمد صاحب
۲۹ مولانا سید محمد موئید الدین صاحب
۳۰ مولانا مظفر علی صاحب
۳۱ ڈاکٹر محمد نفیس صاحب
۳۲ چودھری مولا بخش صاحب
۳۳ مولوی سلیم اللہ صاحب
۳۴ مولانا غلام نبی امرتسری
۳۵ مولوی عبیداللہ صاحب
۳۶ مولوی محمد علی مرادآبادی
۳۷ مولوی محمد فیروزالدین صاحب
۳۸ مولوی محمد شاہ لکھنوی
۳۹ مولوی غلام دستگیر قصوری
۴۰ مولانا احمدالدین لاہوری
۴۱ مولانا احمد علی صاحب
۴۲ حکیم مرزا مغل بیگ صاحب
۴۳ خواجہ عبدالعزیز محدث لکھنوی
۴۴ حاجی مولوی محمد یوسف راندیری
۴۵ مولوی اشرف علی سلطانپوری
۴۶ مولوی رحم الٰہی منگلوری
۴۷ مولوی سید احمد حسین
۴۸ مولوی محمد غوث گورکھپوری
مولوی شیخ احمد صاحب

مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رح

آپ کی ولادت ۱۱۵۹ھ میں دہلی کے اندر ہوئی آپ کا نسب نامہ چوبیس واسطوں سے جناب خلیفہ دوم حضرت فاروق اعظم جناب عمر ابن الخطاب تک سلسلہ وار پہنچتا ہے۔ رسم زمانہ کے موافق آپ کے والد ماجد نے اول قرآن شریف کی تعلیم شروع کرائی۔ چونکہ قدرت نے ازل سے ہی آپ کو بلا کا ذہین اور طباع پیدا کیا تھا۔ بہت تھوڑے عرصہ میں کلام الٰہی کی تعلیم سے فارغ ہو گئے۔

آپ نے اپنے والد شاہ ولی اللہ جیسے مقدس اور متبحر عالم و فاضل متبع شریعت کے آغوش میں پرورش و تعلیم پائی۔ آپ کی تعلیم کیلئے کوئی خاص انتظام نہ تھا۔ آپ کی کم عمری کے لحاظ سے اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جس وقت جناب مولانا مدرسہ سے فارغ ہو کر گھر پر تشریف لاتے تو نہایت فرط محبت سے اپنے لخت جگر کو آغوش میں بٹھا کر دینی مسائل بتایا کرتے تھے۔ چونکہ آپ نہایت ذکی اور فہیم اور زود فہم تھے جو کچھ پدر بزرگوار سے سنتے تھے سب یاد کر لیا کرتے تھے۔ جب آپ کو کچھ شرعی احکام اور مسائل اس طرح معلوم ہوئے تب شاہ صاحب نے آپ کی باقاعدہ تعلیم شروع کی۔ اور خلفاء میں سے ایک ذہین و عقیل نکتہ رس شخص انتخاب کر کے صاحبزادے کو اس کے سپرد کر دیا۔ تھوڑے عرصہ میں جملہ کتب فقہ و اصول و منطق کلام و عقائد وغیرہ کے ماہر ہو گئے۔ جب آپ مختلف علوم میں بخوبی کامیابی حاصل کر چکے۔ تب اپنے والد بزرگوار کی درسگاہ میں تشریف لیجانے لگے۔ روزمرہ آپ کا یہی شعار رہا کہ نماز صبح سے فارغ ہو کر درسگاہ میں تشریف لیجاتے۔ اور دیگر طلباء کے ساتھ حدیث کا سبق لیا کرتے تھے۔ جب آپ نے والد بزرگوار سے سند علمیہ حاصل کر لی۔ تب درس و تدریس کی طرف شوق پیدا ہوا۔ اکثر طلباء کو آپ پڑھایا کرتے تھے۔ والد ماجد کی موجودگی میں یہ جرأت نہیں کرتے تھے۔ لیکن ان کے انتقال کے بعد مجبوری آپ کو پدر بزرگوار کی درسگاہ کو آباد کرنا پڑا۔ آپ عبرانی زبان بھی جانتے تھے جو آپ نے ایک عبرانی عالم سے پڑھی۔ چنانچہ شاہ صاحب نے اپنے ملفوظات میں خود ہی لکھا ہے۔[1] "فاضلے از اکابر علماء از تحقیق توریت بلسان عبرانی می کردم"

جس روز آپ نے پدر بزرگوار جناب شاہ ولی اللہ صاحب کے انتقال کے بعد طلباء کی خدمت کا بیڑہ اٹھایا۔ دیگر امور کے انجام دہی کی بہت کم فرصت ملتی تھی۔ دن کا بہت کم حصہ فتاویٰ اور وعظ وغیرہ کے لئے مقرر تھا۔ ملاقاتیوں سے ملاقات کا کم موقع ملتا تھا۔ آپ کی علمیت کا بھی سکہ آپ کے والد ماجد کی طرح دنیائے اسلام نے مان لیا تھا۔ بیرونجات کے اکثر علماء فخریہ آپ کے شاگردوں میں داخل ہوئے۔ کسی مخالف مذہب والے کو جرأت نہ تھی کہ آپ کے سامنے کسی قسم کی چون و چرا کر سکے یا کسی عقلی و نقلی دلائل پر لب کشائی کرے۔ آپ کی حاضر جوابی کا سکہ تمام مخالفین کی دلوں پر بیٹھا ہوا تھا۔ آپ کا سحر بیان ایسا مؤثر تھا کہ ہر مخالف و موافق سر تسلیم خم کر دیتا تھا۔

ہمیشہ آپ متمول اور مالدار لوگوں سے متنفر رہے۔ کبھی ان کی صحبت کو اپنے لئے مفید نہ سمجھا۔ بلکہ جہاں تک ہو سکا ان سے اجتناب کیا۔ اکثر اوقات آپ کی مجلس میں متمول اصحاب زیادہ شامل ہوتے تھے۔ مگر آپ سوائے معمولی بات کے جو ضروری معاملات سے متعلق ہو کوئی اور بات نہیں کرتے تھے۔

صرف آپ کا ایک یہی کام تھا اپنے والد ماجد شاہ ولی اللہ صاحب کی جماعت کو منظم کر کے۔ اس کے اصول و مقاصد کو پھیلا —

شاہ ولی اللہ نے ۵ رمئی ۱۷۳۱ء کو جو جماعت بنائی۔ اس کا نام جمعیۃ مرکزیہ یعنی سنٹرل کمیٹی تھا اور اس کے مقاصد یہ تھے[2]

---

[1] ملفوظات عزیزیہ ۲۷ - [2] نیا ہند الہ آباد اکتوبر ۱۹۴۶ء

(۱) خدا پرستی (۲) انصاف (۳) تربیت نفس (۴) ضبط نفس۔

اس جماعت کی بہت سی شاخیں قائم کی گئیں۔ ان شاخوں میں نجیب آباد کا مدرسہ، بریلی میں شاہ علم اللہ کا تکیہ، اور سندھ کے شہر ٹھٹھ میں مُلا محمد معین کا مدرسہ خاص تھا۔ ان شاخوں کے ذریعہ سارے ملک میں شاہ ولی اللہ کے خیالات کی تبلیغ ہوئی تھی۔ شاہ صاحب نے خاص پیروکار مولینا محمد عاشق پھلتی و مولینا نور اللہ بڑھانوی اور مولینا محمد امین کشمیری سے تبلیغ کی ذمہ داری خود لے رکھی تھی۔ کچھ مسلمانوں نے یہ اعتراض اٹھایا کہ جب سکھ اور مرہٹے مسلمان حکومت پر حملہ کر رہے ہیں۔ اور انہوں نے ایک مذہبی جنگ چھیڑ رکھی ہے۔ اس وقت حکمران کے مخالفت کہاں تک درست ہے۔ اس اعتراض کا جواب شاہ صاحب نے یہ دیا — کوئی بھی حکومت صرف اس لئے اسلامی حکومت نہیں ہو جاتی کہ اس کا بادشاہ مسلمان ہے۔ اس کے خلاف انصاف کے سہارے چلنے والی کوئی ایسی حکومت بھی مسلمانی حکومت ہو سکتی ہے جس کا بادشاہ مسلمان نہ ہو۔ آہستہ آہستہ یہ نظام اس قدر مضبوط ہو گیا تھا۔ مولینا عبید اللہ سندھی کے لفظوں میں کہ شاہ صاحب کی اس جماعت نے باقاعدہ ایک عارضی حکومت قائم کر لی تھی۔ اس وقت شاہ صاحب کے شاگردوں نے حکومت سے جنگ کرنے کی تلقین کی۔ تو شاہ صاحب نے منع فرمایا اور سمجھایا کہ جس طرح حضرت محمدؐ نے تیرہ سال تک عدم تشدد پر عمل کیا اسی طرح ہمیں خاموش رہ کر اپنی تنظیم کو مضبوط کرنا چاہیئے۔ اس احتیاط کے باوجود حاکم وقت نجف علی خاں نے آپ کو طرح طرح کی اذیتیں دیں۔ شاہ صاحب کے پہنچے اتروا لئے۔ دونوں بیٹوں کو — شاہ عبد القادر اور شاہ عبد العزیز کو جلاوطن کیا۔

اس جماعت کے عملی اصول جس کو وہ چلانا چاہتے تھے تین تھے۔

پہلا یہ کہ وہ ہندوستان کو ایشیا کا ایک طاقتور ملک بنانا چاہتے تھے۔ ان کی رائے میں یہ جب ہی بن سکتا تھا جب یہ پورا ملک کسی ایک حکومت کے ماتحت ہو۔ انہوں نے اپنی کتاب بدور بازغہ میں لکھا ہے۔ کہ ملک میں چھوٹے چھوٹے خود مختار راجے کیوں نہ ہوں لیکن ان کا ایک فیڈریشن ہونا چاہیئے جس سے کسی بھی مسئلے پر پورے ہندوستان کا فائدہ و نقصان نگاہ میں رکھکر غور کیا جا سکے فیڈریشن کے لئے انہوں نے ارتفاق لفظ استعمال کیا ہے۔ انہیں اکبر کے زمانہ کا ہندوستان اچھا لگتا تھا۔ لیکن ان کا منشا اکبری سامراج کو پھر سے زندہ کرنا نہیں تھا۔ وہ سارے ملک میں ایک الٰہی جمہوری حکومت چاہتے تھے جس میں چھوٹے بڑے امیر غریب سب برابر حصہ لے سکیں۔

دوسرے وہ تمام ہندوستان کے لئے ایک ہی قسم کا قانون چاہتے تھے جس کی پابندی ہر مذہب کے لوگ کر سکیں۔ انہوں نے ایک جگہ لکھا ہے اس کو نکاح کی مثال سے سمجھنا آسان ہوگا۔ نکاح کی رسم کا مطلب صرف یہ ہے۔ کہ سماج کو ایک عورت اور ایک مرد کے درمیان شوہر اور بیوی کا تعلق پیدا ہو جانے کا پتہ چل جائے۔ یا کسی قاضی کے سامنے رسم پوری کیجائے۔ نکاح کا مقصد دونوں ہی طرح سے پورا ہو جاتا ہے۔ راج کو صرف اس کی پابندی سے مطلب ہے۔ رسموں سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

تیسری بات جس پر انہوں نے زیادہ زور دیا ہے۔ یہ تھی کہ جسم کے مزدور پیشہ اور کاریگر لوگوں کو ان کے صحیح حق دلائے جائیں اور ان پر کم سے کم بوجھ رکھا جائے۔ وہ ایسی حکومت کے حامی تھے۔ جس میں کبھی بھی آدمی کو اپنی زندگی کی ضروریات کے لئے محتاج نہ رہنا پڑے۔ انہوں نے اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے۔ الغرض انسانوں کی اجتماعی زندگی کے لئے اقتصادی توازن ایک ضروری بات ہے۔ ہر انسانی جماعت کو ایک ایسے اقتصادی نظام کی ضرورت ہوتی ہے جو لوگوں کی زندگی کی سب ضرورتوں کا کفیل ہو۔ جب لوگوں کی اقتصادی ضرورتوں سے اطمینان نصیب ہوتا ہے: تو پھر کہیں وہ اپنے خالی وقت میں جو ان کے مابین کسب معاش کے بعد بچ جاتا ہے۔ زندگی کے ان شعبوں کی ترقی اور تہذیب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو انسانیت کے اصلی جوہر ہیں۔

سو سال پہلے جب کمیونسٹ مینوفسٹو وجود میں بھی نہیں آیا تھا اور نہ کارل مارکس ہی پیدا ہوا تھا۔ اور نہ سوشلزم کی تحریک چلی تھی۔ جمعیۃ مرکزیہ کے بانی نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں ان خیالات کا اظہار کر کے اپنی جماعت کی بنیاد رکھی تھی۔

اگر کسی قوم میں دولت کی لگاتار ترقی جاری رہے تو اس کی صنعت و حرفت اعلیٰ کمال پر پہنچ جاتی اس کے بعد اگر حکومت کرنے والی جماعت آرام و آرائش اور زینت و تفاخر کی زندگی کو اپنا معمول بنالے تو یہ بوجھ قوم کے کاریگر طبقات پر اتنا پڑ جائیگا کہ سوسائٹی کا بڑا حصہ حیوانوں جیسی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوگا۔ انسانیت کے اجتماعی اخلاق اس وقت برباد ہو جاتے ہیں جب کسی جبر سے ان کو اقتصادی تنگی پر مجبور کر دیا جائے۔ ایسے لوگ گدھوں اور بیلوں کی طرح صرف روٹی کمانے کے لئے کام کریں گے۔ اور جب انسان پر ایسی مصیبت آتی ہے تو خدا انسانیت کو اس خصلت سے نجات دلانے کے لئے کوئی راستہ ضرور اختیار کرتا ہے۔ یعنی ضروری ہے کہ قدرت الٰہیہ انقلاب کے سامان پیدا کرکے قوم کے سر سے اس غلط حکومت کا بوجھ اتار دے۔

جلا وطنی کی مدت ختم کرنے کے بعد شاہ صاحب پھر دہلی آئے یہاں مسلمانوں کی اخلاقی حالت بہت گری ہوئی تھی۔ نااہل لوگ پیری مریدی کے ذریعہ لوٹ رہے تھے۔ دہلی میں انگریزی ریذیڈنٹ کا راج تھا جو من مانی کارروائی کرتا تھا۔ بادشاہ انتہائی کمزور ہو چکا تھا۔ کمپنی لوگوں پر ظلم کرتی تھی۔ لاکھوں مظلوم انسان ان کی ہوس پرستی کا شکار ہوتے تھے۔ تمام ریاستوں کا انگریزی حکومت کی طرف جھکاؤ تھا۔ خوشامدی ٹٹو بنے ہوئے تھے۔ یہ حالت ناقابل برداشت تھی عمل کا وقت تھا شاہ صاحب نے اپنا فرض پورا کیا اور جہاں جہاں اسلامی شعار کی بے حرمتی ہو رہی تھی اُن اُن مقامات کو دار الحرب قرار دیا۔ اس کا مقصد یہ تھا وہاں کے رہنے والے مسلمان یا حکومت کے خلاف تلوار اٹھائیں یا ہجرت کریں۔ شاہ صاحب نے یہ صرف زبانی حکم ہی نہیں دیا۔ بلکہ انقلابی فوج بنانے کی تیاری کی۔ ایک بورڈ کی تشکیل ہوئی۔ جس کے صدر شاہ صاحب کے شاگرد رشید حضرت مولینا سید احمد بریلوی اور قائم مقام شاہ صاحب کے بھتیجے شاہ اسمٰعیل اور شاہ صاحب کے داماد مولینا عبدالحی بنائے گئے اس بورڈ نے ولی اللہی تحریک کے اغراض و مقاصد بیان کرنے کے لئے ملک کا دورہ کیا اور فوج کی بھرتی کے لئے لوگوں کو آمادہ کیا۔ چونکہ یہ بزرگان دین خود علم جہاد لیکر نکلے تھے۔ جوق درجوق فوج کی بھرتی ہوئی۔ سپاہ ان حضرات کے مرید ہو جاتے تھے اور ان کے ہاتھ پر جان دینے کی بیعت کر لیتے تھے۔ گشت لگاتے لگاتے یہ بورڈ رامپور پہنچا۔ سید احمد کو اطلاع ملی کہ سکھ انگریزوں سے مل کر مسلمانوں پر ظلم توڑ رہے ہیں۔ سید صاحب سکھوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ نتیجہ ظاہر تھا جنگ ہوئی اور اسی جنگ میں مولینا سید احمد شہید ہوئے۔ جماعت بد دل ہو کر منتشر ہو گئی۔ اسی سال ۱۸۲۴ء میں شاہ عبدالعزیز صاحب کا بھی انتقال ہو گیا۔ شاہ عبدالعزیز نے شاہ اسحاق صاحب کو اپنا جانشین بنایا۔ جو تیسرے امام اس جماعت کے کہے جاتے ہیں[1]۔

آپ نے اپنی عمر کا تمام حصہ تعلیم و تلقین و تربیت کتب میں صرف فرماتا تھا۔ آپ کے علم کے فیض کا ڈنکا تمام اسلامی دنیا میں بج رہا ہے۔ آپ کے شاگردوں میں مولانا شاہ رفیع الدین حقیقی برادر خورد۔ شاہ محمد اسحاق صاحب حقیقی نواسہ مفتی صدرالدین۔ مولانا رشید الدین خانصاحب دہلوی۔ حضرت مولینا شاہ غلام علی صاحب۔ مولینا مخصوص اللہ۔ فرزند شاہ رفیع الدین صاحب اور آپ کے حقیقی بھتیجے مولوی عبدالحی صاحب اور مولوی فضل حق صاحب خیر آبادی۔ مولانا حسن علیصاحب لکھنوی۔ مولانا حسین احمد صاحب ملیح آبادی وغیرہ ہیں۔

آپ کا علم و فضل و تبحر مسلم تھا۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ جو شخص عالم و فاضل و متبحر ہو وہ ذہین و فطین و حاضر جواب بھی ہو مگر آپ میں یہ خوبیاں بدرجہ اتم بیک وقت موجود تھیں۔

دہلی کے باہر شادی کی تقریب میں مولینا کی دعوت تھی۔ دو گاڑیاں کرایہ کی منگا کر تشریف فرما ہوئے ایک گاڑی میں سید حسن علی عرف شاہ جی صاحب اور حضرت مولینا صاحب سوار تھے اور دوسری گاڑی میں بڑے بڑے فاضل بے بدل چنانچہ اس میں

---

[1] نیا ہند الہ آباد اکتوبر ۱۹۴۷ء (۳۲۷)

ایک مولنا حیدر علی رامپوری بھی تھے ۔ اس گاڑی کا گاڑیبان ہندو تھا۔ اس نے ان چار فاضلوں سے سوال کیا۔ کہ حضرت فرمایئے توخدا ہندو ہے یا مسلمان کیوں کہ ہندو اس کو ہندو کہتے ہیں اور مسلمان اس کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ لیکن صحیح حال نہیں معلوم ہوتا ان فاضلوں نے کہا۔ ارے بے وقوف یہ کیا کہتا ہے۔ خاموش ہو تجھ کو ان باتوں سے کیا کام۔ یہ گفتگو کہیں مولانا صاحب نے سُنی فرمایا وہ تو اچھی بات پوچھتا ہے اس کو جواب دینا چاہیئے۔ نہ کہ جھڑکنا۔ پھر گاڑیبان نے کہا مولانا صاحب آپ ہی بتادیجئے۔ یہ سن کر مولنا اپنی گاڑی سے اُتر کر اس گاڑی میں تشریف لائے اور اس گاڑیبان سے فرمایا کہ بھائی خدا مسلمان ہے۔ اس کی دلیل ہم سے سُنو کہ تمہارے ہاں گائے کا پاپ کیسا برا ہے۔ گاڑی بان نے کہا کہ ہمارے یہاں اس سے برا کوئی کام نہیں۔ تب مولوی صاحب نے فرمایا۔ دیکھو خدا ہندو ہوتا تو گائے کا پاپ نہ ہونے دیتا۔ یعنی گائے کا ذبح ہونا اور مرنا بالکل موقوف کردیتا۔ بس اب اس سے معلوم ہوا کہ وہ مسلمان ہے۔ یہ سن کر وہ گاڑیبان بہت خوش ہوا۔

مولینا شاہ عبدالعزیز کے زمانے میں انگریز نئے نئے آئے تھے۔ ہندو مسلمانوں میں ان کا خوف بے حد و بے انتہا طاری تھا۔ عیسائی نصرانیت کا پروپیگنڈا اور تبلیغ کرنے میں بے لگام تھے۔ کسی کو جرأت نہ تھی کہ وہ فرنگیوں کے سامنے کچھ بول سکے چنانچہ مولینا موصوف کا ہی جگرہ تھا۔ کہ وہ منہ توڑ جواب دیتے تھے اور ان کے باص عقائد کی بیخ کنی کرتے تھے۔ تاریخی اعتبار سے انگریز فرنگ کے مہمل اعتراضات کا مدلل و معقول جواب دینے والے مولنا موصوف ہی ہیں۔ فرنگیوں کے حاکمانہ دور میں انہوں نے ہی عیسائیوں سے بے باکانہ طریقے سے مناظرہ کیا۔ اور ان کے حاکمانہ رعب و دبدبہ سے مرعوب نہیں ہوئے چنانچہ ہم مناظروں کا تذکرہ آپ کے ہی نام نامی سے شروع کرنے کا شرف حاصل کرتے ہیں اور وہ مناظرے و مقابلے جو مولنا موصوف سے پادریوں اور عیسائیوں سے ہوئے ہیں ان کو بیان کرتے ہیں۔ جو اپنی نظیر آپ ہیں۔

دو ہزار روپے پادری سے جیتنا

مسٹر مٹکف گورنر کے پاس ایک پادری دہلی میں مولنا سے مباحثہ کرنے آیا۔ گورنر نے کہا یہ مولوی بڑا فاضل ہے۔ تم اس سے کبھی نہ جیت سکو گے۔ اس نے کہا کہ میں ضرور لاجواب کردوں گا گورنر نے کہا کہ اچھا شرط مقرر کرو۔ جو شخص دونوں میں ہار جائیگا اس سے دو ہزار روپے لئے جائیں گے اگر مولوی صاحب ہار گئے تو میں اس کی طرف سے دوں گا۔ کیوں کہ وہ تو فقیر ہیں اور پادری کو حضرت مولنا کی خدمت میں لایا۔ اور سب حال بیان کیا۔ بعدہٗ پادری نے کہا۔ ہم سوال کرتے ہیں اور جواب اس کا معقول چاہتے ہیں۔ منقول نہ ہو۔ جب یہ بات ٹھہر گئی تو پادری نے سوال کیا کہ تمہارے پیغمبر حبیب اللہ ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ پادری نے کہا تمہارے پیغمبر صاحب نے بوقت قتل حضرت امام حسین علیہ السلام فریاد نہ کی حالانکہ حبیب کا محبوب زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ خدا ضرور اپنے محبوب کی سنتا۔ مولنا صاحب نے فرمایا کہ ہمارے پیغمبر صاحب فریاد کے لئے تشریف لے گئے تو خدا نے فرمایا کہ تمہارے نواسہ پر اشقیا نے ظلم کر کے شہید کرڈالا لیکن اس وقت ہم کو اپنے بیٹے عیسیٰ کا سلیب پر چڑھنا یاد آرہا ہے۔ یہ سن کر ہمارے پیغمبر صاحب خاموش ہوگئے کہ واقعی اکلوتے بیٹے سے بڑھ کر میرے نواسے نہیں ہوسکتے جب بیٹے کی مدد خدا نے نہیں کی۔ تو میرے نواسے کی کیوں کرے گا۔ پادری قائل ہوا۔ اور دو ہزار روپے شرط کے ادا کئے

دہلی کے عیسائی ریذیڈنٹ کو دندان شکن جواب

سٹین ریذیڈنٹ دہلی مولینا کی ملاقات کو آیا عندالتذکرہ بیان کیا کہ ایک بات پوچھتا ہوں کوئی اسکا جواب نہیں دیتا کہ مثلاً ایک مسافر راستہ چلتے چلتے بھول گیا۔ اور راہ میں ایک شخص سوتا اور ایک بیٹھا ہے تو یہ راہ گم کردہ راستہ کس سے پوچھے۔ مولانا نے فرمایا راستہ تو چلنے کے واسطے ہے نہ بیٹھنے کے واسطے۔ اس تیسرے شخص کو لازم ہے کہ وہ بھی بیٹھے۔ جب وہ سونے والا جاگے تو دونوں راستہ پوچھکر چلے جائیں۔ یہ جواب سن کر ریذیڈنٹ بہت خوش ہوا کیونکہ اس کی مراد بیٹھے ہوئے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام

اور سوتے ہوئے سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم تھے[۲]

ایک فرنگی اپنے خانساماں سے کہا کرتا تھا۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام خدائے تعالے کے بیٹے ہیں اور یہ بات بہت آشکارا ہے مگر تم مسلمانوں کو اس کا اعتقاد نہیں ہے بلکہ انکار کرتے ہیں۔ وہ خانساماں غریب بے علم مسلمان سن کر چپ ہو جاتا تھا۔ کیونکہ کوئی جواب معقول نہیں دے سکتا تھا۔ ایک روز مولینا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کیا کہ ایک انگریز اس طرح کہتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم اس سے کہو کہ مجھے تو علم نہیں جو تم سے بحث کروں ہاں اتنا جانتا ہوں کہ ہمارے محاورے میں تین قسم کا بیٹا ہوتا ہے پوت، سپوت، کپوت۔ پوت وہ ہے جو کمالات میں باپ کے ہمسر ہو اور سپوت وہ ہے جو کمالات میں باپ سے بڑھکر ہو اور کپوت وہ ہے جو ابتر ہو۔ کہ باپ اس کا ناراض رہے۔ اب بتاؤ کہ تمہارے اعتقاد کے مطابق عیسیٰ کس قسم کے بیٹے ہیں اگر پوت ہیں تو بتاؤ کہ خدائے تعالے نے تو یہ زمین و آسمان اور چاند و سورج پیدا کئے ہیں۔ عیسیٰ کے پیدا کئے ہوئے چاند اور سورج کہاں ہیں اور جو سپوت ہیں تو یہ دکھاؤ کہ خدا نے تو ایک چاند اور ایک سورج پیدا کیا ہے انہوں نے دو دو یا تین تین پیدا کئے ہوں گے۔ تو دکھاؤ کہاں ہیں۔ اگر کپوت ہیں تو ہم ان سے راضی نہیں۔ کیونکہ خود خدائے تعالیٰ اس کا جب خوش نہ ہو تو ہم کس طرح ان کو مانیں۔ اس خانساماں نے چند روز کے بعد جب اس فرنگی نے پھر سوال کیا تو اس کو یہ جواب دیا سن کر چکرا گیا اور نہایت شرمندہ ہوا۔ کہ ایک جاہل خانساماں نے خاموش کر دیا۔

مولانا شاہ عبد العزیز صاحب کی خدمت میں ایک انگریز آیا اور سوال کیا کہ جناب ہماری قوم کے سو دو سو آدمی کسی جگہ پر جمع ہوتے ہیں تو سب ایک رنگ کے سرخ و سفید ہوتے ہیں۔ برخلاف آپ لوگوں کے کہ ہر ایک نئی طرح رنگ کا۔ کوئی کالا۔ کوئی گورا ہوتا ہے۔ اس کا کیا سبب ہے۔ مولانا نے فرمایا ایک طرح کا ہونا کوئی بزرگی اور فخر کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ سو گدھوں کو ایک جگہ جمع کیجئے تو سب ایک ہی رنگ کے جمع ہوں گے۔ برخلاف گھوڑوں کے کوئی کمیت، کوئی سرنگ، کوئی سبزہ، کوئی نقرہ کوئی سمند ہوتا ہے۔ اور ان کی خوبیاں بھی مختلف ہی ہوتی ہیں طاقت و جواں مردی، دلیری و ملک گیری۔ یہ کمال گدھوں میں کہاں ہیں۔ یہ جواب انگریز سن کر بہت شرمندہ ہوا کہ خوب گدھے بنے۔

تصنیفات

تفسیر فتح العزیز۔ اس تفسیر کی دو جلدیں ہیں۔ اول جلد میں الحمد شریف سے لے کر سیقول کے ربع پارہ تک کی تفسیر ہے دوسری جلد میں سورۂ ملک سے آخر قرآن مجید تک پچھلے دو پاروں کی تفسیر ہے۔

تحفہ اثنا عشریہ۔ اس کتاب میں اہل تشیع کے عقائد باطلہ کی قلعی کھولی گئی ہے۔ آج تک علماء شیعہ اس کا جواب نہ دے سکے۔

بستان المحدثین۔ اس کتاب میں تمام کتب حدیث اور اس کے مصنفین و مؤلفین کے مشرح حالات درج ہیں۔

سر الشہادتین:۔ یہ کتاب عربی زبان میں ہے۔ اس میں تمام کربلا کے دردانگیز واقعات کا بیان ہے

میزان البلاغۃ:۔ یہ کتاب علم بلاغت میں ہے۔ اس میں دریا کو کوزہ میں بھر اگیا ہے۔

ملفوظات شاہ عبد العزیز:۔ اس میں آپ کے ملفوظات ہیں۔ جس کو آپ کے ایک مرید نے جمع کیا ہے[۱]۔ آپ کا انتقال ۱۲۳۹ھ ساتویں شوال صبح یکشنبہ کو واقع ہوا۔ ایک قطعہ تاریخ جس کے چند اشعار یہ ہیں۔ حکیم مومن خاں مومن نے کہا ہے[۲]

انتخاب نسخہ دیں مولوی عبد العزیز	بے عدیل و بے نظیر و بے مثال و بے مثل
جانب ملک عدم تشریف فرما کیوں ہوئے	آگیا تھا کیا کہیں مردوں کے ایماں میں خلل
دست بیداد اجل سے بے سر و پا ہو گئے	فقر و دیں، فضل و ہنر، لطف و کرم، علم و عمل - ۱۲۳۹ھ

---

[۱] حکایات صالحات از عبد اللہ نقشبندی ۳۶۴ ۔ [۲] تذکرہ عزیزیہ

امام فن مناظرہ مولانا رحمت اللہ مرحوم

مولانا محلہ دربار کلاں قصبہ کیرانہ ضلع مظفر نگر میں رہتے تھے۔ کیرانہ قدیم مردم خیز خطہ ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ کے جد اعلیٰ شیخ عبدالرحمٰن گازرونی تھے جو سلطان محمد غزنوی کے ساتھ ہندوستان آئے اور پانی پت میں مقیم ہوئے وفات بھی وہیں ہوئی زیر قلعہ مدفون ہوئے۔ چند پشت کے بعد اسی خاندان میں کبیر الاولیاء حضرت مخدوم جلال الدین پیدا ہوئے۔ ان کے صاحبزادے کا نام عبدالکریم عرف شیخ بنا تھا۔ وہ کتاب خلاصہ تنانی کے مؤلف تھے۔ اکبر بادشاہ کے مقرب تھے ان کا خطاب شاہی شیخ الزماں تھا ان کا مقبرہ پانی پت میں بھی ہے۔ شیخ صاحب کے فرزند کلاں مقرب خاں تھے۔ جن کو جہانگیر کے دربار میں رسائی تھی۔ بمبئی کے صوبیدار بنائے گئے تھے۔ انہوں نے دانشمندی اور حکمت عملی سے سات جہاز جو سال ہا سال سے غرق تھے۔ سمندر سے برآمد کئے۔ علاوہ ان چیزوں کے ان جہازوں میں۔ ستون کسوٹی بھی تھا۔ جب برآمدگی اشیاء کی اطلاع جہانگیر کو ہوئی تو اس نے تمام سامان ان کو دیدیا۔ اس کے بعد مقرب خاں نے اپنے رہنے کے لئے مکان بنوایا۔ جس میں دو تالاب پختہ بنوائے۔ تالاب کے وسط میں ایک بنگلہ تعمیر کیا۔ اس پر چبوترہ بنوا کر ستون کسوٹی لگوائی۔ ایک گھڑی بنوائی۔ دکھن سے بیج منگوا کر پانچ باغ لگائے۔ سولہویں جلوس میں جہانگیر کیرانہ آیا۔ چنانچہ تزک جہانگیری میں جہانگیر لکھتا ہے۔ مخلص و عمدہ محب علی الخصوص یار وفادار مقرب خاں ملتجی تھا کہ میں اس کے ہاں آؤں۔ میں نے اس گھر کو قدوم میمنت لزوم سے رشک کے قابل بنا دیا۔ اور اس خیر خواہ قدیم کو اسباب قیمتی جواہرات، تین لاکھ روپے ایک باغ اور ایک وسیع مکان دیا۔ بہادر شاہ کے عہد تک یہ اشیاء بہادر شاہ تک مقرب خاں کے قبضہ میں رہیں۔ لیکن ۱۲۷۲ھ کو انگریزوں نے اس کو اپنی ضرورت کے واسطے نیلام کر دیا۔ یہ جگہ محلہ نواب زادہ کے نام سے پکاری جاتی ہے۔

ایک معتبر راوی بیان کرتا ہے کہ ایک روز جہانگیر بادشاہ سے کسی نے کہدیا کہ مقرب خاں کے پاس ایک شے ایسی ہے جو حضور کے پاس بھی نہیں ہے دریافت کیا وہ کیا چیز ہے۔ عرض کیا کہ "ستون کسوٹی"، حکم ہوا لکھو کہ "حضور کی خدمت میں بھیجدو"، مقرب خاں کے وکیل نے اسی وقت اطلاع دی۔ مقرب خاں نے ستون مذکورہ اپنے مکان سے اکھڑوا کر راتوں رات پانی پت کی خانقاہ میں لگوا دی۔ تیسرے روز فرمان شاہی آیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ آپ کا فرمان آنے سے قبل کسوٹی خانقاہ کے لئے بھیجدی ہے۔ اگر حکم ہو تو وہاں سے اکھڑوا کر بھیجدوں۔ فرمان آیا۔ ضرورت نہیں ہے۔ کسوٹی جلدی میں لگ گئی تھی۔ اس لئے اس پر کچھ لکھوا نہیں سکے تھے۔ مقرب خاں کے صاحبزادے رزق اللہ نے اس پر ذیل تاریخی کتبہ لگوایا۔

بمظہر نور جمالست و جلال	ہمچوں علیٰ مردہ بخشندہ داں
بوعلی چوں بوعلی سینا ش کرد	زاں سبب گیست آں رسطوئے عرفاں
تا بنا فرمود ایواں چوں خلد	ہر ستوں سنگ محک در زیر آں
از خرد جستے غبار سال	چوں طلائی کیمیا کرد عیاں
سال و تاریخ ابنائش درحساب	سد بو الاجاہ رزق اللہ خاں
	۱۵۲۳

لہ تذکرہ اولیاء جلد دوم

جو مسجد سرخ خانقاہ میں موجود ہے وہ بھی رزق اللہ نے تعمیر کرائی ہے۔ اور اس میں سرمایہ رزق اللہ خاں ہی کا لگا ہے انہوں نے کسی سے چندہ وغیرہ نہیں لیا۔

جہانگیر کے دربار کا یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ ایک تاجر ایک انگوٹھی دربار میں لایا۔ اس نے جہانگیر کو دکھائی۔ کوئی شناخت نہ کر سکا کہ کیا بھید ہے۔ ہر ایک یہی سمجھتا تھا کہ سالم انگوٹھی ہے۔ مقرب خاں نے دیکھکر عرض کی کہ پانی میں ڈالی جائے۔ پانی میں ڈالی گئی تو آویزہ کا رنگ متغیر ہوگیا۔ ثابت ہوا کہ وہ مصری سفید سے تراشی گئی تھی۔

برادر دوئم دیوان عبد الرحیم پسر شیخ حسنا کا مسکان محلہ نواب زادہ میں ہے پچاس برس سے وہی اس کا کرایہ بحکم شاہجہاں لیتے ہیں اور دیوان خانہ نامزد عدل گڑھ میں ہے۔ جس کو عوام ناول گڑھ کہتے ہیں۔ اپنی زندگی میں انہوں نے مکان اور دیوان شیخ حسینی اور اللہ دیا کو دے کر۔ اپنے رہنے کے لئے دوسرا مکان بنوایا۔ اور نام اس کا دربار کلاں رکھا۔ اور شیخ فضل پسر سوئم کے ساتھ اس میں سکونت اختیار کی۔ کچھ عرصہ بعد شیخ فضل مصاحبان درگاہ شاہی میں رہنے لگے چنانچہ۔
مسجع مہر یہ تھا ؏ فضل شد بدل و جان غلام شاہجہاں۔

شیخ عبد الرحیم معروف شیخ قطب الدین کے خلف شیخ حبیب اللہ تھے حبیب اللہ کے فرزند نجیب اللہ اور نجیب اللہ کے صاحبزادے خلیل اللہ اور خلیل اللہ کے بیٹے مولانا رحمت اللہ تھے۔ مولانا جمادی الاول ۱۲۳۳ھ کو پیدا ہوئے آپ کی ولادت سے قبل مولانا رحمت اللہ کی ہمشیرہ نے یہ خواب دیکھا۔ کہ تیرے ہاں مثل چاند کے ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ جس کی روشنی عالم میں پھیلے گی۔

آغاز طفولیت میں صلاحیت کا اظہار ہونے لگا تھا۔ مولانا رحمت اللہ نے بارہ برس کی عمر میں فارسی کی درسی کتابیں پڑھلی تھیں۔ اور علوم حاصل کرنے کے لئے اپنے خالہ زاد بھائی شیخ فریدین سکنہ قصبہ تھروی ضلع مظفر نگر اور مولوی احمد علی کیرانوی کے ہمراہ شاہجہاں آباد گئے تھے۔ مدرسہ مولوی حیات میں مقیم ہوئے۔ اور مولانا حیات سے تعلیم حاصل کرنی شروع کردی سنہ ۱۲۵۰ھ میں آپ کے والد ماجد نے راجہ ہندو راؤ بہادر کے ہاں منشی گیری پر ملازم ہوئے۔ اور تزولین گنج بیرون لاہوری دروازہ جانب غرب متصل پہاڑی دھرج مقیم ہوئے۔ جب مولانا کے والد ماجد یہاں آگئے تو آپ انہیں کے ساتھ رہنے لگے۔ دن میں مدرسہ مولانا حیات میں تعلیم پاتے تھے اور رات کو اکبر نامہ راجہ موصوف کو سناتے تھے اور والد کا ہاتھ بٹانے کے لئے خطوط نویسی کی ذمہ داری خود لے لی۔ اس کو خوبی ولیاقت کے ساتھ انجام دیا۔ تو راجہ موصوف نے ان کی بھی تنخواہ مقرر کردی۔ چند ماہ کے بعد راجہ نے مولنٰنا کے والد کو موقوف کر دیا مگر مولنٰنا کو اپنے پاس خطوط نویسی کے لئے رکھا۔ جلد جواب نہیں دیا۔ تین چار ماہ بعد ان کو بھی موقوف کر دیا۔

ملازمت سے علیحدگی کے بعد آپ نے لکھنؤ کی شہرت سنی تو علم کے حصول کیلئے چند طلباء کے ساتھ لکھنؤ روانہ ہوگئے۔ وہاں آپ نے مفتی سعد اللہ صاحب سے مسلم الثبوت میر زاہد پڑھی۔ اس کے بعد کیرانہ اپنے وطن چلے آئے۔

مولانا محمد حیات جن کا تذکرہ سرسید مرحوم نے لکھا ہے۔ ان سے اور مفتی سعد اللہ سے ابتدائی تعلیم پائی اور حسب ذیل حضرات سے بقایا کتب کا درس لیا اور تلمذ کی عزت حاصل کی۔

(۱) مولانا علی احمد صاحب ساکن ضلع مظفر نگر جو آخر میں ریاست ٹپیالہ میں وزیر ہو گئے تھے۔
(۲) مولٰنا حافظ عبد الرحمن چشتی جو علاوہ فاضل بے بدل ہونے کے صاحب دل اور صاحب عمل بزرگ تھے۔ [۱]

---

[۱] تذکرۃ الاولیا جلد دوم

حضرت مولنا رحمت اللہ کے استاد عارف باللہ حضرت مولنا شاہ عبدالرحمن صاحب چشتی استاد شاہ وقت تھے جو تمام علوم پڑھاتے تھے۔ حضرت مولنا رحمت اللہ کے ہم سبق تلامذہ میں مولینا عبدالرحمن پنجابی اور مولنا سید محمد علی صاحب بھی تھے۔ جو اپنے وقت کے فاضل اور صاحب فیض بزرگ مانے جاتے تھے

حضرت مولنا شاہ عبدالرحمن چشتی کے استاد مولنا محمد حیات تھے جو علوم ظاہری و باطنی اور علوم شریعت وطریقت کے جامع بزرگ گذرے ہیں یہ دونوں استاد شاگرد زبدۃ الاولیا حضرت شاہ سلیمان صاحب تونسوی رحمۃ اللہ کے خلیفہ تھے دونوں بزرگوں کے پختہ مزارات بستی نظام الدین اولیاء دہلی میں موجود ہیں۔

سرسید مرحوم نے مولنا حیات کے متعلق جو اظہار خیال کیا ہے۔ وہ یہ ہے۔

آپ پنجاب کے رہنے والے ہیں انہی مقامات پر تحصیل علم کیا کچھ عرصہ ہندوستان میں تعلیم پائی اور پھر شاہجہاں آباد (دہلی) میں تشریف لائے اور شاہ سید صابر علی معروف بہ شاہ صابر بخش رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں مقیم ہوئے۔ درس وتدریس میں مشغول ہوگئے طلباء کو پڑھانا شروع کر دیا۔ چونکہ آپ کا علم وفضل قابل مثال اور لائق رشک تھا۔ اس لئے طلباء اطراف واکناف سے علم حاصل کرنے کے لیے خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور آپ کی تعلیم کے فیض سے بڑے رتبہ پر پہنچے۔ آپ کا معمولی طالب علم اس وقت کے فضلاء سے بہتر و ابتر گنا جاتا تھا۔ آپ کے چند شاگرد آپ کے فیض سے یکتائے زمانہ ہو گئے خصوصاً حافظ عبدالرحمن صاحب۔

آپ کے علم وفضل کی تعریف خیر مقال اور حیطۂ گفتگو سے باہر ہے۔ باوجودیکہ یہ بزرگ نابینا ہیں۔ آنکھوں کی بصارت جاتی رہی ہے۔ جب بھی علم ہیئت اور ہندسہ اس بے باکی کے ساتھ پڑھاتے ہیں۔ اگر موجودہ اس فن کے ماہرین ہزار آنکھوں سے شب وروز توجہ دیں جیسی انہوں نے اس فن پر قدرت حاصل کی ہے وہ کبھی حاصل نہیں کر سکیں گے۔ اور جس طرح وہ طلباء کو دلنشین کرا دیتے ہیں اس طرح وہ اپنے شاگرد کو نہیں کرسکتے۔ ایک ترک جو بہت عرصہ سے آپ کے مزاج پر قبضہ رکھتا تھا۔ اس کو آپ نے اس قابل کر دیا تھا کہ ان علوم پر وہ درس دیسکے۔ اور طلباء کو سمجھا سکے۔

آپ نے درس وتدریس کو چھوڑ کر اپنے آپ کو ذکر واشغال کی طرف مائل کیا اور اکمل فقراء اور عظمائے مشائخ سے فیض باطن اور کسب معنوی حاصل کیا۔ اور سفر کی تکلیف کو برداشت کرکے پاک پٹن شریف پہنچے اور حضرت شاہ سلیمان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی صحبت سے تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب حاصل کی اور رخصت کی اجازت لے کر پھر شاہ جہاں آباد تشریف لے آئے۔ ان ایام میں خانقاہ صابر بخش میں قیام نہیں کیا بلکہ ایک اور مسجد میں قلعۂ مبارک کے قریب ہے سکونت اختیار کی۔ اور آج تک وہیں تشریف فرما ہیں آپ کے قدم کی برکت سے اس مسجد کی ہر سال مرمت ہو جاتی ہے اور ایسی آباد ہو گئی ہے۔ اس کو عبادت کی کثرت کی وجہ سے خیر المساجد اور افضل المعابد کہا جاتا ہے۔

آپ کی عمر تقریباً ستر سال کی ہے۔ خدائے عزوجل آپ کی عمر دراز کرے۔ کہ طالبان صادق کو آپ کے فیض سے کثیر فائدے اور ہدایت موفورہ حاصل ہو۔

ان اساتذہ کے علاوہ حسب ذیل اساتذہ سے بھی آپ نے فارسی ریاضی اور طب پڑھی

(۵) مولوی امام بخش صہبائی سے ۔ ۔ ۔ ۔ فارسی

(۶) مصنف اوکارنم سے ۔ ۔ ۔ ۔ ریاضی

(۷) حکیم فیض محمد صاحب سے ۔ ۔ ۔ ۔ طب

له آثار الصنادید جلد دوم صفحہ ۱۴۲ تا ۱۴۳

حکیم فیض محمد کا اس زمانہ میں مشہور و معروف مقبول باکمال اصحاب میں شمار ہوتا تھا

ہندوستان میں حضرت مولانا کے درس وتدریس کا خانہ بہت محدود ہے۔ زمانہ کی گوناگوں مشکلات اور ہندوستان میں مسیحیت کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو روکنے کی فکر میں حضرت مولانا کو اس کا موقعہ نہ ملا کہ جم کر علوم وفنون اور درس وتدریس کا فیض جاری ہوتا سنہ ۱۲۷۰ھ میں اکبرآباد اور آگرہ کے فیصلہ کن اور عظیم الشان مناظرے سے قبل مولانا نے کیرانہ میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا تھا۔ اس مدرسہ کے سینکڑوں تلامذہ میں سے تحقیق وجستجو کے بعد جس قدر نام معلوم ہوئے۔ ان میں سے چند خاص اصحاب کے نام یہ ہیں ان میں وہ نام بھی ہیں جنہوں نے ہندوستان سے جاکر مکہ معظمہ میں فیض حاصل کیا۔

(۱) مولانا اشرف الحق صدیقی (مکہ معظمہ)

(۲) مولانا عبدالسمیع رامپوری مصنف حمد باری ۱۳۳۵ھ

(۳) مولانا شاہ ابوالخیر غدر کے زمانہ میں مکہ گئے وہاں علوم حاصل کئے

(۴) مولانا احمد الدین جکوالی

(۵) مولانا نور احمد امرتسری

(۶) مولوی قاری شہاب الدین نے علوم وفنون کی مکہ معظمہ جاکر تکمیل کی

(۷) مولانا حافظ الدین صاحب دوخانوی

(۸) مولانا امام علی عثمانی کیرانوی مولانا کے پاس مکہ معظمہ میں انتقال ہوا

(۹) مولانا عبدالوہاب صاحب بانی مدرسہ

(۱۰) مولانا بدرالاسلام کیرانوی مہتمم کتب خانہ شاہی استنبول

مولانا محمد سعید صاحب ناظم اول دارالعلوم حرم صولتیہ مکہ میں مولانا کی خدمت میں رہکر تکمیل علوم کے ساتھ مولانا مرحوم کے فیض تربیت سے بھی بہرہ ور ہوئے اور مولانا کے آپ جانشین قرار پائے۔

مسجد حرم میں حضرت مولانا کا حلقۂ تدریس سینکڑوں طلباء اور علماء وقت پر مشتمل ہوتا تھا۔ مکہ معظمہ حضرت مولانا کے تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے جن میں بعض خاص تلامذہ کے نام یہ ہیں۔

(۱) شریف حسین ابن علی سابق امیر حجاز وبانی حکومت ہاشمیہ۔

(۲) شیخ احمد نجار صاحب مرحوم — قاضی طائف۔

(۳) مولانا قاری عبداللہ صاحب صدر مدرس شعبہ تجوید قرآن دارالعلوم صولتیہ مکہ معظمہ۔

(۴) شیخ القراء حضرت مولانا قاری عبدالرحمن صاحب الہ آبادی۔

مولانا عبداللہ غازی صاحب مرحوم مہتمم کتب خانہ دارالعلوم حرم صولتیہ مکہ معظمہ۔

مولانا حکیم اسمٰعیل نواب صاحب افغانی مرحوم۔ مکہ معظمہ کے مشہور طبیب وعالم

شیخ محمد حسین خیاط صاحب مرحوم۔ بانی مدرسہ خیریہ مکہ معظمہ

شیخ احمد ابوالخیر صاحب مرحوم مفتی احناف مکہ معظمہ وشیخ العلماء

شیخ عبدالرحمن دہان صاحب مرحوم۔ صدر مدرس مدرسہ دارالعلوم حرم صولتیہ مکہ معظمہ

شیخ اسعد دہان صاحب۔ قاضی مکہ ومدرس مسجد حرم

شیخ عبدالرحمن سراج صاحب مرحوم۔ شیخ الائمہ ومفتی احناف مکہ معظمہ

شیخ محمد حامد الجداوی مرحوم — قاضی جدہ

شیخ محمد سعید احمد صاحب ابوالخیر مرحوم — مدیر اوقاف محکمہ سنوف

شیخ عبداللہ بن شیخ عبدالرحمن سراج صاحب مرحوم۔ قاضی القضاۃ ومفتی احناف ووزیر اعظم۔

انوار العاشقین ص ۸۶ دارالحکومت دہلی دوم ۳۹۹

دارالحکومت دہلی ۱۵۴۔

۱۵ - مولوی عبدالسبحان صاحب مرحوم بنگالی - حکومت ہاشمیہ (حجاز)
۱۶ - مولوی عبدالرحمن صاحب بنگالی - مکہ معظمہ میں بقید حیات ہیں اور گوشہ نشین ہیں متبحر عالم ہیں -
۱۷ - عبداللہ ابن احمد ابوالخیر صاحب مرحوم - قاضی مکہ معظمہ و مدرس مسجد حرم محترم
۱۸ - شیخ حسب اللہ صاحب مرحوم مدرس مسجد حرم و از مشاہیر علماء مکہ معظمہ
۱۹ - شیخ محمد علی ابن زین العابدین صاحب مرحوم مدرس مسجد حرم محترم
۲۰ - شیخ صالح کمال صاحب مرحوم از مشاہیر علماء طائف
۲۱ - شیخ محمد علی کمال مرحوم - از مشاہیر علماء طائف
۲۲ - شیخ درویش عجیمی صاحب مرحوم - امین الفتویٰ مکہ معظمہ و مدرس مسجد حرم
۲۳ - سید عبداللہ زواوی صاحب مرحوم - مفتی شافعی مکہ معظمہ و مدرس مسجد حرم محترم
۲۴ - سید عبداللہ دحلان صاحب مرحوم - مدرس مسجد حرم و مدارس عالیہ جزائر مشرقی ہندوستان
۲۵ - شیخ حسن دحلان صاحب مرحوم - از مشاہیر علماء حرم
۲۶ - محمد نبیس صاحب مرحوم از مشاہیر علماء حرم و مسجد حرم محترم
۲۷ - محمد عابد مالکی صاحب مرحوم - مفتی مالکی مکہ معظمہ و مدرس حرم محترم
۲۸ - شیخ سلیمان حسب اللہ صاحب مرحوم مدرس مسجد حرم محترم
۲۹ - مولانا فیض اللہ صاحب خوسانی مرحوم - حضرت مولانا سے فیضیاب ہو کر چند سال مکہ معظمہ میں مشغول درس و تدریس رہے پھر بخارا چلے گئے
۳۰ - مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم بنگالی مہاجر حضرت مولینا کے خاص تلامذہ میں سے تھے تمام عمر خانہ نشین رہے مطالعہ کتب میں عمر صرف کی انتقال سے قبل اپنا کتب خانہ دارالعلوم حرم صولتیہ مکہ معظمہ کو دیدیا -
۳۱ - مولوی عبدالخالق صاحب اسلام آبادی مرحوم - بانی مدرسہ اسلامیہ مکہ معظمہ
۳۲ - شیخ محمد صالح مرحوم خانہ نشین رہے - شریف عون مرحوم امیر مکہ کو ان سے دلی تعلق تھا اور بہت قدر کرتا تھا - تاریخ مکہ پر بڑی نظر تھی - مطالعہ بہت وسیع تھا اور کتابیں جمع کرنے کا بڑا شوق تھا ۔

مولینا نے ۱۲۵۶ھ میں اپنی خالہ کی لڑکی سے شادی کی ۱۲۵۸ھ میں پھر راجہ نے مولینا اور ان کے والد کو بلایا اور مولینا کے والد ماجد انہی بامبدا کی دیکھ بھال کیلئے کابل بھیجدیا اور مولینا کو خطوط نویسی کے لئے مقرر کر لیا ۔ اس اثناء میں ۱۲۶۰ھ کے اندر مولینا کا ایک سالہ لڑکا فوت ہوگیا اور لڑکے کے فوت ہونے کے کچھ عرصہ بعد مولینا کی زوجہ محترمہ بعارضہ دق مبتلا ہو کر انتقال فرما گئیں ۔ دوسری شادی کے لئے اقرباء نے اصرار کیا ۔ چند سال تک نہیں کی ایک مصیبت اور سانحہ سے چھٹکارا نہیں ملا تھا کہ دوسری بڑی مصیبت سر پر آکر پڑ گئی - والد ماجد کا انتقال ہوگیا - آپ نے اپنی جگہ پر اپنے چھوٹے بھائی منشی محمد [illegible] کو ملازم رکھ کر ملازمت سے علیحدگی اختیار کر لی - اور مولوی حیات سے تعلیم حاصل کرنے لگے ۔ وہ بھی فوت ہو گئے وطن کی راہ لی ، کیرانہ پہنچکر رد نصاریٰ میں مصروف ہو گئے اور طلباء کو پڑھانے کا سلسلہ شروع کر دیا - آپ نے شاہ عبدالغنی ساکن خانقاہ غلام علی شاہ کی فرمائش پر ازالہ الاوہام لکھنی شروع کر دی - ابھی یہ کتاب مکمل نہیں ہوئی تھی کہ مولینا بیمار پڑ گئے اور ایسے سخت بیمار ہوئے کہ بیٹھنے اٹھنے اور چلنے پھرنے کے قابل نہیں رہے ۔ چارپائی پر ہی اشاروں سے نماز ادا کرتے تھے - ایک روز نماز پڑھنے کے بعد رونے لگے - ایک بھائی نے پوچھا زندگی سے مایوس ہونے کی وجہ سے رو رہے ہیں -

---

سے تذکرۃ الاولیاء جلد دوم صفحہ ۱۶۰ تا ۱۶۱

آپ نے کہا۔ بھائی! بجز اکوئی علامت صحت کی نہیں ہے۔ لیکن انشاء اللہ صحت ہوگی۔ رونے کی وجہ یہ ہے کہ خواب میں آنحضرت تشریف لائے ہیں اور آپ حضرت صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا قول نقل فرمار ہے ہیں۔ یا فتی الزاجی ھاک رسول اللہ قال کذا کذا۔ اے جوان خوشخبری ہو تیرے حق میں رسول نے کہا ایسا ایسا۔ "اگر تالیف اوہام مرض کی وجہ ہے تو وہی باعث شفائی ہوگی"۔ میں رنجیدہ نہیں مسرور ہوں۔ مسرت میں یہ آنسو نکل گئے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کو صحت ہوگئی اور اپنے منتشر ازالۃ الاوہام کے ورقوں کو ایک جگہ کر کے سات ماہ کے بعد لکھنا شروع کردیا۔ مکمل ہونے کے بعد حاشیہ پر آپ نے مولانا آل حسن کی کتاب استفسار کو چھاپا۔

مولانا نے دیکھا کہ ہندوستان مسیحی علماء کا کعبہ و مرکز بنا ہوا ہے۔ مذہب اسلام کے خلاف کتابیں شائع کر کے پادری شہروں میں عام لوگوں کو تقسیم کرتے ہیں تقریروں میں اسلام اور بانئے اسلام کا تمسخر اور مخول اڑاتے ہیں اور عوام میں خوف و ہراس پھیلا ہوا ہے تو تب آپ نے بیڑا اٹھایا کہ وہ اس شیطانیت کا جواب دیں گے۔ چنانچہ آپ کے دور میں پادری فنڈر تھا۔ جس نے اپنی تصنیف میزان الحق اور اپنی دلشکن تقریروں سے اودھم مچا رکھی تھی۔ مولانا مرحوم نے اسی پادری کا زور توڑنے کے لئے مناظرہ کرنے کی ٹھانی چنانچہ آپ نے اس سے خط وکتابت کی جس میں طے پایا کہ مسلمانوں کی جانب سے مولانا رحمت اللہ ان کے مددگار ڈاکٹر محمد وزیر خانصاحب اور عیسائیوں کی جانب سے پادری فنڈر اور اس کے معاون پادری فرنچ مناظرہ کریں۔

مولانا نے دعویٰ کیا جس مذہب کی طرف تم دنیا کو بلا رہے ہو۔ اور جس کتاب کو تم آسمانی کہہ رہے ہو وہ کتاب اپنی اصلی حالت میں نہیں ہے۔ اور تم ایسے پیشوایان مذہب عیسوی نے اپنی کتاب انجیل میں بہت کچھ تحریف کردی ہے اسلئے آج دنیا میں دین عیسوی کی بنیاد کھوکھلی ہے۔

مناظرہ میں یہ شرط خاص اہمیت رکھتی تھی کہ اگر مولانا مرحوم پادری فنڈر کے ان اعتراضات کا جو صداقت اسلام پر عائد کریگا جواب نہ دے سکے تو مولانا مرحوم مذہب عیسوی اختیار کریں اور اسی طرح پادری فنڈر مولانا کے سوالات کا جواب نہ دے سکے تو وہ مسلمان ہو جائیگا۔

موضوع بحث میں جو معرکۃ الآراء مسائل مولانا مرحوم کے ذمہ تھے وہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو ثابت کرنا۔ اور کلام پاک کا آج تک بلا تحریف و تغیر سے بالکل محفوظ اور آسمانی کتاب ہونا اور ابطال تثلیث کے ساتھ تحریف انجیل کا مدلل ثبوت پیش کرنا تھا۔ اس کے مقابلہ میں پادری فنڈر کو اثبات تثلیث کے ساتھ یہ امر ثابت کرنا تھا کہ موجودہ انجیلیں جو آج کل پادریوں کے ہاتھ میں ہیں وہی صحائف آسمانی ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئیں اور ان میں کسی قسم کی تحریف نہیں ہوئی۔

مولانا پہلے ہی سے مذہب عیسوی کی کتب ازبر یاد کئے ہوئے تھے ان کا اصول تھا کہ اسی کی ڈھال سے اسی پر وار کرتے تھے۔ اسی کے ساتھ چند ایسے سراپا ورود اخلاص ممد و معاون مل گئے جنہوں نے اس مہم میں مولانا مرحوم کا ہاتھ بٹایا۔ یعنی ڈاکٹر محمد وزیر خانصاحب موصوف جو آگرے کے بڑے انگریزی شفاخانے میں ایک اچھے عہدہ پر مامور تھے انگریزی اعلیٰ قابلیت کی وجہ سے ترجمہ میں مولانا مرحوم کے دست و بازو بن گئے۔ جس کا خود مولانا مرحوم کو اعتراف تھا کہ وہ ان کے لئے فرشتہ رحمت ثابت ہوئے۔

ان تمام ابتدائی مراحل طے ہو جانے کے بعد مناظرہ تین روز نہیں بلکہ صرف دو روز پیر و منگل ۱۰ اور ۱۱ اپریل ۱۸۵۴ء صبح کے وقت کٹرہ عبد المسیح اکبر آباد آگرہ میں ہوا جو مذہب اسلام و عیسائیت کی صداقت کے درمیان فیصلہ کن اور تاریخ ہندوستان میں سب سے پہلا

مرأۃ الانساب مولوی ضیاء الدین وکیل امروہہ صفحہ ۲۳ انوار العاشقین ۸۶ اظہار الحق مصنفہ مولانا رحمت اللہ البحث الشریف فی اثبات النسخ والتحریف ۲۰

واقعہ اور عظیم الشان مناظرہ ہے۔ اس مناظرہ میں مسٹر امتھ صدر دیوانی مسٹر کریسچن صدر بورڈ۔ مسٹر ولیم مجسٹریٹ علاقہ فوج مسٹر ایڈیلی وجناب مفتی حافظ ریاض الدین۔ جناب مولوی فیض احمد سررشتہ دار صدر بورڈ مولوی امیر اللہ مختار کار راجہ بنارس جناب مولوی فخر الاسلام خطیب امام جامع مسجد آگرہ نے شمولیت فرمائی [1] جس میں عوام نے بے حد دلچسپی لی۔ اور اس مناظرہ کے نتیجہ کا تمام ہندوستان میں گھر گھر چرچا ہوا۔

مولنا مرحوم اپنی خداداد قابلیت اور تبحر علمی سے دو روز کے جلسے میں اس امر کو ثابت کر دیا۔ کہ موجودہ انجیل جس پر آج عیسائیوں اور پادریوں کو ناز ہے تحریف شدہ ہے [2] فاضل مسیحی پادری نے اس عام جلسہ میں اقرار کیا لیکن تبدیلی مذہب کے لئے تیار نہ ہوا بلکہ تحریر لکھنے پر بھی آمادہ نہ ہوا۔ جلسہ برخاست ہوا۔ اس کے بعد اسی دن ۱۱ر اپریل کو پادری مذکورہ نے اپنی خفت مٹانے کے لئے مولنا رحمت اللہ علیہ کو خط لکھا کہ آپ مناظرہ میں جن عبارتوں کے حوالے دئے آپ کے کہنے پر میں نے سمجھ لیا کہ ایسا ہی ہوگا۔ لیکن میں حل الاشکال بھیج رہا ہوں۔ اس میں ملاحظہ کیجئے وہ مقصد نہیں ہے جو جناب نے بیان کیا ہے۔ مولنا مرحوم نے اس گریز کا مدلل و معقول جواب دیا۔ یہ خط وکتابت مولنا مرحوم اور پادری موصوف کی ۲۳ر اپریل ۱۸۵۴ء تک جاری رہی۔ اس کے بعد ۱۵ر مئی ۱۸۵۴ء سے تحریری مناظرہ درمیان ڈاکٹر وزیر محمد خانصاحب و پادری فانڈر کے ساتھ ہوا۔ خط وکتابت آگرہ میں ہوئی۔

اس مناظرہ کی پوری کیفیت البحث الشریف فی اثبات النسخ والتحریف کے نام سے وزیر الدین ابن شرف الدین صاحب نے مرتب کی۔ جو حافظ عبد اللہ صاحب کے اہتمام سے ۱۲۷۰ھ میں فخر المطابع شاہجہاں آباد میں کتاب کی شکل میں چھپی مولنا رحمت اللہ میزان الحق عربی کے حاشیہ صفحہ ۵ پر لکھتے ہیں کہ ولی عہد مرزا فخر الدین ابن سراج الدین بہادر شاہ سلطان دہلی کے حکم سے چھپی اور انہی کے حکم سے ہندوستان کے اطراف واکناف میں اشاعت پذیر ہوئی ہے۔ یہ کتاب صرف مناظرہ اکبر آباد آگرہ اور مولنا مرحوم اور پادری فنڈر کے آخری خطوط کا مجموعہ ہے۔ یہ کتاب ۲۲×۱۸/۸ کے سائز پر ۱۹ سطرہ ۔ ۶۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

اس مناظرہ کو چھوٹی تقطیع پر حصہ اول مباحثہ مذہبی اور دوسرا حصہ مباحثہ مذہبی کے نام سے سید عبد اللہ اکبر آبادی نے منشی محمد امیر کے اہتمام میں مطبع منعیہ محلہ مجلی اسٹیٹ اکبر آباد ۱۲۷۰ھ میں چھپوایا پہلا حصہ زبان فارسی میں روئیداد مناظرہ تقریری اور مناظرہ کے بعد تحریری مناظرہ کا ہے ۱۰۸ صفحات ہیں۔ دوسرا حصہ مناظرہ مابین اسسٹنٹ سرجن محمد وزیر خانصاحب اور پادری فنڈر صاحب کے تحریری خطوط کا ہے۔ یہ حصہ اردو زبان میں ہے اس کے صفحات ۱۰۲ ہیں۔

ان مناظروں اور کتب مشری سے مولنا کو انگریزوں سے خوب واقف کرا دیا تھا۔ جوں جوں انگریزوں کے حربے تیز ہوتے جاتے تھے۔ ووں، ووں زندہ دل لوگ بھی تیار ہونے لگے تھے۔ چنانچہ جب ایام غدر میں تحصیل شاملی لٹا جو کیرانہ کے بالکل قریب ہے تو مولنا کو اور ایک تھانہ بھون کے عالم کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ مولنا مرحوم اس کے قائل نہیں تھے کہ چھپایا بچا جائے۔ آپ کا وارنٹ ہوا۔ آپ تیار ہو گئے مجاہدوں کی طرح مردانہ وار گرفتار ہونے کے لئے لیکن آپ کے بزرگوں نے منع کیا چنانچہ کیرانہ کے قریب گاؤں پنجیٹھ میں آپ کو روانہ کر دیا گیا۔ ان گاؤں والوں نے اس وقت جب کہ باغی کو حفاظت میں رکھنا گولی کا نشانہ اور موت کا لقمہ بننا ہوتا تھا۔ ان کو اپنی حفاظت میں رکھا۔ مولنا مرحوم اس حالت میں بھی کبھی کبھی جاٹ وغیرہ مویشی چرانے والوں کے ساتھ کیرانہ آ جاتے تھے۔ مولنا گرفتار نہ ہوئے تو آپ پر فوجداری مقدمہ چلایا گیا۔ آپ کو مفرور قرار دے کر آپ کی گرفتاری کے لئے انعام مقرر کیا۔ اور آپ کی اور آپ کے چچا (تایا) شیخ امین اللہ شیخ ولی اللہ شیخ شکر اللہ کی جائیداد پانی پت ضلع کرنال (جس میں حسب ذیل سات آٹھ سرائیں اور دیگر قطعات تھے) کو مخبر کمال الدین کی شناخت پر قرق

---

[1] مناظرہ آگرہ ۱۸۵۴ء [2] ندائے عام

کر کے نیلام کر دیا۔ جائیداد کا فیصلہ ڈپٹی کمشنر کرنال نے ۳۰ جنوری ۱۸۶۲ء میں کیا

(۱) سرائے بھجورہ۔ جس کی قیمت سرکاری طور پر ڈپٹی کمشنر کرنال کے کاغذات میں پانچسو روپے ہے۔

(۲) سرائے چوراہے۔ " " " " " " " "

(۳) سرائے معروف شیخ فضل الٰہی (۴) سرائے قصابان (۵) سرائے نوآباد (۶) سرائے مالیان یہ سب سرائیں اور قطعات ۱۳۲۰ روپے میں نیلام ہوئیں جن کی لاکھوں روپے قیمت تھی۔ سرائیں کن بولیوں پر چھوٹیں وہ بھی ملاحظہ ہوں

سرائے بھجورہ	۴۲ روپے	سرائے نوآباد	۱۵ روپے
سرائے چوڑے	۵۰ روپے	سرائے قصابان	۱۴ روپے

چنانچہ ان کا غذات جائیداد نیلام شدہ میں انڈکس مشمولہ کا یہ عنوان ہے جس میں مولنٰا رحمت اللہ کو باغی کا خطاب دیا گیا ہے[۱]

انڈکس مشمولہ مثل فوجداری مقدمہ عرضی کمال الدین ساکن کیرانہ حال پانی پت مولوی رحمت اللہ باغی۔ اسی زمانہ میں جب کہ علماء ہندوستان کا ممتاز اور باخبر خلیفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی جیسے باغی ہجرت فرما رہے تھے اسی دوران میں حضرت مولنٰا مرحوم بھی بے پورا جودھپور کے مہیب و خطرناک جنگلوں کو پاپیادہ طے کرتے ہوئے سورت پہنچے۔ سورت سے بھی جہاز کا سفر آسان نہ تھا۔ ریلیں اور پختہ سڑکیں دخانی جہازوں اور وسائل راحت کا نام و نشان نہ تھا بادبانی جہاز چلا کرتے تھے سورت سے جدہ تک تین مہینہ کی مدت میں بحری سفر طے ہوا کرتا تھا اور سال بھر میں صرف ایک جہاز ہوا کی موافقت کے زمانہ میں سورت جاتا اور اسی طرح جدہ سے آیا کرتا تھا۔ ایک خط کا محصول چار روپے تھا جو لوگ ہجرت کے ارادہ سے ترک وطن کرتے وہ ساتھ ہی دنیاوی تعلقات اور باہمی علائق کو زندگی میں ہی دل سے نکال دیا کرتے تھے۔ ان بزرگوں کا ہی جگرہ تھا جو انہوں نے یہ سفر برداشت کئے[۲] مولٰینا کس درجہ کے باغی تھے مولٰینا ذکاء اللہ سے سنئے

سب سے اول مولوی رحمت اللہ کیرانہ سے تو وہ یہ آئے کہ دہلی میں جہاد کی کیا صورت ہے وہ بڑے عالم فاضل تھے عیسائی مذہب کے رد میں صاحب تصنیف تھے۔ وہ قلعہ کے پاس مولوی محمد حیات کی مسجد میں اترے اس دانشمند مولوی کے نزدیک دلی میں جہاد کی کوئی صورت نہیں تھی۔ بلکہ ایک ہنگامہ فساد برپا تھا۔ وہ یہ سمجھ کر اپنے وطن چلے گئے۔

مولنٰا رحمت اللہ علیہ کا علماء کرام کی نظر میں کیا درجہ تھا۔ وہ ایک واقعہ سے معلوم ہو جاتا ہے۔ جو حضرت مولٰینا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا۔

غدر کے زمانہ میں ایک مجذوب صاحب تھانہ بھون میں تھے۔ جب مولوی رحمت اللہ صاحب کی گرفتاری کا حکم ہوا اور ان کا ارادہ ہجرت کا ہوا تو لوگوں نے کہا کہ مجذوب صاحب سے ذرا مشورہ لینا چاہئے چنانچہ ان کی خدمت میں گئے اور عرض کیا۔ انہوں نے فرمایا "جاؤ کچھ نہیں ہوگا" اس کے بعد مزید اطمینان کے لئے مولوی رحمت اللہ صاحب ان کے پاس آئے۔ تب مجذوب صاحب نے فرمایا۔ بھلا یہاں نہیں رہ سکتا فاضل ہو کر۔ اور اپنے والد کا نام لے کر تین روپے ان کی طرف سے اور چھ روپے میری طرف سے پہنچے ملتے رہیں گے"۔ جب سے مولوی رحمت اللہ صاحب نے ہجرت کا قصد کیا اس تاریخ سے ۱۰ روپیہ ماہوار ان کو برابر ملتے رہے۔ اس میں کبھی فتور واقع نہیں ہوا۔ (تذکرہ رشیدیہ حصہ دوم)

پادری فنڈر ہندوستان سے انگلینڈ گیا۔ وہاں سے وہ قسطنطنیہ پہنچا سلطان عبد العزیز کا عہد تھا ٹرکی اور انگلستان کے تعلقات نہایت خوشگوار تھے۔ اس نے سلطان سے بیان کیا کہ ہندوستان میں میرا ایک مسلمان عالم سے مذہبی مناظرہ ہوا

---

[۱] تاریخ عروج عہد سلطنت انگلشیہ ہند ۶۷۵ [۲] رسالہ ندلائے عام

جس میں عیسائیت کی فتح اور اسلام کی شکست ہوتی۔ سلطان عبدالعزیز کو مذہبی معاملات سے کافی شغف تھا ان کی خواہش ہوئی کہ پادری کے اس قول کی واقعیت اور صحت معلوم کریں اس لئے انہوں نے شریف مکہ کے نام فرمان روانہ فرمایا۔ کہ اس سال زمانہ حج میں ہندوستانی علماء اور باخبر حجاج جو مکہ معظمہ آئیں اس مناظرہ کی کیفیت و حقیقت معلوم کر کے اطلاع دیں شریف مکہ عبداللہ کو اس مناظرہ کی پوری کیفیت بذریعہ رئیس العلماء معلوم ہو چکی تھی۔ اس لئے مولانا مرحوم پر بہت مہربان تھے۔ اس فرمان کے صادر ہونے پر امیر مکہ نے فوراً بارگاہ شاہی میں مناظرہ کی مختصر کیفیت کے ساتھ اطلاع دی۔ کہ وہ عالم جن سے ہندوستان میں یہ مناظرہ ہوا ہے مکہ معظمہ میں موجود ہیں۔ امیر سلطان عبدالعزیز خاں نے مولانا مرحوم کو مناظرہ کے مفصل حالات معلوم کرنے اور ہندوستان میں جدید دور حکومت اور انقلابات کے چشم دید واقعات سے واقفیت حاصل کرنے کی غرض سے قسطنطنیہ طلب کیا۔ مولانا مرحوم خاص اعزاز و اکرام کے ساتھ سرکاری طور پر مکہ مشرفہ سے قسطنطنیہ گئے۔ اور شاہی مہمان کی حیثیت سے وہاں ٹھہرائے گئے۔ سلطان بکمال التفات شاہانہ روزانہ نماز عشاء کے بعد مولانا کو شرف باریابی عطا فرماتے رہے۔ اس وقت خاص میں اکثر خیرالدین پاشا تونسی صدر اعظم اور شیخ الاسلام وغیرہ اکابر سلطنت بھی شریک صحبت رہے۔ فاضل مسیحی کو جب مولانا کی آمد کی اطلاع ہوئی تو وہ قسطنطنیہ سے چلا گیا۔ سلطان نے ان ملاقاتوں میں مناظرہ کے پورے حالات نہایت دلچسپی کے ساتھ سنے اور نتیجہ سے بیحد خوش ہوئے۔ مولانا مرحوم کی اس جلیل القدر دینی خدمت کی یہ قدر افزائی فرمائی کہ واپسی کے وقت خلعت فاخرہ کے ساتھ تمغہ مجیدی درجہ دوئم اور گراں قدر وظیفہ کی امداد سے سرفراز فرمایا۔ اسی طرح دو مرتبہ سلطان عبدالمجید خاں مرحوم نے قسطنطنیہ میں طلب فرمایا تمغہ مذکور کے ساتھ مرصع تلوار، اور علمی مرتبہ "پایۂ حرمین" عطا فرمایا۔

خلیفۃ المسلمین سلطان عبدالعزیز خاں کی خواہش اور امام المحدثین سید احمد بن زینی دحلان کی تحریک پر پادری فنڈر سے اکبر آباد و آگرہ میں مناظرے کی کیفیت اور تمام مسائل کا نہایت بسط و تشریح کے ساتھ کیا۔ اظہار الحق[۵۳] قسطنطنیہ میں لکھی ۱۲۸۰ھ میں سب سے پہلے قسطنطنیہ میں چھپی صدر اعظم موصوف کے حکم سے۔ ایک ترک عالم نے عربی سے ترکی میں اس کا ترجمہ کیا اور ابراز الحق کے نام سے مکمل ترکی ترجمہ شائع ہوا۔ نیز یورپ کی متعدد زبانوں میں حکومت عثمانیہ کی طرف سے اس کے ترجمے شائع کئے گئے۔ جسے پادریوں نے خاص اہتمام اور کوشش سے تلف کیا۔ مصر میں متعدد بار طبع ہو چکی ہے۔ مولوی سلیم اللہ صاحب مرحوم نے اردو میں اس کا ترجمہ کیا تھا جس کے چھپنے کی نوبت نہ آئی۔ مولوی غلام محمد صاحب بھانجا راندیری نے بڑی محنت اور جانکاہی سے گجراتی میں ترجمہ کیا جو شائع ہو چکا ہے۔ آج سے پینسٹھ سال قبل کا ذکر ہے کہ اظہار الحق کے انگریزی ترجمہ کی اشاعت کے بعد ٹائمز آف انڈیا نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ لوگ اس کتاب کو پڑھتے رہیں گے تو دنیا میں مذہب عیسوی کی ترقی بند ہو جائے گی۔

قسطنطنیہ سے مکہ معظمہ واپسی کے بعد مولانا نے اسلام کے اس دینی مرکز میں اہم ضرورتوں پر غور کرنے کے بعد یہ رائے قائم کی کہ ایک ایسے دارالعلوم کی سنگ بنیاد رکھی جائے جس میں درس و تدریس ضابطہ میں انجام پائے مخصوص نصاب تعلیم ہو جس سے طلباء میں قابلیت پیدا ہو۔ آپ نے وہاں کی تعلیم میں سب سے بڑا نقص یہ پایا۔ کہ اساتذہ خود ہی کتاب کی عبارت پڑھتے تھے اور خود ہی اس کا مطلب سمجھا دیتے تھے۔ تلامذہ کا استاد سے سوال کرنا یا کچھ سمجھنا بے ادبی پر محمول کیا جاتا تھا۔ نیز باوجود نحو، فقہ، تفسیر، حدیث۔ پڑھنے کے بعد کوئی قابلیت ظاہر نہیں ہوتی تھی۔ غضب خدا کا تفسیر جلالین سات سال میں ختم کرائی جاتی تھی۔ غرض کوئی معقول تعلیم کا انتظام نہ تھا۔ اور نہ قیام و طعام اور دیگر ضروریات تعلیم کی کوئی صورت تھی۔

---

[۵۳] اظہار الحق

ان تمام حالات کا جائزہ لینے کے بعد مولانا مرحوم نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مٹی ہوئی درسگاہ کا زمین حرم پر پھر احیاء کا ارادہ کیا۔ شب و روز اپنے اس ارادہ اور خیال کی ادھیڑ بن میں رہتے تھے کہ ۱۲۹۱ھ میں کلکتہ کی ایک بیوہ مگر عالی ہمت اور مخیر خاتون صولت النساء اپنے بھائی کی معیت میں بارادہ حج مکہ معظمہ حاضر ہوئیں اور کسی ذریعہ سے مولانا کے حالات و ارادہ کا علم ان کو ہوا۔ چونکہ ازل سے علم الٰہی میں یہ سعادت اور فخر اس بیوہ خاتون کے حصہ میں تھا۔ اس لئے صولت النساء بیگم مولانا سے ملیں اور مکان مدرسہ کی تعمیر کے لئے تیس ہزار روپیہ جو اس وقت ان کے پاس تھا مولانا کے سامنے پیش کر دیا۔ جس سے مدرسہ کی قدیم عمارت مکہ معظمہ میں خدا کے گھر کے زیر سایہ تیار ہوئی۔ مولانا مرحوم نے اس مخیر خاتون کے نام مدرسہ کا نام "صولتیہ ہندیہ" رکھا۔

مولانا مرحوم کو ابتدا میں علاوہ مالی مشکلات کے (جو اس قسم کے کاموں میں ہر ایک کام کرنے والے کو آتی ہیں) دو نئے امر سد راہ ہوئے جن کا وہم و گمان بھی آپ کو نہ تھا۔

اول انگریزی کونسل متعینہ جدہ آپ سے خوف زدہ رہا کہ مولانا پر بھی دوسرے علماء کی طرح بغاوت اور غیر وفاداری کا الزام لگایا گیا تھا اور اس کی وجہ سے ترک وطن پر مجبور ہو کر مکہ معظمہ آئے مبادا کہیں مولانا اس درسگاہ کی آڑ میں انگریزوں کے خلاف پروپیگنڈہ اور کوئی باغیانہ سازش نہ کرتے ہوں۔ اس لئے مدرسہ کے قیام میں اس نے ہر ممکن رکاوٹ پیدا کرنے میں دریغ نہ کیا۔

دوسری طرف حجاز کے مقامی و ناواقف حکام کو یہ اندیشہ دامن گیر ہوا کہ زمین حرم پر مدرسہ کی ابتدا ہندوستان کے مسلمانوں کی کوشش سے ہو رہی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ درسگاہ انگریزی اقتدار کے ساتھ بیرونی مداخلت کا کسی وقت میں ذریعہ نہ بن جائے۔ اس میں شک نہیں کہ ترکوں کا بدگمان ہونا ایک حد تک درست تھا کیونکہ وہ اپنے ملک میں مشن اور پادریوں کے خیراتی اور رفاہ عام کے کاموں کا تلخ تجربہ کر چکے تھے باوجود ان تمام مشکلات اور زبردست مخالفوں کے بانی مدرسہ نے ہمت و پامردی کو ہاتھ سے نہ دیا اور ان کا مقابلہ کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ان شکوک و شبہات کے بادل چھٹ گئے اور مولانا مرحوم اپنے خلوص و استقلال کی بدولت آئندہ کے لئے راستہ صاف کر لیا۔

اس وقت مدرسہ میں چوبیس مدرس بارہ دیگر ملازمین ہیں جن کا تعلق مدرسہ کے انتظامی اور دفتری شعبوں سے ہے۔ مدرسہ کی طرف سے پچاس لائق اور ہونہار طلباء کو وظائف امداد لیاقت دیے جاتے ہیں۔ ۱۳۵۰ھ سے مدرسہ میں طلباء کی تعداد چھ سو سات سو کے درمیان ہوتی ہے۔

صولت النساء بیگم کی مالی اعانت سے مدرسہ کی سب سے پہلی عمارت ۱۲۹۱ھ میں تیار کرائی وہ زمانہ کی محدود ضروریات کے مطابق پانچ بڑے کمرے اور تین چھوٹے کمروں پر مشتمل تھی۔ مدرسہ کی نئی عمارت دار التدریس میں جو نظام دکن کے پچیس ہزار روپیہ سے مدرسہ کے ہال کی تعمیر ہوئی جس کا نام سلطان العلوم ہال رکھا گیا۔ اس سہ منزلہ عمارت میں سلطان العلوم ہال کے علاوہ پندرہ کمرے بڑے اور چھ کمرے متوسط ہیں۔ مدرسہ کا دار الاقامۃ (بورڈنگ ———) ہے۔ مدرسہ کے دار الطلباء میں پچاس طلباء کے رہنے اور قیام کی کافی گنجائش ہے اس مدرسہ کا کتب خانہ ہے اس میں اس وقت تقریباً آٹھ ہزار کتابیں مختلف علوم و فنون کی موجود ہیں ۱۳۵۱ھ میں دار المطالعہ کا افتتاح ہوا۔ جو طلباء اور عوام کے لئے ہر وقت کھلا رہتا ہے اس مدرسہ کا مالی انتظام مولانا کی حیات میں مولانا کے ہاتھ میں رہا۔ مولانا مرحوم اپنے اثر و رسوخ اور اپنی ذات خاص سے مدرسہ کے اخراجات پورے کیا کرتے تھے

ندائے عام ص۱۵

مدرسہ کے کام کے بعد مولٰنا ردِ نصاریٰ کو انتہائی اہم اور ضروری فریضہ سمجھتے تھے اور اس کام میں اس قدر منہمک رہتے تھے کہ دنیائے اسلام کے علاوہ ممالک یورپ بھی آپ کی نگاہ میں تھے۔ آپ نے مکہ معظمہ سے بیٹھکر ممالک یورپ اور ہندوستانی ملکوں پر پورا کنٹرول رکھ رکھا تھا اور آپ کی تصانیف ہر چہار طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ آپ کا ہر مقام سے تعلق تھا اور ہر جگہ کے واقعات و حالات سے باخبر رہتے تھے۔ جہاں آپ ہندوستان کے ہر گوشہ سے واقف تھے وہاں نیو یارک وغیرہ کا پورا نقشہ آپ کے سامنے رہتا تھا کتنا تبلیغی کام کہاں ہوا ہے ایسی ہی مشنریوں کے اعمال سے بھی آگاہ رہتے تھے۔ چنانچہ مولٰنا محمد سعید صاحب عزیز قریبی مولٰنا رحمت اللہ علیہ مولانا اشرف الحق صاحب مرحوم کو خط لکھتے ہوئے حضرت مولٰنا کے ارشاد کا ذکر کرتے ہیں۔

ابھی چند روز ہوئے ہیں نے ایک اخبار میں آپ کی نیو یارک کی روانگی کا حال پڑھا تھا۔ مجھے اب تک مولٰنا رحمت اللہ علیہ کے وہ کلمات یاد ہیں جو یوریوں کے نومسلموں اور وہاں کی اشاعت اسلام کی نسبت فرمایا کرتے تھے۔

مولٰنا کا انتقال رمضان المبارک ۱۳۰۸ھ مطابق ۱۸۹۱ء میں ہوا۔ آپکا مزار منور جنت المعلیٰ میں ہے۔ آپکے ہم پہلو حضرت حاجی امداد اللہ شاہ مہاجر مکی کا مزار مقدس بنا۔ جن کا انتقال ۱۲ یا ۱۳، جمادی الاول ۱۳۱۷ھ کو مولٰنا مرحوم کے ڈیڑھ سال کے بعد ہوا۔ یہاں بھی دونوں مخلصوں نے ساتھ نہ چھوڑا۔

مولٰنا کے انتقال کے بعد حضرت شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکی و مدنی رحمتہ اللہ علیہ مدرسہ کے سرپرست بنائے گئے۔ اور مدرسہ کی مالی و حسابی نگرانی کی خدمت حاجی صاحب قبلہ کے برادر زادے حافظ احمد حسین مرحوم امین الحجاز کے سپرد کی گئی نظامت کی ذمہ داری مولٰنا مرحوم کے بعد حکیم اکبر کے پوتے مولٰنا محمد سعید نے انجام دی آجکل مولٰنا محمد سعید کے صاحبزادے مولٰنا محمد سلیم نظامت کے فرائض ادا کر رہے ہیں۔ مدرسہ کے ہندوستانی دفتر کے معتمد عمومی مولٰنا مرحوم کی حقیقی ہمشیرہ کے نواسے اور مولٰنا کے حقیقی چچا کے پوتے مولٰنا ضیاء الدین صاحب ہیں۔ اور ایک رسالہ ماہواری ندائے حرم قرول باغ دہلی سے نکالتے تھے تقسیم ہند کے زمانہ میں جب دہلی میں فسادات کا سلسلہ زوروں پر تھا اور لوٹ مار ہو رہی تھی یہ دفتر بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہا اور کافی نقصان اٹھانے کے بعد کراچی منتقل ہوگیا۔ چنانچہ رسالہ اب کراچی سے ہی نکلتا ہے اور مولٰنا ضیاء الدین صاحب ہی اس رسالہ کے ایڈیٹر ہیں جو مدرسہ صولتیہ کا ترجمان ہے۔ مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ نے ۱۳۱۰ھ میں کیا خدمات انجام دے رہا تھا اس کا تذکرہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی اپنے خط مورخہ ۱۴ رجب ۱۳۱۰ھ میں جو حضرت مولٰنا اشرف علی صاحب کو لکھا گیا تھا ان الفاظ میں فرماتے ہیں۔[1]

اکثر احباب یہ دریافت فرماتے ہیں کہ عزیزم مولوی قاری احمد مکی صاحب کا مدرسہ کس قسم کا ہے۔ اس لیے لوگوں کی اطلاع کے لئے یہ تحریر لکھی گئی۔ یہ مدرسہ جناب مولوی رحمت اللہ صاحب کی شاخ ہے جناب مولٰنا مرحوم کی ہمت اور توجہ سے یہ مدرسہ قائم ہوا۔ اور اس کا اہتمام قاری حافظ احمد مکی صاحب موصوف کے ذمہ کیا گیا۔ اس میں علوم دینیات پڑھائی جاتی ہیں۔ لیکن مدرسہ میں مولٰنا مرحوم کی زیادہ تر توجہ علم تجوید اور حفظ قرآن کی طرف ہے کیونکہ علم تجوید کا رواج بہت کم ہوگیا ہے۔ خصوصاً ہندوستان میں بہت کم ہے۔ ماشاء اللہ ان مدرسوں سے فائدہ عظیم ہوتے ہیں۔ ہندیوں کو اس فن میں عرب وغیرہ بہت حقیر سمجھتے تھے۔ بلکہ بعض عرب ہندی علماء کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے تھے۔ مگر بفضلہ تعالےٰ ان مدارس کے ذریعہ سے بہت سے کامل قاری ہو کر نکلے ہیں۔ اور حرمین شریفین میں بعض ہندی قاری تعلیم یافتہ ان مدرسوں کے اب استاد عرب ہیں۔ قاری حافظ احمد مکی صاحب کا مدرسہ محلہ جیاد میں ہے۔ پینسٹھ طلباء بالفعل عربی ترکی سندی وغیرہ

---

[1] مکتوبات امدادیہ مرتبہ مولٰنا اشرف علی صاحب صفحہ ۶

مختلف قوموں کے پڑھتے ہیں۔ حافظ صاحب نے اپنے جب ایمانی دتدین و تقویٰ کی وجہ سے اس کا انتظام بہت عمدگی کے ساتھ کر رکھا ہے بالفعل اس میں ایک قاری اور ایک حافظ ہیں۔ اور مولوی حافظ صاحب موصوف خود ایسی محنت و مستعدی سے دینیات اور علم تجوید پڑھاتے ہیں جو کسی مدرس کے برابر ہے۔ ہر مسلمان پر مدد دینی فرض ہے خصوصاً تعلیم قرآن مجید جو اصل دین اسلام ہے۔ خاص کر مکہ معظمہ میں مقدس مقام ہے جو دین کا مرکز مسلمان ہے۔ جہاں کی خیرات میں ایک لاکھ نیکیوں کا ثواب ہے۔ اور مکہ معظمہ میں علم دین کو مدد دینے کا کچھ حد و حساب نہیں ہم مسلمان آخرت ہی کے واسطے پیدا ہوئے ہیں۔ تھوڑا سا خرچ کر کے بحساب منافع آخرت اور زاد عقبیٰ حاصل کریں۔ وما توفیقی الا باللہ

اظہار الحق عربی زبان میں ۱۲۹۰ھ کے اندر قسطنطنیہ اور ۱۲۹۴ھ میں دو مرتبہ مصر میں اور چوتھے مرتبہ ۱۳۰۵ھ میں استنبول فرانسیسی، جرمنی، انگریزی، ترکی زبانوں میں ترجمہ ہو کر یورپ میں شائع ہوا۔ اس کتاب کا ابھی تک کسی نے جواب نہیں دیا ازالۃ الاوہام۔ یہ کتاب فارسی زبان میں ۱۲۶۹ھ میں بڑی تقطیع پر دہلی میں چھپی ہے ردّ نصاریٰ کے اکثر مباحث کا مسکت جواب ہے اس کتاب میں پادری فنڈر کے میزان الحق کے اعتراضات کے دنداں شکن جوابات بھی ہیں

ازالۃ الشکوک یہ کتاب عیسائیوں کے اُنتالیس سوالوں کا جواب ہے جو ۱۲۶۹ھ میں تصنیف ہوئی اور دو جلدوں میں شائع ہوئی ہے اور جس میں نبوت محمدی اور تحریف بائبل کے مدلل ثبوت ہیں کل ۱۰۵۳ صفحات پر مشتمل ہے مولٰنا مرحوم کے شاگرد رشید مولٰنا عبد الوہاب صاحب دیلوری بانی مدرسہ باقیات الصالحات مدراس نے اپنے اہتمام اور صرف سے مدراس میں پہلی جلد چھپوائی تھی۔ دوسری جلد مولٰنا موصوف کے خلف ارشد مولوی ضیاء الدین صاحب مہتمم مدرسہ مذکور نے چند سال قبل اپنی نگرانی میں طبع کرائی ہے۔

اعجاز عیسوی المقلب بمقعلہ تحریف اس کتاب میں مولٰنا مرحوم نے کامل طور پر انجیل کا غیر معتبر ہونا ثابت کیا ہے۔ چھ سو صفحوں پر پہلی بار آگرہ مطبع رضوی میں چھپی اس پر اول پادری عماد الدین نے کچھ ماده سرائی کی تھی جسے خود عیسائیوں نے نہایت ناپسند کیا۔ اس کی تاریخ "ذالک ھدی اللہ یھدی بہ من یشاء۔ ۱۲۷۱ھ نکلتی ہے

اصح الاحادیث فی ابطال التثلیث یہ رسالہ جسمیں دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے تثلیث کو باطل ثابت کیا ہے مطبع رضوی دہلی میں ۶۴ صفحوں پر ۱۲۹۲ھ میں چھپا ہے

بروق لامعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا مدلل اثبات اور براہین ساطعہ سے خاتم المرسلین پر ختم رسالت کو ثابت کیا ہے۔ غیر مطبوعہ

معدل الموجاج المیزان یہ کتاب میزان الحق پادری کا جواب ہے پادری صفدر علی نے نورافشاں نمبر ۳۰ جلد ۱۲ مطبوعہ ۲۴ جولائی ۱۸۸۲ء میں بیان کیا کہ اس کتاب کا اصلی نسخہ ان کے پاس ہے۔ غیر مطبوعہ۔

تقلیب المطاعن:۔ تحقیق دین حق مولفہ پادری لامسمند کا رد کا جواب غیر مطبوعہ

معیار التحقیق:۔ کتاب تحقیق الایمان مؤلفہ پادری صفدر علی کا دنداں شکن جواب [1]

---

[1] انوار العاشقین ۸۶ [2] ندائے حام (۱۸ - ۱۹)

حضرت العلامہ مولٰنا آل حسن مرحوم

آپ کا نیشاپور کی سادات سے تعلق ہے۔ سید محمود نیشاپوری آپ کے جد اعلیٰ موہانہ میں مقیم ہوئے کئی پشتوں کے بعد سید وجیہہ الدین تشریف لے گئے۔ یہ تمام خاندان شیعہ تھا۔ لیکن سید وجیہہ الدین کا رجحان صوفیت کی طرف ہونے کی وجہ سے وہ دہلی کے مشہور معروف ولی سید حسن رسولنما کے مرید ہوئے اور سُنّی طریقہ اختیار کیا۔ محنت وجفاکشی عبادت گذاری کی بدولت پیر نے اپنی خلافت کی سند عطا کی۔ سُنیوں میں بھی آپ تفضیلی عقائد کو پسند کرتے تھے۔ چنانچہ آپ نے رسالہ رد تبری کے ساتھ ساتھ حضرت علی رضؓ کے انفضلیت میں بھی رسالہ لکھا۔ آپ کا نظریہ یہ تھا کہ خلافت دو حصّوں پر مشتمل ہے عمارت اور امامت، امامت کے اعتبار سے حضرت علی انفضل تھے لیکن عمارت اور امارت دونوں کے لحاظ سے ہر سہ حضرات ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، موزوں اور انفضل تھے

نام خاندان آلِ حسن نام خلف مولوی سیّد غلام سعید خاں۔ منصبدار سلطنت اودھ قصبہ موہان ضلع اُناؤ ملک اودھ کے رہنے والے تھے آپ کے والد لعہد نواب سعادت علی خاں بہادر شاہ اودھ کا محکمہ عدالتوں کے افسر اعلیٰ تھے اور مقربین خاص شاہ اودھ موصوف تھے۔ جس کی وجہ سے آپ کا قیام خاص لکھنؤ میں تھا۔ عالم جوانی اور اسی عہد سلطنت میں مولوی سیّد غلام سعید خاں کا انتقال ہوگیا۔ خاں صرف خطابی تھا۔

مولوی غلام سعید خان کے والد کا اسم گرامی حضرت سید شاہ وجیہہ الدین ہے اسی طرح نسب حضرت امام علی موسیٰ رضا رضی اللہ تعالےٰ عنہ تک اس سلسلہ سے پہونچتا ہے۔ مولوی سیّد آلِ حسن بن مولوی سیّد غلام سعید خاں بن مولوی سیّد شاہ وجیہہ الدین محمد بن سیّد محمد خنیف بن سیّد غلام علی بن سیّد عبد الرؤف بن سیّد جمال بن سید حافظ بن سیّد سعد اللہ بن سیّد گدن بن سیّد الہ داد عرف سید اوہن بن سید منتجب ولایت تزاد بن سید محمود نیشاپوری بن سید محمد بن سید احمد بن سید حسین بن سید ابابکر سید یحییٰ ۔ بن سید عبد العزیز بن سید ابراہیم بن سید محمود دبن سید زید بن سید عبد اللہ بن سید یعقوب بن سید احمد بن سید محمد بن سید احمد ۔ سید محمد تقی بن سید ابو الفضل موسی الرفع ۔ بن سید ابو الفضائل امام علی نقی بن حضرت سید ابو جعفر امام محمد نقی سید واسط بن حضرت امام علی موسی رضا بن حضرت امام موسی کاظم بن امام جعفر صادق بن حضرت امام محمد باقر بن حضرت امام زین العابدین علی اوسط بن حضرت سید الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ بن حضرت سیدتنا فاطمہ وسیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما ۔ سید محمود صاحب نیشاپور سے ترک وطن کرکے قصبہ موہان میں آکر متوطن ہوئے۔ مولٰنا مرحوم کی صحیح تاریخ ولادت معلوم نہیں قیاسی سنہ ولادت ۱۲۰۲ھ مطابق ۱۷۸۸ء ہے

بوقت وفات مولوی غلام سعید خانصاحب مولٰنا کی عمر صرف دس سال کی تھی اور آپ سے چھوٹے بھائی مولوی اوصاف حسن صاحب کی عمر چار سال کی تھی۔ عبد اللہ نامی ایک پردرہ کے سپرد گھر اور کل مال واسباب رہتا تھا۔ ایک عالیشان مکان موہان میں تعمیر ہو رہا تھا۔ تعمیر بند ہوگئی۔ مال واسباب عبد اللہ و دیگر ملازمین لے کر معلوم نہیں کہاں چمپت ہوگئے۔

عہد طفلی

ابتداءً بزمانہ قیام لکھنؤ معلوم نہیں سلسلۂ تعلیم کس طرح شروع ہوا۔ اور اس کا پتہ معلوم نہیں کہ یتیمی کے بعد، جب کہ اور کوئی ذریعہ معاش بھی نہیں رہا تھا نیز والدہ اور چھوٹے بھائی کا بار سر پر تھا، تعلیم کس طرح اور کہاں حاصل کی سترہ سال کی عمر میں شادی قصبہ کسمنڈی ضلع لکھنؤ میں ہوئی اور بعد عقد زیادہ تر قیام قصبہ کسمنڈی میں رہنے لگا۔ وہیں آخر میں مولوی جعفر علی صاحب کسمنڈوی سے بھی کچھ پڑھنے کا سلسلہ قائم رکھا۔ سنا ہے کہ لڑکپن میں دماغ میں چوٹ لگنے سے ذہن اچھا نہ تھا۔ ایک روز عالم رؤیا میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے چوٹ کے مقام پر اپنا لعاب دہن لگایا۔ جس کے بعد ہی ذہن برق ہوگیا کہ کوئی طالب۔ علم مقابلہ نہیں کرسکتا علاً اساتذہ میں سوائے مولوی جعفر علی صاحب کے دیگر اصحاب کے نام تک معلوم نہ ہوسکے۔

ملازمت انگریزی

کچھ عرصہ کے بعد نوکری کی تلاش میں الہ آباد گئے کہ وہاں اس زمانہ میں صدر عدالت دیوانی و دیگر محکمہ جات کے مقرر ہوئے۔ معلوم نہیں کہ کس محکمہ میں لیکن وہیں الہ آباد کے کسی دفتر میں تحریری کی نوکری ملی جسکی تنخواہ بہت قلیل تھی۔ اس کے بعد ترقی ہوتی گئی یہاں تک کہ والدہ اور گھر کے لوگوں کو بھی وطن سے لیجا کر وہیں الہ آباد میں قیام کیا۔ چھوٹی صاحبزادی نیز مولوی انوار الحسن صاحب و مولوی لطف حسن صاحب وہیں الہ آباد میں تولد ہوئے۔ چھوٹے بھائی موہان ہی میں اقامت گزیں رہے۔ آپ ان کی خرچ سے مدد کرتے رہے۔ والدہ کا وہیں الہ آباد میں انتقال ہوا۔ اسی سلسلہ میں مولانا مصنف بمشاہرہ سو روپے مقرر ہوئے تعیناتی جہاں آباد نواح فتحپور ہسوہ میں ہوئی وہیں چھوٹے صاحبزادے مولوی احمد سعید صاحب تولد ہوئے۔ دیگر صاحبزادے موہان ہی میں تولد ہوئے۔

کئی سال کے بعد جہاں آباد سے قصبہ جنڈ کی میں تبادلہ ہوا اور تین چار سال وہیں قیام رہا۔ اسی زمانہ میں صدر عدالت الہ آباد سے آگرہ میں چلی گئی۔

وہاں بعض دوست احباب پر جو زمرۂ وکلا ہائیکورٹ نیز ملازمین سرکار تھے کچھ مقدمات رشوت ستانی وغیرہ کے قائم ہوئے۔ مولانا سے سراغ ملنے کی امید تھی۔ لیکن مولانا دوستی کے پکے تھے۔ باوجودیکہ مولانا پر بہت سختی کی گئی۔ مسٹر موکسن ایک انگریزی عہدہ دار یا دربیوں کے مباحثات سے مولانا سے خاص پرخاش رکھتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ مولانا پر سختی کے باعث وہی تھے۔ مولانا منصفی سے معطل کردئے گئے۔ لیکن مولانا نے دوستوں کے خلاف کوئی حال نہیں بیان کیا۔ چند وکلا وغیرہ سزایاب ہوئے مولانا بالآخر دس ماہ کی معطلی کے بعد بے قصور ثابت ہوکر بری ہوئے معطلی کی تنخواہ سرکار سے یکمشت ملی۔ بری ہوکر جہاں آباد آئے وہاں سے مستعفی ہوکر تینوں لڑکیوں کے عقد سے فراغت حاصل کی۔ تقریباً ۱۴ سال وطن اور زیادہ تر کسمنڈی ہی میں بحالت بیکاری مقیم رہے۔ سسرالی کچھ جائیداد از قسم اراضی و باغ تھی۔ اس میں بدقت تمام نہایت عسرت کے ساتھ بسر کی۔ بحالت بیکاری بمبئی کے شیخ چاند تاجر نے کبھی کبھی روپے سے مدد دی آخر میں باصرار سر سید احمد خاں مرحوم دہلی و مراد آباد میں چند روز انھیں کے پاس وکالت کی۔

علمی و مذہبی خدمات

مولانا کو مناظرۂ مذہبی میں خاص ملکہ حاصل تھا۔ لیکن چونکہ آپ کو غصہ بہت جلد آجاتا تھا۔ لہٰذا زبانی مناظرہ سے محترز رہتے تھے۔ مشہور مناظرہ مسیحی و اسلام آگرہ میں جس میں مسلمان کامیاب اور مسیحی ناکام رہے مسیحیوں کی طرف سے پادری فنڈر صاحب اور مسلمانوں کی طرف سے مولانا آل حسن صاحب مناظرہ کے روح رواں تھے۔ اگرچہ مسلمانوں کی طرف سے مناظرہ زبانی مولینا رحمت اللہ علیہ مرحوم فرماتے تھے۔ مولانا کی زیادہ تر تصانیف مناظرہ ہی میں ہیں۔ جن میں کتاب استفسار و استبشار خاص شہرت رکھتی ہیں یہ کتاب ہندوستان میں مسیحیوں کے مقابلہ میں اب تک بے مثل و لاجواب ہیں۔

گرفتاری

عیسائی مولانا کو رد نصاریٰ کی وجہ سے اپنا دشمن اور اپنے دین کا مخالف سمجھتے تھے اور اس مذہبی مخالفت کو بغاوت سے تعبیر کرتے تھے کوئی معقول ثبوت ہاتھ نہ لگا۔ تو بلا الزام کے ہی گرفتار کر لیا اور جیل میں ڈال دیا۔ ہزار جتن کئے۔ قانونی شکنجے میں کس دینے کی بہتیری کوشش ہوئی لیکن حکومت ناکام و نامراد ہوئی اور کوئی معقول و غیر معقول ثبوت بہم پہنچا نہ کر سکی آخر ڈیڑھ ماہ کے بعد حکومت مولانا کو رہا کرنے پر مجبور ہوئی (بقول مولانا۔ حسرت موہانی)

سرکار نظام کی ملازمت

مذہبی خدمات سے باوجود ڈاک اور تار کے انتظام نہ ہونے کی وجہ سے اسی زمانہ میں مولانا کا شہرہ تمام ہندوستان میں ایک کونے سے لیکر دوسرے کونے تک ہو گیا تھا۔ سرکار نظام حیدرآباد میں نواب محمد یار خاں محی الدولہ اول کا۔ بعہد نواب افضل الدولہ بہادر مرحوم نظام خامس خاص اقتدار تھا۔ نظام الملک خامس مرحوم کے مزاج میں محی الدولہ مرحوم کا سب سے زیادہ رسوخ تھا۔ انتہا یہ ہے کہ سر سالار جنگ اول مرحوم وزیر اعظم تک کو ان کی مزاج داری کرنی پڑتی تھی۔ محی الدو. مرحوم ایک مذہبی آدمی تھے۔ علماء و صلحاء کے بڑے قدر دان تھے مولانا کی شہرت سن کر کوشش کی کہ مولانا حیدرآباد آجائیں غرخرچ کے لئے اپنے پاس سے ایک معقول رقم موہان بھیجی اور بہت اشتیاق کے ساتھ حیدرآباد آنے کی ترغیب لکھی۔ شاید بعد مسافت کی وجہ سے مولانا نے باوجود عشرت سفر خرچ شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا۔ نواب صاحب موصوف نے دوبارہ سفر خرچ بھیجکر بہت اصرار سے اشتیاق ظاہر کیا۔ اس زمانہ میں مولانا کا دہلی میں وکالت کا شغل تھا۔ اس نوبت پر دوستوں کی رائے سے حیدرآباد کے لئے دہلی سے معہ کسمنڈی آئے۔ اور کسمنڈی سے حیدرآباد گئے۔ حیدرآباد میں مولانا نواب محی الدولہ مرحوم ہی کے مہمان رہے اور بہت جلد بمشاہرہ ماہ ملازم ہو گئے اس کو ایک سال کا عرصہ گذرا تھا کہ وطن میں مولانا کے گھر کے لوگوں اور ایک صاحبزادی اور صاحبزادے مولوی انوار الحسن کا انتقال ہو گیا۔ جن کو نواب صاحب موصوف نے سفر خرچ بھیجکر زمرۂ اطباء میں ملازمت کے لئے طلب کیا تھا۔ مولانا پریشان ہو کر حیدرآباد چھوڑ کر وطن میں واپس آگئے۔ چند دنوں موہان میں رہنے کے بعد نواب صاحب موصوف نے تیسرے مرتبہ سفر خرچ بھیجکر مولانا کو طلب کیا مولانا ناظم صدارت العالیہ حیدرآباد بمشاہرہ ستعمار روپیہ مقرر ہوئے۔ مولانا بہت جلد کسی بہت ہی جلیل القدر عہدہ پر مقرر ہونے والے تھے اور بہت بڑی جاگیر ملنے کو تھی کہ دفعتاً بعارضہ تپ ولرزہ نواب محی الدولہ بہادر کا انتقال ہو گیا۔ مولانا خدمت متذکرہ صدر ہی پر آخر تک رہے۔ ایک زمانہ کے بعد۔ بوجہ پیرانہ سالی ترک ملازمت کر کے موہان ہی میں آکر رہنے لگے اور وہیں بتاریخ ۱ ربیع الثانی سنہ ۱۲۸۷ھ تخمیناً بعمر ۸۵ سال بعارضہ فالج انتقال فرمایا۔ اور قصبہ موہان ہی میں خاندانی قبرستان میں بمقام محلہ کرا مدفون ہوئے۔

حلیہ

پیشانی کشادہ گورا رنگ بہت کھلا ہوا۔ بہت بڑی بڑی نہایت خوبصورت آنکھیں بھنویں گھنی ہوئی۔ لیکن بیچ میں فاصلہ تھا۔ بینی بلند اور دراز کسیقدر آگے کو جھکی ہوئی۔ ڈاڑھی بڑی اور گھنی نیچی۔ قد متوسط ہاتھ پیر چھوٹے گداز بہت ہی خوبصورت و نرم۔ آنکھوں کا ایک خاص وصف تھا کہ عاشق رسول و آل رسول تھیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم یا اہلبیت کے نام لینے پر فوراً اشکبار ہوتیں۔ دل ہمیشہ اسی محبت میں سوزاں وگداز رہا۔

خصائص

مولانا بالکل بھولے بھالے تھے۔ خانگی امور میں شاید اس وجہ سے کہ خیالات اعلیٰ علمی اور مذہبی امور کی طرف رکھتے تھے بالکل توجہ نہ تھی۔ گھی اور تیل میں امتیاز نہ کر سکتے تھے۔

حکایت

میرے والد مرحوم مولوی احمد سعید کی پیدائش کے بعد ایک انا دودھ پلانے کو رکھی گئی قوم کی ہندو راجپوت تھی۔ قد و قامت بمقابلہ عام عورتوں کے زیادہ تھا۔ مولانا گھر میں آکر پوچھنے لگے یہ کون ہے۔ گھر کے لوگوں نے

کہاکہ دودھ پلانے کو ملازم رکھی گئی ہے۔ مولٰنا لڑکیوں سے کہنے لگے کہ اس عورت پر مجھے شبہ ہے کہ کہیں یہ مرد نہ ہو اور یہاں عورت کے بھیس میں آئی ہو۔ لڑکیوں کو اس سے احتیاطاً پردہ کرنا چاہئے گھر کے لوگوں نے کہا کہ حضرت دودھ پلا رہی ہے۔ ایسا شبہ کیسے ہوسکتا ہے۔ لاحول پڑھ کر ہنسنے لگے کہ اس کا خیال ہی نہ گیا۔

مولٰنا کی طبیعت کا خاص خاصہ تھا کہ بدصورت اور سیاہ فام آدمیوں سے نفرت تھی راقم الحروف کے والد جب جہان آباد میں پیدا ہوئے تو والد کا رنگ سانولا تھا لڑکے کو دیکھ کر برسوں افسوس کرتے رہے کہ میرا لڑکا کالا پیدا ہوا۔

مولٰنا کے سامنے کھانے کے وقت لیکایک بدصورت شخص آجاتا تو مولٰنا کو فوراً استفراغ ہوجاتا۔

مولٰنا وفورِ محبتِ اہلبیت میں آخر میں بالکل ہی اہلبیت کے لئے رہ گئے تھے کسی بزرگ کا اہلبیت سے نام لیتے یا سنتے ہی مولٰنا کی بڑی بڑی خوبصورت (نرگس شہلا) آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا جاری ہوجاتا تھا۔ باوجود انتہائے زہد و تقویٰ عشرۂ محرم میں اختیار سے کسی قدر باہر ہوجاتے۔ تعزیہ رکھنے کو بدعت و گناہ سمجھتے تھے۔ لیکن تعزیہ اگر دیکھ لیتے دیکھکر اختیار میں نہ رہتے تھے قصبہ گسمنڈی میں نویں محرم کو عوام الناس کا گروہ ایک تعزیہ سے دوسرے تعزیہ پر ماتم کرتا ہوا نکلتا تھا بہت سے آدمی ان کے پاس کھڑا ہونا بھی پسند نہ کرتے تھے۔ لیکن مولٰنا تمام شب اس گروہ کے پیچھے زار و قطار روتے ہوئے ان کے ساتھ پھرتے تھے۔

مولٰنا کی تصانیف میں ایک کتاب ذکر ولادت حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے کتاب مذکور اس شعر سے شروع ہوتی ہے ۔

امر شاہ شاہاں مہماں شدہ است مارا
جبرئیل با ملائک درباں شدہ است مارا

اکثر مجالس میلاد میں مولٰنا اپنی کتاب پڑھا کرتے تھے آخر میں یہ حال ہوگیا تھا کہ اپنے گھر میں سال میں ایکمرتبہ ضرور مجلس میلاد نبوی منعقد کرتے اور خود ہی ممبر پر پڑھنے بیٹھتے بیت مذکرہ کے پہلے ہی مصرعہ پر ہچکیاں لگ جاتیں اور گھنٹوں رہتیں مولٰنا پڑھنے سے مجبور ہوجاتے اور کسی دوسرے شخص کو پڑھنا پڑتا تھا۔

مولٰنا کو بیعت ارادت مولانا انوار الحق قدس اللہ سرہٗ لکھنوی فرنگی محلی سے تھی۔ جن کو آپ "میاں" کے لفظ سے یاد کیا کرتے تھے۔

تصنیفات

آپ کی تصنیفات بقول مولٰنا حسرت موہانی کے کثیر التعداد میں زیادہ تر عقائد میں ہیں۔ بقا یارد سے نصاریٰ میں ہیں۔ رد نصاریٰ میں آپ کی مشہور تصنیف استفسار ہے جس کے معقول دلائل نے عیسائیت اور پادریوں کی دنیا میں تہلکہ مچا دیا تھا۔ اور اسلام کی حقانیت ثابت کی تھی "علمائے اسلام کا جہاد" کے عنوان میں تفصیلات کتاب کے بارے میں پڑھیئے۔

اس کے علاوہ آپ کی تصنیف جس میں عیسائیت کا کیرکٹر کا نام مرزا بیگ اور مسلم کیرکٹر کا نام سنجیدہ بیگ رکھکر سوال و جواب میں عیسائیت کے پرخچے اڑائے تھے۔ بے انتہا دلچسپ کتاب تھی۔ حاضر جوابی کا شاہکار اس کو کہنا چاہیئے۔

مناظرہ و مراسلات

خطوط کے ذریعہ پادری فنڈر سے مولٰنا نے جو مناظرے کئے وہ پادری فنڈر نے اپنی کتاب حل الاشکال کے آخری حصہ کے ساتھ شائع کئے تھے۔ مولٰنا حیات الحسین نبیرہ مولٰنا موصوف نے جو کتابیں مولٰنا کی جمع کی تھیں ان میں یہ کتابیں تھیں کتاب مرغوب در ماخذ جوابات بہ نصاریٰ۔ رسالہ ارد وحدت وجود۔ تقریر در بحث لاتناہی۔ مولد نامہ مصطفوی۔ واقعہ علویہ۔ انتخاب ترجمہ ارشادات عیسویہ۔ تنقیح العبادت۔ مجمع النورین۔ دربیان الوہیت و رسالت۔ رسالہ نجات اخروی۔ استفسار۔ استبشار تذکرہ شہادت سید الشہدا۔ تذکرۃ الموتےٰ۔ فوائد مثنوی مولٰنا روم۔ تقاریر در بحث لاتناہی۔ ترجمہ بعض آیات قرآنی در باب اعتقادات۔ النجات مختلفہ۔ (تنقیہ العبادت ہے)

ڈاکٹر محمد وزیر خاں

ڈاکٹر صاحب کے والد کا نام شرف الدین تھا۔ جو شرفائے افاغنہ عظیم آباد پٹنہ سے تعلق رکھتے ہیں آپ وہیں پیدا ہوئے اور وہیں آپ نے فارسی، عربی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی ۱۸۳۲ء میں ڈاکٹری کی ڈگری حاصل کرنے کے لئے انگلینڈ گئے۔ انگلینڈ جانے کا مقصد ڈگری کے ساتھ انجیل کی معلومات اور اس کے متعلق تحقیقی لٹریچر حاصل کرنا بھی تھا۔ چنانچہ آپ عیسائیت کے سلسلہ میں بہت سی کتابیں اپنے ساتھ لائے اور اسسٹنٹ سرجن کی سند بھی حاصل کی۔ آپ نے وہیں یونانی زبان سیکھی۔ یہ سفر گورنمنٹ کے خرچے اور گورنمنٹ کے ایماء پر کیا گیا۔ چنانچہ انگلینڈ سے آنے کے بعد آپ محکمہ کا غذیاں تا گنج آگرہ میں رہے۔ ڈسپنسری کے انچارج مقرر کئے گئے۔

۱۸۳۵ء سے ۱۸۴۴ء تک رد نصاریٰ کے مواد فراہم کیا اور مولینا رحمت اللہ مرحوم کو نصاریٰ انگریزی لٹریچر سے واقفیت کرائی۔ چنانچہ آپ ہی کی وہ ذات گرامی ہے جو اس تاریخی مناظرہ میں جو ۱۸۵۴ء میں آگرہ کے اندر پادری فنڈر سے ہوا مولینا موصوف کے مشیر و شریک کار تھے اور پادری فنڈر کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ آپ نہ بول سکیں چنانچہ آگرے کے مناظرہ میں پادری نے آپ کو تین چار مرتبہ بولنے سے روکا۔ اس مشہور مناظرے کے بعد ۱۵ مئی ۱۸۵۵ء کو پادری فنڈر نے اسپرنگر صاحب کی تصنیفات جنہیں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید اور احادیث نبوی کے بارے میں غیر منقلب اتہام اور ناروا بہتان لگائے گئے ہیں" ڈاکٹر صاحب کے پاس بھیجیں۔ اس کے قبل ڈاکٹر صاحب سے پادری کے مابین کوئی خط و کتابت نہیں تھی۔ اس چھیڑ خانی کی برداشت کرتے ہوئے انہوں نے اس سے گریز کرنا چاہا۔ اور اس کو کتابیں واپس کیں۔ اور پادری صاحب کو ان کتابوں کے مطالعہ کی فرمائش کی۔ جو ٹامس پائین اور ڈاکٹر اسٹراس صاحب کی تصنیف کردہ تھیں۔ یہ وہ کتابیں جن میں عیسائیوں کے عقائد کا بطلان کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے موخر الذکر اعتراضات پادری کو لکھ کر بھیجے جس میں متی کے باب اول کا غلطیاں بیان کی گئی تھیں۔ ان اعتراضات کا پادری نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ڈاکٹر صاحب نے اور حواریوں کی غلطیاں ظاہر کیں۔ وہ اس پر چراغ پا ہو گیا۔ چنانچہ آخری خط جز بز ہو کر لکھتا ہے۔

"میں نے اپنے آخری خط میں اس بات کا اشارہ کیا اور اب صاف لکھتا ہوں کہ میں آپ کا خط قبول کروں گا اور نہ لکھا کر بھیجو نگا کیونکہ آپ غیر مناسب لکھنے سے دست بردار نہ ہوں گے۔ بلکہ طعن و بہتان سے کام لیجئے۔ اس لئے آپ اس لائق نہیں کہ آئندہ سے خط و کتابت جاری رکھیں۔ لہٰذا آپ کے خط کو بے کھولے بے پڑھے واپس دیتا ہوں۔ آپ میرے پاس خط نہ بھیجیں کہ میں قبول نہیں کرونگا۔ اگر آپ کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔ تو لکھکر چھپوا دیں۔ اگر جواب کے لائق ہوگا تو وہ بھی چھاپے کی راہ سے جواب دوں گا۔

۱۶ اگست ۱۸۵۵ء

کیتھلی فانڈر

یہ تحریری مناظرہ کئی ماہ تک ہوتا رہا۔ پادری کے گیارہ خط اور ڈاکٹر صاحب کے چودہ خط ایک شاندار فاضلانہ مناظرہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ علی الخصوص ڈاکٹر صاحب کے خطوط ایک معلومات کا ذخیرہ اور رد نصاریٰ میں بے مثل چیز ہیں۔ یہ مجموعہ فارسی میں اور اردو میں سید محمد عبد اللہ صاحب اکبر آبادی نے درمیانی تقطیع پر ۱۲۷۱ھ میں مطبع جلی اینٹ اکبر آباد میں چھپا ہے فارسی کے صفحات ۸۸ ہیں اور اردو کے ۲۰۴ ہیں۔

ان جرأتوں کو حکومت نے گستاخی اور بغاوت پر محمول کیا ۱۸۵۷ء کے ہنگامے دار و گیر میں شریک ہونیکا الزام لگایا اور آپ کی گرفتاری کیلئے وارنٹ جاری کئے گئے۔ آپ وہاں سے فرار ہو کر مع مولوی فیض احمد بدایونی پیشکار دہلی آئے۔ بادشاہ دہلی کی خدمت میں حاضر ہوئے اسی زمانہ میں جنرل بخت کا دور دورہ تھا۔ انہوں نے ڈاکٹر صاحب کو اودھ کا گورنر مقرر کیا۔ بادشاہ ظفر نے اس کی منظوری دی۔ ڈاکٹر صاحب اس کے بعد سے تمام سیاسی تحریکوں میں شامل رہے۔ چنانچہ شمس العلماء مولینا ذکاء اللہ لکھتے ہیں اودھ کا صوبہ دار ڈاکٹر

۱؎ حاشیہ اظہار الحق عربی ص ۳۴ ۲؎ البحث الشریف فی اثبات النسخ و التحریف مناظرہ رحمت اللہ از عبد اللہ ۳؎ دوسرا حصہ مناظرہ ڈاکٹر وزیر خاں با پادری فانڈر

ڈاکٹر وزیر خان کو مقرر کیا تھا جو آگرہ کا سب اسسٹنٹ سرجن اور باغی ہو کر دہلی میں آیا تھا اور بخت خان کا گہرا دوست تھا۔

ڈاکٹر وزیر خان مردانہ وار نکل آئے۔ آگرہ میں جو فوج فدائیوں کی آئی اس کی سرپرستی ڈاکٹر صاحب نے کی انگریز قلعہ بند ہو گئے۔ یہ مولوی فیض احمد بدایونی کو ساتھ لیکر دہلی پہنچے۔

دہلی کی جامع مسجد میں جہاں بعد نماز جمعہ علامہ فضل خیر آبادی نے علماء کے مجمع میں تقریر کی ـــ اور فتویٰ جہاد پیش کیا۔ وہاں ڈاکٹر اور بخت خان بھی موجود تھے۔ اور اسی مجلس میں سید مبارک شاہ خان آزردہ بدایونی، مولانا عبدالقادر، قاضی فیض اللہ دہلوی۔ مولانا فیض احمد بدایونی کے ساتھ اس فتویٰ جہاد پر دستخط کرنیوالوں میں آپ بھی تھے۔ اس فتوے کے شائع ہونے سے شورش ہو گئی تھی اور دہلی میں نوے ہزار سپاہی جمع ہو گئے تھے

جنرل بخت خان نے ۱۴ر ستمبر ۱۸۵۷ء میں جب دہلی میں مرزا مغل کی بیوقوفیوں کی بناء پر فوج کی حالت ناقابل اعتماد دیکھی۔ اور آخر انگریزوں کا جب قبضہ ہو گیا تو اس وقت جنرل بخت دہلی چلدئے۔ اس وقت ان کے ساتھ مولوی فیض اللہ و ڈاکٹر وزیر خان وغیرہم تھے۔ (ثورۃ الہند مولانا شاہد)

یہ سب لوگ لکھنؤ پہنچ کر احمد اللہ شاہ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے ـــ مقابلہ ہوا جس کی روئداد یہ ہے۔

لکھنؤ کے عالم باغ پر جب کہ انگریزوں کا قبضہ ہو چکا تھا اس وقت ۲ دسمبر کے دن ہندوستان کے باغیوں کے مشہور و معروف اور ہر دلعزیز انقلابی رہنما مولوی احمد اللہ شاہ اور ڈاکٹر وزیر خاں وغیرہ اپنی دانشمندانہ تدبیروں سے حملہ کیا۔ کہ انگریزی فوج کے قبضہ کا خاتمہ ہو جائے ـــ ایک طرف لشکر کے قریب توپیں لگا کر لشکر گولے پھینکے دوسری طرف ۲۲ دسمبر کو چار ہزار پیدل اور چار سو سوار اور چار توپیں گہان اور مدروپ کے راستہ سے بھی بھیجیں تاکہ کانپور سے انگریزوں کی آمد و رفت بند ہو جائے

انگریز یہ کوشش کرتے رہے کہ عالم باغ ان کے قبضہ سے نہ نکلے اور کانپور کا راستہ بھی مسدود نہ ہو۔ چنانچہ کانپور کو مختصر سی فوج اور چھکڑے جا رہے تھے وہ گئے۔ اور باغیوں کی فوج اس کو نہ روک سکی۔

۱۲ر جنوری تیس ہزار کے قریب باغیوں نے انگریزی فوج پر حملہ کیا۔ انگریزوں کے پاس زیادہ توپیں نہ ہوتیں تو باغی کامیاب ہو جاتے۔ لیکن کم توپوں کی وجہ سے مسلسل حملہ نہ کر سکے اور ۱۵ر فروری تک خاموش رہے ۱۵ر فروری کو لڑنے کا قصد کیا۔ اس کے بعد کئی حملے کئے۔ ۲۷ر جنوری کو باغیوں کے لشکر کی کیا قوت تھی۔ اس کی تفصیل ذیل ہے۔

۳۷	رجمنٹس آئینی سپاہ ہوئی ـــ	۲۷۵۵۰
۱۴	رجمنٹس بھرتی کی	۵۴۰۰
۱۰۶	رجمنٹس	۵۵۱۵۰
۲۶	رجمنٹس سواروں کی	۷۱۰۰
	ساندلی سواروں کی رجمنٹ	۸۰۰
	کل میزان	۹۶۰۰۰

پہلی آئینی سپاہ تیس ہزار تھی مگر دہلی کے فتح ہونے کے بعد تگنی ہو گئی[1] یہ لشکر عالم باغ پر چاروں طرف سے حملہ کرتا تھا۔ عرصہ تک حملے ہوتے رہے۔

۶ر مارچ کو انگریزوں نے گومتی کے بائیں کنارے توپوں سے مشرقی اور شمالی مورچوں سے حملہ کرنے کے لئے فوج متعین کی

---

[1] تاریخ سنہ ذکاء اللہ ۵۷

اور دو پلوں کے پار پیدلوں اور سواروں کو اور توپوں کے بیٹریوں کو بھیجا جہاں انہوں نے پیپوں کو رسیوں سے باندھ کر دو تین دن میں تختے لگا کے پل بنائے اور چند دن کے بعد باغیوں پر حملہ کیا۔ غرض سکندر باغ انگریزوں نے فتح کیا۔ بیگم کی کوٹھی پر سخت مقابلہ ہوا۔ آٹھ نو گھنٹے تک گولہ زنی رہی تو ایک دراڑ پڑی جس کی وجہ سے انگریزوں نے یورش کر کے اس کو لے لیا۔ غرض ۱۲ مارچ کو قیصر باغ انگریزوں نے فتح کیا میں ہوس ونار کی کی کوٹھی و موتی محل چھتر منزل کو انگریزوں نے اپنے قبضہ میں کیا۔ اس میں نو سو انگریز مجروح و مقتول ہوئے اور ہوسٹرن صاحب دوسری دنیا کو سدھارے۔

ابھی انگریزی فوج چین بھی نہ لینے پائی تھی کہ ۲۱ مارچ مولانا احمد اللہ شاہ صاحب مع اپنے ساتھیوں کے پھر لکھنؤ آئے اور شہادت گنج میں مقیم ہوئے۔ انگریزی فوج ان کو نکالنے کے لئے بھیجی گئی۔ باغی فوج نے بڑی بہادری سے انگریزی فوج کا مقابلہ کیا کافی انگریز واصل جہنم کئے اور بہت سے انگریزوں کو سخت زخمی کیا۔ قبضہ سے بالکل باہر تھے چھ میل تک ان کا تعقب کیا گیا لیکن ہاتھ نہیں آئے۔ فوج کی تعداد چار ہزار تھی۔ پھر باغیوں کی فوج نے کرسی میں جو فیض آباد کی سڑک پر لکھنؤ سے ۲۵ میل کے فاصلے تھی قیام کیا۔ مقابلہ ہوا کامیاب نہ ہو سکے مگر قبضہ میں نہ آئے۔

ان حضرات نے پھر اپنا ہیڈ کوارٹر باری میں جو لکھنؤ سے ۲۹ میل کے فاصلہ پر تھا بنایا انگریز فوج ۱۱ اپریل کو لکھنؤ سے مقابلہ کے لئے چلی۔ یہ پہلے ہی انگریزی فوج کے حالات سے آگاہ ہو چکے تھے انہوں نے انگریزوں کے عقب پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا اس میں چھ ہزار چھکڑے باربرداری کے ساتھ آئے تھے۔ مگر ان سواروں نے جب انگریزوں کے مقدمۃ الجیش کو دو توپوں کے ساتھ دیکھا تو انہوں نے ان توپوں کو اپنے قبضہ میں کر لیا اس سے انگریز بہت چراغ پا ہوئے دو مرتبہ مقابلہ ہوا آخر فوج نے باڈی گارڈ کو لا ایک گولی چلائے بغیر خالی کر دیا انگریز دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے (تاریخ ذکاء اللہ)

شاہجہاں پور کے حملہ میں ۶ مئی کو جب خان بہادر خاں نے شکست پائی تو انگریزوں نے سنا کہ مولوی شاہ احمد اللہ کے ماتحت جن میں نانا صاحب ڈاکٹر وزیر خان مولوی عظیم اللہ شاہزادہ فیروز شاہ ہیں۔ ایک بڑا لشکر شہر کے چار میل کے فاصلہ پر آگیا ہے۔ جیل خانہ میں کرنل ہیل اپنے خیمے لگائے ہوئے تھے۔ اس وقت انہوں نے خیموں کے اکھیڑنے کا حکم دیا اور سارا اسباب اپنے دمدمے میں لے گئے۔ باغیوں نے کنہٹ ندی عبور کر کے جیلخانہ پر گولہ باری شروع کر دی (غدر دہلی ذکاء اللہ)

سر کولن نے شاہجہاں پور کی خبر سنتے ہی حکم دیا کہ وہ سفر کر کے ہیل صاحب کو بچائیں جونس صاحب تین دن سفر کر کے ۸ مئی کو ندی کے کنارہ پر اترے۔ باغیوں کی فوج سواروں کے اترنے کو روکنے کے لئے پہلے سے موجود تھی۔ انگریزی فوج نے گولے برسائے تو سپاہ مقابلہ نہ کر سکی اور شہر میں ہلچل مچ گئی۔

لیکن ان حضرات کو نئی کمک جمع کرنا مشکل کام نہ تھا کیمپ میں پہلی لڑائیوں کے بھاگے ہوئے باغی اور بہت سے باغی زمیندار اور لکھنؤ کی بیگم اور مرزا فیروز شاہ کے آدمی نانا کے بھیجے ہوئے سپاہی جمع ہوئے۔ ۱۵ مئی کو اس فوج نے ایک بڑا حملہ کرنے کا قصد کیا۔ انہوں نے انگریزی فوج پر حملہ کیا۔ دن بھر لڑائی ہوتی رہی انگریز ایک انچ بھی زمین نہ لے سکے ۲۲ مئی تک مولانا انگریزوں کے قبضہ میں نہیں آئے۔ لیکن ۲۴ مئی کو توپوں کے شدید حملہ نے فوج کو اس مقام کے خالی کرنے پر مجبور کر دیا جس میں باغیوں کی فوج نے وہاں کی شاندار عالیشان عمارتوں کو غارت کر دیا اور اودھ میں واپس چلے گئے۔ یہی کام انہوں نے قلعہ میں کیا مولانا اس اثناء میں گرفتار ہو گئے شکست پر شکست ہو رہی تھی۔ جمعیۃ منتشر۔ بقایا لوگ نیپال چلے گئے۔ جنرل بخت لاپتہ ہو گئے لیکن ڈاکٹر صاحب ایران ہوتے ہوئے حجاز پہنچ گئے۔ مکہ معظمہ جا کر مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے پاس مقیم ہو گئے وہیں اپنا مطب کھولا۔

وہاں آپ کی ایک سردار عبد اللہ اسیمنی سے ملاقات ہوئی جس کی بیوی بیمار تھی اس کا علاج کیا تو وہ تندرست ہو گئی

جس کی بنا پر وہ آپ کا بہت احسانمند ہوا۔ اس نے چاہا کہ آپ کو انعام و اکرام دے لیکن آپ نے منظور نہیں کیا۔ اور کہا کہ میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ آپ پر کوئی احسان نہیں کیا۔ تھوڑے عرصہ بعد سلطان عبدالحمید خاں سے حکومت برطانیہ نے ڈاکٹر صاحب کو طلب کیا۔ کہ ڈاکٹر ہمارے باغی ہیں ان کو گرفتار کر کے ہمارے پاس بھیجدو۔ انہوں نے شریف مکہ کو لکھا۔ شریف مکہ سے آپ کے تعلقات تھے۔ وہ آپ کی قابلیت و لیاقت کا مداح تھا اور نصرانیت کا سخت دشمن۔ اس نے ڈاکٹر صاحب کو بلا کر طلبی سے آگاہ کیا۔ اور مشورہ دیا کہ میں تو کچھ نہیں کر سکتا۔ اور میرا کچھ کرنا بھی زیادہ مناسب و معقول نہ ہوگا۔ بلکہ آپ اس عرب سردار سے مشورہ کرو جس کی بیوی کا آپ نے علاج کیا ہے۔ آپ سردار عرب سے ملے اور واقعہ سے آگاہ کیا سردار عرب بےچین ہوگیا اس نے کہا کہ یہ عرب کے دستور کے خلاف ہے کہ کوئی مہمان کسی کے سپرد کیا جائے۔ جس وقت تک میرے بیس ہزار کا قبیلہ نہیں کٹ جائے گا۔ ڈاکٹر نہیں جا سکتا اور اس کو کوئی نہیں لے جا سکتا۔ اس جواب سے عرب سردار نے شریف مکہ کو مطلع کر دیا۔ چنانچہ شریف مکہ نے یہی جواب حکومت ہند کو بھیجدیا۔ کہ میرا کوئی دخل نہیں ہے عرب قبیلہ میں بدامنی اور قتل و خونریزی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے اس لئے ڈاکٹر صاحب کو نہیں بھیجا جا سکتا۔ سلطان کی جانب سے جب حکومت برطانیہ کے پاس یہ جواب پہنچا تو لاچار خاموش ہوگئی۔ چنانچہ آپ نے آخری زندگی کا حصہ مکہ شریف میں اپنے ساتھی مولانا رحمت اللہ مرحوم کے ساتھ گزارا۔ اور جنۃ البقیع میں مدفون ہوئے۔ (غدر کے چند علماء)

حالات زندگی مولٰنا شرف الحق صاحب مرحوم ومغفور

شرف الحق نام والد کا نام قاری حافظ جلال الدّین جن کو غدر میں انگریزوں نے باغیوں کا سرغنہ سمجھ کر گرفتار کر لیا تھا لیکن آپ موقعہ پاکر بچ بچا کر نکل آئے اور اس وقت تک روپوش رہے جب تک وہ پُرآشوب زمانہ ختم نہ ہو گیا۔ آپ کے دادا مولوی عبدالغنی اور پردادا شیخ عبدالکریم تھے اور ان کے والد شیخ بڈھن سرہند شریف (پٹیالہ) میں رہتے تھے۔ دربار پٹیالہ میں خاص رسائی تھی۔ کچھ ناچاقی ہونے کی وجہ سے وہ معہ اپنے خاندان کے سرہند شریف کو خیر باد کہہ کر لاہور آ گئے۔ کچھ عرصہ وہاں رہنے کے بعد ہی دہلی چلے آئے۔

شجرۂ خاندانی آپ نسلاً شیخ صدیقی ہیں آپ کا سلسلۂ نسب حضرت ابابکر صدیق رضؓ تک پہنچتا ہے چنانچہ شجرۂ خاندانی حسب ذیل ہے۔

شیخ بڈھن ابن شیخ داؤد ملتانی ابن شیخ ابو موسٰی ابوالمکارم ملتانی ابن شیخ عبدالوہاب کرمانی ابن شیخ ابی سعید کرمانی ابن علی بن اسمٰعیل۔ ابن یوسف ابن یوسف بغدادی۔ ابن عبد الواحد ابن عبد العزیز ابن احمد ابن اسمٰعیل۔ ابن عبداللہ مکی۔ ابن قاسم۔ ابن عبدالجبار۔ ابن خالد ابن عبدالرحمٰن ابن شہاب الدّین۔ ابن موسی ابن ابراہیم ابن سفیان ثوری۔ ابن عنیہ ابن ابی القاسم احمد۔ ابن عبدالرحمٰن۔ ابن محمد صدیق ابن قاسم۔ ابن عبدالرحمٰن ابن امیر المومنین عبداللہ کنیۃ ابوبکر صدیقؓ ابن عثمان کنیۃ ابی قحافہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ [۱]

آپ بچپن میں انتہائی شوخ تھے۔ تین برس کی عمر ہو گی کہ آپ کے والد کے دوست دہلی کے کوتوال والد کی دوکان چاوڑی بازار میں ملنے آئے وہ غریب کچھ لنگ کر کے چلتے تھے۔ آپ ان کو دیکھتے ہی لنگڑے بن کر چلنے لگے۔ والد نے دیکھا تو ڈانٹا۔ خفت میں مارنے دوڑے تو کوتوال نے آگے بڑھ کر گود میں اٹھا لیا اور پیار کیا۔

ولادت آپ کی ولادت ۱۸۶۷ء میں گلی جوتے والی محلہ چوڑی والان میں ہوئی آپ کو دو برس کی عمر ہی سے صاحب دل اور بابرکت مقدس ہستی حضرت مولٰنا شاہ رحیم بخش رحمت اللہ علیہ سے روحانی فیض حاصل تھا شاہ صاحب موصوف حضرت شاہ ابوالخیر کی خانقاہ چتلی قبر میں سکونت رکھتے تھے جہاں اب شاہ موصوف کا اسی خانقاہ میں مزار ہے شاہ موصوف نے ہی آپ کی پرورش فرمائی۔

تحصیل علوم ظاہری آپ کی والدہ ماجدہ مولٰنا رحیم بخش سے بیعت تھیں پیر روشن ضمیر کے ہاں حاضر ہوا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ آپ کے لئے دعا کرائی۔ دم کرایا تو آپ نے فرمایا کہ بچّہ کی پرورش احتیاط سے کرنا۔ اور صبح و شام میرے پاس بھیجدیا کرو۔ چنانچہ پانچ برس کی عمر تک یہی عمل جاری رہا۔ اس کے بعد سارا وقت شاہ صاحب کی خدمت میں کٹنے لگا۔ شاہ صاحب نے ہی قرآن مجید پڑھایا اردو لکھنی پڑھنی سکھائی اور شاہ صاحب کے معتقد، پنڈت درگا پرشاد نے ہندی و سنسکرت میں تکمیل کرائی۔

---

[۱] تاریخ تنویر الاخیار فی ملوک الاخیار

[illegible] میں اینگلو عرب اسکول دہلی میں داخل ہوئے مڈل پاس کیا اور انگریزی کے مضمون میں فرسٹ نمبر آئے۔ [illegible] میں مولٰنا الطاف حسین حالی پانی پتی سے فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں آپ فرمایا کرتے تھے کہ مولٰنا حالی کو جب کسی شاگرد پر غصہ آیا کرتا تھا تو اس کو وہ "کودن" کہہ کے خطاب فرمایا کرتے تھے یہ انتہائی غصہ کی حالت میں ان کا تکیہ کلام تھا۔ [illegible] میں فتحپوری مدرسہ کے طالب علم کی حیثیت سے پنجاب یونیورسٹی کے امتحان منشی فاضل میں بیٹھے اور تمام پنجاب میں اوّل رہے۔ منشی کے امتحان سے فارغ ہو کر عربی کی ابتدائی تعلیم صرف و نحو مدرسۃ الاسلام دہلی میں حاصل کی۔

اس زمانہ میں مذہبیت کا زور تھا۔ محلہ در محلہ گلی در گلی پادری نصرانیت کی تبلیغ کرتے پھرتے تھے محکوم ہندو اور مسلمان قوموں کو اپنے مذہب کی فکر تھی۔ وہ بھی پوتھیا دبلے گلوں میں حمائل ڈالے ہوئے اپنے دھرم اور اپنے مذہب کی عظمت کا ڈنکا بجانے میں مستغرق نظر آتے تھے۔ کوئی دن ایسا گذرتا ہوگا جس میں باہمی بدکلامی یا مناظرہ نہ ہو جاتا ہو اور ایک دوسرے پر پھبتیاں نہ کسی جاتی ہوں ہر روز کسانی اکھاڑے جمتے تھے۔ ہزاروں کا مجمع کسی مناظرہ میں ہونا معمولی بات تھی۔

جس کی حکومت ہوتی ہے اسی کے مذہب کو عروج ہوتا ہے۔ یہ بات عام ہے حکومت اپنے ہم مذہب مبلغین کی سہولتیں بہم پہنچاتی ہے جو آسانیاں ان کو حاصل ہوتی ہیں۔ وہ حکومت کے غیر مذہب والوں کو حاصل نہیں ہو سکتیں۔ چنانچہ یہی شکل عیسائی پادریوں کی تھی حکومت ان کا خاص خیال رکھتی تھی۔ محکوم قومیں ان مراعات سے بدکتی تھیں اور ہر وقت مذہبی خدمات کے لئے مستعد رہتی تھیں۔

پادری سے جھڑپ

اس ماحول نے آپ پر بھی اثر کیا مناظرہ کا شوق ہوا جس کا آغاز اس طرح سے ہوا۔ گھنٹہ گھر دہلی پر ایک پادری صاحب مذاحیہ اور تمسخرانہ لہجہ میں فرما رہے تھے کہ مسلمانوں کے پیغمبر حبیب اللہ کہلاتے ہیں۔ لیکن جب ان کے پیغمبر کے نواسوں کو مخالفین نے قتل کیا تو اس وقت پیغمبر صاحب نے خدائے تعالےٰ سے فریاد نہ کی حالانکہ حبیب کا محبوب زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ اگر پیغمبر صاحب فریاد کرتے تو خدائے تعالےٰ ان کی ضرور سنتا۔

آپ بھی اس مجمع میں پادری کی تقریر سن رہے تھے۔ جب اس نے یہ کہا تو آپ کو برداشت نہ ہو سکا۔ تقریر سے کبھی واسطہ نہ پڑا تھا۔ شاہ عبدالعزیز کا جواب یاد تھا آپ سیدھے سادے الفاظ میں پادری سے مخاطب ہوئے اور کہا کہ آپ غلط کہتے ہیں کہ پیغمبر صاحب نے خدائے تعالیٰ سے فریاد نہیں کی۔ فریاد کی اور ضرور کی۔ نواسوں پر ظلم ہوئے ان کو تمام و کمال بیان کیا مگر جواب ملا بیشک تمہارے نواسے کو مخالفین نے شہید کر ڈالا اور اس پر نہایت ظلم ہوئے ہیں۔ لیکن اس وقت مجھے اپنے اکلوتے بیٹے یسوع مسیح کا صلیب پر چڑھنا یاد آ رہا ہے اور اس کا غم بیچین کئے ہوئے ہے۔ اس جواب سے پیغمبر صاحب خاموش ہو گئے کہ واقعی اکلوتے بیٹے سے بڑھ کر میرا نواسہ نہیں ہو سکتا۔ جب بیٹا نہ بچ سکا تو میرا نواسہ کس گنتی میں ہے۔

اس جواب سے مجمع میں جان پڑ گئی اور خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی ہندو ہو خواہ مسلمان سب مسرور ہو گئے۔

اس واقعہ کے بعد سے مناظرہ کا شغل بڑھتا گیا۔ وقت کافی خرچ ہونے لگا اور تعلیم میں فرق پڑنے لگا تو مولٰنا الطاف حسین حالی نے آپ کو مشورہ دیا کہ پہلے تعلیم کی تکمیل کرو اس کے بعد مناظروں میں الجھنا مناسب ہے چنانچہ مولٰنا نے دہلی کو خیرباد کہا اور مدرسہ دارالعلوم دیوبند میں جا کر داخل ہو گئے وہاں عربی کی درمیانی کتابیں پڑھیں جب دورہ کا زمانہ آیا تو اس وقت حضرت مولٰنا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی قابلیت و علمیت کا چرچا تھا اور خاص طور پر کتب احادیث کے اسباق مولٰنا کے ہاں بڑے معرکہ کے ہوتے تھے۔ بڑا شہرہ تھا۔ دیوبند کے طلبا گنگوہ کھنچے چلے جا رہے تھے آپ کو بھی شوق ہوا اور گنگوہ تشریف لے گئے اور دورہ میں شرکت کی۔

سال بھر میں کتب صحاح ستہ۔ صحیح بخاری۔ صحیح مسلم نسائی۔ ابوداؤد۔ جامع ترمذی ابن ماجہ۔ موطا امام مالک۔ مولانا گنگوہی سے پڑھیں اور سند حاصل کی۔

مناظرہ کا شوق تھا پھر شروع ہوا۔ اس مرتبہ مولانا گنگوہی کا حکم تھا کہ ردّ نصاریٰ کر کے تبلیغ اسلام کرو۔ چنانچہ ردّ نصاریٰ اور باطل مذاہب و عقائد کی بیخ کنی میں مصروف ہو گئے۔

عبرانی و یونانی کا حصول

پادریوں سے مناظرے ہونے لگے طبیعت نے محسوس کیا کہ ان سے مناظروں کیلئے عبرانی و یونانی جاننا ضروری ہے۔ چنانچہ آپ نے عبرانی اور یونانی حکیم عبدالمجید خاں مرحوم کے زیر علاج ایک یہودی عالم سے پڑھی۔ اس نے آپ کو تحریری سند دی یہ تحریری سند عبرانی زبان میں ہے جس کے نیچے اس کا اردو ترجمہ حکیم اجمل خاں مرحوم کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اور اس کے نیچے بھی عبرانی میں اس یہودی عالم کے تصدیقی دستخط ہیں۔ پشتو آپ نے مولانا عبدالحکیم افغانی سے پڑھی اور ترکی مولانا ابوالخیر سے سیکھی۔

الغرض آپ ۳۰ سال کی عمر میں۔ عربی۔ فارسی۔ انگریزی۔ سنسکرت۔ عبرانی۔ یونانی۔ پشتو۔ ترکی وغیرہ آٹھ زبانوں کے ماہر ہو گئے تھے۔

ان تمام علوم کے باوجود آپ کو ایک کامل فن مناظرہ کی تلاش تھی۔ آپ کے کان مولانا رحمت اللہ مہاجر مکی مدنی بانی مدرسہ صولتیہ کا نام نامی سن چکے تھے چنانچہ ۱۳۰۵ھ میں آپ عازم حج بیت اللہ ہوئے اور مکہ معظمہ میں حضرت مولانا رحمت اللہ کی زیارت بابرکت سے فیضیاب ہوئے اور تین ماہ شب و روز خدمت میں حاضر رہے اور مختلف مسائل کو سمجھا اور بہت سی شبہات دور کئے۔ چنانچہ مولانا رحمت اللہ مرحوم نے آپ کی خداداد قابلیت کو دیکھ کر۔ مناظرہ کرنے کی عام اجازت فرمائی۔ اور رجب تک مکہ معظمہ میں قیام و طعام کا انتظام اپنے ہاں رکھا۔ دوسری جگہ کھانے نہیں دیا رخصت ہوتے وقت مولانا نے آپ کو اپنا ایک نباتی پاجامہ۔ جو سلطان عبدالحمید خاں نے خلعت میں دیا تھا اور اپنی تصانیف ازالۃ الشکوک اور اظہار حق زبان عربی و فرانسیسی تبرکاً عنایت فرمائیں اور ردّ نصاریٰ کی اجازت فرمائی۔ جو حسب ذیل ہے

میرے پاس عالم و فاضل ماہر کامل مولوی شرف الحق صاحب قاری جلال الدین صاحب دہلوی کے فرزند تشریف لائے مجھ سے اجازت طلب کی حالانکہ میں اس لائق نہیں ہوں اور اس سے بہت دور ہوں۔ کیونکہ مجھ جیسا شخص اہل عرفان کی موجودگی میں اس قابل نہیں کہ اس سے اجازت کا سوال کیا جائے۔ نیز یہ کہ وہ علماء اور مشاہیر و فضلاء کی اجازت سے پہلے ہی آراستہ و پیراستہ ہیں اور ان کے علوم کے سائے میں پناہ گزیں اور ان کے لطائف کے پھولوں کو چنے ہوئے ہیں۔ خاصکر دو صاحبان علم و فضل جو موجزن سمندر ہیں اور عالم ظاہر و باطن کے جامع ہیں اور جن کی شہرت نیک نامی کے ساتھ ہر ملک میں ضرب المثل ہے یعنی حضرت فقیہ و محدث قاری و مولوی عبدالرحمٰن اور حضرت فقیہ و محدث مولوی رشید احمد صاحب مگر چونکہ ان کو میرے ساتھ حسن ظن ہے تو میں نے ان کی درخواست قبول کر لی اور ان کی خواہش کو پورا کیا اس امید پر کہ ان علماء کے سلسلے میں میں بھی منسلک ہو جاؤں سو میں کہتا ہوں کہ رحمت اللہ ابن خلیل الرحمٰن کہ میں نے ہر اس چیز کی روایت کی اجازت دی جس روایت کی مجھکو روایت حاصل ہے جو کچھ میں نے اپنے شیوخ سے (اللہ تعالیٰ ان کو اجر عظیم عطا فرمائے) روایتاً یا درروایتاً حاصل کیا ان شروط پر جو علماء حدیث کے نزدیک معتبر ہے نیز چونکہ مولوی صاحب مذکور کو دیکھا کہ وہ نصاریٰ کے فریبوں سے واقف و آگاہ ہیں اور اس کے اسرار سے آشنا ہیں اس لئے میں نے ان کو اجازت دی کہ وہ اس کے متعلق تہذیب و شائستگی کو مدنظر رکھتے ہوئے وعظ کرتے رہیں اور نصرانیت کی تردید فرماتے رہیں اور یہ کہ وہ مجھے اپنی نیک دعاؤں میں خواہ جلوت یا خلوت میں ہو بھول نہ جائیں اور اللہ سے التجا کرتے رہیں۔ کہ میرا بھی اور انکا بھی نیک اعمال پر خاتمہ ہو اور امیدوں میں کامیاب کرے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ رحمت اللہ ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۰۶ھ۔

علوم باطنی کا حصول آپ نے جہاں مکہ معظمہ میں علوم ظاہری کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا وہاں آپ نے علم باطنی کی بھی راہ طے کی اور حضرت شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی و مدنی سے وہیں بیعت ہوئے جہاں حضرت حاجی صاحب نے آپ کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا اور سلسلہ چشتیہ و صابریہ میں مرید کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی سلسلۂ نقشبندیہ کی اجازت حضرت مولٰنا انوار اللہ ابن مولوی شجاع الدین نقشبندی اور حضرت مولٰنا محمد سلیم مکی نے مرحمت فرمائی۔

طریقۂ قادریہ و ہاشمیہ کی اجازت حضرت سید صالح محمد مرتضٰی الجیلانی سجادہ نشین درگاہ حضرت شاہ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔

طریقۂ مجددیہ کی اجازت حضرت فدا محمد صاحب نے مرحمت فرمائی۔

طریقۂ شاذلیہ و ظافریہ کی اجازت حضرت شیخ علی ابو الحسن طاہر مکی نے عطا فرمائی۔

شادی آپ کی پہلی شادی ۲۰ برس کی عمر میں ہوئی دوسری شادی ۳ر اگست ۱۹۰۲ء مطابق ۲۸ جمادی الاول ۱۳۲۰ھ میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے مشہور مرید حاجی شجاعت علی صاحب رئیس جوالا پور کی صاحبزادی سے ہوئی۔ پہلی بیوی سے ایک لڑکی اور دوسری بیوی سے دو لڑکیاں اور ایک لڑکا یہ راقم الحروف ۲۵ ر ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۶ ر اکتوبر ۱۹۱۲ء روز جمعہ بوقت علی الصبح تولد ہوا۔

تین حج آپ نے پہلا حج ۱۳۰۵ھ میں کیا اور دوسرے حج کے لئے ۱۳۲۲ھ میں روانہ ہوئے اور دوسرے حج کے بعد ڈیڑھ سال تک ممالک اسلامیہ قسطنطنیہ، قاہرہ، قونیہ، طرابلس، شام، حمص، بعلبک، بیروت، یافہ بیت المقدس، مصر، بصرہ، کوفہ، نجف اشرف، کربلا دمشق، بغداد اور فلسطین کی سیاحت کی۔

پہلے حج میں جب آپ تشریف لیگئے تو آپ کی مصروفیات فرائض حج کے علاوہ حضرت حاجی صاحب اور مولٰنا رحمت اللہ مرحوم مغفور کی خدمت و صحبت میں رہنے کے اور کوئی نہ تھیں چنانچہ آپ اس دلچسپ مصروفیات کی کیفیت سفرنامہ حج کے اوراق میں ملاحظہ کیجئے۔

قبلہ حاجی صاحب کی محفل ہماری مکہ میں اترتے ہی رائے یہ قرار پائی کہ پہلے حضرت حاجی صاحب کے حضور میں حاضری دو اگر وہاں گھر کا بندوبست ہوگیا تو خیر ورنہ اور کہیں تلاش کر لیا جائے گا۔ محمد امین دلال کے ہمراہ میں حاجی صاحب کے مکان پر پہنچا خطوط پیش کئے۔ اپنا عرض حال کیا۔ حاجی صاحب ہم سے مربیانہ خوش خلقی کے ساتھ پیش آئے۔ بعد میں داخل سلاسل اولیاء اللہ ہوا۔ یعنی حضرت حاجی صاحب کا غلام مرید ہوا۔ حضرت حاجی صاحب نے تبرکات بھی عنایت فرمائیں ایک جوتی دوسرا حضور کے بیٹھنے کا غالیچہ جانماز اور کرتا۔

مثنوی کا درس میں نے اندازہ لگایا کہ حاجی صاحب اپنے زمانہ کے کامل صوفی ہیں مثنوی دانی میں مکہ میں کیا دنیا میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ ایسی تسکین کرتے ہیں کہ جس کا بیان نہیں ہوسکتا اور ہر شعر کے لئے آیت و حدیث سند پیش کرتے ہیں۔ یہی نہیں کہ زبانی جمع خرچ ہو بلکہ صاحب حال ہیں اور حال وار دکر کے بھی سمجھا دیتے ہیں کمترین نے کم از کم دس اسباق حضرت کے ہاں شرکت کی ہوگی میں نے بھی کوشش کی کہ میرا بھی سبق شروع ہوجائے لیکن کثرت مریدین کی آمد کی وجہ حضرت کو فرصت نہیں لینے دیتی تھی۔ بسبب خطوط ہندوستان سے روزانہ آتے بہت سے عالم و فقیر خدمت میں حاضر ہوتے کوئی امانت رکھتا کوئی کسی کا دیا ہوا کسی مصرف کیواسطے روپیہ دیتا۔ (۱۷)

حضرت حاجی صاحب کو مثنوی شریف سے انتہائی لگاؤ ہے میرے پاس مولوی نوراللہ صاحب مرحوم شارح مثنوی کا ایک نسخہ تھا۔ حاجی صاحب کو دکھایا تو حضرت نے دیکھنے کے واسطے رکھ لیا۔ اور اسکی بہت تعریف کی۔ جب کمترین مکہ معظمہ سے رخصت ہونے لگا وہ نسخہ حضرت کے نظر کر دیا۔ اس لئے وہ ہی اس کے اہل تھے۔ حضرت حاجی صاحب کے مثنوی کا یہ درس عرصہ سے جاری ہے۔ اور اس کے کئی دور ختم ہو چکے ہوں گے ہیں حاجی صاحب کے ہاں مثنوی کے درس میں جو صبح ہوتا تھا مستقل شریک ہوتا حاجی صاحب کے علاوہ حضرت کے ہاں مولنا سورتی بھی مثنوی شریف کا درس دیتے تھے۔ اسی طرح ظہر کے بعد مولنا رحمت اللہ علیہ کے ہاں ازالۃ الاوہام اور اظہار الحق کے درس دئے جاتے تھے اس میں بھی برابر شرکت کرتا تھا اس کے علاوہ حج سے پہلے اور بعد میں چند روز یہ ناچیز مصلی حنلی کے پاس جہاں حاجی صاحب بیٹھتے ہیں دہاں بیٹھا اور اکثر حاجی صاحب کی خدمت میں مغرب وعشا کے وقت حاضری دیا کرتا تھا۔ حاجی صاحب کا یہ دستور رہا کہ وہ ایام گرما میں مصلی حنلی کے پاس آکر حرم شریف میں بیٹھتے ہیں اور موسم سرما میں عصر کے وقت۔ وہاں بھی علماء کرام اور فقرا کا جمگھٹا رہتا ہے اور آپ سے فیض حاصل کرتے ہیں میں نے مصر کے چند علماء کو دیکھا کہ وہ ضیاء القلوب عربی زبان میں مسودہ لینے آئے حضور نے انکو دیا۔ حضرت کی زبانی معلوم ہوا کہ وہ سلسلہ میں بھی داخل ہونے کی اجازت لے گئے ہیں۔ مکہ سے چلتے وقت بھی کمترین نے حضرت حاجی صاحب کی حضور میں ایک مصری عالم کو دیکھا جس کا مقصد رد نصاریٰ کے سلسلہ میں نصرانیوں کے طبقہ فرمسن کے خلاف ایک رسالہ لکھنا تھا اس نے بتایا کہ فرامشن کے پادریوں نے مصر میں بہت زور بڑھا لیا ہے۔ (۲۱)

مولنا رحمت اللہ کے ہاں اظہار الحق کے درس

حاجی صاحب نے حافظ عبداللہ سے فرمایا۔ مولوی شرف الحق کو مولوی رحمت اللہ کے ہاں پہنچادو ان کے ہمراہ مولوی صاحب کے مدرسہ میں پہنچا مولنا ایک چھوٹے سے تہ خانہ میں بیٹھے تھے پہلے سلام کیا خط دیا مولنا نے پڑھوایا۔ بہت مہربانی اور شفقت سے پیش آئے اور خط سنکر فرمایا کہ تم اپنا اسباب یہاں لے آؤ میں نے عرض کیا کہ میرے ہمراہ اور لوگ ہیں غرض کھانا اس روز مولنا کے ہمراہ ہی کھایا۔

مولنا رحمت اللہ کے ہاں بھی لوگ حافظ عبداللہ کی معرفت آیا جایا کرتے تھے۔ مولنا کی بصارت جا چکی تھی اسوجہ سے یہ کام سے معذور ہیں۔ کتب رد نصاریٰ ہندوستان سے بڑی تعداد میں ان کے پاس پہنچی تھیں مولنا محمد علی مونگیری کی دو کتابیں میرے سامنے آپ کے پاس آئیں تھیں مولنا رحمت اللہ مغفور کتب رد نصاریٰ کے بہت شائق تھے مجھ سے ان کتب کے بعض مقامات مولنا نے سنے تھے۔ مولوی دین خانصاحب اور حاجی احسان اللہ نے ازالۃ الاوہام شروع کر رکھی تھی وہ تہ خانہ میں پڑھائی جاتی تھی۔ اظہار الحق بھی مولنا کے ہاں ہوتی تھی۔ اکثر واقعہ آگرہ کے مناظرہ خوب وضاحت اور تفصیل سے فرماتے تھے اور مولنا صاحب اپنے پوتے کو بھی سبق دیتے تھے ان صاحبزادے کا نام سعید ہے نام کا ہی سعید نہیں بلکہ افعال میں بھی سعید ہے اپنے ماں باپ کا ایک ہی لڑکا ہے مشن کے مدرسہ انبالہ میں پڑھتا تھا۔ مولنا کے بھائی کا بیٹا ہے۔ مولنا نے مشن کے اثر نصرانیت کی تعلیم سے بچانے کے لئے ہند سے حجاز بلا لیا ہے۔ خلیق اور نیک بخت ہے۔ خدا اس کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔

کتب اظہار الحق اور ازالۃ الاوہام کا سبق مولنا کے ہاں صبح وشام ہوتا تھا۔ علمی گفتگو ہوتی تھی میں بھی ان کے کلام سے مستفید ہوتا تھا مسلمانوں کی بہبودی اور بہتری کی باتیں ہوتی تھیں مولنا ہمیشہ یہ فرماتے تھے کہ ہندوستان میں یہ کام یعنی منادی ونصیحت کرتے ہوئے کبھی کسی وقت حاکم وقت کی مخالفت مت کرنا حاکم اور اس کے روپے کا کوئی مقابلہ نہیں ہوسکتا تم ایسا کروگے تو مسلمانوں کو اس سے فائدہ کے بجائے نقصان ہوگا۔ میں نے اس بات کو پلہ میں باندھا۔ علاوہ رد نصاریٰ مولنا کی اور علوم پر بھی تقریریں ہوتی تھیں۔ اور مجھ پر مولنا کی ایک خاص عنایت تھی۔ خدا ان کو خوش رکھے۔

مولنا صاحب اب بھی کتب رد نصاریٰ کے مشتاق ہیں۔ اگر ان کی بصارت پھر آجائے تو وہ اب بھی ایک کتاب جامع لکھنے کو تیار ہیں۔

میں بعض وقت مدرسہ میں سوتا حج سے پہلے دن کا کھانا مولنا ہی کے ہاں کھاتا تھا۔ خانہ کعبہ میں اکثر جب تک میں رہا مولنا صاحب کے حضور میں رہا۔ مولنا رحمت اللہ نے تو میرے کھانے کے واسطے گھر میں کہلوا رکھا تھا کہ دونوں وقت کا کھانا شرف الحق کے لئے تیار رہے

مکہ معظمہ سے چلتے وقت جو راتیں گذریں وہ مولنا کے ہاں کٹیں۔ مولنا کے ہاں چند روز پہلے اسباب لے گیا تھا اور مولنا کے پاس ہی بستر لگتا مولنا چارپائی کے واسطے اصرار فرماتے تھے میں اسکو سوء ادبی سمجھ کر قبول نہیں کرتا۔

معرکۃ الآرا مناظرے

یوں تو آپ نے ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں بیسیوں نہیں بلکہ سینکڑوں مناظرے ہندوستان کے چیدہ چیدہ پادری، بشپ فرنچ، پادری ٹھپر وغیرہ، پادری ڈپودھن، پادری جومر، پادری دیکٹ، پادری دیون، پادری دلمبرڈ، پادری ڈنبٹر، پادری ڈیبیٹ، پادری ہونکپ، پادری رائٹ، پادری رمزی، پادری جانسن، پادری وٹرلی، پادری ووٹنگ پادری ڈیوئن، پادری وکار لائن وغیرہ سے کئے لیکن دسمبر ۱۸۹۱ء میں پادری ایم جی گولڈ سمتھ سے حیدرآباد میں اور ۸ ر فروری ۱۸۹۳ء میں پادری جے سمول سے پونہ میں اور ۸ ر مارچ ۱۸۹۳ء میں پادری روفس اور پادری اے مٹرک سے غازی پور میں جو مناظرے ہوئے وہ آپکی جامع قابلیت کا بین ثبوت ہیں اور خاص طور پر دہلی اور غازی پور کے لائق یادگار اور تاریخی مناظروں نے آپکی علمیت کا سکہ تمام ہندوستان میں بٹھا دیا تھا۔

جس موضوع تحریفِ انجیل پر یکم اپریل ۱۸۵۴ء میں آپ کے استاد مولنا رحمت اللہ نے پادری فنڈر کو مناظرہ میں لاجواب کیا تھا اسی موضوع پر آپ نے ۱۸۹۱ء میں دہلی کی مسجد فتحپوری کے اندر لارڈ بشپ جے اے لیفرائے سے مناظرہ کیا۔

دہلی اور دہلی کے اطراف کے اضلاع میں اس مناظرے نے ایک ہلچل مچادی تھی جس کی خاص وجہ یہ تھی کہ پادری صاحب اور میں یہ طے ہوا تھا کہ جو شخص مناظرے میں ہار جائے گا وہ عام مجمع میں اپنی شکست کا اعتراف کرے گا اور شکست نامہ لکھ کر دے گا نیز ہارنیوالا مقابل کے مذہب کو اختیار کریگا۔

اس مناظرے میں آگرہ، علی گڈھ، میرٹھ، دیوبند اور سہارنپور کے معززین اور مشاہیر و علما، مسیح الملک حکیم اجمل خانصاحب اور ان کے خاندان کے بزرگ حکیم احمد سعید خاں صاحب، حکیم غلام محمود خاں صاحب، مولنا عبدالحق صاحب محدث دہلوی مصنف تفسیر حقانی ڈپٹی سید ہادی حسین خانصاحب اسٹرا اسسٹنٹ کمشنر سید سلطان مرزا خطریٹ آنریری، حافظ عزیزالدین ایڈوکیٹ وغیرہ نے شرکت کی عیسائی حضرات بھی ان اضلاع سے آئے مناظرہ تین دن ہوا مناظرہ کے ان ایام میں مجمع ۲۰ و ۲۵ ہزار سے کسی طرح کم نہ تھا۔ بحث چھ و سات گھنٹے جاری رہی لیکن ناتمام دوسرے دن پھر ہوئی۔ پہلے روز کی عالمانہ و فاضلانہ بحث نے شہر میں اور آگ لگا دی تھی دوسرے روز مناظرہ میں قریب قریب تمام شہر اُمنڈ آیا۔ مناظرہ شروع ہوا ایک گھنٹہ نہ گذرا تھا کہ فیصلہ ہوگیا۔ اور مولنا رحمت اللہ کے شاگرد رشید نے اپنے مقابل لیفرائے کو شکستِ فاش دی۔ اِس جم غفیر میں اس نے اپنے مذہب کو نہ بدلا لیکن تسلیم کیا کہ واقعی انجیل شریف میں تحریف ہوئی ہے اور حسب ذیل تحریر لکھ کے حوالہ کی

میں اقرار کرتا ہوں کہ یونانی انجیل شریف کے ترجمہ اور علاوہ اس کے اصلی نسخوں میں جو اس وقت موجود ہیں چند آئتیں غلط ہیں اور بھول سے داخل کی گئی ہیں یہ بات سب سے قدیم نسخوں و ٹریکٹوں کے ملانے سے معلوم و ظاہر ہوئی وہ آیتیں ان میں نہیں۔ لہٰذا میں وہی اصلی انجیل کی باتیں سچی مانتا ہوں چند مستشرقین شعراء کے قول انجیل شریف میں ملے ہوئے ہیں۔

دستخط جی۔ اے لیفرائے

غازیپور مشن سکول میں ۸ ر مارچ ۱۸۹۵ء یکشنبہ کو دن کے تین بجے پادری روفس سے مباحثہ ہوا پادری صاحب نے تین گھنٹہ کی بحث کے بعد لاجواب ہو کر آخر میں تین ہزار کے مجمع میں اعتراف شکست ان الفاظ میں کیا کہ ہم میں اتنا علم اور لیاقت نہیں ہے کہ مولنا صاحب سے مقابلہ کر سکیں مولنا صاحب نے ہمارے مذہب میں ایسی تحقیق اور وسیع معلومات حاصل کی ہیں کہ اس پر مولنا صاحب کو صد آفرین ہے

مناظرہ کا ڈھنگ آپ کا مقابل کو شکست دینے کا یہی طریقہ تھا کہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں مقابل کی کتابوں کے حوالے پیش کرتے تھے۔ اور اسی کی ڈھال کو اسی کے لئے خطرناک بنا دیتے تھے جس سے اس کا عاجز ہونا لازمی تھا۔

آپ کے لیکچر اور مناظرے عامیانہ رنگ سے بالکل پاک صاف ہوتے تھے اور ایک محققانہ اور عالمانہ شان رکھتے تھے آپ کی قابلیت ولیاقت کی تعریف وتوصیف میں غیر مذاہب کے ذمہ دار اور سنجیدہ اور متین حضرات نے بھی حصہ لیا ہے۔ اور جنہوں نے آپ کے لیکچر سنے ہیں انہوں نے بھی آپ کی ذہانت کا سکہ مانا ہے۔ اور ان کی قلم ان کی مداحی وتعریف کرتی تھی۔ چنانچہ مولانا کے بارے میں حکومت کے سول اور ملٹری گزٹ کے، افسروں کی جو رائے ہے وہ ملاحظہ ہو

(۱) گورنمنٹ آف انڈیا کے فورن سکریٹری، ایچ، ایس باٹس فرماتے ہیں۔

"مجھے مولانا شرف الحق جو اسلامی مبلغ ہیں ان سے گفتگو کر کے انتہائی مسرت ہوئی۔ وہ ایک دلچسپ اور ہر دلعزیز عالم ہیں اور اپنے تبلیغی کام میں ہر وقت مستعد و منہمک رہتے ہیں"۔ (۳۰ نومبر ۱۹۱۰ء)

(۲) گورنمنٹ آف انڈیا کے ملٹری ڈیپارٹمنٹ کے رجسٹرار مولانا کی تقریر سننے کے بعد حسب ذیل خیالات کا اظہار کرتا ہے۔
میں نے مولوی شرف الحق کی تقریر شملہ کے سکریٹریٹ کی بلڈنگ ۸ ستمبر ۱۹۱۰ء میں سنی اس جلسہ میں ۳ و ۴ ہزار آدمیوں کا مجمع تھا۔ بڑی خاموشی اور سنجیدگی کے ساتھ تقریر سن رہا تھا مجمع پر خاص اثر تھا۔ ان کے وعظ بہت پسند کر رہا تھا۔ اس مجمع میں یوروپین حضرات بھی تھے جنہوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ مولانا کا یہ مذہبی کام مسلمانوں کے لئے بہت مفید ہے۔ وہ ہندوستان کے کثیر علاقوں میں کام کرتے ہیں۔

(۳) چھوٹا ناگپور کے راجہ مولانا سے ملاقات کے شائق ہوتے ہیں اور ملاقات کے بعد مولانا کے متعلق حسب ذیل رائے کا اظہار فرماتے ہیں۔

مولانا شرف الحق دہلوی کے بارے میں جب میں نے یہ سنا کہ بہت اچھے عالم اور فاضل ہیں اور ہیرو گڑھ اور رانچی میں تقریر کر رہے ہیں تو میں نے ان سے ملاقات کرنے کی خواہش کی۔ وہ تشریف لائے تبادلۂ خیالات کے بعد میں نے اندازہ لگایا کہ وہ فاضل اور قابل مولوی ہیں۔ وہ اپنے مافی الضمیر کو سنسکرت، عربی، فارسی، عبرانی میں بخوبی ادا کر سکتے ہیں۔ وہ ان زبانوں کے ماہر ہیں۔ مولانا صاحب نہ صرف ایک اعلیٰ خاندان کے ہیں بلکہ ایک معزز شہری ہیں اور ایک شریف انسان ہیں۔ (۲۲ دسمبر ۱۸۹۹ء)

(۴) شملہ کے ۔سی، ایم، ڈی کیج، او، آئی مسٹر ڈبلیو، اے بیلیمی جنہوں نے آپ کی تقریر سنی جلسہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

مولانا شرف الحق ایک مشہور اسلامی مبلغ ہیں۔ جن کو میں نے گورنمنٹ آف انڈیا کے سکریٹریٹ میں جلسہ کرنے کی اجازت دی میں ان کے جلسہ میں شریک ہوا جلسہ رات کے ایک بجے تک رہا سامعین کی تعداد تین چار ہزار کے قریب تھی۔ جس نے بھول تک نہیں کی۔ اور خاموشی کے ساتھ تقریر سنتے رہے۔ اس جلسہ میں مسلمانوں کے علاوہ یورپین حضرات بھی شامل تھے

(۵) رڑکی کے میجر آر ای مسٹر ایف، بے بونڈ تحریر فرماتے ہیں کہ
مولانا شرف الحق ایک وسیع معلومات کے مالک ہیں۔ ان کی زبان میں اس قدر تاثیر ہے کہ ہر دل و ذہن پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ ان کے سمجھانے کی زبان بڑی سہل اور سادہ ہوتی ہے اپنے مقصد کو بڑے موثر انداز سے دل میں اتار دیتے ہیں۔

(۶) سنبھل پور کے کپتان ۴۳ ایم۔ آئی مسٹر آر ای جیکسن کی رائے ہے۔

میں مولٰنا حاجی مولوی شرف الحق صاحب دہلوی سے گفتگو کر کے بہت خوش ہوا۔ وہ تبلیغ اسلام کے لئے ملک کے اندر دورے کر رہے ہیں۔ وہ اعلیٰ قابلیت کے مالک ہیں اور ایک روشن خیال عالم ہیں ۔ جو کونہ کونہ میں وحدانیت کو پھیلا رہے ہیں

(۷) ایس۔ بی۔ بی۔ مسٹر ایچ، ایچ مسٹر ندر بکرم پرکاش راجہ ناہن کے ارشادات ۔

مولوی شرف الحق ناھن کے لوگوں میں چند ہفتوں سے تبلیغی کام کر رہے ہیں انہوں نے کافی لیکچر ان لوگوں میں دئے ہیں۔ ان جلسوں میں بڑے بڑے افسران بھی شامل ہوئے ہیں ۔

(۸) اے، ایلاوٹ اسسٹنٹ کمشنر کسولی ۔ لکھتے ہیں ۔

کسولی میں کچھ عرصہ مولٰنا شرف الحق نے اسلام کی تبلیغ کی ہے۔ آپ کی تبلیغ کا کسولی میں بہت اثر ہوا ہے۔ وہ غلط فہمیاں جو اسلام کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں تھیں آپ نے ان کو دور کیا تبادلہ خیالات کرنے کے بعد میری یہ رائے ہے کہ آپ بہت معزز خاندان کے فرد اور قابل ولائق اور شریف ہستی ہیں ۔

سلطان محمد خاں پریذیڈنسی مجسٹریٹ کی رائے ۔

مولوی شرف الحق مبلغ اسلام نے مدارس کے اندر تین ماہ رہکر تقریریں کر کے اسلام کی حقانیت ثابت کی ان جلسوں میں ہندوستان کے تقریباً ہر مذہب کے لوگ شامل ہوئے۔ انہوں نے دلچسپی کے ساتھ ان کی تقریریں سنی

جگن ناتھ ناظم جے پور فرماتے ہیں

مولوی شرف الحق صاحب دہلوی جے پور میں چند دنوں سے تبلیغ اسلام کر رہے ہیں۔ وہ ایسے انداز سے تقریر کرتے ہیں کہ ہر مذہب کا آدمی ان کی تقریریں باوجود اعتراضات کے سنتا ہے اور کچھ نہیں بول تا ۔

تبلیغ اسلام آپ مناظروں کے ساتھ مسلمانوں کی اخلاقی حالت کو بھی درست کرتے اور ان کو متشرع بنانے کی کوشش کرتے تھے۔ آپ نے پنجاب، سندھ، بہار، بنگال، یوپی کا کوئی ضلع نہیں چھوڑا جہاں آپ نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی تعلیم نہ دی ہو اور احیاء شریعت نہ کی ہو سیکڑوں ایسے دیہات تھے جن میں خدا کا نام لیوا تک نہ تھا اور بہت سے ایسے گاؤں تھے جو خدا کے گھروں سے خالی تھے۔ ان میں مسجدیں تعمیر کرائیں اور پنجگانہ با جماعت نمازی پیدا کئے۔ اور متشرع کرکے نصرانیت کے پھندوں سے بچایا اور بھٹکے ہوؤں کو نکالا۔

نصرانیت کے پھندے سے ایک دوشیزہ کو چھٹکارا دلانا بڑے بلفاد بزاری باغ میں ایک دو منزلہ مکان پر پہلی منزل میں عبدالغنی بنگالی رہتے تھے دوسری منزل پر پادریوں کے مشن کا دفتر تھا۔ قریب کی وجہ سے عبدالغنی کی لڑکی قمر النساء جس کی عمر اس وقت بارہ سال تھی۔ پادریوں سے تعلیم پانے لگی ۔ پادریوں نے اپنا رنگ چڑھایا اور پانچ چھ برس تک اس کے ذہن پر نصرانیت کی فوقیت جمائی ۔ نو عمر لڑکی تھی پھندے میں پھنس گئی۔ جب پادریوں نے دیکھا کہ اب شکار جال میں آگیا ہے تو انہوں نے اس کو اس کے گھر سے نکالکر گرجا میں پہنچادیا ۔

عبدالغنی کو جب اس شرارت کا علم ہوا تو انہوں نے اپنے ہمسائے اور جگری دوست پوسٹ ماسٹر عباس بہاری سے ذکر کیا انہوں نے پولیس میں اطلاع کرائی اس وقت مسٹر گائی (کرسٹاں) سپرنٹنڈنٹ پولیس تھا۔ جو پادریوں کی مشنری کاموں سے دلچسپی اور ہمدردی رکھتا تھا۔ اس نے اس رپورٹ پر کوئی عملی کارروائی نہیں کی ۔

عبدالغنی کو کسی نے بتایا کہ ہگلی میں مولٰنا شرف الحق صاحب آئے ہوئے ہیں جن کے نام سے پادریوں کی اور عیسائی مشنری کی روح قبض ہوتی ہے ۔ انکو بلاؤ لڑکی وہی پادریوں کے قبضہ سے نکال سکتے ہیں ۔

عبدالغنی اٹک گیا۔ اسکی درخواست مولنا نے منظور کرلی۔ مولنا ہزاری باغ آئے۔ سیدھے گرجا پہنچے وہاں ڈاکٹر ہیرل، مس میری، اور مس جیلٹ مشنری کام کی انچارج تھیں ان سے ملے اور ان کو اس زیادتی پر تنبیہ کی۔ اور اس بات پر آمادہ کیا کہ اگر تم سچے ہو تو ہم کو بھی اپنے مذہب میں شامل کرو۔ ورنہ مذہب اسلام میں داخل ہو۔ اس فیصلہ کیلئے مناظرہ ہوا طے پایا کہ لڑکی بھی مناظرہ سُنے گی۔

مناظرہ ہوا۔ ہزاری باغ کے ہزاروں عیسائی مسلمانوں کے جلسے میں آئے آخر دلائل سے مجبور ہو کر پادریوں کو لاجواب ہونا پڑا۔ اور ماننا پڑا کہ ہمارے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ اس فضا سے لڑکی کو بھی کچھ جرأت ہوئی۔ اس نے اپنے خیال کے مطابق سوالات کئے۔ جوابات اطمینان بخش ملنے کے بعد وہ بھی اس جلسہ میں مسلمان ہو گئی۔

مسلمان ہونے کے بعد شادی کا مسئلہ سامنے آیا اس وقت سے وہ ۱۸، ۱۹ سن کی تھی۔ قرعہ اندازی ہوئی جس میں ایک شخص کریم الدین احمد اُس کانسٹبل ہزاری باغ کا نام بھی دوستوں نے مذاقاً دیا تھا۔ قدرتی بات اسی کا نام قرعہ میں آگیا۔ شادی ہو گئی۔

یہ تمام کارروائی دو دن اور دو رات میں ہوئی آخری دوسری رات کو تین بجے پادریوں نے ہار مانی اور یہ عقد ہوا اس وقت کریم الدین احمد کے والد مولوی مدار بخش تھانہ مانڈو ضلع ہزاری باغ میں جمعدار تھے سٹر گاٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کو جب اس واقعہ کا علم ہوا۔ تو وہ صبح کو تھانہ مانڈو کے ملاحظہ میں آیا اور سخت رد عمل اختیار کی۔ بس رنجیدہ تو ملاحظہ میں ان کے خلاف ریمارکس کر گیا۔ یہ بھی نہیں ہو سکے انہوں نے کلکتہ پولیس ہیڈ آفس کو تمام واقعہ سے آگاہ کیا۔ جس کے نتیجے میں دونوں کا تبادلہ دور دراز مقامات پر ہو گیا۔

اللہ رب العزت کو یہ رشتہ اتنا پسند آیا کہ گھر پر رحمت و اکرام کی بارش ہونے لگی کانسٹبل سے تھوڑے ہی عرصہ میں ہیڈ کانسٹبل۔ اسسٹنٹ سب انسپکٹر۔ سب انسپکٹر سے انسپکٹر بنا دیے گئے۔ اس وقت کریم الدین اور قمر النساء کا انتقال ہو چکا ہے۔ لیکن ان کی اولاد میں معین الدین، امین الدین دو لڑکے ہیں۔ اور سات خاتون لڑکی حیات ہیں۔ معین الدین رانچی میں کاروبار کرتا ہے اور امیر الدین پر لیا میں۔ یہ واقعہ سنہ ۱۹۱۰ء کا ہے۔ کریم الدین مولنا کا محبوب مرید انتہائی عقیدتمند تھا

لوہردگہ ضلع رانچی میں محمد علی صاحب عرف محمو اور ان کے صاحبزادے منشی عبدالقادر صاحب ایک معزز و مقتدر حیثیت کے مالک سمجھے جاتے تھے۔ یہ زمانہ سنہ ۱۹۱۰ء ہی کا ہے۔ مولنا نے لوہردگہ میں وعظ و نصیحت کا سلسلہ اور امر بالمعروف نہی عن المنکر کی تبلیغ شروع کر رکھی تھی۔ آپ کی جادو بھری اور والہانہ مدلل اور مبسوط تقریروں کا پورے قصبہ میں چرچا تھا محمد علی صاحب موصوف نے اپنے صاحبزادے کو ہدایت کی کہ وہ بھی مولنا کا وعظ اپنے ہاں کرائے مولنا کو دعوت دی گئی۔ آپ نے جب منظور فرمایا تو واقف کار اور معتمد لوگوں نے آگاہ کیا کہ جس کے ہاں دعوت اور وعظ ہے۔ وہ کلال کا پیشہ اختیار کئے ہوئے ہے اور ضلع بہار کی شراب کی بھٹیوں کا ٹھیکہ دار ہے۔ مولنا دعوت میں پہنچ تو گئے۔ اور وعظ شروع کیا۔ لیکن جب منشی عبدالقادر صاحب عطر کی شیشی لے کر مولنا کے لگانے کے لئے بڑھے اور چاہتے تھے کہ عطر ان کے لگائیں۔ ارادہ ہی کیا تھا۔ ہاتھ کی جنبش ہی ہوئی تھی۔ کہ مولنا نے پر جلال اور رعب دار لہجہ میں کہا خبردار ہاتھ آگے مت بڑھاؤ عطر کی صورت میں میرے لباس کو شراب کی غلاظت سے غلیظ کرنا چاہتے ہو۔

ان فقروں سے جلسہ گاہ میں حیرت و تعجب کا عالم چھا گیا۔ منشی عبدالقادر صاحب اور ان کے والد خاموش تھے۔ دو منٹ کے بعد ان لوگوں نے توبہ کی۔ مولنا نے اور حاضرین نے مسرت و شادمانی کے ساتھ عطر لگایا۔ اسی وقت محمد علی صاحب نے شراب کی بھٹیوں کو توڑنے کا حکم دیا۔ تین ماہ ٹھیکے کی مدت تھی جس میں آمدنی نفع نفع تھا ٹھوکر ماری۔ اور اس کے بعد

آجتک اس فعل شنیع اور قبیحہ کی طرف رخ نہیں کیا۔

آپ کا آجکل چمڑے کا کاروبار ہے۔ عبدالغفار صاحب اپنی جمعیۃ العراقین برادری کے صدر ہیں۔ لوہر دگہ میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ آنریری مجسٹریٹ بنائے گئے اور لوہردگہ میونسپل کمیٹی کے پچاس سال تک چیرمن رہے۔ لہردگہ کی مشہور و معروف انجمن کے بھی مسلسل پچاس سال تک صدر منتخب ہوئے۔

قصبہ اٹکی کی پوری آبادی بھی کلال پورہ بنی ہوئی تھی۔ ہر مسلمان شراب فروخت کرتا تھا اور اپنے خاندان کا پیٹ پالتا اور تن پوشی اسی روزی اور کمائی سے کرتا تھا۔ مولانا وہاں پہنچے تو آپ نے تلقین کی جس کا خاطر خواہ اثر ہوا اور تمام قصبہ نے توبہ کی اور ہر ایک آدمی نے بھٹیوں کو توڑا۔ اور حلال کاروبار کی طرف توجہ دینی شروع کی۔ چنانچہ اس وقت وہاں تقریباً جتنے گھر ہیں۔ وہ سب مولانا کے مرید ہیں اور تقریباً متشرع ہیں۔

موضع پنڈولی کا ایک دیہاتی ایک مشہور بے نمازی تھا اور جس نے مسجد میں اپنے بیل گھسنے پر ملاجی سے کہا تھا کہ "ملاجی یہ سسرا بیل بڑا باؤلا ہے جو مسجد میں گھس آیا بھلا تو نے ہمیں بھی کبھی مسجد میں دیکھا ہے۔"

وہ اڑدھ اور اجڈ دیہاتی اگر کسی کے قبضہ میں آیا تو آپ کے۔ جھکا تو آپ کی تعلیم کے آگے اور ایسا پابند صوم وصلوٰۃ ہوا کہ مسجد کا ہو گیا۔ مرتے مرتے مرگیا۔ لیکن مسجد کی دو وقتی جھاڑو پنج وقتی اذان اور نماز نہ چھوڑی۔ لوگ اس کو "باؤلا بیل" کہہ کر چھیڑتے تھے اور وہ یہ سن کر ہنستا ہوا مسجد میں گھس جاتا تھا۔

ایک دوسرے تاجرانہ ذہنیت والے دیہاتی سے آپ کا واسطہ پڑا جن کے بارے میں مشہور تھا کہ کبھی نماز آپ نے نماز پڑھ لی تھی رمضان کا مہینہ تھا روزہ بھی رکھ لیا تھا۔ قضاء و عند اللہ اسی دن ان کی بھینس کی کٹڑی مرگئی۔ تب بیٹے نے اطلاع دی تو بولے۔

ہو لے لے ہم ہی اُرجہ رکھیں اور نماج پڑھیں اور ہماری کٹڑی مار دی۔ یہ کہہ کر روزے ہیں گنے کی پوری منہ میں لے کر چوس لی۔ لے یہ تیرا اُرجہ رہا اور سام کو تجھے نماج پڑھواؤں گا۔

چنانچہ جب یہ ذات شریف آپ کی صحبت میں کچھ دن رہے تو نماز پڑھنے کی جون میں آگئے۔ اپنی غلطی پر نادم ہوئے توبہ استغفار کی حج کو گئے۔ حاجی کہلائے اور گاؤں میں بہت سی بیوہ عورتوں کی شادی اپنے خرچ پر کرائی اور گاؤں میں ایک شاندار کنواں بھی کھدوایا۔ آپ کو دیہاتی اپنی زبان میں "مولوی لٹھ" کہتے تھے آپ کا دستور تھا کہ پہلے گاؤں کے چودھری کو نمازی بناتے تھے چوں وچرا کرنے پر گوشمالی اور ڈانٹ ڈپٹ سے بھی باز نہ رہتے تھے۔

پیری مریدی

آپ کے مریدوں کی ہندوستان میں تقریباً بیس پچیس ہزار کی تعداد تھی جن میں کثرت سے اوجین، اندور، مارانچی، حیدرآباد سندھ، بلگرام۔ ہزاری باغ۔ اٹکی ضلع رانچی، کشن گنج۔ اجمیر، ناگپور، دہرہ دون، سہارنپور، روڑکی وغیرہ کے باشندے تھے۔

آپ کے ممالک اسلامیہ میں بھی کثرت سے مرید تھے۔

علی الخصوص ان مریدوں میں کثرت سے علماء کا طبقہ تھا۔ مثلاً مولانا مولوی محمد سعید۔ تکیہ مولویہ، مولانا شیخ ابوالخیر نائب مدرس مکتب اسلامیہ، مولانا سعید محمد منظر الدین آفندی گیلانی صاحب سجادہ حماہ شریف۔ مولانا الحاج محمود ہاشمی الحلبی، مولانا ادیب آفندی گیلانی، مولانا شیخ محمد امین آفندی دمشقی وغیرہ وغیرہ۔

آپ اپنے ارادے کے مضبوط اور حق بات کہنے میں بیباک تھے۔ ظالم کے سامنے اس کے ظلم کو رکھنے میں کسی قسم کی جھجک محسوس نہ کرتے تھے۔ کٹھن سے کٹھن بات کو بلا پریشانی کے طے کر لیتے تھے آپ نے ۱۸۸۸ء میں ہر کی پیڑی کا ہر دوار پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جہاں اب کسی مسلمان کا پر مارنا محال ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے وہاں آپ نے اپنا لکچر دھڑلے سے دیا۔

حکومت کی نظر عنایت

آپ کا وہابی جماعت یعنی دیوبندی حضرات سے تعلق تھا۔ جن کے بارے میں مشہور تھا، سرحد پرین کی ایک پارٹی ہے اور ان کو علاوہ دیگر ممالک کے ہندوستان سے بھی مدد ملتی ہے اس پارٹی کے سرگرم معاون حضرات مولانا رشید احمد گنگوہی رح اور حضرت مولانا قاسم العلوم رح اور روح رواں حضرت حاجی امداد اللہ شاہ مہاجر مکی خیال کئے جاتے تھے۔

اسی طرح مولانا رحمت اللہ مرحوم مہاجر مکی بھی حکومت کی نظروں میں کھٹکتے تھے۔ جس کی بناء پر آپ ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔ یہی شبہات تھے جس نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کو غدر کے زمانے میں چھ ماہ حوالات میں مقید کرایا اور حضرت حاجی امداد اللہ رح اور مولانا قاسم العلوم رح کے وارنٹ گرفتاری جاری ہوئے۔ جس کے بعد حضرت حاجی صاحب قبلہ بھی ہندوستان سے مراجعت فرما گئے۔

آپ کا ان حضرات سے قریبی اور نزدیکی تعلق تھا۔ بھلا حکومت کی نظروں میں کیوں نہ چڑھتے اور کھٹکتے۔ حکومت نے سخت نگرانی کی۔ سی۔ آئی۔ ڈی پیچھے پیچھے لگی۔ عجب عجب انداز اختیار کئے کبھی مرید کی جون میں اور کبھی عالم کی شان میں گھر پر مہمان رہی۔

۱۹۳۲ء میں ایک صاحب ہمارے مرید ہونے کے ناتے سے ٹاٹ کے کپڑے پہنے، پرہیزگاروں کی شکل بنائے شغل وافکار کے عادی بنے ہوئے گھر پر آئے۔ مہمان ہوئے اور آپ کے گھر کے چھوٹے کمرے پر ٹھہرے۔ آخری دنوں میں اتفاقیہ طور پر ان ٹاٹ پوش مرید کی عدم موجودگی میں راقم الحروف کا چھوٹے کمرے میں جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں کے بستر کے نیچے ایک ڈائری کا کونہ نظر آیا۔ اٹھایا کھولا۔ دیکھا تو روزانہ کے والد مرحوم کے قول و افعال قلمبند کئے ہوئے تھے اور جو لوگ والد صاحب کے ملاقاتی تھے اُن کے نام بھی درج تھے اور ایک صفحہ پر یہ خاص ریمارک لکھا ہوا تھا۔

"مولانا بہت گہرے اور سازشی ہیں"

یہ ڈائری میں نے اپنے قبضہ میں کی، والد کو دکھائی تو آپ ہنس دئے اور کہا رکھ دو۔ جو کام اس کا ہے کرنے دو۔ میں نے ارشاد کے مطابق وہ ڈائری وہیں بستر کے نیچے رکھدی۔ وہ حضرت کچھ دن اور رہے اور پھر چلدئے اُن کا اس کے بعد کوئی پتہ نہ لگا۔

اسی طرح ایک دوسرے صاحب درانش اور جرب زبان بنگالی آئے مناظر بن کر آپ کے ہمراہ رہے۔ ان کا بھانڈا آپ کے ایک مرید انسپکٹر پولیس بنگال نے پھوڑا وہ جو آپ سے ملاقات کرنے آئے تو ان حضرت بنگالی کو دیکھ کر چونکنے ہوئے اور علیحدگی میں آپ کو اس راز سے آگاہ کیا۔

بعض مفسدوں نے یہ شکایت کی کہ حکومت ترکیہ سے مولانا رحمت اللہ کی معرفت آپ کی ساز باز ہے اور آپ ہندوستان میں حکومت ترکیہ کی خدمت انجام دیتے ہیں۔

مقدمات میں پھانسنے کی کوشش

اس شکایت کا نتیجہ یہ نکلا آپ کے خلاف دہرہ دون میں تقریر کرنے کے سلسلے میں مقدمہ چلانے کی تجویز ہوئی تفتیش دہلی حکام نے کی۔ معززین شہر کی کوششوں سے یہ معاملہ رفع دفع ہوگیا۔ اور مقدمہ پولیس نے واپس لے لیا۔

اسی طرح مصر کے ایک جہادی وعظ پرکچھ بس نہ چلا تو دفعہ ۱۲۴ میں کارروائی کرنے کے لئے ہندوستان میں تفتیش کے واسطے کاغذات روانہ کئے۔ دہلی پولیس کے ہاتھ میں جب یہ کیس آیا تو معلومات بہم پہنچائیں اور مستند حضرات کے بیانات قلمبند کئے

کئے گئے جن میں حکیم عبدالمجید خاں صاحب بھی شامل تھے۔ تب دہلی پولیس نے یہ رپورٹ مرتب کی کہ:۔
مولانا پر ۱۰۹ کا مقدمہ کسی صورت میں نہیں چل سکتا۔ مولانا ایک خاندانی آدمی ہیں چنانچہ یہ مقدمہ بھی نذر فائل ہوا اور مفسدوں کو منہ کی کھانی پڑی۔

آپ تیز طبع، ذہین اور انتہائی خود دار تھے۔ سپاہیانہ، رندانہ اور آزادانہ وضع رکھتے تھے۔ عالمانہ شان بھی قائم تھی اور تقوفانہ رنگ بھی جما ہوا تھا۔ قد و قامت میں بلند و بالا۔ رنگ گورا۔ آنکھیں بڑی بڑی۔ نگاہ تیز اور چہرہ بھاری بھرکم اور کتابی تھا اور بقول خواجہ حسن نظامی:۔
ان کی خوش بیانی اور وعظ گوئی کی دھوم بھی وہ جسامت کے اعتبار سے مولانا شوکت علی سے کم نہ تھے۔ آواز بھی گرجدار تھی اور طرز بیان بھی فوجی تھا جس طرح ایک فوجی افسر حکم دیتا ہے اسی طرح وہ تقریر کیا کرتے تھے۔" (منادی)

عالی حوصلگی

درگاہ حضرت سلطان غازی رحمۃ اللہ علیہ خلف سلطان شمس الدین التمش شہر دہلی سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ جن کا عرس ہر سال ۱۸ ذیقعدہ کو ہوتا ہے۔ اس مزار پر مولانا اشرف الحق مرحوم فاتحہ پڑھنے کے لئے اکثر جاتے تھے ایک مرتبہ آپ مولانا عبدالسلام صاحب دہلی کے مشہور و مقبول صوفی عالم کے ہمراہ حسب عادت فاتحہ پڑھنے کے لئے گئے مگر راستہ بھول گئے اور ایسے راستہ پر پڑ گئے جہاں سانپوں کا جنگل تھا اور زمین پر کثرت کے ساتھ سانپ چل رہے تھے۔ آپ اس راستہ سے اطمینان و سکون کے ساتھ گذر گئے اور کوئی پریشانی محسوس نہیں کی۔ مولانا عبدالسلام صاحب زندہ ہیں۔ ان سے اس واقعہ کی اصلیت معلوم کی جا سکتی ہے۔ اسی طرح لہردگہ ضلع رانچی کا واقعہ ہے کہ آپ جنگل کا راستہ طے کر رہے تھے۔ نماز کا وقت ہو گیا۔ آپ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ سامنے سے جنگل میں سے شیر نکل آیا ساتھی پریشان ہوئے لیکن آپ نماز پڑھتے رہے۔ جب نماز ختم کی تو شیر جا چکا تھا۔ آپ نے اطمینان کے ساتھ وہ راستہ طے کیا۔ اور ساتھیوں کی ہمت بندھائی۔ یہ واقعہ بھی میں نے لہردگا اور رانچی ضلع رانچی کے ذمہ دار حضرات اور والد صاحب قبلہ سے سُنا۔

آخر میں آپ گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ بڑھاپے نے عاجز کر دیا تھا۔ پاؤں لنگ کرنے لگا تھا۔ بینائی میں بھی معمولی سا فرق آ گیا تھا۔ لکھنے پڑھنے میں دقت ہوتی تھی مگر حافظہ اس قدر تیز تھا کہ ڈھائی تین ہزار کے کتب خانہ میں سے کوئی کتاب آپ کے سامنے نکال کر رکھ دیجئے یہ تک بتا دیتے تھے کہ فلاں صفحہ پر میں نے اس مضمون کا حاشیہ لکھا ہے۔

انتقال

انتقال سے ڈیڑھ سال پہلے لقوہ کا حملہ ہو گیا تھا جسم کا نصف حصہ اس کی زد میں آیا۔ علاج معالجہ ہونے پر افاقہ ہوا اور تندرستی کے آثار بھی نمایاں ہونے لگے۔ لیکن وہ سب وقتی تھے۔ حکیم نابینا صاحب، حکیم محمد احمد صاحب، حکیم ظفر صاحب اور حکیم عبدالغنی صاحب کلکتہ والے سے خاص تعلقات تھے۔ وہ ادویات دیتے رہتے تھے۔ مگر وہ بے سود تھیں پھر لقوہ اُبھرا۔ ہوتے ہوتے تمام جسم پر چھا گیا۔ اعضاء نے جواب دے دیا اور آخر ستر برس کی عمر میں ۲۸ جنوری ۳۶ء مطابق ۳ ذیقعدہ ۵۴ھ بروز منگل بوقت ۸ بجے شب گلی بدلیاں محلہ چوڑی والاں والے مکان میں جب کہ شاہ جارج پنجم کی وفات پر تمام ہندوستان میں ہڑتال تھی۔ آپ نے جہان فانی سے رحلت فرمائی۔

رسم تدفین میں مفتی محمد کفایت اللہ۔ ڈاکٹر ذاکر حسین جامعہ ملیہ، حکیم محمد احمد خاں صاحب، حکیم ظفر احمد خاں صاحب، مولانا محمد اسلم صاحب جیراجپوری۔ مولانا عبدالرحمٰن صاحب پروفیسر مشن کالج دہلی، نواب سراج الدین احمد خان سائل، وحید الدین صاحب بیخود دہلوی، مولانا احمد سعید صاحب۔ پیرجی عبدالصمد صاحب و دیگر معززین شہر اور علماء مشائخین و اہالیان دہلی نے حصہ لیا۔

تصانیف وکتب خانہ انتقال کے وقت ڈیڑھ لاکھ روپے کی جائیداد۔ عبرانی، یونانی، پشتو، ترکی، انگریزی، عربی، فارسی، ہندی، اردو کی ڈھائی تین ہزار قلمی ومطبوعہ کتابوں کا ذخیرہ اور (۱۱) حسب ذیل تصنیفات چھوڑیں۔

(۱) دافع البھتان بہ تنزیہ الرحمٰن۔
(۲) استیصال دین عیسوی بمقابلہ دین محمدی۔
(۳) مناظرہ غازی پور۔
(۴) مناظرہ کالکا۔
(۵) مناظرہ حیدرآباد دکن۔
(۶) مناظرہ پونا۔
(۷) مناظرہ غازی پور
(۸) دینی مناظرہ

سفرنامۂ حج اس میں کئی مناظرے انگریزی زبان میں طبع ہو چکے ہیں پہلے حج کا سفرنامہ بھی بالتفصیل لکھا ہوا قلمی موجود ہے۔ اب تک طبع نہ ہو سکا۔ طبع کرانے کی کوششیں جاری ہیں۔ اللہ تعالےٰ کامیاب کرے۔

مولانا محمد علی مونگیری

آپ کی کنیت ابواحمد تھی۔ کانپوری مشہور ہوئے۔ لیکن دراصل صوبہ بہار مونگیر ضلع کے باشندے تھے۔ اور اصل خاندان مخدمی الد ضلع مظفر نگر کا۔ آپ نجیب الطرفین سید ہیں۔ آپ کی والدہ اور والد، دادی، دادا، نانا، نانی سب غوث پاک کی اولاد میں سے ہیں لہ آپ کا شجرہ نسب یہ ہے۔

(۱) سید عبد العلی	(۲) بن سید غوث علی صاحب	(۳) بن سید راحت علی صاحب	(۴) سید امان علی صاحب
(۵) بن سید شاہ لومحمد صاحب	(۶) بن سید شاہ محمد عمر صاحب	(۷) بن شاہ عاشق محمد صاحب	(۸) حاجی الحرمین سید محمد
(۹) شاہ عتیق اللہ صاحب	(۱۰) شاہ قطب الدین	(۱۱) شاہ ابوبکر چرم پوش	(۱۲) شاہ بہاء الحق مخدوم حبیب اللہ ملتانی
(۱۳) سید حسن	(۱۴) سید یوسف	(۱۵) سید جمال الحق	(۱۶) سید ابراہیم
(۱۷) سید راجی حامد	(۱۸) سید موسیٰ احمد شبلی	(۱۹) سید علی	(۲۰) سید محمد
(۲۱) سید حسن ثانی	(۲۲) سید ابوصالح	(۲۳) سید عبد الرزاق	(۲۴) سید عبد القادر جیلانی

لہ آفاقت محمدیہ ۱۳۵۳ ؛

حضرت مولانا شاہ فضل رحمان گنج مراد آباد رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ جن کی شہرت ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ عرب و عجم تک تھی آپ کو حضرت شاہ صاحب نے اپنا خلیفہ مقرر کیا تھا۔ اور فرمایا تم سے جو شخص مرید ہونے کی خواہش کرے اسے مرید کر لیا کرو۔

آپ کا شمار ندوۃ العلماء کو چلانے اور زندہ رکھنے والوں میں کیا جاتا ہے۔ آپ نے ایک عرصہ تک ندوۃ العلماء کی ہتممی کے فرائض انجام دیئے ہیں۔ مولانا کا ہی مرتب کردہ عربی نصاب ندوۃ العلماء میں رائج ہے۔ ندوۃ العلماء کی ہتممی سے قبل آپ مدرسہ فیض عام کانپور میں مدرس ہوئے۔

چودھری مولا بخش مولانا کے اسسٹنٹ سمجھے جاتے تھے۔ وہ مولانا کو انگریزی کتابوں کے ترجمے کرکے دیتے تھے۔ مناظرہ کرنے اور پادریوں کو لاجواب کرنے کے لئے مولانا نے منشی نذیر احمد نقشہ نویس لکھنوی کو جو بعد میں بھوپال میں مہتمم محکمہ بنگلات بنا دئے گئے تھے مقرر کر رکھا تھا۔ منشی نذیر بڑے ہی حاضر جواب تھے۔ پادری ان کے جوابات سے چکرا جاتے تھے۔

مولانا نے آخر میں ردّ نصاریٰ کے زمانہ میں رسالہ احمدیہ کا اجراء کیا تھا۔ جس کے ایڈیٹر مولانا احسن بہاری تھے [۵۲]

الزام بغاوت | ندوہ کے بعض سفراء کی وجہ سے مولانا پر حکومت ہند نے باغی ہونیکا الزام لگایا۔ جس پر مولانا کو مجبور کیا گیا کہ آپ ہجرت فرمائیں چنانچہ آپ نے تین سال ... میں قیام فرمایا اور مونگیر تشریف لے آئے جبکہ قادیانیت کی ابتدا بہار میں ہوئی تھی۔

تحریک خلافت ۔ تحریک خلافت میں آپنے نمایاں حصہ لیا۔ چنانچہ خلافت کمیٹی کا صوبہ بھر میں خانقاہ مونگیر مرکز تھا۔

مولانا ان لوگوں کو جو قومی کاموں میں حصہ لیتے ان کو انتہائی محبت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اور ان کے کاموں کے بارے میں فرماتے تھے کہ یہ اللہ کا کام کرتے ہیں۔ مولانا نے کانپور میں جس قدر زندگی گذاری وہ سب ردّ نصاریٰ سے پُر تھی۔ کانپور کا زیادہ زمانہ مولانا نے دلاری کی مسجد کانپور میں گذاری۔

مولانا کو سرکاری نوکری سے نفرت تھی۔ سرکاری نوکر ہونا توہین سمجھتے تھے چنانچہ آپ حیدر آباد دکن جب گئے تو عالم شباب تھا۔ آپ کو حافظ عبد الکریم مرحوم جن کو سر سالار بہادر نے ہندوستان سے بلا کر ممبر مجلسی ہائیکورٹ بنائی تھی۔ اس وقت نئے نظام کیلئے منصفوں کی ضرورت تھی۔ ان منصفوں کا تقرر حافظ صاحب کے ہاتھ میں تھا۔ حافظ صاحب نے مولانا سے اس جگہ پر فائز ہونے کی درخواست کی اور چار سو روپے تنخواہ پیش کی۔ اور کہا کہ یہ چھوٹا سا عہدہ اس لئے تجویز کیا جاتا ہے کہ آپ تجربہ حاصل کریں۔ بعد میں آپ کو جج ہائیکورٹ بنا دیا جائیگا۔ آپ نے اس نوکری سے انکار کیا

---

۵۲ - بزبانی مولانا عبد الرزاق صاحب مصنف الرکہ

مولنا ابو المنصور ناصر

ناصر الدین آپ کا نام تھا۔ ابو المنصور کنیت تھی اور آپکا لقب امام المناظر تھا۔ آپ کا تعلق قصبہ سد آباد عرف رائے پور مضاف قنوج کے خاندان سادات سے ہے، جس میں پشت ہا پشت سے علم و فضل چلا آتا ہے۔ شجرہ نسب امام جعفر صادق سے ملتا ہے۔ آپ کے جد اعلیٰ ثقۃ الثقات قاضی سید عبد الغفور مرحوم بزرگان کبار میں سے ہیں۔ آپ کے والد ماجد مولوی محمد علی مرحوم متخلص بہ ناظر بھوپال ریذیڈنسی میں میر منشی ہونے کے بعد نواب صدیق علیخاں شوہر والیۂ بھوپال کے معتمد اعلیٰ بنے۔

یہ خاندان تمام کا تمام شیعہ ہے۔ لیکن آپ کا گھرانا سنی ہے۔ ان کی خاندانی زمین شاہی عطیات بھی وہاں ہیں۔ ناگپور میں آپ کی ولادت ۲۷ رمضان ۱۲۳۷ھ یوم شنبہ ہوئی۔[1]

آپ غدر کے ہنگامہ میں عزیزوں سے برگشتہ ہو کر دہلی میں آئے۔ ہنگامہ کی وجہ سے سواری کا انتظام نہ ہو سکا۔ دونوں بچے ناصر علی، نصرت علی اور خود میاں بیوی (مولانا ابو المنصور اور ان کی گھروالی) نے پیدل سفر کیا۔ جب ہنگامہ ختم ہوا شہر میں امن و امان قائم ہوا۔ تو مولانا نے میر مداری کی گلی میں ایک مختصر سا مکان کرایہ پر لے لیا اور وہیں رہنے سہنے لگے۔ اوائل میں تنگی و ترشی سے بسر ہوئی کچھ عرصے کے بعد حالات موافق ہو گئے۔

تعلیم آپ اپنے والد ماجد مولانا سید محمد علی صاحب و جد بزرگوار مولانا سید فاروق علی صاحب ناگپوری سے شرف تلمذ رکھتے تھے۔[2] آپ حضرت مولانا شاہ رحیم بخش صاحب نقشبندی سجادہ نشین حضرت شاہ غلام علی صاحب رحمۃ اللہ سے بیعت ہوئے۔ مولوی محمد مہدی نزیل کانپور کی دختر سے آپکی شادی ہوئی۔[3]

آپ نے انجیل کی تعلیم پادری جے ایل سکاٹ مفسر انجیل رومن کو کرٹے سے حاصل کی۔ اور پانچ چھ برس سے ان کی صحبت میں رہ کر عیسائیوں کے گُرُوں سے واقف ہوئے۔ چنانچہ ۱۸۶۴ء میں پادری سکاٹ موصوف نے آپ کو انجیل کی تعلیم حاصل کرنے کی تحریری سند دی۔ فارسی، عربی جاننے کے علاوہ ہندی سے بھی واقف تھے۔ کسی قدر انگریزی اور رومن کیرکٹر لکھ پڑھ بھی سکتے تھے۔

آپ ۱۸۶۵ء میں الہ آباد میں رہے۔ وہاں پادریوں سے مقابلہ کیا۔ خاص طور پر پادری ڈیوڈ سے الہ آباد میں مناظرہ کیا۔ دو روز کی مسلسل بحث نے پادری کو شکست کر دیا تھا۔ جواب دینے کے قابل نہیں رہا تھا۔

مولانا موصوف ان لوگوں پر زیادہ توجہ دیتے تھے جو اسلام سے مرتد ہو کر دین مسیح اختیار کر لیتے تھے۔ آپ کی کاوش کا ثمرہ تھا کہ مرتدین اپنی غلطی پر نادم ہوتے تھے اور مسلمان ہونے کا شرف حاصل کرتے تھے۔ چنانچہ عبید اللہ ولد مولوی مراد علی عیسائی واعظ اور دلاور خان جو معہ زن و فرزند مشن فتح گڈھ میں عیسائی ہوئے تھے جو ایک عرصہ تک پادریوں کی تربیت میں رہا تھا اور مشن کے کاموں میں انتہائی مصروف و منہمک رہتا تھا۔ نیز فضل علی آپ کی کوششوں سے نصرانیوں کے پھندے سے نکل کر مسلمان ہوا۔

دار الامامت کا قیام ردِ نصاریٰ کے سلسلہ میں مولانا نے واعظین کی اصلاح و درستگی اور طریقہ مناظرہ سکھانے کے لئے دار الامامت قائم کیا تھا۔ جس کی غرض یہ تھی کہ رد نصاریٰ کے لئے مبلغین و مناظر تیار کئے جائیں۔ تاکہ وہ چالاک پادریوں کے داؤں پیچ میں نہ آئیں ان کو شکست دینے اور مناظرہ

[1] دار الحکومت دہلی [2] وصال الجلیل مولانا شاہ محمد امان الرحمن [3] تذکرہ علماء ہند مولوی رحمان علی ص ۲۳۳

کرنے کے طور وطریقے سیکھ لیں۔ پوری معلومات کے گنجینے بن جائیں۔ اور ناواقفیت کی بناء پر شرمسار ہونے کی کوفت اور اپنے مذہب کی بدنامی سے محفوظ ہو جائیں۔

دار الامامت کی طرف سے اعلان تھا کہ کوئی مسلمان واعظ ومناظر اس وقت تک رد نصاریٰ سامنے نہ کرے جب تک وہ دار الامت سے رد نصاریٰ کی سند حاصل نہ کرلے۔

مستند مناظرین ان واعظین میں تین طبقے ہوتے تھے۔ اوّل، دوئم، سوئم اور ان کو درجے کے مطابق خطاب بھی دیا جاتا تھا۔ اس دار الامامت کے امام فنِ مناظرہ مولانا موصوف ہی تھے۔ جو واعظین کو پڑھا کر ان کا امتحان لیکر سند عطا فرماتے تھے۔ دار الامامت کے مستند واعظین حسب ذیل حضرات تھے مکمل لسٹ حاصل نہیں ہو سکی۔

(۱) مولانا قاضی سراج الدین احمد چلبوری۔ امیر الواعظین طبقہ اوّل (۲) مولانا عبد المجید دہلوی (۳) مولانا سید حیدر علی دہلوی طبقہ اوّل (۴) مولانا مرزا دجد جالندھری امیر الواعظین طبقہ اوّل (۵) مولانا محمد سعادت یار خاں بن محمد یار خاں امیر الواعظین طبقہ دوئم (۶) نیاز دللہ غزنوی رئیس الواعظین طبقہ اوّل۔ (۷) حافظ شیخ رحیم الدین بن حافظ خدا بخش رئیس کی افتخار الواعظین طبقہ اوّل (۸) مولانا سید اکرام حسین ابن سید محمد حسین کاکوری۔ اشرف الواعظین طبقہ اول (۹) مولانا سید سرفراز علی ابن فیاض علی گلاؤٹی عمدۃ الواعظین طبقہ اول (۱۰) سید حامد علی ابن میر بشارت علی دہلوی افضل الواعظین طبقہ اول (۱۱) مولانا محمد عبد العزیز ابن شیخ نجم الدین عرف جیون بخش اشرف الواعظین طبقہ دوئم (۱۲) مولانا محمد حفظ الزماں ابن عبد الرحمان شاہ جہاں پوری شمس الواعظین طبقہ اول (۱۳) مولانا محمد قطب الدین جان بن محمد انور علی خاں شاہ جہاں پوری ناصر الواعظین طبقہ ثانی (۱۴) مولانا تفضل حسین ابن شیخ غلام غوث معین الواعظین طبقہ ثانی۔ (۱۵) مولانا محمد حسین ابن محمد بخش دہلوی انیس الواعظین طبقہ ثالث (عین الیقین)

انجمن اسلامیہ دہلی نصرانیت کے ہتھکنڈوں سے بچنے کے لئے اور اسلامی احکامات و اصولوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنے کے لئے غیور مسلمانان دہلی نے انجمن اسلامیہ دہلی کا قیام کیا تھا۔ اس انجمن کے ماتحت ایک مدرسہ بھی تھا جس کے مدرس مولانا محمد شاہ صاحب۔ تھے۔ انجمن کے صدر محترم حاجی الحرمین قطب الدین صاحب اور سیکریٹری خواجہ علی احمد صاحب تھے۔ اور ممبران مولانا الطاف حسین صاحب حالیؔ مولوی الفت حسین مولانا عبد المجید، حکیم ظہیر الدین میونسپل کمشنر وغیرہ مقتدر معزز حضرات تھے اور اسی انجمن کے میر مجلس مولانا ابو المنصور تھے جو ہر ہفتہ انجمن کے پروگرام کے مطابق مختلف عنوانات پر علمی و تبلیغی اور رد نصاریٰ کے عنوانات پر مضامین پڑھ کر مستفید فرماتے تھے۔ چنانچہ مولانا کا مضمون فضیلتِ دعوتِ اسلام بیحد مقبول پسند ہوا جو مولانا نے ۲ اپریل ۱۸۷۶ء کے اجلاس منعقدہ بر مکان صدر انجمن موصوف پڑھا تھا۔

شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے مولانا مرحوم سے دیرینہ تعلقات تھے عام طور پر خاندان میں جو شادی ہوتی تھی اس کا دعوت نامہ ڈپٹی صاحب ہی لکھتے تھے۔ چنانچہ غالباً مولانا ابو المنصور صاحب کے صاحبزادے مولانا صر علی کی شادی کا رقعہ ڈپٹی صاحب نے لکھا تھا۔ یہ رقعہ جہاں دلچسپ اور تاریخی ہے وہاں مولانا موصوف کی علمی فضیلت کے لئے برہان قاطع ہے۔ یہ واقعہ بیان کرنے والی ہستی بھی معمولی نہیں ہے۔ حضرت علامہ مولانا راشد الخیری رحمۃ اللہ علیہ ہیں لہ

ہمہ دان حامئ دین مولوی ابو المنصور — جن کے افضال سے آگاہ ہیں نزدیک و بعید
ان کا دولتکدہ ہے بزم گہہ عقد نکاح — کہ وہ خود جائے مبارک ہے مگر قابل دید

نہ مزامیر نہ باجا نہ سرود اور نہ رقص   اور نہ بدعت کے مراسم سے کوئی امر جدید
عقد کے دوسرے دن ہوگا ولیمے کا طعام   جو میسر ہو وہاں نان و نمک و آش و ثرید
آپ اگر لائیں گے تشریف براہِ شفقت
میں یہ سمجھوں گا کہ بے دام لیا مجھ کو خرید

مولانا موصوف حضرت مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ سے انتہائی عقیدت رکھتے تھے۔ اور ان کے نقشِ قدم پر اپنے عقیدتمندوں کو چلنے کی تلقین کرتے تھے۔ بعض مرتبہ گھنٹوں سرحد کے مجاہدانہ کارنامے ہی سناتے تھے۔ اسی جنگی ذہنیت کی وجہ سے روس کے جنگ کے زمانہ میں ہندوستان سے ترکی کی مدد کرنے کے سلسلے میں آپکو سلطان، عبدالمجید خاں کیطرف تمغہ بھی ملا تھا۔ آپ نے ۱۳۲۰ھ میں انتقال فرمایا[2] اور کلو کے تکیئے میں مدفون ہوئے۔

این خانہ تمام آفتاب است

مولانا مرحوم کے دو صاحبزادے میر ناصر علی اور مولوی نصرت علی تھے۔ دونوں صاحبزادے باپ کے سچے جانشین تھے۔ علمیت و قابلیت میں یکتائے روزگار اور خاندان کی آن وبان تھے۔ بڑے صاحبزادے میر ناصر علی نے ادب اردو کی جو خدمت کی وہ یادگار و تاریخی حشمت کی مالک ہے۔ آپ ۱۸۴۷ء میں پیدا ہوئے۔ دہلی کالج میں تعلیم پائی۔ اس کے بعد ۱۸۶۷ء میں نان پارہ ضلع بہرائچ میں مدرس ہوگئے۔ وہاں آپ محکمۂ نمک میں لئے گئے۔ ۲۸ سال ملازم کے بعد پنشن دی۔ سبکدوشی کے بعد پاٹودی ریاست میں دیوان ہوگئے۔ گورنمنٹ نے خان بہادر کا خطاب دیا۔ ۱۲۹۶ء سے ادبی خدمت میں منہمک ہوگئے۔ اس سال تیرہویں صدی رسالہ نکالا، قلم کا زور، لیاقت ومعلومات وتحقیقات کا سکہ جمایا۔ آگرہ گئے زمانہ کی روش سے علیحدہ ہو کر نئے اور انوکھی طرز نگارش کے ساتھ رسالہ "زمانہ" کی ضرورت محسوس کرائی۔ پریس کی پریشانی سے تنگ آکر ۱۸۹۹ء میں دو پرچے ناصری افسانہ اپنے خاندانی پریس نصرت المطابع دہلی جاری کئے۔ ۱۹۰۸ء رسالہ صلائے عام جو عوام محبوب خواص کا ہر دلعزیز تھا مرتے دم تک چلاتے رہے۔ ۱۹۳۳ء میں آپکا انتقال ہوا۔ تو اس ادب کے سرپرست کی یاد میں ادبی دنیا نے ماتم کیا۔ ہر رسالے نے نوحہ خوانی کی مرثیے لکھے اور دہلی کے مشہور ادبی رسالہ ساقی نے ناصری نمبر نکالا۔[1] جس میں ملک کے بہترین ادیب مولانا راشدالخیری، خواجہ حسن نظامی وغیرہ نے ان کے اوصاف حمیدہ اور علمی و تاریخی و ادبی خدمات پر روشنی ڈالی۔

دوسرے صاحبزادے مولانا نصرت علی صاحب تھے جن کی ولادت ۱۲۶۲ھ میں ہوئی آپ میر ناصر علی صاحب سے تین برس چھوٹے تھے مولوی نصرت علی صاحب کو علوم دینی فقہ و احادیث میں یدطولیٰ حاصل تھا آپ فارسی، عربی، ترکی، انگریزی ہندی کے ماہر تھے۔ چنانچہ اس وقت مرحوم کی تصنیف کردہ کتابیں ایک سو سے زاید ہیں۔ علم مناظرہ میں اپنے والد کے سچے پکے "خلف" تھے۔

تنبیہ الدرس کہ جواب اندرونہ بائیبل مروجہ تدبیریہ مصنفہ پادری عبداللہ آتھم اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر اور ضیاء النورین بجواب رسالہ سرت المسیح المحد مصنفہ پادری ٹھاکر داس جیسے مدلل جامع رسالوں نے عیسائیوں کی دنیا میں تہلکہ مچا رکھا تھا۔ ۱۸۷۲ء میں نصرت الاخبار دہلی سے جاری کیا جس کے دو ضمیمے تھے۔ ایک مہر درخشاں اور دوسرا نصرت الاسلام، یہ تینوں اخبار مرحوم کے ذاتی پریس نصرت المطابع سے شائع ہوتے تھے۔ اس زمانہ میں نور افشاں نامی عیسائیوں کا اخبار شائع ہوتا تھا۔ جس میں اسلام پر اعتراضات کئے جاتے تھے ان کے جواب میں مولوی نصرت صاحب مرحوم نے مہر درخشاں شائع کیا۔ لعد میں نصرت الاسلام کے بجائے ناصر الاسلام نکلنا

[1] ساقی کا ناصری نمبر ستمبر ۱۹۳۳ء   [2] دارالحکومت دوئم ۴۱۸

نقیقات

شروع ہوا۔ جو بندرہ سال تک شائع ہوتا رہا۔ آپ نے مرنومبر ۱۹۲۲ء میں ریاست اجے گڑھ میں انتقال فرمایا۔

انتقال ۱۳۲۰ھ بعمر اسی سال مولانا ابو المنصور نے اس جہان فانی سے عالم جاودانی کو رحلت فرمائی۔ آپ نے اپنی معرکتہ الآرا، عیسائیوں کے قصر شہنشاہی میں لرزہ پہنچانے والی حسب ذیل تصانیف چھوڑیں۔ افسوس ان کے طبع ہونے کی کوئی امید نہیں ہے۔ قوم اور ملک کی بدنصیبی ذوق بدل چلے قابلیت کے معیار کچھ اور ہو گئے۔ دیمک اور بے توجہی انکو ناپید و نایاب کر چکی ہے۔

تصنیفات

(۱) میزان المیزان:۔ یہ کتاب پادری میزان الحق کا جواب ہے۔ نصرۃ المطابع دہلی میں ۱۲۹۴ھ میں جو ۱۷۰ صفحات بڑی تقطیع پر مشتمل ہے چھپی ہے۔

(۲) مصباح الابرار:۔ یہ رسالہ پادری فنڈر کے مفتاح الاسرار کا جواب ہے جو ۱۸۷۶ء میں نصرۃ المطابع دہلی میں ۴۴ صفحات بڑی تقطیع پر طبع ہوئی۔

(۳) لحن داؤدی:۔ پادری عماد الدین کی کتاب نغمہ طنبوریہ کے رسالہ کا یہ رسالہ ۳۲ صفحے کا جواب ہے جو مطبع میو ہی بلا قید اس کے اہتمام سے ۱۲۹۵ھ میں چھپا۔

(۴) عقوبت الضالین:۔ یہ رسالہ ہدایت المسلمین مؤلفہ پادری عماد الدین کا جواب ۱۲۹۴ھ میں دوبارہ ۱۷۶ صفحوں پر نصرت المطابع دہلی میں چھپا۔

(۵) رقیمتہ الوداد:۔ یہ رسالہ منشی صفدر علی صاحب کے نیاز نامہ کا مختصر جواب ہے ۱۹۹۶ء میں تیسری مرتبہ ۴۱ صفحوں پر نصرۃ المطابع دہلی میں چھپا۔

(۶) استیصال مسیح الدجال:۔ یہ جواب رسالہ مسیح الدجال مؤلفہ رامچندر پادری کا ۱۲۹۱ھ میں ۶۷ صفحوں میں نصرۃ المطابع دہلی میں چھپا۔

(۷) افحام الخصام:۔ یہ رسالہ جان راجرس صاحب کے رسالے تفتیش الاسلام کا جواب ہے ۱۲۹۳ھ میں ۱۲۸ صفحوں پر نصرت پریس میں بڑی تقطیع پر طبع ہوا

(۸) تنقیح التاویل۔ یہ ۴۴ صفحوں کا رسالہ تفسیر مکاشفات مصنفہ پادری عماد الدین کا جواب ہے جو نصرۃ المطابع دہلی میں چھپا

(۹) الطام عام۔ یہ رسالہ آئینہ اسلام مؤلفہ پادری رجب علی کا جواب ہے۔ اس میں عیسائیوں کی تمام برائیوں کا بیان ہے جو ۱۲۹۰ھ میں ۴۴ صفحوں پر مطبع فاروقی دہلی میں طبع ہوا۔

(۱۰) اعجاز قرآن:۔ یہ رسالہ ماسٹر رامچند عیسائی کے اعجاز قرآن کا جواب ہے

(۱۱) سبیل نجات:۔ یہ رسالہ پادری فنڈر کے طریق الحیات کا جواب ہے۔

(۱۲) حرز جان :- یہ رسالہ مسٹر عبداللہ آتھم کے رسالہ اصلیت قرآن کا جواب ہے جو ۱۲۸۶ھ میں ۲۰ صفحہ پر نصرت پریس دہلی میں چھپا۔

(۱۳) لیس التقیس :- یہ رسالہ جواب بر رسالہ اصل و افزائش درزال دین کھتری کا ۔

(۱۴) نوید جاوید :- یہ عمدہ و مبسوط تصنیف ۲۳۶ صفحوں پر ۱۲۹۴ھ نصرۃ المطابع میں طبع ہوئی ۔

(۱۵) دولت فاروقی :- یہ کتاب بیت المقدس اور سابقین کی تاریخ ہے ۔

(۱۶) تنقیح البیان :- بجواب تفسیر القرآن مصنفہ سر سید احمد خانصاحب ۲۲۸ صفحات نصرۃ پریس میں ۱۲۹۷ھ میں چھپی ۔

(۱۷) حمید جاوید

اس میں سے نو کتابیں بحمداللہ میرے والد ماجد کے کتب خانہ میں موجود ہیں ۔ نوید جاوید مولوی نور محمد صاحب جامع مسجد سے مل سکتی ہیں ۔

حضرت مولانا سید امیر حمزہ علیہ الرحمۃ

مولوی سید امیر حمزہ سید امیر علی شاہ کے فرزند تھے ۔ دہلی میں محلہ چوڑیوالان میں جہاں مولانا شرف الحق، مولانا حبیب الرحمٰن، مولانا عبدالاحد جیسے مشہور علماء کا مرکز تھا ۔ آپ مقیم تھے ۔ آپ حضرت شاہ امداد اللہ مہاجر مکی مدنی کے مرید و خلیفہ تھے ۔ آپ نے مولانا عبدالحلیم لکھنوی سے بعض کتب پڑھیں عربی کی ابتدائی کتب کے پڑھنے کے بارے میں مولانا عبدالحمید خلف مولانا عبدالحلیم بحر العلوم تحریر فرماتے ہیں ۔

کہ آپ ۱۲۸۳ھ میں لکھنؤ تشریف لائے ۔ فقیر سے دو سبق کافیہ کے بشرکت مولوی شمس الدین کرسوی اور مولوی عزت حسین نیوتلوی پڑھے اور کچھ نحو میر سنائی ۔ جب اتم بلائے ناگہانی یعنی عدم وفات محبوب سبحانی والد ماجد قدس سرہ میں مبتلا ہوا تو انہوں نے کافیہ قال اقول تک جامی مبتدی وغیرہ مولوی عبدالحئی بنگالی سے اور شرح ملا و شرح وقایہ وغیرہ مولوی نظام الدین احمد سے اور نور الانوار اور مختصر المعانی و بحث انتظر وسطا امام محمد وغیرہ پڑھیں ۔ ان کتب کے پڑھنے کے بعد آپ یہاں سے روانہ ہو گئے انکے ذکی، متین، مہذب عابد زاہد، متشرع متصوف، سلیم الطبع، سریع الفہم ہونے میں کوئی شک نہیں (روضۃ الفیغم فی خوارق مولانا عبدالحلیم مرحوم ص ۳۰)

آپ عربی و فارسی کے منتہی اور انگریزی دان ہونیکے علاوہ زہد و تقوٰی اور شرافت خاندانی کے اعتبار سے آپ کا شمار مشاہیر دہلی میں کیا جاتا تھا ۔ شعر گوئی کا بھی شوق تھا ۔ آپکا کلام درد بھرا، تاثیر سے پُر، اور تصوف کے رنگ میں ڈوبا ہوا تھا ۔ جو لوگوں کی زبانوں پر چڑھا ہوا تھا ۔ کچھ عرصہ آپ نے فرنگی محل میں درس تدریس کا سلسلہ بحیثیت ملازم کے قائم کیا ۔ اسکے کچھ دنوں بعد ہندو کالج میں پروفیسر رہے ۔ مگر ازل سے ایک آزاد طبیعت کے مالک تھے بھلا نوکری کی قید کب برداشت کرتے ۔ گھر بیٹھے درس تدریس کا مشغلہ رہا ۔ بہت سے عالم آپکے شاگرد ہیں جو بڑے بڑے عہدوں پر مامور ہوئے ۔ سخاوت کا یہ عالم تھا پیسہ ہاتھ میں نہیں ٹکتا تھا کہ ادھر ملا ادھر دیا ۔ اپنے آپ تکلف اٹھاتے مگر سائل کا سوال رد نہ کرتے مختصر یہ کہ باخدا بزرگ تھے ۔ ۸۴ سال کی عمر میں رحلت فرمائی ۔[1]

[1] دارالحکومت دہلی ص ۱۸۹

حضرت العلامہ مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مولانا قاسم کا تاریخی نام خورشید حسن ہے۔ آپ شعبان یا رمضان ۱۲۴۸ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے دوست مولانا محمد یعقوب (مصنف سوانحعمری مولانا محمد قاسم) فرماتے ہیں۔ مولانا صاحب کا سن پیدائش مجھ کو نام سے معلوم تھا۔ اور مہینہ بھی یاد نہیں تھا۔ ربیع الثانی یا جمادی الثانی ذہن میں تھا۔ جن حضرات سے سمجھا تھا ان سے معلوم ہو جائیگا وہ بھی نا واقف نکلے ایک صاحب نے پندرہویں شعبان کہا مگر اعتبار نہیں آیا۔ ایک نے ۱۹ رمضان اور ایک صاحب نے ۲۷ محرم تاریخ ولادت فرمائی۔ یہ بھی صحیح نہیں معلوم ہوا۔

مولانا کے والد ماجد شیخ اسدعلی صاحب صاحب مروّت و اخلاق کنبہ پرور مہمان نواز نمازی پرہیزگار بزرگ تھے۔ تمام عمر کھیتی میں بسر ہوئی۔ شاہنامہ وغیرہ کتابیں پڑھیں تھیں زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے۔ ذاکر شاغل تھے۔ درویشوں کی خدمت کرتے تھے۔ تعبیر خواب میں یوسف ثانی تھے اور بہت صحیح تعبیر بتانے میں مشہور تھے [1]

مولانا کا نسب نامہ بن ابی صدیق سے جا ملتا ہے۔ اس طرح محمد قاسم ابن اسدعلی بن غلام شاہ بن محمد بخش بن علاؤالدین بن فتح محمد بن مفتی بن عبدالسمیع ابن مولوی محمد ہاشم [2]

مولانا محمد ہاشم شاہجہاں کے عہد میں مقرب بادشاہی ہوئے۔ اور نانوتہ میں مکانات کے مالک تھے اور چند دیہات آپ کی جاگیر میں تھے۔ مولانا کے اور کوئی بھائی نہ تھا اور چار پشت مولانا متفرد ہوئے۔ مولانا لڑکپن سے ذہین طباع جفاکش بلند ہمت اور چست تھے۔ مکتب میں اپنے سب ساتھیوں سے ہمیشہ آگے رہے تھے۔ نظم کا شوق تھا۔ بعض قصے نظم فرماتے اور لکھ لیتے تھے۔ بچپنے میں کتابوں کی جزبندی کتب سیکھی۔ اپنی کتابوں کی جلد خود باندھ لیتے تھے۔ مولانا نے تعلیم دیوبند میں حاصل کی۔ مولوی مہتاب علی سے عربی شروع کی۔ کچھ عرصہ کے بعد ۱۲۶۰ھ میں دہلی پہنچے۔ یہاں مولانا مملوک علی سے کافیہ پڑھی۔ میرزاہد، قاضی، صدر شمس بازغہ ان کو حفظ یاد تھی۔ حدیث شاہ عبدالغنی صاحب سے پڑھی۔ اس کے بعد حضرت حاجی امداد اللہ سے بیعت ہوئے (تذکرہ علماء ہند) اور خود اقلیدس کے مقالے مطالعہ کیئے۔ اقلیدس میں آپ اپنے ساتھیوں میں اول نمبر تھے۔ منشی ذکاء اللہ نے نہایت مشکل سوال کئے۔ اس کا جواب آپ نے فوراً دیا۔ جس کی وجہ سے آپ کے حساب کی شہرت ہوئی۔

پہلے آپ نے دہلی کے ایک انگریزی مدرسے میں ملازمت کی۔ اس کے بعد آپ نے مطبع احمدی میں تصحیح کتب کا کام لے لیا۔ کچھ دن مولانا کوچہ چیلان میں آرہے۔ پھر چھاپہ خانہ میں پھر دارالبقاء میں رہے۔ اس زمانہ میں مولوی صاحب نے بخاری تحشیہ کا کام کیا۔ جس پر لوگوں نے حیرت کی اور قابلیت کا سکہ جم گیا۔

آپ انتہائی سادہ طبیعت رکھتے تھے۔ اور انتہائی انکساری اور عجز کے طور پر زندگی گذارنے کے عادی تھے۔ آپ فرماتے تھے۔ اس علم نے خراب کیا ورنہ اپنی وضع کو ایسا خاک میں ملاتا کوئی بھی نہ جانتا۔ مسئلہ بتانے اور امامت کرنے سے گریز فرماتے تھے۔ وعظ بھی مشکل تمام کہتے۔ مولانا مظفر حسین مرحوم کاندھلوی نے مجبور کیا۔ ورنہ اس سے انکار تھا۔

---

[1] سوانحعمری مولانا قاسم [2] تذکرہ علماء ہند فارسی ۲۱۰

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب آپکی علمیت کی انتہائی قدر کرتے تھے آپ نے فرمایا تھا کہ ایسے لوگ کبھی سابقہ زمانہ میں پیدا ہوتے تھے اب مدتوں سے نہیں پیدا ہوئے۔ (سوانحعمری مولانا قاسم)

آپ کو دنیا داری سے خاص تعلق نہ تھا۔ آپ کے والد اسد علی نے جب شادی کے لئے کہا تو آپ نے انکار فرمایا۔ معاملہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قبلہ کے پاس پہنچا۔ ان کے حکم پر انکار ناممکن تھا۔ شادی ہوئی تو آپ نے پانچ روپے کی تصحیح کی خدمت مذکورہ پریس میں قبول کی۔ اور درس و تدریس کا بھی سلسلہ جاری کیا۔ مثنوی مولانا روم پڑھانی شروع کی تو بہت سے دلوں کو بدل کے رکھدیا۔

آپ کو اسی زمانہ میں غدر دیکھنا نصیب ہوا۔ گولیاں کھائیں اور بچے اور حملہ آوروں سے مقابلہ کیا۔ دشمنوں نے اس جرات و بہادری سے جل کر سرکار سے مخبری کردی کہ آپ تھانہ بھون کی بغاوت میں شریک تھے۔ آپ کو اس الزام میں گرفتار کرنے کی کوشش کی۔ تو پولیس نے منہ کی کھائی۔ اور مولانا کشتیوں کی راہ پنجاب ہوکر سندھ کی طرف سے ہوتے ہوئے کراچی سے جہاز میں بیٹھ گئے۔ اور جمادی الثانی ۱۲۷۷ھ کو سوار ہوکر آخری ذیقعدہ میں مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ مدینہ جاکر ربیع الاول کے آخر مبئی آگئے۔ جمادی الثانی تک وطن پہنچے دوبارہ حج مولانا نے پھر ۱۲۸۵ھ میں کیا۔

غدر کی فضا درست ہوئی منشی ممتاز علی نے شہر میرٹھ میں کارخانہ کھولا مولانا کو اس میں دوبارہ ملازم رکھ لیا۔ اسی زمانہ میں مدرسہ دیوبند کی بنیاد ڈالی گئی۔

ہندوستان سے حاجی صاحب نے جب ہجرت فرمائی تو شاہ ولی اللہ علیہ الرحمتہ کی تحریک وہابی کی ذمہ داری مولانا محمد قاسم کو صاحب کو عنایت فرمائی۔

۱۸۵۷ء کا پُر آشوب دور تھا مولانا شاہ عبدالعزیز کے انقلابی ساتھی عالموں کو لمبی لمبی سزائیں دیکر حکومت کالے پانی بھیج رہی تھی۔ اب جنگ کی تیاری کرنا میدان میں مقابلہ کرنا مشکل بن گیا تھا۔ چنانچہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے سکیم کے مطابق مولانا قاسم نے دیوبند جیسی معمولی جگہ پر ایک مذہبی مدرسہ ۱۸۶۷ء میں قائم کیا۔ اس مدرسہ کو قائم کرنے میں حضرت حاجی صاحب کے خلیفہ مولانا رشید احمد گنگوہ کا جو غدر میں حصہ لینے کے جرم میں پھانسی پر چڑھتے بچے بہت بڑا حصہ تھا۔ ان کے علاوہ مولانا مہتاب علی اور ان کے ساتھی مولانا ذوالفقار علی نے مولوی فضل الرحمٰن، حاجی محمد عابد نے اس کام میں پوری مدد کی۔ مولانا قاسم صاحب نے جب یہ مدرسہ قائم کیا۔ تب نہ ان کے پاس پیسہ تھا۔ اور نہ کوئی سرمایہ دار مددگار ہی تھا۔ عام لوگوں کا یہ حال تھا کہ وہ ان لوگوں سے باتیں کرتے ہوئے خوف زدہ ہوتے تھے۔ مدد کون کرتا۔ مدرسے کے سب سے پہلے طالب علم مولانا محمود الحسن تھے۔

شروع میں درختوں کے زیر سایہ پڑھائی شروع ہوئی اس وقت یہ کون جانتا تھا کہ یہ دو چار لڑکے ایک بوڑھے مولوی کے آگے بیٹھے ہوئے کلام پاک ہل ہل کر پڑھ رہے ہیں اور یہ مدرسہ جس میں دھوپ اور بارش سے بچاؤ کے لئے ایک چھت تک نہیں ہے۔ چند برسوں کے بعد ملک کی آزادی کے سپاہیوں کی ایک خاص چھاؤنی اور نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا بھر کے اسلامی مدرسوں میں ایک خاص مدرسہ بن جائے گا۔

شروع زمانہ میں مولانا قاسم اور ان کے ساتھیوں کے خلاف کافی غلط فہمیاں پیدا کیں انگریزی سلطنت تو ایک عرصہ سے ان کو وہابی سمجھتی تھی۔ اس کے ساتھ انگریزی حکومت کے ہندوستانی ٹوڈی ان کو رجعت پسند، لکیر کے فقیر اور ملک و قوم کا دشمن انگریزوں کی سلطنت کا باغی قرار دیتا تھا۔ لیکن مولانا اس پروپیگنڈہ سے بالکل متاثر نہیں ہوئے۔ خاموشی کے ساتھ انہوں نے اپنا کام جاری رکھا۔ مدرسہ ترقی کرنے لگا۔ تمام ہندوستان اور بیرون

ہندوستان سے بہت بڑی تعداد میں طالب علم آنے لگے تو اب سرمایہ دار طبقہ نے اس میں حصہ لینا شروع کیا۔ اور مولانا قاسم کو مشورہ دیا کہ اب مدرسہ کے لئے سرکاری امداد لینے کی بھی کوشش کی جائے۔ تاکہ مدرسے کی مالی حالت مضبوط بنادی جائے۔ مولانا قاسم اس چالاکی کو بھانپ گئے۔ وہ کسی کو مدرسہ کے کاموں سے روک نہیں سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے چونکہ اپنے اصولوں کی تبلیغ بھی کرنی تھی صرف اس کو بچوں کے پڑھنے کا مدرسہ نہیں بنانا تھا۔ اس لئے انہوں نے مدرسہ کے قواعد ترتیب دیئے۔ جو ان کے انقلابی خیالات کے ترجمان تھے۔

(۱) آزادی ضمیر کے ساتھ موقع پر کلمہ الحق کا اعلان کرنا۔ کوئی سنہری تمغوں اور مربیانہ دبا ڈیا سرپرستانہ مراعات سے دی ہوئی رعائتیں اس میں حائل نہ ہوں۔

(۲) اس کا تعلق عام مسلمانوں کے ساتھ زائد سے زائد ہو کہ یہ تعلق خود بخود مسلمانوں میں ایک نظم پیدا کر دے جو ان کو اسلام اور مسلمانوں کی شان پر قائم رکھنے میں معین ہو۔ اس مدرسہ میں جب تک آمدنی کی سبیل یقینی نہیں تب تک یہ مدرسہ انشاء اللہ اسی طرح چلتا رہے گا۔ اگر کوئی آمدنی یقینی ایسی حاصل ہوگئی جیسے جاگیر یا کارخانہ تجارت یا کسی امیر کا وعدہ تو پھر یوں نظر آتا ہے کہ یہ خوف و رجاء جو سرمایہ رجوع الی اللہ وہ ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ اور کارکنوں میں نزع پیدا ہو جائے گا۔ القصہ آمدنی اور تعمیر وغیرہ میں ایک نوع کی بے سروسامانی ملحوظ ہے۔

(۳) سرکار کی شرکت و امراء کی شرکت بھی زیادہ مضر معلوم ہوتی ہے۔ تا مقدور ایسے لوگوں کا چندہ زیادہ موجب برکت معلوم ہوتا ہے جنکو اپنے چندے سے امور تاموری نہ ہو۔ حسن نیت اہل چندہ زیادہ پائیداری کا سامان معلوم ہوتا ہے۔ مولانا قاسم نے عمر کے آخری حصہ تک مدرسہ کو کامیاب کرنے کے لئے کوشش کی۔

۱۲۹۲ھ میں بمقام چاندپور ضلع شاہجہانپور میں میلہ خدا شناسی میں عیسائیوں سے مناظرہ ہوا[۱] (مناظروں کے باب میں اس مناظرہ کی تفصیل ملاحظہ ہو)۔

۱۲۹۴ھ میں ہندوستان سے ایک قافلہ تقریباً تیس علماء کرام زیارت بیت اللہ روانہ ہوا چونکہ اس کی قیادت مولانا رشید احمد گنگوہی فرما رہے تھے۔ مولانا قاسم بھی تیسرے حج کے لئے تیار ہو گئے اس لئے کہ مولانا گنگوہی کی ہمراہی کی سعادت حاصل ہو گی۔ واپسی پر جہاز میں آسائش نہ ملنے کی وجہ سے بخار ہو گیا۔ روانہ ہونے اور جگہ کی قلت کیوجہ سے جہاز میں اموات کی روزانہ وارداتیں ہونے لگیں ایک دن آپکی حالت بھی ایسی غیر ہوئی کہ تمام حضرات نے سمجھا بس اب چل بسیں گے۔ مو ڈاکٹر کی توجہ سے وقتی طور پر حالت درست ہو گئی۔ لیکن کھانسی ٹھیر گئی جس سے کبھی کبھی سانس کا دورہ ہوتا شروع ہو گیا۔ غرض اسی مرض نے دو تین سال میں جان لے لی چنانچہ ۴ جمادی الاول ۱۲۹۷ھ میں جمعرات کے دن بعد نماز ظہر اچانک دم آخر ہو گیا۔ (انا للہ و انا الیہ راجعون)

تاریخ وفات بہت سے لوگوں نے لکھی مولانا یعقوب نے کہا چراغ گل ہوا۔" مولوی فضل الرحمن دیوبندی نے "وفات سرور عالم کا نمونہ ہے۔ تاریخ کہی۔ سب سے زیادہ جو تاریخ پسند کی گئی وہ عبدالرحمن خانصاحب مالک مطبع نظامی کانپور کی ہے۔ رضی اللہ عنہا دائما۔ اس کے بعد مولوی یعقوب نے بھی دوسری تاریخ فرمائی۔ مصیبت پر مصیبت آئی ہے[۲]

اولاد | مولانا محمد قاسم علیہ الرحمتہ نے دو صاجزادے چھوڑے ایک مولانا احمد، اور چھوٹے صاجزادے محمد ہاشم

---

[۱] تذکرہ علماء ہند فارسی [۲] سوانحعمری مولانا قاسم ص ۲۸

تین صاحبزادیاں ہیں۔ ایک اکرامن سب سے بڑی ہیں۔ مولانا کی پلوٹھی کی اولاد یہی ہیں۔ ان کا نکاح پیرجی مولانا عبد اللہ سے کیا یہ شاہ ابو المعالی انبھٹوی کی اولاد میں ہیں۔ مولوی انصار علی صاحب کے بیٹے ہیں آپ مولانا ہاشم کے شاگرد بھی ہیں۔ ان کی تین لڑکیاں ہیں۔ بڑی لڑکی سے چھوٹی لڑکی رقیہ ہیں ان کا نکاح مولانا محمد صدیق صاحب سے ہوا ہے۔ یہ مولانا قاسم کے ماموں مولوی امین الدین صاحب کے نواسے ہیں۔ اور حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان میں سے ہیں۔ تیسری لڑکی عائشہ ہیں۔ (سوانحعمری مولانا قاسم)۔

تلامذہ حضرت مولانا محمد قاسم کے ہزاروں علماء شاگرد تھے۔ مشہور حضرت العلامہ شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ، مولوی فخر الحسن گنگوہی مولوی احمد حسن امروہوی تھے۔

تصانیف مجموعہ رسائل قاسم العلوم۔ مصابیح التراویح۔ آب حیات۔ تقریر دلپذیر۔ مباحثہ شاہجہان پور۔ ہدایۃ الشیعہ حجۃ الاسلام (تذکرہ علماء ہند) اجوبہ اربعین، اسرار قرآنی، لطائف قاسمیہ، حق الفرع، قبلہ نما، مباحثہ رڑکی، تصفیہ العقائد، تحریر الناس، لطائف رشیدیہ۔

حضرت العلامہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن مرحوم نے مولانا قاسم نانوتوی مغفور کی شان میں جس میں مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی شامل کیا ہے ایک قصیدہ لکھا ہے۔ اس کا اقتباسی اشعار یہ ہیں جس سے ان بزرگان دین کی باہمی محبت و عقیدت کا حال ظاہر ہوتا ہے [1]

جب ہوئی رحمت باری سوئے عرس منزل اہل عالم کیلئے احمد و قرآں دونوں
رحمت حق کے لئے ہیں گے یہ اصل اصول اور ہدایت کے لئے بھی ارکان دونوں

ہاں نہوں سائق و قائد خورشید و قاسم ہم کو کیونکر ملے رحمت رحماں دونوں
کون سمجھائے ہمیں مطلب اللہ و رسول۔۔۔ کون سکھلائے ہمیں سنت قرآن دونوں

کون بتلائے ہمیں علم و عمل کی باتیں کون دکھلائے رہ شبلی و نعمان دونوں
عروہ قاسم خراب رشید مرشد قبلہ دیں ہیں اور کعبہ ایماں دونوں
خسرو علم و عمل بادشہ اہل طریق سند فقر کے قیصر و خاقان دونوں
فخر دیں حجۃ اسلام محی السنۃ معدن علم و حکم ثانی لقمان دونوں
باغ امداد الہٰی کے ہیں وہ سرو رواں شیخ منور محمد کے درخشاں دونوں
میں نہ تفصیل کا قائل نہ مساوات کا حامل مجھ سے گمرہ کی ہدایت کو ہیں یکساں دونوں
میرے ہادی میرے مرشد مرے ماوا ملجا میرے آقا میرے مولا میرے سلطاں دونوں
بیکسوں پر شفیق اور غلاموں پہ فدا عام ہیں سب کے لئے رحمت رحمان دونوں

---

[1] ان اشعار کا اقتباس ان قصیدوں سے لیا گیا ہے جو ایک رسالہ مولانا شرف الحق مرحوم نے سائز ۳۰×۲۰/۱۶ بیس صفحات پر چھپوایا تھا۔ اس میں حسب ذیل قصیدے ہیں۔ (۱) چھ قصیدے مولانا سید امیر حمزہ صاحب نے شاہ حاجی امداد اللہ کی شان میں لکھے ہیں (۲) مولانا موصوف نے آخر میں ایک قصیدہ ۹۶ اشعار کا مولانا رشید احمد گنگوہی مرحوم کی تعریف میں قلمبند کیا ہے۔ (۳) ایک مولانا محمود الحسن اور مولانا فضل الرحمن صاحب دیوبندی نے دوسرا قصیدہ ہر دو حضرات مولانا قاسم اور مولانا رشید احمد گنگوہی کو مخاطب کرکے لکھا ہے۔

بحر زخار ہیں لیکن نہیں ساحل کا پتہ　　ابر رحمت ہیں مگر ہیں گوہر افشاں دونوں
عاقبت ان کے محبوبوں کی ہو یار محمودؔ　　اور مخالف کو سدا ذلت تخسراں دونوں

سرسیّد احمد

سید احمد خاں ۵ ذالحجہ ۱۲۳۲ھ ۱۷ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو دہلی میں پیدا ہوئے وہ باپ کی طرف سے حسینی سیّد تھے۔ ان کا سلسلہ نسب ۳۶ واسطوں سے آنحضرت صلعم تک پہنچتا ہے۔ جیسا کہ شجرہ نسب مندرجہ خطباتِ احمدیہ سے پایا جاتا ہے۔ ان کے سلسلہ نسب میں سب سے آخر امام تقی بن موسیٰ رضا علیہ السلام ہیں۔ اور اسی لئے وہ اپنے تئیں تقوی سیّد کہتے تھے۔

میر ہادی جو کہ سرسیّد کے دادا تھے ان کو عزیز الدین عالمگیر ثانی نے سنہ ۲ جلوس مطابق ۱۱۶۸ھ میں خطاب جواد علی خاں اور منصب ہزاری ذات پانصد سوار دو اسپہ وسہ اسپہ اور ان کے بھائی سید مہدی کو بھی وہی منصب اور خیاد علی خاں کا خطاب ملا تھا۔

ان کی ننھیال خواجہ میر درد کے خاندان سے علاقہ رکھتی تھی۔ انہوں نے پہلے بسم اللہ ہونے کے بعد ایک عورت سے سارا قرآن ناظراں پڑھا۔ قرآن پڑھنے کے بعد وہ باہر مکتب میں پڑھنے لگے۔ مولوی حمید الدین ایک ذی علم اور بزرگ آدمی ان کے نانا کے ہاں نوکر تھے۔ جنہوں نے ان کے ماموں کو پڑھایا تھا۔ ان سے معمولی کتابیں کریما، خالق باری، آمد نامہ وغیرہ پڑھیں۔ جب مولوی حمید الدین کا انتقال ہو گیا تو اور لوگ پڑھانے پر نوکر ہوتے رہے۔ انہوں نے فارسی میں گلستان اور ایسی ہی ایک آدھ کتاب سے زیادہ نہیں پڑھی۔ پھر عربی پڑھنی شروع کی۔ عربی میں شرح ملا۔ شرح تہذیب مبتدی، مختصر معانی، اور مطول من آنا قلت تک پڑھی۔ مگر طالب علموں کی طرح نہیں، بلکہ نہایت بے پروائی اور کم توجہی کے ساتھ اس کے بعد ان کو اپنے خاندانی علم ریاضی پڑھنے کا شوق ہوا جس میں ان کی ننھیال کے لوگ دہلی میں اپنا مثل نہیں رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے ماموں نواب زین العابدین خاں سے حساب کی معمولی درسی کتابیں، تحریر اقلیدس کے چند مقالے ہیئات میں شرح چغمنی تک اور ایک آدھ رسالہ متوسطات کا (جو مجسطی سے پہلے پڑھائے جاتے ہیں۔) پڑھا۔ مگر تمام رسالے متوسطات کے نہیں پڑھے اور نہ مجسطی کے پڑھنے کی نوبت پہنچی کیونکہ آلات رسد کا زیادہ شوق ہو گیا تھا۔ چنانچہ آلاتِ رسد رجندی اور چند رسالے مثل اعمال کرہ، اعمال اصطرلاب وغیرہ اپنے ماموں سے پڑھیں۔ اسی زمانے میں طب پڑھنے کا شوق ہوا۔ حکیم غلام حیدر خاں سے جو ایک خاندانی حکیم تھے۔ طب کی ابتدائی کتابیں مثل قانونچہ اور موجز وغیرہ پڑھنے کے بعد معالجات سدیدی شرح اسباب اور نفیسی امراض عین تک پڑھی۔ اور چند ماہ تک ان کے پاس مطب بھی کیا۔ پھر پڑھنا چھوڑ دیا۔ جب انہوں نے پڑھنا چھوڑ دیا۔ ان کی عمر اس وقت تک اٹھارہ انیس برس کی تھی۔ اس کے بعد مطالعہ کتب کیا۔ اور دہلی میں جو اہل علم فارسی دانی میں نام آور تھے جیسے صہبائی غالب اور آزردہ وغیرہ ان سے ملے اور علمی مجلسوں میں بیٹھنے کا موقعہ ملا ۱۲۶۵ھ میں جبکہ وہ فتح پور سیکری سے بدل کر دلی منصفی پر آگئے اس وقت انہوں نے کچھ تحصیل علم میں ترقی کی۔

سرسید کا عنوانِ شباب نہایت زندہ دلی اور رنگین صحبتوں میں گذرا تھا۔ وہ راگ رنگ کی مجلسوں میں شریک ہوتے تھے۔ باغوں کی سیر کیلئے دوستوں کے ساتھ جاتے تھے۔ اور وہاں راگ رنگ اور دعوتوں کے جلسوں میں شامل ہوتے تھے۔ ہولی کے جلسوں پھول والوں کی سیروں میں جاتے تھے۔ خود ان کے ہاں خواجہ فرید کی قبر پر چونسٹھ کھمبے میں جو بسنت کا میلا ہوتا تھا۔ اس میں وہ اپنے اور بھائیوں کے ساتھ منتظم و مہتمم ہوتے تھے۔

اس زمانہ میں خواجہ محمد اشرف ایک بڑے دلی تھے ان کے گھر پر بسنت کا جلسہ ہوتا تھا شہر کے خواص وہاں مدعو ہوتے تھے۔ نامی نامی طوائف زرد لباس پہن کر وہاں آتی تھیں مکان میں بھی زرد فرش کا ہوتا تھا۔ دالان کے سامنے ایک چبوترہ تھا۔ اس میں جھڑاں زرد پھول کھلے ہوئے ہوتے تھے اور طوائف باری باری بیٹھ کر گاتی تھیں۔ بقول مولانا حالی سرسید کہتے تھے میں ہمیشہ وہاں جاتا تھا اور اس جلسہ میں شریک ہوتا تھا۔

سرسید جیسے بڑھاپے میں بذلہ سنج تھے۔ جوانی میں اس سے بھی زیادہ ظرافت اور حاضر جوابی ان کی طبیعت میں تھی۔ دلی میں ایک مشہور طوائف شیریں جان نامی نہایت حسین تھی۔ مگر سنا ہے کہ اس کی ماں بھدی اور سانولے رنگ کی تھی۔ ایک مجلس میں جہاں وہ اپنی ماں کے ساتھ مجرے کے لئے آئی تھی سرسید بھی موجود تھے۔ اور وہیں ان کے ایک قندھاری دوست بھی بیٹھے تھے۔ وہ اس کی ماں کو دیکھ کر بولے مادرش بسیار تلخ است۔ سرسید نے یہ مصرعہ پڑھا گرچہ تلخ است ولیکن بر شیریں دارد۔

نوکری ۱۸۳۸ء جبکہ سرسید کے والد نے انتقال کیا ہے انکی عمر بائیس سال کی تھی۔ قلعہ سے ان کے والد کی کئی جگہ سے تنخواہ تھی۔ چونکہ ان کے والد اور راجہ سوہن لال میں اَن بَن تھی۔ اور ان کی زندگی میں ہی ان کی تنخواہ میں کاٹ پھانس ہونے لگی تھی اب انتقال کے بعد قلعہ کی آمدنی سے صرف قدرِ قلیل تو سرسید کی والدہ کے نام جاری رہا۔ باقی سب تنخواہیں بند ہو گئیں۔ اور چند ملکیتیں جو معافی کی تھیں وہ بسبب حین حیات ہونے کے منضبط ہو گئیں۔ اس لئے سرسید کو نوکری کا خیال پیدا ہوا۔ ان کے خالو مولوی خلیل اللہ اسوقت دہلی میں صدر امین تھے۔ انہوں نے اپنی کچہری میں کام سیکھنے کی اجازت دیدی۔ چند مہینے کے بعد فوجداری کے خفیف مقدمات کے لئے سررشتہ دار مقرر کر دیا۔ سرسید کو اس کام پر کچھ بہت دن نہ گذرے تھے۔ کہ مسٹر رابرٹ دلی میں جج ہو کر آئے ان پہلے سے شناسائی تھی جب دہلی سے آگرہ میں کمشنری کے دفتر میں گئے تو وہاں نائب منشی پر مامور کر دیا۔ ۲۴ دسمبر ۱۸۴۱ء کو وہ مین پوری کے منصف مقرر ہوئے۔ اس زمانہ میں سرسید نے جلاء القلوب بذکر المعبوب ۱۲۵۸ھ میں (۲) تحفہ حسن ۱۲۶۰ھ (۳) تسہیل فی جر الثقیل ۱۸۴۴ء تین رسالے طبع کرائے۔

اسی زمانے میں بہادر شاہ نے سرسید کو ان کا موروثی خطاب عنایت کیا۔ ۱۸۴۲ء میں حکیم احسن اللہ خاں نے انکے دادا کا خطاب جواد الدولہ خطاب لکھ کر پیش کیا تو بادشاہ نے اپنی طرف سے عارف جنگ کا لفظ اضافہ کر کے جواد الدولہ سید احمد خاں عارف جنگ کا خطاب سرسید کو عنایت کیا۔

سرسید کی تنخواہ صرف سو روپے تھی خاندان کا لمبا خرچ تھا اس خیال سے سید الاخبار جو ان کے بھائی کا تھا۔ اس کو ترقی دینی چاہی کہ تنگی رفع ہو۔ اور اسی کے ساتھ آثار الصنادید لکھنی شروع کی۔ جو ڈیڑھ برس کے اندر چھپ کر تیار ہو گئی اسی زمانہ ۱۸۴۷ء میں مسٹر رابرٹس کلکٹر و مجسٹریٹ شاہجہان آباد ولایت جا رہے تھے وہ ایک نسخہ آثار الصنادید کا ساتھ لے گئے۔ وہاں جا کر اس کو رائل ایشیاٹک سوسائٹی میں پیش کیا۔ ممبران سوسائٹی نے اس کو بے حد پسند کیا۔ لیکن فرمائش کی کہ اس کا ترجمہ انگریزی میں ہو جائے تو بہت بہتر ہے۔ یہ ایڈیشن بھی ۱۸۵۴ء میں چھپ کر تیار ہو گیا۔ مگر نہ اس

ایڈیشن سے اور نہ پہلے ایڈیشن سے سرسید کو جیسا کہ خیال تھا کچھ فائدہ پہنچا۔ دوسرے ایڈیشن کے تقریباً تمام نسخے غدر میں تلف ہو گئے۔ ۱۸۶۱ء کے زمانہ میں اس کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کر کے فرانس کے مشہور موسیو گارساں دتاسی نے مشتہر کیا۔ اسی ترجمہ کو دیکھ کر لنڈن کی رائل ایشیاٹک سوسائٹی نے سرسید کو سوسائٹی کا آنریری ممبر مقرر کیا۔

اسی دور میں انہوں نے آثار الصنادید کے علاوہ سات کے قریب رسالے بھی لکھے۔ دہلی سے بجنور تبدیل ہوئے اور تاریخ بجنور تصنیف کی۔ دہلی کے ایام میں ضروری کام کے علاوہ انہوں نے آئین اکبری کی تصحیح بھی کی تھی۔

بجنور میں سرسید نے سوا دو برس گذارے ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو دہلی میں بغاوت ہوئی ۱۲-۱۳ کو یہ خبر بجنور میں پہنچ گئی وہاں سرسید اس وقت بیس یورپین اور یوریشین عورتوں اور بچوں سمیت تھے۔ سرسید احمد نے اس موقعہ پر اپنا پہلا فرض یہ قرار دیا کہ جب تک دم میں دم باقی ہے ان بیس جانوں کے بچانے میں جہاں تک ممکن ہو کوشش کی جائے جو واقعات اور مصائب وہاں پیش آئے وہ نہایت دردانگیز ہیں۔ بہرحال یورپین افسروں نے اقرار کیا ہے۔ کہ صرف سرسید ہی کی حسن تدبیر، دانائی اور نیک دلی سے تمام یورپین اور عیسائی مرد اور عورتیں اور بچے صحیح و سالم وہاں سے نکل کر رڑکی میں بھیجے گئے۔

غدر میں سرسید نے حکومت کی کافی خدمت کی۔ جس کے صلے میں گورنمنٹ نے خود ایک خلعت قیمتی ایک ہزار روپیہ اور دو سو روپیہ ماہوار کی پولٹیکل پنشن دو نسلوں تک مقرر کی۔

اپریل ۱۸۵۸ء میں وہ بجنور سے صدر الصدوری کے عہدہ پر ترقی پاکر مرادآباد گئے۔ وہاں انہوں نے تاریخ سرکشی بجنور لکھی۔ واقعات بیان کرنے میں مذہبی یا قومی تعصبات کو دخل نہیں دیا۔ اس کے بعد سید صاحب نے ایک فارسی مدرسہ ۱۸۵۹ء میں مرادآباد کے اندر قائم کیا۔ یہیں سرسید نے تاریخی رسالہ اسباب بغاوت ہندوستان لکھا۔ اس کے بعد رسائل موسوم بہ ہندوستان میں مسلمانوں کی زندگی لکھے۔

اس کتاب کا موضوع یہ قرار دیا تھا۔ کہ اطراف ہندوستان میں جس قدر مسلمانوں نے گورنمنٹ کی خیر خواہیاں اور انگریزوں کی حمایت کے لئے جانبازیاں کی ہیں۔ ان میں سے ہر شخص کا حال مفصل اور مشرح نہایت صحت کے ساتھ قلمبند کیا جائے۔ اور ہر شخص کے متعلق گورنمنٹ، حکام اور افسران کی تمام چٹھیاں اور سرٹیفکٹ بھی بھیجے کہ اس کی سرگذشت کی ذیل میں نقل کی جاتی۔ اور جو کچھ ان کی خدمات کے صلہ میں گورنمنٹ نے جاگیر یا پنشن یا انعام یا خلعت وغیرہ عنایت کیا۔ وہ سب بیان کیا جائے۔ چنانچہ اس میں اپنی خاندان اور اپنی خدمات کی تفصیل لکھی۔ اور یہ بھی واضح کیا۔

> جن مسلمانوں نے سرکار کی نمک حرامی اور بدخواہی کی میں ان کا طرفدار نہیں ہوں۔ میں ان سے بہت زیادہ ناراض ہوں اور ان کو حد سے زیادہ برا جانتا ہوں۔ کیونکہ یہ ہنگامہ ایسا تھا کہ مسلمانوں کو اپنے مذہب کی بموجب عیسائیوں کے ساتھ رہنا چاہیئے تھا۔ جو اہل کتاب ہمارے مذہبی بھائی بنا ہیں نبیوں پر ایمان لائے ہیں خدا کے دیئے ہوئے احکام اور خدا کی دی ہوئی کتاب اپنے پاس رکھتے ہیں۔ جس کا تصدیق کرنا اور جس پر ایمان لانا ہمارا عین ایمان ہے۔ پس اس ہنگامہ میں جہاں عیسائیوں کا خون گرتا وہیں مسلمانوں کا بھی خون گرنا چاہیئے تھا۔ پھر جس نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے علاوہ نمک حرامی اور گورنمنٹ کی ناشکری کے جو کسی حال میں ۔۔۔۔۔ جائز نہ تھی اپنے مذہب کے برخلاف کیا۔ اسلئے

بلا شبہ وہ اس لائق ہیں کہ زیادہ ان سے ناراض ہوا جائے۔ مگر عموماً اخباروں اور بغاوت کی کتابوں میں جو رائے ان کی نسبت چھاپی جاتی ہے۔ اس میں اور میری رائے میں اتنا فرق ہے کہ جو تمہید اور جو وجہ اور جو منشا کہ وہ لوگ ان کی نسبت منسوب کرتے ہیں۔ میں ان کو قبول نہیں کرتا۔ اور کچھ شک نہیں کہ میں اپنی رائے کو بہت درستی اور انصاف سے کام میں لایا ہوں۔

ردِ نصاریٰ

جب ۱۸۵۷ء سے پہلے دہلی و آگرہ وغیرہ میں مشنریوں کے کاروبار زیادہ پھیلنے لگے اور مسلمانوں کے ساتھ ان کے جابجا مباحثے ہونے لگے اس وقت سرسید کو بھی یہ خیال ہوا تھا کہ اسلام کی حمایت میں مشنریوں کے اعتراضات کے جواب لکھے جائیں۔ چنانچہ غدر سے پہلے بجنور میں انہوں نے کچھ بطور یادداشت کے لکھا بھی تھا اور اپنے بھتیجے سید محمد احمد خاں کو جو اس وقت صغیر سن تھے جو کچھ لکھتے تھے بطور سبق کے پڑھاتے جاتے تھے۔

دفعتہً غدر ہو گیا۔ اور تمام یادداشتیں جاتی رہیں۔ غدر کے بعد جب اطمینان ہوا تو اس خیال نے دوسری صورت میں ظہور کیا۔ مگر ساتھ ہی یہ ذہن میں آیا کہ اس کام کے لئے اول عیسائی مذہب اور بائبل کی حقیقت اور اس کی تاریخ اور جو کچھ بائبل پر موافق مخالف لکھا گیا ہے۔ اس کی واقفیت حاصل کرنی ضروری ہے۔ ان تمام باتوں کی تحقیقات اور تصفیہ کے لئے بہت کچھ سامان درکار تھا اتفاق سے انہیں دنوں میں غدر کے زمانہ کی چڑھی ہوئی تنخواہوں کا اور جو اسباب بجنور میں لٹ گیا تھا اس کے معاوضہ کا بہت سا روپیہ سرسید کو سرکار سے ملا۔ اول اول انہوں نے عیسائی مذہب کی تمام ضروری کتابیں بائبل کی تفسیریں اور لوبی اسٹری مذہب کی کتابیں خریدیں۔ اور سب لامذہبوں کی کتابیں جو بائبل کے خلاف لکھی گئیں تھیں وہ بھی بہم پہنچائیں۔ ایک انگریزی خواں انکو کتابوں کے ضروری مقالات کے ترجمہ کرکے سناتا تھا اور کتب احادیث و تفسیر [illegible] بہم پہنچانے کے لئے ایک عربی دان عالم کو نوکر رکھا۔ اور بائبل کے متعلق جو عام واقفیت اور اطلاع مذکورہ بالا ذریعوں سے حاصل ہوئی اس کو اول دس مقدمول اور دو قسموں میں بیان کیا۔ اس کے بعد بائبل کی تفسیر لکھنے اور قرآن حدیث سے اس کی تطبیق کرنے کا ارادہ کیا۔ مطلب یہ تھا کہ اصولِ اسلام اور اصولِ اہل کتاب جہاں تک ممکن ہو مطابقت ثابت کی جائے اور جہاں جہاں اختلاف پایا جائے وہاں اختلاف کی وجہ بیان کی جائے۔ اسلام کی نسبت جو بدگمانیاں عیسائیوں کو ہیں وہ رفع کیجائیں ان کو بائیبل اور اس کی تفسیروں وغیرہ کے مطالعہ سے اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ بائیبل کی تفسیر بالکل حدیث اور قران کے مطابق ہو سکتی ہے۔

یہ کام بہت مشکل تھا۔ انہوں نے صرف اس تفسیر کو چھاپنے کے لئے کئی ہزار روپیہ کا پریس رڑکی سے منگوایا۔ اور اردو ٹائپ کے علاوہ عبرانی اور انگریزی ٹائپ کے حروف منگوائے۔ ابھی کام شروع ہونے نہیں پایا تھا۔ کہ انکی بدلی غازی پور ہو گئی۔ وہ تمام سامان اپنے ساتھ غازی پور لے گئے اور وہاں اس کام میں نہایت سرگرمی توجہ کے ساتھ مصروف ہوئے۔

غازی پور میں انہوں نے سالم نام ایک یہودی کو نوکر رکھا اور اس سے عبرانی پڑھنی شروع کی۔ غازی پور کے ضلع میں جو مولوی عنایت رسول چریاکوٹی ایک بڑے عالم عربی اور عبرانی کے تھے۔ ان کی اعانت سے سرسید کے ارادے کو بھی اور تقویت ہوئی الغرض عہد عتیق میں سے کتاب پیدائش کے گیارہویں باب تک اور عہد جدید میں سے انجیل متی

کے پانچویں باب تک تفسیر اسی التزام کیساتھ جس کا انہوں نے ارادہ کیا تھا لکھی گئی۔ اور ساتھ چھپتی بھی گئی۔ جو کچھ سرسید لکھتے تھے اس کا ترجمہ انگریزی میں ایک یوروپین جس کو سو روپیہ ماہوار تنخواہ دیتے تھے ہر روز دو گھنٹے کرتا تھا۔ وہ ترجمہ بھی اردو کے ساتھ چھپتا تھا۔ ایک کالم میں عبرانی توریت کی عبارت عربی خط میں اور اس کا ترجمہ اور انگریزی ترجمہ اس کے نیچے لکھا جاتا تھا۔ دوسرے کالم میں اسی مضمون کی کوئی آیت قرانی یا حدیث اور اس کا ترجمہ اردو اور انگریزی اس کے نیچے لکھا جاتا تھا۔ اس کے بعد تفسیر لکھی جاتی تھی۔

اس کتاب میں تفسیر شروع کرنے سے پہلے سرسید نے دس مقدمے جن میں اکثر بہت طولانی ہیں بڑی محنت اور تحقیق و تلاش سے لکھے۔ جن میں مسلمانوں اور عیسائیوں دونوں کے لئے نہایت عمدہ اور قیمتی اطلاعیں درج ہیں۔

خطبات احمدیہ

جب سر ولیم میور کی کتاب لائف آف محمدؐ چار جلدوں میں چھپ کر ہندوستان میں پہنچی جس کی نسبت عیسائیوں میں مشہور تھا کہ اس نے اسلام کے استقلال میں تسمہ لگا نہیں رکھا۔

اس وقت جو حال سرسید کی بے چینی اور جوش و خروش کا تھا۔ وہ مولانا حالی فرماتے ہیں۔ ہم نے اپنی آنکھ سے دیکھا غالباً ۱۸۶۹ء میں سائنٹیفک سوسائٹی کا سالانہ جلسہ تھا اور دلی سے منشی امو جان مرحوم اور جہانگیر آباد سے نواب مصطفٰے خاں مرحوم جو کہ اس وقت تک سوسائیٹی کے ممبر تھے۔ علی گڈھ گئے تھے نواب صاحب کی ہمراہ میں بھی گیا تھا۔ گو اس وقت تک میری سرسید سے جان پہچان نہ تھی۔ مگر چونکہ ہم انہیں کی کوٹھی میں ٹھیرے ہوئے تھے ان کے خیالات معلوم کرنے کا اکثر موقع ملتا تھا۔ وہ جب کبھی اور کاموں سے فارغ ہو کر بیٹھتے تھے اکثر سر ولیم کی کتاب کا ذکر کیا کرتے تھے اور نہایت افسوس کے ساتھ کہتے تھے کہ اسلام پر حملے ہو رہے ہیں۔

جب انہوں نے دیکھا کہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں ہندوستان کے تمام اسلامی کتب خانہ برباد ہو گئے ہیں اور جن کتابوں کی اس مضمون کے لئے ضرورت ہے وہ یہاں دستیاب نہیں ہو سکتیں تو ان کو ولایت کا خیال ہوا۔ چنانچہ ایک ہی دو برس بعد جب سید محمود کا ولایت جانا طے ہوا تو وہ بھی ان کے ساتھ روانہ ہو گئے۔

سرسید کے بعض دوستوں نے اس کتاب کا جواب لکھنے سے باز رکھنا چاہا لیکن انہوں نے اپنا ارادہ فسخ نہیں کیا انہوں نے انڈیا آفس کے کتب خانہ سے کتابیں بہم پہنچائیں برٹش میوزیم کی لائبریری سے بہت سی اطلاعیں حاصل کیں۔ سیر کی عربی کتابیں جو مصر و فرانس اور جرمنی میں بیچی تھیں وہاں سے منگوائیں اور چند لٹین اور انگریزی کی پرانی کتابیں جو نایاب تھیں بہت گراں قیمت پر لنڈن کے بازار سے خریدیں اور شب و روز کی لگاتار محنت سے بارہ ایسے یعنے خطبے یا مضمون لکھ کر ایک لائق انگریز سے انگریزی میں ترجمے کرائے۔ اور لندن ہی میں خطبات احمدیہ کے نام سے اس کو چھاپ کر مشتہر کیا۔

اس کتاب کے لکھتے وقت جس قدر جوش سرسید کے دل میں تھا اور جو مالی مشکلات ان کو اس کے شائع کرنے میں پیش آئیں۔ ان کا اندازہ ان کے خطوط سے ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

> ان دنوں ذرا اقدرے دل کو سوزش ہے ولیم صاحب کی کتاب کو میں دیکھ رہا ہوں۔ اس نے دل کو جلا دیا۔ اور اس کی ناانصافیاں اور تعصبات دیکھ کر دل کباب ہو گیا۔ مصمم ارادہ کیا کہ آنحضرت صلعم کی سیرت میں جیسا کہ پہلے سے ارادہ تھا کتاب لکھدی جائے۔ اگر تمام روپیہ خرچ ہو جائے اور میں فقیر بھیک مانگنے کے لائق ہو جاؤں تو بلا سے۔ میں نے فرانس اور جرمنی سے اور مصر سے کتاب سیر منگانی شروع کر دی ہیں

چٹھیاں روانہ ہو گئی ہیں۔ سیرت شامی مطبوعہ اور جدید کتابیں لیں گی خرید لیں ایک
آدمی مقرر کر لیا جو لیٹن کا ترجمہ کر کر مضمون بتلا سکے۔

ایک اور خط میں لکھتے ہیں۔

آپ اس خط کے بھیجنے پر میر ظہور حسین کے پاس جائیے اور دونوں صاحب کسی
مہاجن سے میرے لئے ہزار روپیہ قرض لیجئے۔

معلوم ہوتا ہے کہ سر سید اس کتاب کے لکھنے کو مذہبی فرائض میں سب سے زیادہ ضروری خیال کرتے تھے۔
وہ سید مہندی علیخاں کو لکھتے ہیں۔

اگر میری یہ کتاب تیار ہو گئی تو میں لندن میں آنا ڈیٹس جج کے برابر سمجھوں گا۔ خدا
قبول کرے۔

اس کتاب کے بارہ خطبات ہیں۔

پہلے چار خطبوں میں تاریخی مقام جبل فاران کے متنازعہ فیہ مسئلہ کا کتب نصاریٰ سے حل کیا ہے۔ اور زمانہ جاہلیت کی کیفیت اس دور کے مذاہب صابئین ابراہیم، صالح اسمٰعیل، شعیب یہود اور عیسوی کی تاریخ بیان کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ عیسائیت کو اسلام نے فائدے پہنچائے ہیں۔

پانچویں خطبے مسلمانوں کی مذہبی کتب یعنے کتب حدیث کتب سیر تفاسیر اور کتب فقہ کی تصنیف کا منشا اور غرض اور ڈھنگ بیان کیا ہے۔ چھٹے خطبہ میں مذہب اسلام کی روایت کی کیفیت بتائی ہے۔ ساتویں خطبہ میں قرآن مجید کا نزول اس کی سورتوں اور آیتوں کی ترتیب اس کی مختلف قرائتیں آیات ناسخ و منسوخ کی اور اس کے جمع ہونے کا زمانہ بیان ہوا ہے۔ آٹھواں خطبہ کعبہ کے حالات اس کی تاریخی اور جغرافی تحقیقات پر مشتمل ہے۔ نواں خطبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسبت کی تحققات پر ہے اس خطبہ کے لکھنے کا منشا یہ تھا کہ سرولیم مور نے اپنی کتاب آنحضرت صلعم کے بنی اسماعیل ہونے سے انکار کیا ہے۔ دسواں خطبہ ان بشارتوں کے بیان میں ہے جو توریت و انجیل میں آنحضرت صلعم کے نبی ہونے کی بابت مذکور ہیں۔ گیارہویں خطبہ میں معراج اور شق القمر کی حقیقت پر محققانہ یعنی نئی روشنی کے مطابق عام جمہور اسلام کے نظریہ سے بھی اختلاف کرتے ہوئے کی ہے۔ بارہویں خطبہ آنحضرت کی ولادت سے بارہ سال کی عمر کے حال معتبر اور صحیح روایتوں سے ثابت ہوتا ہے بیان کیا ہے۔ اور جن کی سر ولیم مور نے اپنی کتاب میں جا بجا تعریفیں کی ہیں ان کی تضعیف کی ہے۔ اس خطبات احمدیہ پر مولانا حالی مرحوم نے مبسوط تبصرہ کیا ہے۔ جو قابل دید ہے۔

جان ڈیول پورٹ کی کتاب

لندن میں سر سید نے جان ڈیول پورٹ کی کتاب "ابالوجی فور محمدؐ اینڈ قرآن" جو انہوں نے عیسائیوں کے برخلاف اسلام کی حمایت میں لکھی تھی اپنے روپے سے چھپوائی اور اس کی کئی سو جلدیں ہندوستان بھجوائیں۔ یہاں اس کا اردو ترجمہ مولوی عنایت صاحب دہلوی اور دوسرا مولوی ابوالحسن نے کیا۔

گاڈفری ہگنز کی کتاب

انگلستان کے ایک اور ذی وقعت مصنف گاڈفری ہگنز کی جو کسی زمانے میں مصنف مذکور اسلام کی تائید میں لکھی تھی اور اب نایاب ہو گئی تھی۔ ایک جرمن کتاب فروش کی مشہور دوکان سے جہاں ہر زبان کی پرانی اور نایاب کتابیں بکتی ہیں۔ سر سید نے دس گنی قیمت پر لندن میں خریدی۔

اصل مطلب اس کے خریدنے سے یہ تھا کہ خطبات احمدیہ کی تصنیف میں اس سے مدد لی جائے مگر انہوں نے ہندوستان میں آکر ان لوگوں کے لئے جن کو مشنریوں سے مذہبی گفتگو کرنے کا اتفاق ہوتا ہے پانچسو روپے خرچ کر کے اس کا اردو ترجمہ مشہور عالم مولوی محمد احسن مرحوم پروفیسر دہلی کالج سے کرایا۔ جو حمایت الاسلام کے نام سے مشہور ہے شائع ہوئی۔

ابطال غلامی مسلمانوں پر عیسائی قومیں طعن کرتی ہیں کہ غلام بنانے کا دستور کئی صدی سے مسلمانوں کے علاوہ اور کسی قوم میں باقی نہیں۔ اس کے جواب میں سرسید نے ایک مشہور رسالہ ابطال غلامی لکھا۔ اور ثابت کیا کہ جس طرح شراب خوری کو بتدریج موقوف کیا گیا۔ اسی طرح غلامی کے رفتہ رفتہ مسدود کرنے کی بنیاد ڈالی اول طرح طرح سے غلاموں کے آزاد کرنے کی مسلمانوں کو ترغیب دی۔ یہاں تک کہ بردہ آزاد کرنے کا حکم دیا اور بتایا کہ جو غلام اپنی قیمت اپنی کمائی سے ادا کرنی چاہیں ان سے یہ اقرار نامہ لے کر چھوڑ دو جن سے ان کے مالک اس طرح آزاد کرنے کا وعدہ کریں۔ اس کی خیرات یا چندہ سے مدد کرو۔ بیت المال میں سے مکاتب غلاموں کی آزادی کے لئے روپیہ دینا تجویز کیا۔ بعض صورتیں ایسی بتائیں کہ لونڈی غلام بغیر آزاد کرنے مالک کے خود بخود آزاد ہو جائیں اسی طرح طرح طرح کی سبیلیں ان کے آزاد کرنے کی نکالیں۔ مالکوں کو ان کے ساتھ رعائتیں کرنے کی نہایت تاکید کی کہ ان سے زیادہ خدمت نہ لیں۔ انہیں لونڈی غلام کہہ کر نہ پکاریں۔ انہیں مثل اپنے کھانا کپڑا دیں۔ ان کو ان کے رشتہ داروں سے جدا نہ کریں۔ وغیرہ۔

سرسید مرحوم کے مکمل حالات اور کتابوں میں تفصیل کے ساتھ نکل چکے ہیں۔ وہ خاص طور پر حیات جادید میں پڑھیئے۔ رد نصاریٰ کے سلسلہ میں ان کی جو خدمات تھیں وہ بیان کر دی گئیں۔

سحبان الہند حضرت مولٰنا احمد سعید صاحب مدظلہ،

دہلی میں اب چند عالم باعمل اور واعظ جادو بیان ہستیاں رہ گئی ہیں۔ جن میں حضرت مولٰنا احمد سعید صاحب کی ذات گرامی سبقت رکھتی ہے۔ آپ مفتی اعظم حضرت العلامہ مولٰنا محمد کفایت اللہ صاحب کے دست راست ہیں۔ دہلی کے فسادات کے زمانہ میں اور اُس کے بعد امن و امان بحال کرنے میں جو مخلصانہ کوششیں کی ہیں وہ تاریخی حیثیت رکھتی ہیں۔ آپ جہاں بہترین اہلِ قلم اور مقرر ہیں وہاں آپ بہترین مناظر اور قادر الکلام شاعر ہیں۔ اور خاص طور پر ردِ نصاریٰ میں مہارتِ تامہ رکھتے ہیں ـــــ آپ کے بزرگوں کو اکبر نے عرب سے کشمیر میں بلایا تھا۔ آپ کا عرب کے ایک با عزت خاندان سے سلسلہ نسب ملتا ہے۔ شاہجہاں کے زمانہ میں اُس کے دعوت دینے پر آپ کے خاندان والے آگرہ آئے اور آگرہ میں کچھ عرصہ رہکر بادشاہ کی ایما پر دلی کے کشمیری کٹرہ میں سکونت پذیر ہوئے۔ آپ کے بزرگوں کو مغلوں کے دربار میں خاص رسائی حاصل تھی۔ آپ کے خاندان کو بادشاہ کی طرف سے خواجہ زادہ مغل کا خطاب عطا ہوا تھا۔ آپ کے دادا خواجہ نواب علی دلی کے مشہور صوفی خدا پرست بزرگ تھے۔ آپ کے والد ماجد نواب مرزا بھی اپنے والد کے نقش قدم پر چلنے والے سعادت مند فرزند تھے، ہر وقت یاد الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔

مولٰنا موصوف نے ابتدائی تعلیم مولوی عبد المجید صاحب اور شہزادہ انتظام الدین سے پائی۔ اور علوم دینیہ کی تکمیل حضرۃ العلامہ مفتی کفایت اللہ صاحب سے فرمائی آپ اپنے اندازِ خطاب کے باعث ہندوستان میں سحبان الہند کہلاتے ہیں۔ ۱۹۳۹ء تک آپ جمعیتہ العلماء الہند کے ناظم اعلیٰ رہے۔ کافی مرتبہ جیل گئے۔ ۱۹۲۲ء میں

(بقیہ مضمون ۲۸۴ پر دیکھئے)

مولانا عبد الحلیم شرر لکھنوی

مولانا عبد الحلیم نسلاً شیخ ہاشمی و عباسی ہیں اور سلسلہ امین الرشید سے ملتا ہے۔ ان کا خاندان دولت عباسیہ کے عہد میں عرب سے آکر عراق میں آباد ہوا۔ پھر ارض عراق چھوڑ کر ہرات میں آیا۔ اس کے بعد سلطنت محمد تغلق کے عہد میں ہندوستان میں اترا اور سلطنت مغلیہ کے دور میں اس کا تعلق اور رسوخ دربار شاہی سے ہوا۔ مولانا کے پر دادا مولوی نظام الدین کرسی کے خطیب مقرر ہوئے۔ کچھ عرصہ کے بعد یہ خاندان لکھنؤ آگیا۔ یہاں مولانا کے والد حکیم تفضل حسین کی شادی قریبی رشتہ دار منشی فخر الدین کی صاحبزادی سے ہوگئی۔ جو امجد علی شاہ اور واجد علی شاہ کے عہد میں ایک معزز خدمت پر مامور تھے۔

مولانا شرر ۱۲۷۶ھ میں لکھنؤ کے اندر پیدا ہوئے۔ ابتدا میں اپنے نانا کے بھائی مولوی محمد حفیظ الدین سے حافظ الٰہی بخش اور اپنے والد بزرگوار شاہزادہ مرزا جہاں قدر اور سید حیدر طبا طبائی سے ابتدائی کتابیں شرح وقایہ تک پڑھیں۔ مولوی محمد حیدر سے انگریزی اور حکیم محمد مسیح سے طب اور کتب درسیہ مولوی عبد الحئی سے پڑھیں۔ اور مولوی سید نذیر حسین صاحب محدث سے دہلی میں آکر صحاح ستہ ختم کیں۔

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد فکر معاش ہوئی۔ اودھ اخبار میں آپ نے مضامین لکھنے کا سلسلہ شروع کیا۔ کچھ عرصہ اس میں آپ نے مضامین لکھنے کے بعد ملازمت اختیار کرلی۔ چنانچہ آپ اس کے اسسٹنٹ اڈیٹر بنا دئے گئے آپ کے مضامین نے ملک میں ہر طرف شہرت حاصل کی اور بڑے بڑے لکھنے والے حیرت میں رہ گئے۔ چنانچہ سر سید مرحوم تک نے اودھ اخبار کے مالک منشی نول کشور کو مولانا کے مضمون "روح" کی تعریف لکھکر بھیجی۔ اور خواہش کی کہ یہ مضمون بہت مفید ہے اپنی تفسیر میں اس کے چند خیالات لینا چاہتا ہوں" اس کے بعد مولانا نے محشر میں مضامین لکھنے کا سلسلہ شروع کیا۔ اسی اثناء میں آپ ناول نگاری کی طرف متوجہ ہوئے۔ پہلا ناول دلچسپ لکھا جو مقبول ہوا۔ دوسرے درگیش نندنی نے بھی مقبولیت کو اور چار چاند لگائے۔ جس کی وجہ سے مولوی بشیر الدین صاحب مالک ایڈیٹر البشیر اٹاوہ آپ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور آپ سے درخواست کی کہ دلگداز رسالہ شائع کریں۔

مولانا سات زبانوں کے ماہر تھے۔ فارسی، انگریزی۔ ہندی، جرمن، فرنچ۔ اطالین، سنسکرت، اور اردو تو ان کی خود دست نگر تھی۔ آپ کا مشہور ناول "دربار حرامپور"، فلورا فلورنڈا انتہائی شہرت کے مالک ہیں

فلورا فلورنڈا ناول بھی اس زمانہ کے پادریوں کے لئے ایک عذاب اور مصیبت بنا ہوا تھا۔ گھر گھر پڑھا جاتا تھا۔ ہر مسلمان کی زبان پر پادریوں کی عیسائیوں کی کہانیاں گرجوں کی حرامکاریوں کی داستانیں مظلوم اور معصوم فریب خوردہ عورتوں کی بپتائیں تھیں۔ اور یہ کتاب بڑی دلچسپی سے پڑھی جاتی تھی۔ اس کا ہر واقعہ جب کہ ان اور پادری کے سامنے جب یہ واقعات رکھے جاتے تو چکرا جاتے تھے۔ اس تاریخی اور مستند ناول نے نصرانیت کی بڑھتی ہوئی طاقت اثر رسوخ کو بہت دھکا لگایا۔ اور مشنری کام کو کمزور و نیست و نابود کرنے میں کافی مدد کی۔ مولانا کی تقریباً اسی تصنیفات ہیں۔ رد نصاریٰ میں دو ہی آپ کی کتابیں ہیں۔ ایک فلورا فلورنڈا۔ اور دوسری مسیح و مسیحیت۔ آپ کا انتقال جمادی الآخر سنہ ۱۳۴۵ھ دسمبر سنہ ۱۹۲۶ء کو ہوا۔

مولٰنا الطاف حسین حالی

مولٰنا حالی پانی پت کے ایک معزز خاندان کے سپوت ہیں - پانی پت میں ایک محلہ انصاریوں کا ہے یہ خواجہ ملک صاحب کی اولاد ہیں - جو ہرات سے ہندوستان آئے برگزیدہ ہستی تھے - بادشاہ نے سر آنکھوں پر لیا پانی پت اور اس کا ملحقہ علاقہ انہیں بطور مدد اور معاش کے دیدیا تھا آپ کو اس پرگنہ کا قاضی بھی مقرر کیا گیا - اور نماز عیدین کی امامت، بزرگوں کے مزارات کی تولیت اور اشیاء کی قیمتوں کے مقرر کرنے کے اختیارات بھی دئے - مولٰنا حالی نسلاً انصاری اور بطناً سید ہیں - آپ کے والد اختلال دماغ کی وجہ سے آپ کے بچپنے کے زمانہ ہی میں فوت ہو گئے تھے - ۹ سال کی عمر تھی کہ سایہ پدری اٹھ گیا تھا - ایسی حالت میں باقاعدہ تعلیم و تربیت حاصل کرنا غیر ممکن تھا - لیکن مولٰنا حالی کو فطری تعلیم کے حاصل کرنیکا شوق تھا - اور اپنی ذاتی کوشش سے انہوں نے وہ کچھ کر دکھایا تھا جو دوسرے باوجود تمام سہولتوں کے حاصل نہیں کر سکتے -

ممنون دہلوی سید جعفر علی کے داماد جو فارسی کے ماہرین میں شمار کئے جاتے تھے ان سے مولٰنا حالی نے فارسی کی کتابیں پڑھیں - عربی کی تعلیم مولوی حاجی ابراہیم حسین انصاری سے حاصل کی ۱۷ سال کی عمر میں آپ کی شادی ہو گئی - اس وقت آپکی تعلیم پوری نہیں ہوئی تھی - اور معاشرتی پابندیوں کی موجودگی میں تعلیم کا حاصل کرنا مشکل تھا - حسن اتفاق کہیئے کہ سسرال خوشحال تھی گھر بار کی فکر سے بے نیاز تھے - ہمت کر کے آپ دہلی روانہ ہوئے - اس زمانہ میں دہلی علوم کا مخزن بنا ہوا تھا - طبیعت جم گئی ۱۸۵۵ء تک وہیں تعلیم حاصل کرتے رہے اور علوم و منطق و فلسفہ اور صرف و نحو وغیرہ کی تحصیل انتہائی درجہ اطمینان کے ساتھ پائی اور پھر پانی پت آ گئے

پانی پت آنے کے بعد بھی آپ نے اپنا مطالعہ جاری رکھا ۱۸۵۷ء کے پرآشوب زمانہ کی پریشانیوں میں مجبوری پانی پت چھوڑنا پڑا - لیکن سکون کے بعد آپ کو گورنمنٹ نے دار الکتابت لاہور میں مامور کر دیا تھا - جس میں آپ سے کتابوں کی عبارت اس وقت کی مروجہ زبان کے اعتبار سے درست کرائی جاتی تھی تاکہ حشو و زوائد کتابوں سے نکل جائیں اور اس کی سلیس عبارت ہو جائے - یہ ملازمت کچھ عرصہ رہی اس کے بعد آپ دہلی آئے - جہاں آپ کو عربک سکول میں مدرسی کی ملازمت مل گئی - اسی دوران میں آپ کا علیگڈھ جانے کا اتفاق ہوا - وہاں نواب آسمان جاہ مرحوم جو اس زمانہ میں دولت آصفیہ کے مدار المہام تھے - علیگڈھ کالج دیکھنے کے لئے آئے ہوئے تھے - مولٰنا حالی کو ان سے ملنے کا موقعہ مل گیا - ملاقات ہوئی نواب صاحب موصوف نے آپ کے لئے ۷۵ روپے ماہوار کا علمی وظیفہ مقرر کیا ۱۳۰۴ھ میں جب مولٰنا حالی علیگڈھ ڈیپوٹیشن کے ساتھ (جس کو سر سید کی سرکردگی حاصل تھی) حیدرآباد گئے - اس وقت آپ کا وظیفہ پچھتر کے بجائے سو روپے کر دیا گیا -

غالب کا نام اردو شعراء کی فہرست میں "فلسفی شاعر" کے لقب سے لکھا جاتا ہے - غالب جیسے مردم شناس کی جب مولٰنا حالی پر نظر پڑی تو تاڑ گئے اور مولٰنا سے مخاطب ہوئے - کہ "اگر تم شعر نہ کہوگے تو ظلم کروگے" غالب کا کہنا غلط نہ ہوا شاعر طبیعت شاعر بنی اور حضرت غالب کی شاگردی حاصل کی - ابتدا میں آپ نے نواب شیفتہ سے اصلاح لی - جب شیفتہ غالب سے اصلاح لینے لگا تو آپ نے بھی ان کی تقلید کی - اور غالب سے اصلاح لینی شروع کر دی -

مولٰنا اپنے طرز کے موجد، نیچرل اور قومی شاعری کے مجدد مانے جاتے ہیں - اس اعتبار سے اُن کا مرتبہ شعرائے اردو میں وہی ہے جو انگریزی میں گولڈ اسمتھ کا ہے - جس نے شاعری کے چمن کو فضول گوئی اور مبالغہ آمیزی سے پاک کیا - اور حقیقت گوئی اختیار کی -

کرنل ہالرائیڈ ڈائرکٹر تعلیمات کو اردو سے بہت محبت تھی انہوں نے مشرقی علوم و فنون کو جو فروغ دیا ہے اس احسان کا بدلہ ہندوستان نہیں اُتار سکتا ۔ آپ نے ایک مجلس مشاعرہ بھی قائم کی تھی۔ اس میں جدت یہ تھی کہ بجائے مصرع طرح دینے کے ایک خاص عنوان شعرا کی طبع آزمائی کے لئے دیا جاتا تھا۔ مولانا آزاد نے بھی سب سے پہلے اسی گلشن میں جدت طرازی کے نغمے سنائے تھے ۔ اور مولانا حالی کی نظمیں " برکھا "، " نشاطِ امید "، " مناظر رحم و انصاف "، حب وطن وغیرہ اسی مشاعرہ میں پڑھی گئی تھیں ۔

رَدِ نصاریٰ

مولانا حالی کے علمی کارناموں میں ۔ جن کا تعلق ان کی عمر کے اوّلین حصّہ سے ہے ان کی دو کتابیں ہیں جو قابل ذکر ہیں ۔ ۱۲۸۴ھ میں تریاق مسموم ۔ ان کے ہموطن پادری عماد الدین کی " ہدایت المسلمین " کے جواب میں لکھی گئی دوسری تصنیف ایک رسالہ " پادری عماد الدین کی تاریخ محمدی پر منصفانہ رائے " یہ رسالہ مذکور ۱۲۸۶ھ کے بعد کی تصنیف ہے یہ رسالہ مولوی خواجہ غلام الحسنین کے کتب خانہ میں ہے، جو نایاب ہے ۔ اس میں پادریوں، فلسفی، اور غیر یورپین کی رائے جو انہوں نے آنحضرت کے بارے میں دی ہیں اُسے خوش اسلوبی سے بیان کیا ہے ۔

اسی طرح آپ نے تعلیم نسواں پر ایک کتاب لکھی جس کے صلہ میں آپ گورنمنٹ نے چار سو روپے اعزازی انعام دیا ۔ یہ کتاب پنجاب کے کورس میں داخل ہو چکی ہے ۔

آپ نے ان دو کتابوں کے علاوہ فرانسیسی زبان کی ایک کتاب طبقات الارض جس کا ترجمہ عربی میں ایک مصر کے عالم نے کیا تھا ۔ اس کا ترجمہ اردو میں کیا ۔ اس کے علاوہ مولانا کی حسب ذیل تصنیفات ہیں ۔

(۱) حیات سعدی (۲) مسدس حالی (۳) دیوان حالی اُردو (۴) دیوان حالی فارسی (۵) یادگار غالب (۶) حیات جاوید (۷) سوانح عمری حکیم ناصر خسرو علوی فارسی میں (۸) مصرعہ شعر و شاعری (۹) مضامین حالی (۱۰) شکوۂ ہند (۱۱) مثنوی تعصب و انصاف (۱۲) مثنوی رحم و انصاف (۱۳) مثنوی کلمۃ الحق (۱۴) قطعات (۱۵) نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ معہ نمونہ نثر فارسی (۱۶) مثنوی مناجات بیوہ ۔

اخلاق و عادات کے اعتبار سے مولانا حالی ایک کامل انسان اور ایک صاف باطن ولی ہیں ۔ کسی کی برائی ان کی زبان پر نہیں آتی تھی ۔ ہر شخص کے عیب کی پردہ پوشی فرماتے تھے ۔ عزیزوں پر جان چھڑکتے تھے ۔ غریبوں کے بہی خواہ اور مددگار تھے ۔ مذہبی معاملات میں غیر متعصب تھے ۔ ان کے والدین شیعہ تھے ۔ لیکن اساتذہ سنت والجماعت تھے ۔ مسلمانوں کے اختلاف کو وہ نہایت مکروہ سمجھتے تھی مروّت و فیاضی میں اعتدال برتتے تھے ۔

آپ ۳۱ دسمبر ۱۹۱۴ء کو انتقال فرما گئے ۔

تاریخ وفات جناب مولوی محمد المرتضیٰ علی صاحب شرر علوی نے کہی ؎

سوگ تھا شبلی کا پائی حالی نے وفات
آج دنیائے ادب خالی ہوئی صد حیف

ہے شرر مصرعہ تاریخ کہا بے ساختہ
بعد شبلی رحلت حالی ہوئی صد حیف
۱۳۳۳

فارسی میں دوسری تاریخ قریشی علی میراں شاہ بلیاڑ شاہ پور نے فرمائی ۔

حالی چوں لقمان مقالش آمد
مشہور جہاں فضل کمالش آمد

الطاف حسین رحمت و والعزت
مغفور آمد وسال وصالش آمد
۱۳۳۳

تیسری تاریخ شمس العلماء خان بہادر نواب عزیز جنگ بہادر نے قلمبند کیں ۔

نہ منزل طارم جناں یافت ۱۳۳۳ از الطاف حسین حالی
شد مور در لطف عقل قدس ۱۹۱۴ از الطاف حسین حالی

چوتھی تاریخ دلگیر اکبر آبادی نے کہی ہے۔ جو سب سے زیادہ پسند کے قابل ہے۔

زباں مسوس ہے تنگ بالکل خموش صحرا ہے باغ دہلی

نہ کوئی ساقی نہ مے باقی وہ گرمی بزم داغ تک تھی
کباب کیسے شراب کیسی پڑا ہے خالی ایاغ دہلی

گر تھی پھر بھی نمود کچھ کچھ کہ شمع دیتی تھی دود کچھ کچھ
اُٹھے جو حالی صدا یہ آئی ہوا ہے اب گل چراغ دہلی
۱۳۳۳

(حیات حالی از سید محمد فاروق)

مولانا سید امیر حسن محدث

محدث صاحب ۱۲۲۲ھ میں پیدا ہوئے ابتدائی عمر میں تعلیم کی طرف رجحان نہ تھا شادی کے بعد خیال ہوا کہ علم حاصل کیا جائے۔ سہسوان سے نکل کر علیگڈھ کا راستہ لیا۔ وہاں علامہ محمد عبد الجلیل مجاہد اسرائیلی کی منظر انتخاب آپ پر پڑی۔ انہوں نے دقائق علوم کی راہیں کھولیں۔ تحصیل علم فرخ آباد میں مولوی بشیر الدین قنوجی اور لکھنؤ میں البرکات مولانا ارب علی فرنگی محلی سے کیا اس سے پیاس نہ بجھی تو دہلی کا رخ کیا۔ اور مولانا مفتی صدر الدین کے حلقۂ درس سے استفادہ فرما کر شیخ الحدیث مولانا شاہ سید نظیر حسین و مولانا شاہ عبد الغنی محدث مجددی اور مولانا شیخ عبد الحق بنارسی کی خدمت میں کتب صحاح کی سند حاصل کی۔

علم کے حصول کے بعد آپ نے علم کو پھیلانے کے لئے قدم اٹھایا۔ دہلی کے تجار و رؤسا کے اصرار پر آپ نے دہلی میں قیام کیا اور ارباب ملل سے تحریری و تقریری مباحثے کئے۔ جس میں شاندار کامیابیاں حاصل کیں۔ آپ کو دوسرے مذاہب کے لوگوں کی کتابوں پر کامل واقفیت حاصل تھی۔ توت حافظہ کمال کا تھا۔ خوش بیان اس بلا کے بڑے بڑے سنگدل لوگوں کو مسخر کر لیتے تھے۔ مخالفین بھی آپ کے مواعظ دلچسپی سے سنتے تھے اور اپنے عقیدوں سے تائب ہو جاتے تھے۔ دہلی کی شہرت اور علم و فضل کا چرچہ ہندوستان کے کونہ کونہ میں پھیل رہا تھا۔ میرٹھ کے علم دوست تجار جو دینی خدمات میں دلچسپی لینے میں پیش پیش تھے۔ اور علی الخصوص رئیس التجار بادفار شیخ الہی بخش مرحوم نے آپ کو میرٹھ لیجانے اور مدرسہ کی بنیاد ڈالنے کی استدعا کی۔ چنانچہ علم و فضل کو پھیلانے کا سلسلہ تیار ہو گیا۔ اس کی دنا کی مراد پوری ہوتی تھی۔ خود اپنے دست مبارک سے سنگ بنیاد رکھا۔ اور اپنی ہی نگرانی و حفاظت میں مدرسہ چلانا شروع کر دیا۔ آپ اپنے ہمراہ ایک گروہ علم کو فروغ دینے والے حضرات کا میرٹھ سے لے گئے تھے آپ نے اور ان حضرات نے انہماک سے کام کیا۔ نتیجہ شاندار نکلا۔ چنانچہ کچھ سالوں کے بعد رئیس الفضلاء مولانا حاجی سید عبد الباری مولانا سید محمد نذیر، مولانا سید حاجی سبط احمد اور شمس العلماء مولانا سید امیر احمد جیسی ہستیاں فارغ التحصیل ہوئیں۔ اور علامہ زماں اور فخر دوراں ثابت ہوئے۔

آخر زمانہ میں میرٹھ کے مدرسہ کا انتظام بانیوں کے ہاتھ میں دیکر پابندی سے آزاد ہو گئے۔ میرٹھ کم اور علیگڈھ اور وطن میں زیادہ قیام فرماتے تھے۔ وطن میں قرأۃ و حدیث کا درس اور خاص طور پر مناظرہ میں اپنا وقت صرف کرتے مسجد غلام علی شاہ میں روزانہ درس ہوتا اور ہر جمعہ کو آپ صرف وعظ فرماتے اور جو عیسائی آتا اس سے نہایت نرمی اور خوش اسلوبی کے ساتھ اس کے ہی مذہبی رنگ میں خیالات پیش کرتے۔ اور تشفی دیتے۔ پادری ہاسکن جو بڑے محقق اور نصاریٰ کے مشہور مشنری تھے ان سے بارہا آپ کی بحث ہوئی۔ اُن کو بھی آپ کی وسعتِ نظر اور تحقیق مذاہب کا اعتراف تھا۔ مصنف حیات العلماء کا کہنا ہے۔

کہ "پادری اسکاٹ نے جب ولایت میں آپ کے انتقال کی خبر سُنی تو انگلستان کے ایک مشہور انگریز اخبار میں آپ کے متعلق طویل مضمون شائع کیا۔ جس میں آپ کی علمی تحقیق فضیلت قوت کو دلائل و واقعات سے ثابت کرکے علماء ہند کا بیش و بیخا عالم تسلیم کیا

یہ دور جہاں رد نصاریٰ کا تھا وہاں شیعہ حضرات کی بھی تردید کی جاتی تھی اور سنی شیعہ کے علماء کرام باہمی مناظرے کرتے تھے ان مناظروں میں زیادہ شغف رؤسا اور امراء کا طبقہ لیتا تھا۔ اور دلچسپ اکھاڑے لگاتا تھا۔ انگریزوں اور نصرانیوں کی مخالفت نہیں کرسکتا تھا۔ آقائے نامدار کا خوف تھا۔ اس لئے سرمایہ کے زور پر ڈرپوک اور خوشامد پسند علماء کے طبقوں کی کشتیاں کراتا تھا۔ چنانچہ جب ریاست حیدرآباد دکن میں کتب شیعہ کی تردید و جواب نویسی کا انتظام درپیش ہوا اور والئی دکن نے ملک المناظرین حضرت مولانا حیدر فیض آبادی تلمیذ رشید مولانا عبدالعزیز محدث دہلوی مصنف منتہی الکلام اور ازالۃ الغین کو اس کا مہتمم بنایا تو آپ نے حضرت مولانا کو چار سو روپیہ ماہوار اور آئندہ ہزار روپے ماہوار تنخواہ کے وعدہ پر طلب کیا۔ احباب نے بھی ترغیب دی۔ آپ نے کہا کہ میں تقرب امراء اور عیش و تنعم اختیار کرنا نہیں چاہتا۔ ایک دیندار عالم کے لئے اس سے بڑھ کر فتنہ نہیں ہے۔

آخر میں آپ کا رجحان عبادت اور ریاضت نفس کی طرف منتقل ہوگیا تھا۔ چنانچہ حضرت شاہ رحیم اللہ خاں سنبھلی خلیفہ و مرید حضرت خواجہ سید آل احمد شاہ سہسوانی کی خدمت میں سنبھل گئے۔ عام طریقہ پر اگرچہ مرید نہیں ہوئے۔ لیکن خاص طلب تحسین و ارادت چند روز مستفید رہے۔ واپس ہوئے تو شیخ کے کمال و کرامات کے بیحد مداح تھے۔ اسی حالت میں علیگڈھ تشریف لے گئے اور وہیں معمولی ناسازی کے بعد دوشنبہ ۱۱ صفر المظفر ۱۲۹۱ھ کو انتقال فرماگئے۔

مولوی سید اعجاز احمد سلمہٗ نے آیۃ پاک "و رحمتہ ربک خیر" سے تاریخ وفات کہی۔

حیوۃ العلماء از مولانا سید محمد عبدالباقی سہسوانی

مولانا سید محمد عبدالباری

سید صاحب ۱۲۶۶ھ میں پیدا ہوئے آپ کے جد امجد سید شاہ منظر محمد نقوی سہسوانی کے مشہور عالم و بزرگ تھے شاہ صاحب کے صاحبزادے مفتی سید احمد تھے جنہوں نے شرح مسلم قاضی محمد مبارک اور ہمش بازغہ پر تعلیقات حواشی لکھے۔ ایک مثنوی گلشن عشق برنگ یوسف زلیخا جامی تصنیف کی۔

شاہ صاحب کے دوسرے صاحبزادے باری صاحب کے دادا آل احمد شاہ تھے۔ خصوص الحکم مع شرح شیخ محب اللہ الہ آبادی و نقد النصوص مولانا جامی کی شرح بزبان عربی البیان المرصوص آپ کی ہی تصنیف ہے آپ کی علمیت و فضیلت کا سکہ ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں تھا۔ ہزاروں علماء ہند نے آپ سے تلمذ حاصل کیا۔ آپ کی تمام عمر درس و تدریس میں گذری۔

باری صاحب کے والد ماجد سراج احمد صاحب نقوی قصبہ کاکوری کے تحصیلدار تھے۔ آپ کو وکالت کی ترغیب اودھ کے ایک انگریز مجسٹریٹ نے کی۔ اور ساتھ ہی وکالت کی سند بھی دی۔ تقریباً آپ کا دو سال تک وکالت کا مشغلہ رہا ۱۲۷۲ھ میں حکام کی بیدادگری سے حکومت ہند کو مطلع کرنے کے بعد اور اصلاح کی امید نہ پاکر استعفیٰ دیدیا۔ آپ نے بچپن کا بڑا حصہ لکھنؤ و کاکوری میں گذارا۔ والد ماجد کے ساتھ وطن میں آنے کے بعد تعلیم پر توجہ دی۔ قوت حافظہ اور درک قابل رشک تھی اس لئے صرف و نحو و منطق و عربیت تھوڑی سی مدت میں حاصل کرلئے۔ ابھی بارہ سال کی عمر ہی گذری تھی کہ پدر بزرگوار کا سایۂ عاطفت سر سے اٹھ گیا اور ذمہ داری کا بوجھ پڑگیا۔ لیکن آپ نے اکتساب علم کے ارادہ کو ترک نہیں کیا۔ حضرت والدہ ماجدہ چھوٹے بھائی بہنوں کو تسلی و تشفی دیکر مولانا سید امیر حسن رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے وہ آپ کو میرٹھ لیگئے جہاں چند سال میں

علم کی تکمیل کی۔ مصنفات ابن تیمیہ شاہ ولی اللہ اور علامہ شوکانی اور حافظ استقلانی پر پورا عبور تھا تفسیر امام رازی گویا ازبر تھی۔ آپ اوائل عمر سے نڈر اور بے خوف تھے۔ کسی حاکم یا امیر کا رعب نہیں مانتے تھے۔ قوت تقریر میں یگانہ تھے۔ اس لئے اکثر مجالس وعظ و مناظرہ میں حضرت آپ کو فخر کے ساتھ پیش کرتے تھے اور آپ اپنا فرض خوبی سے انجام دیتے تھے اسی نوعمری کے زمانہ میں آپنے رسالہ ہدایۃ المبتدین رد شرک و بدعات تصنیف فرمایا۔ جس کو میرٹھ کے امراء نے طبع کرایا۔ پھر آپ حضرت مولنا سے اجازت لے کر دہلی تشریف لے گئے اور اپنے استاذ الاستاذ شیخ الکل مولنا شاہ نذیر حسین محدث سے کتب حدیث صحاح ستہ وغیرہ سناکر سند لی۔ حاجی علی جان صاحب دہلی کے مشہور معزز تاجر نے آپ سے قیام دہلی کی خواہش کی۔ چنانچہ پانچ ماہ وہاں قیام فرمایا۔ طلبا کو درس دیا اور شہر میں جابجا مجالس وعظ منعقد ہوئیں۔ بعض سربرآوردہ مسلمانوں کے اصرار سے آپ نے مسیحی پادریوں سے مناظرہ کیا اور مجمع عام میں ان کو شکست دی۔ کتب نصاری پر آپ کی نظر وسیع تھی اور ان کے مضامین پر مکمل عبور تھا۔ زبردست تردید کی جس پر مسیحی علماء نے اپنی مغلوبیت کا اعتراف کیا۔ اس کے بعد آپ اپنے وطن واپس آئے۔ حضرت تاج الاولیاء محمد تاج الدین حسن رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی دختر کے ساتھ آپ کا عقد فرمایا۔ پھر آپ بدایوں تشریف لے گئے۔ مدرسہ میں طلبہ کو علوم کا درس دیا۔ مدرسہ سے فارغ ہوکر آپ رد نصاری وغیرہ میں مشغول ہو گئے مشہور پادری ہاسکن سے تبادلہ خیالات ہوا آپ نے اس پادری سے عبرانی سیکھی اور اس نے آپ سے عربی کی زبان کی تحصیل کی اور بحیثیت ضرورت کتب دین مسیحی کا مطالعہ کیا۔ آپ مناظروں میں تعصب و نفسانیت کو بہت بڑا عیب سمجھتے تھے۔

معاش کے لئے آپ جونپور کے مولوی حکیم محمد انور علی لکھنوی محشی کتب درسیہ و مصنف انوار الحواشی وغیرہ سے آپ کا ربط و ضبط زیادہ رہا۔ جس میں بعض اوقات فرصت میں آپ نے ان سے فن طب کے مسائل اور بعض مقامات مشکلہ اور مصطلحات طبیہ کلمات قانون شیخ الرئیس زبانی استفادہ فرمائے۔ اس کے بعد آگرہ میں عربی مدرسہ سرکاری میں ملازم ہوئے کئی سال وہاں تعلیم دی ادب و ریاضیات آپ کو تفویض ہوئی۔ حساب ہندسہ ہیئت میں آپ کو کامل دستگاہ تھی۔ اس وقت آگرہ میں مسیحی پادریوں کا بڑا زور تھا۔ وہ عوام و خواص سے ہر موقعہ پر بحث کرتے تھے آپ نے وہاں پہنچکر دین نصاری کی تردید اور حقانیت اسلام پر پُرزور تقریریں کیں۔ اس پر پادری مناظرہ کے لئے تیار ہوئے اور مسیحی عالم پادری عماد الدین اس دور کا خاص پروپیگنڈسٹ تھا ان کے مناظرہ کے لئے منتخب ہوا۔ پادری دین صاحب پرنسپل مشن کالج اس کے منتظم تھے۔ شرائط مباحثہ و انعقاد جلسہ انہیں کے ذریعہ طے ہوا اور یوم موعود پر عمائد شہر ہندو، مسلمان و عیسائی۔ حکام وقت امراء و غرباء شریک جلسہ ہوئے بالاتفاق حاضرین کے اصرار پر مولنا نے تقریر کی حوالی تقریر کا پادری صاحب سے تقاضہ کیا مگر تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد پادری عماد الدین نے تقریری جواب کو فتنہ و فساد کا موجب کہہ کر رخصت مانگی اور تحریری بحث کا اظہار کیا۔ اسی صورت میں جلسہ برخاست کیا گیا۔ پادریوں کے اس بے محل گریز سے تمام عیسائیوں کے دل بیٹھ گئے۔ اور ایک مدت تک ان کی تقریروں کا بازار سرد ہو گیا اس واقعہ کے مختصر حالات رسالہ فتح المبین علی اعداد الدین مطبوعہ آگرہ ۱۲۹۴ھ میں درج ہے۔

۱۲۹۳ھ میں جب کہ روم اور روس کی جنگ ہو رہی تھی آپ نے ترک سلطنت کی امداد کے لئے جابجا وعظ کہے۔ دہات میں دورہ کیا۔ لوگوں کو امداد کی ترغیب دی جس سے ایک کثیر چندہ ترکی کو روانہ کیا گیا۔ مجاہدین کا جھنڈا بھی بھیجا گیا۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد لکھنؤ مولنا محمد عبد الحئی سے تعلقات ہونے کی وجہ سے فرنگی محل میں مقیم ہوئے اتفاقاً منشی نول کشور سی۔ آئی۔ ایس سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے آپ کو مطبع میں تصحیح کتب عربی و فارسی کی نگرانی کیلئے

مقرر کیا ۔ یہاں آپ زیادہ دیر نہ ٹھہر سکے ۔ ملازمت سے مستعفی ہو کر لکھنؤ تشریف لے گئے ۔ وہاں ردِّ نصاریٰ میں مصروف ہو گئے ۔ تبادلۂ خیالات ہونے پر ایک معزز نامور انگریز جوزف مائل اسلام ہوا ۔ ۱۲۹۵ھ میں آپ بھوپال پہنچے نواب بھوپال نے آپ کو اپنا متوسّل و مشیر و ندیم اور معتمد ریاست مقرر کیا ۔ مباحث علمی میں جس طرح طاق تھے اسی طرح امور نظم و نسق ملکی میں جرأت کے ساتھ رائے دیتے میں آزاد تھے ۔ اسی ملازمت پر آپ آخری عمر تک مامور رہے

۱۳۰۲ھ میں آپ حج کے لئے تشریف لے گئے ۔ دوسرے سال ۱۳۰۳ھ میں تیرہ دن صاحب فراش رہنے کے بعد ماہ ذیقعدہ میں خاص یوم الحج پنجشنبہ کو بعد نماز مغرب آغاز شب جمعہ میں عالم فانی سے رحلت فرما گئے ۔ مولوی سید اعجاز احمد نے آیۂ تنزیلیہ وحلوا اساور من فضۃ سے بصنعت ملفوظی یعنی بعد اسقاط الف جیسے تاریخ وفات مستنبط کی ۔ مولٰنا محمد سورتی نے وو خل الجنۃ بلا حساب تار کا اخراج کیا مولٰنا ذوالفقار نے "امیر المتقین مولٰنا سیّد عبد الباری" تاریخ لکھی

۱۳۰۳

(حیات العلماء ۸۸)

تصنیف آپ کی ضخیم بے مثل و بے نظیر تصنیف اعلام الاخیار والاعلام ان الدّین عند اللّٰہ الاسلام ہے جس تنقیدی اصول پر غیر مذاہب کو باطل اور اسلام کی حقانیت ثابت کی ہے ۔

(حیوٰۃ العلماء ۸۰ تا ۹۰)

مولوی محمد علی تحصیلدار

• بچھراؤں ضلع مراد آباد وطن تھا ۱۲۳۲ھ ۱۸۱۶ء میں پیدا ہوئے ملازمت کی ابتداء ۱۸۳۳ء میں سررشتہ داری صدر الصدور سے ہوئی صیغۂ ملازمت اور سررشتہ داخل خارج میں رہے ۔ حدود تحصیلات قائم کرنے پر مامور رہے ۔ رجسٹرار دیوانی رہے پھر ۱۸۵۹ء میں تھانہ بھون ضلع مظفر نگر میں تحصیلدار ہوئے ۔ تبادلے ہوتے رہے ضلع مراد آباد سے جون ۱۸۷۶ء میں پنشن پائی اور ۱۸۸۸ء میں رحلت فرمائی مولوی عبد الرشید صاحب نے قطعہ تاریخ کہا ۔

محمد علی حامیٔ دیں — معقول و منقول فرد یگانہ
بگویم سن رحلتش ماہ دلائل — مفسر، محدث، فقیہ زمانہ

۱۳۰۵ھ

مصرع تاریخ کے اعداد (۱۳۳۰) میں دلائل کے اعداد ۷۵ جمع کرنے سے ۱۳۰۵ھ سال وفات نکلتا ہے ۔

سرسید نے جب تفسیر قرآن کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا اور معجزات ، دوزخ و جنت ، جن و ملائک کے وجود سے انکار کیا اور تفسیر انجیل خوشامدانہ طریقے پر لکھی اور علماء جمہور کو واقف ہونے کے خطابات سرفراز فرمائے تو ردِّ نصاریٰ کے حامیوں نے اسلام اور تبلیغ کو شیعوں کے لئے انتہائی نقصان دہ سمجھا اور اس کی مخالفت کو ایسا ہی ضروری سمجھا جس طرح ردِّ نصاریٰ کو ۔ چنانچہ اس زمانہ کے مشہور ردِّ نصاریٰ تحصیلدار صاحب نے سید کے دلائل کی بھی تردید کی اور تقریباً ڈیڑھ ہزار صفحوں کی جلدیں تصنیف کیں ۔ یہ مجلدات "البرہان" کے نام سے مشہور ہیں ۔ پورا نام البرہان علی تجہل من قال العبد علم فی القرآن ہے ۔

مولوی محمد علی صاحب بڑے عالم اور باخبر بزرگ تھے ۱۸۷۶ء میں کانپور سے ایک رسالہ نور الآفاق انہیں مناظروں

کے لئے جاری کیا۔ اس میں مولانا نے مضامین لکھے۔ آپ کی متعدد غیر مطبوعہ تصنیفات کے علاوہ مطبوعہ کتابیں یہ ہیں۔
(۱) ظفر مبین — مسٹر اینڈرسن عیسائی کے اعتراضات کا جواب۔
سوط اللہ الجبار — یہ بھی مسٹر اینڈرسن کا جواب ہے۔
مولوی محمد علی نے اپنی تصنیف برہان میں سرسید کی ہر قسم صرف، نحو، علم زبان، علم کلام، وغیرہ کی غلطیاں بیان کی ہیں۔
اول لفظ قال کہکر سرسید کی تفسیر کا حصہ نقل کیا ہے جو اس زمانہ کا دستور تھا۔

(داستان تاریخ اردو)

(بقایا مضمون صفحہ ۲۷۶) ایک سال میانوالی جیل ۱۹۳۰ء میں چھ ماہ گجرات جیل اور ۱۹۳۲ء میں ایک سال ملتان جیل میں رہے۔
آپ شروع سے جمعیتہ علماء الہند ہی کے رکن رہے لیکن جب جمعیتہ علماء ہند نے آزادی وطن کیلئے برادران وطن سے اشتراک کا فیصلہ کیا تو آپ نے تمام مشترک تحریکات میں حصہ لیا ایک بار آپ دلی کانگریس کمیٹی کے ڈکٹیٹر کی حیثیت سے بھی گرفتار ہوئے۔ آپ نے سلطان ابن سعود کے موتمر اسلامی میں بھی جمعیتہ العلماء کے رکن کی حیثیت سے شرکت کی تھی، آپ آج کل جمعیتہ العلماء صوبہ دلی کے صدر اور جمعیتہ العلماء ہند کے نائب صدر ہیں۔
آپ نے دلی میں پادری احمد مسیح اور دیگر دلی کے پادریوں سے مناظرے کئے ہیں۔ آپ کے دلائل قاطعہ کے سامنے پادریوں کا ٹھہرنا مشکل ہوتا تھا۔ آپکی حاضر جوابی پادری کو خاموش کرنے پر مجبور کر دیتی تھی۔ سامعین کی داد تحسین کی بلند آوازوں میں جواب دینے سے قاصر ہو جاتا تھا۔ مولانا موصوف بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں جنت کی کنجی دوزخ کا کھٹکا، خدائی باتیں، تقاریر سیرت مشہور کتابیں ہیں۔ جو دلی کی ٹکسالی زبان میں ہیں۔
آپ کے چار صاحبزادے ہیں۔ ایک مولانا محمد سعید۔ جو اردو بازار میں کتابوں کی تجارت کرتے ہیں۔ آپ نے مدرسہ امینیہ میں تعلیم پائی اور وہیں سے فارغ التحصیل ہونے کی سند لی۔ آپ بھی جیل یاترہ کر چکے ہیں۔ آپ امسال دلی میونسپل کمیٹی کے ممبر نامزد کئے گئے ہیں۔ والد ماجد کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ تقریر کرنے کا ڈھنگ بھی وہی ہے۔ دوسرے صاحبزادے مظہر سعید سیاسی میدان کے مرد ہیں اور وہ بھی جیل جا چکے ہیں۔ انتہائی آزاد منش اور ہر دلعزیز ہیں انکو دنیا داری چھو ئی تک نہیں ہے۔ تیسرے صاحبزادے میونسپل کمیٹی میں ملازم ہیں۔ ماشاءاللہ ہر فرزند سعادتمند ہے۔
مولانا موصوف شاعر ہیں لیکن انکی شاعری جیل تک محدود رہی ہے۔ اب کچھ ارشاد نہیں فرماتے۔ جیل میں جو شاعری کی اُس کا نمونہ ملاحظہ ہو۔ اندازہ لگائیے کہ کلام میں کتنی پختگی اور فصاحت و بلاغت بھری ہوئی ہے۔

اپنی جو پرزے پرزے قبا ہو تو جانئے
اِس طرح کچھ جنوں کا مزہ ہو تو جانئے

قصے کہانیوں کا بہت شوق ہے اُسے
محفل میں آج میری کتھا ہو تو جانئے

کس طرح ہو نجات، کہ طوفان کا زور ہے
کشتی کا ناخدا جو خدا ہو تو جانئے

اٹھا ہے آج ابر بڑی شان سے مگر
میرے لئے بھی ایسی گھٹا ہو تو جانئے

ہر چند ہو چکی ہے مصیبت کی انتہا
کہتا ہے دل کہ اس سے سوا ہو تو جانئے

احسان ترا دیدۂ تر دیکھ رہے ہیں
طوفان میں بہتا ہوا گھر دیکھ رہے ہیں

ہر پارۂ دل پر تری صورت ہے منقش
یاقوت کے ٹکڑوں میں گہر دیکھ رہے ہیں

مولانا حکیم محمد حسن

آپ کے والد کا نام شیخ کرامت علی اور دادا کا نام شیخ رستم علی اور ان کے والد کا نام یعنی آپ کے پردادا کا نام شیخ محمد حسن عرف موتی تھا۔ آپ ۱۲۳۹ھ میں پیدا ہوئے تاریخی نام خورشید الزماں ہے۔ عالم، طبیب، صوفی مشرب خوش خلق، زاہد، عابد بزرگ تھے۔ فلسفۂ مشائیہ اور علوم عقلیہ میں مولانا فضل حق خیر آبادی کے شاگرد تھے۔ اور علوم نقلیہ حدیث و تفسیر، فقہ میں مفتی صدر الدین دہلوی سے تلمذ کیا تھا۔ علم طب حکیم امام الدین دہلوی سے حاصل کیا تھا۔ سلسلہ تصوف میں حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسوی کے مرید حضرت نجم الدین سے شرف بیعت حاصل کیا تھا۔

فارغ التحصیل ابتداء میں آگرہ کے اندر بسلسلہ ملازمت قیام تھا۔ اسی دوران میں منشی حاجی محمد خان میر منشی سے ملاقات ہوئی وہ ان کو اپنے ساتھ ٹونک لے گئے۔ کچھ عرصہ اہلکار ایک محکمہ میں رہے۔ وہاں سے گورنمنٹ کالج اجمیر میں عربی و فارسی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ کالج کے پرنسپل سے اختلاف ہوا۔ طویل رخصت لیکر کچھ عرصہ مہاراناادوے پور میواڑ کے طبیب خاص رہے۔ ریاست الن پور میں ملازمت کی۔ اس کے بعد پھر اپنی مستقل ملازمت پر چلے آئے۔ تقریباً ۲۹ سال اجمیر میں قیام رہا۔ آخر میں ملازمت کی پابندیوں سے آزاد ہو کر اجمیر میں مطب کرتے رہے۔ عمر کے آخری چند سال وطن میں گذارے۔

توراۃ و انجیل کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ اجمیر کے قیام کے زمانہ میں نادر کتب کے مطالعہ کا موقع ملا۔ مطالعہ بہت وسیع تھا۔ تاریخ مذاہب اور جغرافیہ سے پوری واقفیت حاصل تھی۔ انجیل و زبور وغیرہ کتب سماوی میں جو اختلافات مترجم کی بناء پر ہو گئے ہیں انہیں اپنی تصانیف میں واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ کتب سماوی کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ توریت زبور عہد عتیق انجیل عہد متوسط، قرآن مجید میں حضور سرور کائنات کے متعلق پیشگوئیاں ثابت کی ہیں۔ مثلاً مکاشفات یوحنا کے چوتھے باب کی ساتویں آیت میں جو عبارت ہے اس کو حضور سرور کائنات اور حضور کے چار اصحاب کے حالات سے متعلق کیا ہے۔ علاوہ انجیل، توریت و زبور کے وید دں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے متعلق پیشین گوئی ثابت کی ہے۔ آپ کے خیال میں کلنکی اوتار سے مراد حضور اقدس ہیں۔ اور سنبل ریت کے معنی سرزمین عرب ہے۔

قرآن مجید میں حروف مقطعات کے معانی بحساب جمل اعداد نکال کر بیان کرتے اور ان کو توریت کی پیشین گوئی اور واقعات عالم سے منطبق کرتے آپکا اعتقاد تھا۔ کہ حروف مقطعات کے یہی معنے ہیں۔ جو ان اعداد سے برآمد ہوں۔

تحقیق انجیل اور مذہب عیسوی میں مولانا رحمت اللہ، مولانا آل حسن ، مولانا شرف الحق کے ساتھ آپ کا نام لیا جاتا ہے۔ آپ کی بھی خصوصیت یہ تھی۔ کہ آپ مخالفین کی کتب سے اسلام کی عظمت و حقانیت ثابت کرتے تھے اور آپ حضور سرور کائنات اور مذہب اسلام کے متعلق ڈھونڈ ڈھونڈ کر پیشین گوئیاں نکالتے تھے۔ بخود در انجیل نام مصطفےٰ

آپ کی مہتم بالشان تفسیر القرآن عبارت مغلق ہونے کی وجہ سے زیادہ مقبول نہ ہو سکی۔ آپ کی تقریباً پندرہ تصنیفات ہیں۔ چند کے نام یہ ہیں۔

معراج مسیح، کواکب دریہ، آفتاب عالمتاب، حقانیت اسلام، اور ہشت کونسل معروف بدر بے بہا۔ مباحثہ کبھی نہیں کرتے تھے جو لوگ آتے تھے انکو اپنے خیالات سنا دیتے تھے۔ مطب کرتے تھے علاج و معالجے کے بہت سے واقعات مشہور ہیں۔ آپکا ۱۹ رمضان المبارک ۱۳۲۳ھ میں ۸۴ سال کی عمر میں وفات ہوئی۔ تاریخ اردوہیہ (۳۰۲، ۳۰۵)

مولوی حافظ ولی اللہ

آپ عالم وفاضل فقیہ متبحر مباحث ومناظر وواعظ۔ جامع علوم عقلیہ نقلیہ کے ماہر تھے۔ تردید نصاریٰ میں بڑے بڑے پادری آپ سے مقابلہ کرنے سے کتراتے اور جکراتے تھے۔

چنانچہ مولانا اپنی تصنیف صیانۃ الانسان میں لکھتے ہیں۔ ۱۸۶۷ء میں امرتسر کے اندر عمادالدین نے سر نکالا۔ تو چند علماء اور پادریوں کے سامنے مناظرہ ہوا۔ جسکی تفصیل "مباحثہ دینی" کے دیکھنے سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس وقت سے آج تک پھر کسی پادری نے دم نہیں مارا۔ چنانچہ بارہا لاہور کے پادری صاحبان مثلاً پادری فرنچ فورمن لیوتن وغیرہ کے مکان پر جانے کا اتفاق ہوا۔ اگر کسی نے بحث کا نام نہیں لیا۔ حافظ آپ کا مشہور عام تھا۔ کتاب کی سطر اور صفحہ تک یاد رکھتے تھے۔ آپ نے مولوی غلام رسول مرحوم قلعہ میہاں سنگھ، مولوی نور احمد سکنہ کہائی کوٹلی اور مولوی احمد الدین بگوی سے علوم حاصل کئے۔ ہر جمعہ کو جامع مسجد لاہور میں آپ کا وعظ ہوتا تھا[1] تمام پنجاب میں آپ کی تقریر اور قادر الکلامی کی دھوم تھی۔ صاحب فتاویٰ تھے۔ مولوی فقیر محمد جہلمی مرحوم مصنف حدائق الحنفیہ مالک واڈیٹر مطبع واخبار سراج الاخبار) فن مناظرہ میں آپ کے شاگرد تھے۔ ۱۲۸۴ھ میں پادری عمادالدین سے امرتسر میں تحریری مباحثہ ہوا۔ ردِ نصاریٰ میں کئی کتابیں لکھیں۔ جمعہ کے روز ۴ جمادی الاول ۱۲۹۶ھ میں آپ نے لاہور میں انتقال فرمایا۔ تاریخ لاہور انگریزی (شمس العلماء سید محمد لطیف) میں لکھا ہے۔ کہ حافظ ولی اللہ نابینا تھے لیکن۔ لاثانی عالم تھے۔ تذکرہ العلماء والمشائخ لاہور محمد الدین فوق اڈیٹر اخبار کشمیری لاہور (۶۰)

آپ کی دو مشہور تصنیفیں ہیں۔ ایک پادری عمادالدین کے رسالہ تحقیق الایمان کا جواب صیانۃ الانسان عن وساوس الشیطان ہے۔ جو ۱۸۶۷ء میں مطبع مصطفائی لاہور میں چھپا ہے۔ اور ۲۰×۳۰/۸ سائز ۲۴۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کی قطعہ تاریخ لاہور کے مشہور عالم مولوی فرید نے دافع شیطان صیانت الانسان کہی ہے۔

دوسری تصنیف ابحاث ضروری ۱۲۶۹ء ہے۔ جو اسم بامسمیٰ ہے۔ مناظرے کی ضروری باتیں اس میں درج ہیں۔ کتاب ۱۲۸۰ء میں مطبع مصطفائی لاہور میں چھپی۔

مولوی حکیم عبدالرشید

آپ ۱۸۵۸ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے مولانا سید امیر احمد شمس العلماء اور مولانا شیخ محمد بشیر محدث سے سہسوان اور آگرہ میں مولانا سعادت حسین مدرس مدرسہ آرہ سے آرہ میں مولانا ہدایت اللہ جون پور اور پھر مولانا محمد عبدالحی فرنگی محلی سے تکمیل علوم کیا۔ کتب طب حکیم مظفر حسین خانصاحب خلف حکیم مسیح الدولہ بہادر سے پڑھیں اور حکیم سید محمد خاں موہانی سے مطب کیا۔ آپ انگریزی ہندی فارسی کے ماہر تھے۔ عرصہ تک فرخ آباد میں گورنمنٹ ہائی سکول میں ہیڈ مولوی رہے۔ تصنیف وتالیف اور مناظرہ کا انتہائی شوق رکھتے تھے۔ اکثر پادریوں سے آپ کے معرکۃ الآرا مناظرے تحریری ہوئے۔ آپ کی ردِ نصاریٰ کئی کتابیں تھیں۔ آپ کی تصنیفات علمی وادبی بہت ہیں۔ شاعری ہر صنف کی بے تکلف کرتے تھے۔ آپ طریقہ نقشبندیہ وقادریہ میں مولانا فضل صاحب گنج مرادآبادی سے بیعت تھے۔ (حیوۃ العلماء (۱۱۸ - ۱۱۹)۔

سید محمد علی

دہلی میں پیدا ہوئے فارسی کی کتابیں میر بار علی سے جلالین ومشکوٰۃ مولوی حفیظ اللہ خاں سے بقیہ کتب احادیث صاحبزادہ گرامی سید شریف حسین (خلف جناب میاں صاحب) سے پڑھیں۔ اور آپ کی مصاہرت سے بھی سرفراز ہوئے۔ مناظر ردِ نصاریٰ تھے۔ مناظرہ کی سند مولانا ابوالمنصور امام فنِ مناظرہ سے حاصل کی۔ جو اس فن میں سند الوقت تھے۔ حامد صاحب زاہد وپارسا ہمیشہ قوتِ بازو سے کما کر کھایا۔ اگر فکر معاش سے فرصت ہوئی تو عبادت میں مصروف ہو گئے۔ اس اکل وحلال اور انہماک فی العبادۃ کی وجہ سے ولایت الٰہیہ تک پہنچے۔ تعلیم وتدریس کا سلسلہ باقاعدہ نہ تھا۔ لیکن اگر کوئی طالب علم آتا جاتا تو انکار نہ فرماتے۔ کوئی خاص تصنیف نہیں

---

[1] تذکرہ علماء ہند مولوی رحمان علی صاحب ۲۵۳

چھوڑی۔ البتہ عیسائیوں کی طرف سے چند سوالات نامی جو تحریر شائع ہوئی اس کا جواب ایسا مدلل لکھا کہ آپ کے استاد مولانا ابوالمنصور نے اپنے رسالہ کے ساتھ ملحق کر لیا۔ کثیر الاولاد تھے جن میں سے سید عبدالروف صاحب مہتمم کتب خانہ نذیریہ اور سید عبدالغفور صاحب ناظم کتب خانہ نذیریہ) بقید حیات موجود ہیں۔ کلکتہ گئے تو وہیں ۳ر صفر ۱۳۰۴ھ مطابق ۳۱ر اکتوبر ۱۸۸۶ء فوت ہو گئے۔ تراجم علمائے حدیث ہند ابویحیٰ امام خاں ص۱۶)

عبدالوہاب

قصبہ ہانسی ضلع بستی کے قدیم خاندان تھے۔ پورا نصاب نہیں پڑھا مگر کام وہ کر گئے کہ جس سے اکثر منتہی محروم رہ گئے۔ اطراف و اکناف کے رہنے والے اب تک مرحوم کو یاد کرتے ہیں اور روتے ہیں۔ وعظ میں شیرینی تھی۔ ہر ایک بشر سے مناظرے کے صلائے عام تھی۔ یہی منادیٔ خاص طور پر صف آرا ہو رہتے تھے۔ افسوس ہے۔ کہ اس نوجوان نے باغ زندگی کی ۳۲ بہاریں دیکھیں۔ اور کنج لحد میں جا سوئے۔ تاریخ وصال ۱۳۴۲ھ ۱۹۲۴ء ہے۔ (تراجم علمائے حدیث ہند ۴۶۶)

مولوی فقیر محمد جہلمی

آپ کے والد ماجد حافظ محمد سفارش جہلم شہر سے دو میل غرب کے فاصلہ موضع چتن میں رہتے تھے۔ جمعرات کے روز ۱۲۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ علوم کی تحصیل ماں قطب الدین ساکن نالیاں والہ و میاں غلام محمد ساکن موضع جادہ مولوی نور احمد ساکن موضع کوٹلی وغیرہ علماء سے کی۔ ابتدائی کتب پڑھنے کے بعد مفتی صدر الدین صاحب صدر الصدور سے فارغ التحصیل ہونے کی سند حاصل کی۔ وطن واپس ہوئے۔ وتصانیف میں اپنی پوری زندگی گذاری آپ کی تصنیفات یہ ہیں۔ (۱) ترجمہ تصدیق المسیح (۲) حاشیہ صیانۃ الانسان عن وسوسۃ الشیطان وحدائق الحنیفۃ تذکرہ علماء حنفی۔ وزندہ الاقابل فی ترجیح القرآن علی الاناجیل رسالہ آفتاب محمدی [1]

مولوی عنایت رسول چڑیاکوٹی

چڑیاکوٹ ضلع اعظم گڑھ کا ایک شہر ہے جو مشائخ و علماء کرام کا مرکز شمار کیا جاتا ہے۔ اسی چڑیاکوٹ میں مولوی عنایت رسول ۱۲۶۶ھ میں پیدا ہوئے۔ چنانچہ صاحب تذکرہ علماء ہند مولانا کی شان میں فرماتے ہیں۔ از علماء فحول ماہر معقول و منقول واقف اسرار نقوش نافذ انظار فروع و اصول۔ آپ کے والد کا نام علی اکبر اور دادا کا نام عطاء رسول تھا۔ یہ دونوں حضرات قاضی کے عہدہ پر مامور تھے۔ مولوی رسول نے ابتدائی زمانہ اپنے والد اور دوسرے بزرگوں سے صرف ونحو اور کافیہ مولوی احمد علی چڑیاکوٹی سے پڑھی۔ اس کے بعد مولوی نجم الدین سے ہندسہ حساب ومناظرہ علوم ریاضی اور حکمت تحصیل کی۔ کتب صحاح ستہ مولوی حیدر علی (ریاست محمد آباد ٹونک) نے پڑھائی۔ عبرانی سیکھنے کا شوق ہوا۔ تو کلکتہ تشریف لے گئے وہاں چند سال قیام کیا۔ یہودی علماء سے زبان سیکھی [1]

سرسید احمد خاں اس زمانے میں عیسائی مشنیریوں کے پروپیگنڈہ سے بہت متاثر تھے۔ وہ مشنیریوں کے اعتراضات کے جوابات لکھنا چاہتے تھے۔ غدر کے زمانے میں ان کے کاغذات جاتے رہے۔ اس لئے عیسائی مذہب اور انجیل کی حقیقت اور اس کی تاریخ اور جو کچھ بائیبل پر موافق یا مخالف لکھا گیا ہے۔ ان تمام باتوں کی تحقیقات کرنے کے لئے انہوں نے عیسائی مذہب کی تمام ضروری کتابیں بائیبل کی تفسیریں اور دیولی نٹیریں مذہب کی کتابیں خریدیں۔ اور نیز لامذہبوں کی کتابیں جو بائیبل کے خلاف لکھی گئی تھیں وہ بھی بہم پہنچائیں۔ جب یہ تمام سامان فراہم ہو گیا۔ تو سرسید احمد خاں کو ایک عربی داں جو عبرانی بھی جانتا ہو اور ایک انگریزی خواں کی ضرورت پڑی۔ اس وقت مولانا

---

[1] تذکرہ علماء ہند مولوی رحمان علی ص۱۶۸

عنایت رسول چڑیا کوٹی کی عبرانی دانی اور عربی قابلیت کی دھوم تھی۔ سرسید مرحوم نے ان سے بائیبل کی تفسیر لکھنے میں (جس کی غرض قرآن وحدیث کی انجیل تطبیق کرنا تھی) مدد لی۔ وہ بائیبل کی تفسیر کس نوعیت کی تھی۔ اور اس کا کتنا حصہ تیار ہوا۔ اور مولانا عنایت علی صاحب کے بارے میں مولانا حالی کی کیا رائے تھی۔ وہ حیاتِ جاوید اول ۹۷ میں ملاحظہ ہو۔

غازی پور میں سرسید نے سالم نام ایک یہودی کو نوکر رکھا اور اس سے عبرانی پڑھنی شروع کی۔ غازی پور کے ضلع میں مولوی عنایت رسول صاحب چڑیا کوٹی ایک بہت بڑے عالم عربی اور عبرانی کے ہیں۔ ان کی اعانت سے سرسید کے ارادے کو اور بھی زیادہ تقویت ہوئی۔ الغرض عہد عتیق میں سے کتاب پیدائش کے گیارہویں باب تک اور عہد جدید میں انجیلِ متی کے پانچویں باب تک تفسیر اسی التزام کے جس کا انہوں نے ارادہ کیا تھا۔ لکھی گئی۔ اور ساتھ کے ساتھ چھپتی بھی گئی۔ جو کچھ سرسید لکھتے تھے اس کا ترجمہ انگریزی میں ایک یورپین جس کو دو سو روپیہ ماہوار تنخواہ دیتے تھے ہر روز دو گھنٹے کام کرتا تھا وہ ترجمہ بھی اردو کے ساتھ چھپتا۔ ایک کالم میں عبرانی توریت کی عبارت عربی خط میں اور اس کا اردو ترجمہ اور انگریزی ترجمہ۔ اس کے نیچے لکھا جاتا تھا۔ دوسرے کالم میں اسی مضمون کی کوئی آیت قرآنی یا حدیث اور اس کا ترجمہ اور انگریزی اس کے نیچے لکھا جاتا تھا۔ اس کے بعد تفسیر لکھی جاتی تھی۔

مولوی امان علی احمد آبادی

خلف حکیم شیر علی ساکن احمد آباد نارہ کے رہنے والے تھے۔ مولانا رحمان علی تذکرہ علماء ہند آپ کے بڑے بھائی ہیں۔ آپ نے مولوی ثابت علی سکنہ بھکا ضلع الہ آباد سے ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ کتب مطولات مولوی محمد سعید رام پوری داماد مفتی شرف الحق سے تحصیل کیں۔ علم طب اپنے والدِ ماجد سے اکتساب کی تقویٰ و پرہیزگاری آپکا شعار تھا۔ فتح پور سے مہاراجہ بشناتھ سنگھ فرمانروا ریواں نے آپ کی طلبی کا فرمان بھیجا۔ اور ۱۳ ربیع الاول ۱۲۵۷ھ شاہی طبیب کے منصب پر مامور کر کے۔ ایک سو بیس روپے کا ملازم فرمادیا۔ اس زمانہ میں لاعلمی اور جہالت کی وجہ سے مضافات اور ریواں کے مسلمان صوم وصلوٰۃ سے بالکل بے خبر تھے آپ کے قدم رکھتے ہی نماز روزہ کے پابند ہو گئے۔ ۱۵ شوال ہفتہ کے روز ۱۲۵۸ھ مولانا عبدالباری فتح پوری خلیفہ رفیع الدین عرف مولوی ذوالفقار علی سے قادریہ نقشبندیہ مجددیہ کے سلسلہ میں بیعت ہوئے۔ بہت سے لوگ اس ریاست کے ان کے مرید ہو گئے۔ ۱۸ ذالحجہ ۱۲۷۵ھ میں آپ کو پرمٹ کا انچارج بنادیا گیا۔ کل اختیارات کے حدود کے سونپے گئے۔ آخر عمر تک اسی عہدہ پر فائز رہے۔ ۲۴ ربیع الاول ۱۲۷۷ھ میں ریواں میں ہی رحلت فرما گئے۔ وہیں مدفون ہوئے۔ حکیم الوخاں نے تاریخ وفات میں نظم لکھی۔

صد افسوس حضرت امان علی	بجنت شد از جہاں منتقل
کون سالِ رحلت چہ گویم بتو	سر ہوش رفت از غم درد دل

آپ نے رد نصاریٰ میں اپنا وقت بہت صرف کیا۔ آپ کی مشہور تصنیف رد الو شینہ ہے اس کے علاوہ (۲) مثنوی پنجہ خورشید اردو میں (۲) عس البیان فی تفسیر الالبان۔ موضع البدعات نبیہ الفیبرنی تراکیب الاکاسیر، رسالہ مدع الکلب۔ دو رسالہ خواص سورۃ قرآنی بنظم اردو فارسی ترجمہ چہل حدیث

لہ تذکرہ علمائے ہند فارسی مولانا رحمان ۲۵

مفتی کفایت اللہ صاحب

ہندوستان کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت جمعیۃ العلماء کے بانی جناب قبلہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب تقریباً ۱۲۹۵ھ میں شاہجہاں پور میں پیدا ہوئے۔

آپ کے والد کا نام شیخ عنایت اللہ ہے۔ سلسلہ خاندان اس طرح چلتا ہے۔ عنایت اللہ ابن فیض اللہ ابن خیر اللہ ابن عباد اللہ۔ آپ کا شاہجہاں پور کی شیخ برادری سے تعلق ہے۔

مفتی صاحب چار بھائی ہیں۔ ایک آپ اور دوسرے مولانا حافظ قاری نعمت اللہ صاحب ہیں جو شاہ جہاں پور میں اپنے زہد و تقویٰ اور عابدانہ زندگی کی وجہ سے اپنے معتقدین کا بہت بڑا طبقہ رکھتے ہیں۔ ان کا وقت رات بھر عبادت میں اور دن میں درس و تدریس میں گزرتا ہے۔

دوسرے بھائی قدرت اللہ صاحب ہیں جو قصور میں رہتے ہیں۔ ان کی زندگی تمام تر سیاسی گذری تین چار مرتبہ جیل میں جا چکے ہیں۔ اور قصور کی تحریک ۱۹۲۱ء اور پچھلی تحریکوں میں ڈکٹیٹری شپ کی عزت ان کو سونپی گئی ہے۔ وہ عرصہ تک وہاں بھی کانگریس کے سیکریٹری رہے ہیں۔ آج کل آٹے کا مل چلا رہے ہیں۔

تیسرے بھائی حافظ سلامت اللہ شاہجہانپور میں تجارت کرتے ہیں۔

محلے کے لڑکے جب مدرسے جاتے تھے ان کو دیکھ کر مفتی صاحب کو شوق ہوتا تھا کہ میں بھی مکتب میں جاؤں چنانچہ مفتی صاحب بھی مکتب میں آپ جانے لگے۔ اس میں خرچ کی ضرورت پڑتی ان کے والد بہت غریب آدمی تھے تعلیم کا خرچ نہیں اٹھا سکتے تھے۔ یہ ٹوپیاں اونی بیل بوٹے والی قسم کی ہوتی تھیں، رات کو اس کو بنتے تھے دو تین راتوں کو بننے کے بعد دو روپے میں بیچ آتے تھے۔ لاگت تقریباً سوا روپے کی آتی تھی۔ اس سے تعلیم کا سلسلہ چلتا تھا۔ اور یوں تعلیم حاصل کرتے تھے۔

کھانے کا طریقہ یہ تھا کہ چند طلباء مل کر ایک جگہ کھانا کھاتے تھے۔ سالن خود پکا لیتے تھے۔ روٹی بازار سے بھٹیاری سے پکوا لیتے تھے۔ آٹا اندازاً لگا کر ساتھیوں کے اعتبار سے لے جاتے تھے طریقہ یہ تھا کہ باری باری پکوا کے جاتے کچھ دن یہ ہوا کہ سب بھوکے رہ جاتے اور پیٹ نہ بھرتا۔ خیال آیا کیا وجہ ہے۔ مفتی صاحب پر سب کو اعتماد تھا۔ انہوں نے کہا کہ آپ معلوم کیجئے کیا بات ہے جس دن ان کی باری آئی وہ تاک لگا کر بھٹیاری کو دیکھتے رہے۔ بھٹیاری ہر ایک کے آٹے میں سے ایک ایک مٹھی بھر کر پھرتی سے آٹا نکال کر اپنی تھیلی میں ڈالتی۔ یہ بیٹھے یہ تماشا دیکھتے رہے جب اس نے ان کے آٹے میں سے مٹھی ڈالی تو انہوں نے فوراً ہاتھ پکڑا اور سب لوگوں کو دکھایا۔ اس کی تھیلی کو اس میں بہت سارا آٹا بھرا ہوا تھا۔ لوگوں نے بھٹیاری کو شرمندہ کیا۔ اس نے معافی مانگی کہ آئندہ ایسا نہیں کروں گی۔

آپ نے ابتدائی تعلیم محلہ کے مکتب میں پائی۔ عربی کی تعلیم آپ نے مدرسہ اعزازیہ اسلامیہ شاہجہان پور میں مولانا مولوی حکیم عبید الحق صاحب سے شروع کی۔ اس کے بعد آپ مراد آباد میں مدرسہ اسلامیہ شاہی مسجد میں مولانا محمود الحسن صاحب سہسوانی مولوی بشیر احمد صاحب مراد آبادی سے دو سال تک پڑھتے رہے۔

پھر دیوبند کے مدرسہ میں داخل ہو گئے اور وہاں شیخ الہند حضرت العلامہ مولانا محمود الحسن صاحب اور مولانا محمد حسن صاحب دیوبندی اور مولانا عبد العلی دہلوی سے درس احادیث حاصل فرمایا۔ اور دیوبند سے فارغ التحصیل ہو کر سند حاصل کی۔ آپ کے ہم سبق مولانا حسین احمد مدنی اور رنگون کے مشہور عالم مولانا عبد الخالق اور مولانا عبد المجید شاہجہاں پوری تھے۔

آپ انتہائی ذہین تھے۔ اپنے ہم سبقوں میں ہر امتحان میں آگے رہتے۔ مولانا حسین احمد مدنی فرماتے ہیں۔ کہ مفتی صاحب کا جب امتحان ہوتا۔ ہم سے زیادہ نمبرے جاتے حالانکہ ہم دن بھر کتابیں پڑھتے تھے۔ اور سبق یاد کرتے۔ لیکن مفتی صاحب صرف اسباق لینے کے وقت کتاب دیکھتے تھے۔ میں نے بھی اس بات کی تیاری کی کہ مفتی صاحب سے نمبر زیادہ لے جاؤں چنانچہ میں نے پرچے کا جواب پورے وقت میں تین صفحہ میں لکھا اور مفتی صاحب نے ڈیڑھ صفحہ میں جلدی سے لکھ کر رکھدیا۔ امتحان کا نتیجہ دیکھا تو میرے نمبر زیادہ نہیں تھے۔ دونوں کے برابر نکلے۔

مدرسہ میں طالب علموں کو پڑھنے کے لئے رات کو تیل ملتا تھا' وہ اس سے اپنا دیا جلا کر سبق یاد کرتے تھے۔ لیکن مفتی صاحب اس تیل سے پکوڑیاں تل کر کھایا کرتے تھے۔

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد مفتی صاحب کو سیاست سے دلچسپی پیدا ہوئی آپ مسلم لیگ میں ۱۹۱۸ء کے اندر داخل ہوئے۔ اس میں کافی عرصہ کام کیا۔ لیگ کانگریس سمجھوتہ ہونے کے بعد آپ کانگریس میں شامل ہو گئے۔ نومبر ۱۹۱۹ء کے زمانہ کی بات ہے۔ جبکہ ہندوستان کے مختلف گروہوں اور مختلف اقوام کی متحدہ انجمنیں قائم ہو چکی تھیں اور ہوتی جا رہی تھیں جو ملک اور قوم کی خدمت کر رہی تھیں اور فائدہ پہنچا رہی تھیں۔ لیکن اس وقت تک علماء ہند کی کوئی متفقہ جماعت یا انجمن قائم نہیں ہوئی تھی۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کہ علماء اپنی ایک مضبوط اور مقتدر جمعیت قائم کریں۔ اور صرف مشترکہ مذہبی و سیاسی امور میں عامہ اہل اسلام کی رہنمائی کا فرض ادا کریں۔ اور وہ باقاعدہ منظم جماعت کی شکل میں ہوں چنانچہ وہ جماعت بنائی گئی اس کا نام جمعیتہ علماء ہند رکھا گیا۔ دسمبر میں امرتسر کے اندر عارضی صدر مولانا کفایت اللہ صاحب کو مقرر کیا گیا۔ اس میٹنگ میں ۲۴ علماء کرام نے شرکت فرمائی۔ مخصوص حضرات کے نام یہ ہیں۔

حضرت مولانا عبد الباری صاحب
جناب مولانا سلامت اللہ صاحب
جناب مولانا ابو الوفا ثناء اللہ صاحب
حضرت پیر محمد امام صاحب سندھی
جناب مولانا اسد اللہ صاحب سندھی
جناب مولانا سید محمد فاخر اللہ صاحب
جناب مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی
جناب مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب
جناب مولانا احمد سعید صاحب

۱۹۲۶ء مطابق ۱۳۴۴ھ میں سلطان ابن سعود نے فتح حجاز کے موتمر اسلامی میں تمام عالم اسلام

کے علماء کو مدعو کیا تھا اس میں جمعیتہ العلماء کی جانب ایک وفد مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب مولانا انور شاہ صاحب مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی۔ مولانا نثار احمد صاحب کا حجاز جانا منتخب ہوا تھا۔ جس کے صدر حضرت مفتی صاحب قبلہ ہی تھے۔ آپ نے موتمر میں جو قابلیت کا سکہ جمایا۔ اس سے ہندوستان کے علماء کی شان دوبالا ہوگئی۔ ممالک اسلام کے علماء نے آپ کو خراج عقیدت پیش کیا۔ ۲۱ ستمبر ۱۹۲۶ء میں ترک موالات کا جو علماء نے فتویٰ دیا۔ اور اس پر جو عملی تجویز پاس ہوئی وہ حضرت مفتی صاحب کی ہی بنائی ہوئی تھی۔ اور یہ حضرت مفتی صاحب کو ہی شرف حاصل ہے کہ گاندھی جی اور مولانا محمد علی مرحوم کی موجودگی میں حضرت مفتی صاحب ہی کو تجویز بنانے کے لئے یہ حضرات مجبور فرمایا کرتے تھے۔

۱۹۲۹ء میں جب دہلی میں آل پارٹیز کانفرنس پریڈ گراؤنڈ میں آغا خان کی صدارت میں ہوئی اس وقت میں سر ابراہیم میں اور علی برادران سے اختلاف بڑھا اور کانفرنس میں دن کے ساڑھے بارہ بجے تک کوئی فیصلہ نہ ہو سکا اور بڑی نازک صورت پیدا ہوگئی تو مفتی صاحب نے دیکھا کہ رنگ بگڑ رہا ہے۔ تو مفتی صاحب نے خود کچھ دیر تقریر فرمائی اور نماز ظہر کے لئے کانفرنس ملتوی کر دی۔

نماز کے بعد اجلاس ہوا۔ مفتی صاحب نے چند الفاظ کی تجویز میں تبدیلی فرمائی۔ اور وہ تجویز سنائی۔ تو مخالفین متفق ہو گئے۔ اور وہ تجویز منظور ہو گئی۔

اسی طرح جامع اظہر کا وفد ہندوستان آیا۔ تو اس کو مدرسہ امینیہ کی طرف سے پارٹی دی گئی۔ جب پارٹی ختم ہو گئی تو مصر کے علماء فوٹو کے حق میں فتوے دیتے تھے۔ آپ نے ان کو معقول اور منقول دونوں نظریوں سے ثابت کیا تو انہوں نے تسلیم کیا اور مانا کہ ہم غلطی پر تھے۔

انہوں نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ ہندوستان سفر اور حجاز و شام مدینہ اور ممالک اسلامیہ میں مفتی صاحب کا علم و فضل اور فن فتویٰ میں کوئی مثل نہیں۔ حضرت مفتی صاحب کی افتاء نویسی کچھ اس انداز کی ہوتی ہے۔ کہ ہر مفتی کی سمجھ میں آجاتی ہے۔ اور الجواب صحیح لکھنے پر مجبور ہوتا ہے۔

حضرت مفتی صاحب کی عمر کا بہت بڑا حصہ انگریز کی بغاوت میں گذرا ہے۔ چنانچہ آپ نے پہلی مرتبہ گجرات جیل میں ڈاکٹر انصاری خان عبدالغفار خاں۔ علی گل خاں کے ساتھ جیل میں چھ ماہ کی قید مشقت گذاری۔ اور دوسری بار ڈیڑھ سال بامشقت ملتان جیل میں بسر کی یہاں لالہ دیش بندھو گپتا نے آپ سے گلستان پڑھی۔

مدرسہ کے پہلے صدر مدرس مولانا انور شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ تھے۔ بعد میں مولانا امین الدین صاحب شاہ جہاں پوری۔ شاہ جہاں پور سے مفتی صاحب کو لے آئے تھے۔ جبکہ شاہ صاحب چلے گئے تھے۔ مدرسہ امینیہ سے قبل آپ شاہ جہاں پور کے مدرسہ عین العلم میں مدرس تھے۔ مولانا اعزاز علی صاحب نے بھی وہیں تعلیم پانی شروع کر دی تھی۔ مدرسہ امینیہ میں مفتی صاحب کی تنخواہ ماہوار بیس روپے تھی۔ جب اولاد ہو گئی اور ضروریات بڑھ گئیں تو مفتی صاحب نے رات کے وقت کے لئے انجمن ہدایت الاسلام میں پانچ روپے انجمن کا حساب و کتاب لکھنے کے لئے ملازمت کر لی۔ مفتی صاحب نے حساب و کتاب لکھتے وقت محسوس کیا کہ انجمن کے ارکان انجمن کے سرمایہ میں خورد برد کر رہے ہیں اور حساب غلط لکھوا رہے ہیں۔ تو آپ نے انجمن کی منشی گیری سے استعفیٰ دیدیا کہ میرا ضمیر گوارا نہیں کرتا کہ ایسی ملازمت کروں۔

اس زمانہ میں مفتی صاحب کے دوستوں کا حلقہ کافی وسیع تھا۔ لیکن خاص دوست حاجی احمد مرزا فوٹو گرافر اور ان کے بھائی حاجی رشید مرزا اور مولانا عبد الغنی محلہ سوئیوالان والے تھے۔ چنانچہ یہ سب ساتھ مل کر مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت ہوئے۔

آپ کے سینکڑوں ہندوستان اور ممالک اسلامیہ میں علماء شاگرد ہیں۔ بعد میں آپ ۱۳۳۸ھ میں مولوی امین الدین صاحب بانی مدرسہ امینیہ کے انتقال کے بعد مدرسہ امینیہ کے مہتمم مقرر ہوئے۔ آپ پر یہ ذمہ داری ان مقدس ہاتھوں نے یعنی حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے سونپی تھی۔ اس وقت سے لے کر آپ نے آج تک جس کو تقریباً ۴۵ سال ہوئے بحسن و خوبی انجام دیا۔ اس مدرسہ کا انتظام بڑی دیانت داری کے ساتھ اپنے ہاتھ میں رکھ رکھا ہے۔ مدرسہ کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ یہ مدرسہ دنیائے اسلام میں مفتی صاحب کے فتویٰ نویسی کی وجہ سے مقبولیت کا سہرہ حاصل کئے ہوئے ہے۔ مفتی صاحب کا دم ہے کہ اس معمولی مدرسہ کو ایک بڑا مدرسہ بنا دیا ہے۔ جو اسلام کی بڑی خدمت انجام دے رہا ہے۔

آپ کے مشہور شاگرد مولانا اعزاز علی دیوبندی۔ مولانا احمد سعید۔ مفتی مہدی علی صاحب۔ مفتی راندھیر اور مولانا قاری محمد یٰسین رائے پوری مہتمم رائے پور مدرسہ ہیں۔

مولانا احمد سعید کی شاگردی کا واقعہ عجیب ہے۔ مولانا احمد سعید فوارہ پر تقریر کر رہے تھے۔ مولانا یٰسین کو ان کی خوش بیانی پسند آئی اور سمجھنے لگے کہ مولانا بڑے قابل اور فاضل ہیں۔ چنانچہ انہوں نے کوشش کی کہ مولانا سے دریافت کروں کہ آپ نے کہاں پڑھا ہے۔ کئی مرتبہ پوچھنے کے لئے تیار ہوئے مگر جرات نہ ہوئی۔ مگر ایک دن ہمت کر کے پوچھ لیا۔ مولانا احمد سعید نے اپنے خاص انداز میں عاجزانہ طور پر کہا۔

"یار کہیں پڑھا ہو تو تم کو بتاؤں"۔ مولانا یٰسین نے مولانا احمد سعید کو تلقین کی کہ آپ پہلے پڑھ لیجئے۔ مولانا کے سمجھ میں آگئی۔ رات کو مولانا یٰسین سے میزان منشعب پڑھی اس کے بعد مولانا یٰسین نے مولانا احمد سعید کو مفتی صاحب کے سپرد کر دیا۔ انہوں نے پھر مفتی صاحب سے تعلیم حاصل کی۔

اس دور میں ردّ نصاریٰ کا بہت زور تھا۔ چنانچہ مفتی صاحب عیسائیت کے خلاف مواد اکٹھا کرتے تھے اور مولانا احمد سعید ان کو بیان کرتے تھے۔ مناظروں میں بھی یہی ہوتا تھا۔ مناظرہ مولوی احمد سعید کرتے تھے۔ اور معاون مفتی صاحب ہوتے تھے۔

مفتی صاحب علماء کرام کے طبقہ میں ایک بزرگانہ ہی نہیں عالمانہ شان کے مالک سمجھے جاتے ہیں۔ آپ کے متعلق مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد تھا۔ چونکہ مفتی صاحب کی طبیعت کسی نامعقول بات کو قبول نہیں کرتی اس سے اسلام کی حقانیت ظاہر ہوتی ہے۔

اسی طرح شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ ہمارے متقدمین کو جو شرف ہمارے کفایت پر حاصل ہے وہ تقدم زمانہ کی وجہ سے ہے۔ ورنہ ہمارا کفایت علم میں ان سے کم نہیں۔

مفتی صاحب نے کوئی عالمانہ تصنیف ابھی تک نہیں فرمائی۔ لیکن دوسرا مقبولیت کے اعتبار سے بہشتی زیور یعنی تعلیم الاسلام کے چار رسالے مرتب فرمائے ہیں۔ اس کو اس ڈھنگ سے تصنیف فرمایا کہ تمام علماء دیوبند اور بریلوی اپنے مدرسوں میں پڑھاتے ہیں۔ یہی خصوصیت مفتی صاحب کے فتویٰ کی ہے۔ فتویٰ اسی طرح جس طرح دیوبندی مانتے ہیں۔ اسی طرح بریلوی حضرات بھی اس کی عزت کرتے ہیں۔ چنانچہ ۱۹۲۵ء میں شریعت کانفرنس

جو سرحد میں ہوئی تھی۔ جس میں سنی و شیعہ علماء سرحد میں شامل ہوئے اور ان کے آپس کے اختلاف اور مسائل متنازعہ تھے۔ آپ نے آن کا فیصلہ کرایا۔ اور مفتی صاحب نے ان کو جو متعدد جوابات دیئے وہ انہوں نے منظور کئے۔ آپ کی عزت صرف علماء کرام ہی کی نظروں میں نہیں ہے۔ آپ کی ذہانت کا سکہ ہندوستان کے رہنما بھی مانتے ہیں۔ نیتاجی سوبھاش بابو کانگریس کے صدر ہونے کے بعد مدرسہ امینیہ میں مفتی صاحب سے تبادلہ کرتے رہے۔ چنانچہ دو گھنٹے تک مسلسل گفتگو رہی۔ آپ مفتی صاحب کی قابلیت اور ذہانت کے معترف تھے۔

مفتی صاحب کے دو لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں۔ بڑے صاحبزادے مولوی حفیظ الرحمٰن صاحب ہیں۔ کتب خانہ رحیمیہ اردو بازار کے مالک ہیں۔ شعر و شاعری سے لگاؤ ہے اور اچھے شاعر ہیں۔ سائل صاحب سے تلمذ رکھتے ہیں۔ اس رشتہ سے ہمارے پیر بھائی ہیں۔ عمر تقریباً ۴۰ سال ہے۔

دوسرے صاحبزادے خلیل الرحمٰن صاحب بی اے ہیں۔ سکرٹریٹ میں ملازم ہیں۔ عمر تقریباً تیس سال کی ہوگی۔

دو لڑکیوں میں ایک لڑکی مولانا سمیع اللہ صاحب سے بیاہی ہوئی ہیں۔ مولانا سمیع اللہ صاحب دیوبند کے فارغ التحصیل ہیں۔ اور دہلی کے سرگرم لیڈر ہیں۔ طبیعت میں تجارت بھی ہے۔ کپڑے اور کتابوں کی تجارت کرتے ہیں۔ کتب خانہ عزیزیہ کے مالک ہیں۔ اردو بازار میں دوکان ہے۔

دوسری صاحبزادی پروفیسر ضیاء الاسلام سے بیاہی گئی ہیں۔ آپ علی گڑھ کالج کے پروفیسر ہیں۔

مفتی صاحب جب جیل میں تھے مشاعرے ہوتے اور احباب اصرار کرتے تھے تو کوئی اردو میں غزل فرما دیا کرتے تھے یا کوئی عجب رہا ہوتا، اور دل پر اثر پڑتا تو فوراً رہائی پر فی البدیہہ نظم کہہ دیا کرتے تھے۔ عام طور پر اردو میں آپ غزل گوئی یا شعر و شاعری سے پرہیز کرتے لیکن عربی میں ضرور آپ قصیدہ اور اشعار فرماتے ۔۔۔ عربی کے قصیدے عوام نہیں سمجھ سکتے۔ اس لئے ان کا یہاں لکھنا بے سود ہے وہ نظمیں جو مفتی صاحب حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا حبیب الرحمٰن اور مولانا احمد سعید کی رہائی پر کہیں ہیں ان کے اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کی ۱۷ رمضان ۱۳۵۱ھ کو جو رہائی ہوئی تو معلوم ہوا کہ ابھی جانے والے ہیں۔ تو آپ نے فوراً قلم برداشتہ یہ نظم فرمائی۔

چل دیئے کس کس کو قفس میں چھوڑ کر
رشتہ اخلاص کو کس بے رخی سے توڑ کر

بیڈمنٹن ساتھ کس کے کھیلیں گے پنا پریم
گوری شنکر کس کی اب کھینچیں گے باہیں موڑ کر

کس سے دل بہلائیں کھیل کر احمد سعید
مظہر و لدھیانوی بیٹھیں کہاں سر جوڑ کر

بادہ نوشو، ان لپیٹو عیش و عشرت کی بساط
کیونکہ ساقی چل دیا جام و صراحی چھوڑ کر

خیر کچھ پروا نہیں جاؤ خدا حافظ مگر
بھول مت جانا ہمیں غیروں سے رشتہ جوڑ کر

ہوں مبارک تم کو آزادی کے اب لیل و نہار
فتح و نصرت پاؤ تم دشمن کی گردن توڑ کر

شیر حریت کی آزادی سے میں خوش ہوا
بزدلانِ قوم اب بھاگیں گے میداں چھوڑ کر

جسم گو زندان ملتاں میں ہمارے ہیں اسیر
دل مگر جاتے ہیں تیرے ساتھ سینے چھوڑ کر

اس کے بعد مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی ۲ر فروری ۱۹۳۳ء کو رہا ہوئے۔ تو جناب مفتی صاحب نے فرمایا۔

اے صدیق محترم لدھیانوی
اے شفیقِ قوم رحمٰن کے حبیب
دوستوں کو چھوڑ کر تو بھی چلا
تو رہا جب تک اپنی قید میں
جیل کیا تھا محفل احباب تھا!
تو گیا تو اس میں شک نہیں!
جب کبھی الجھا کسی کا کوئی کام
زیب دیتی ہے قیادت بھی اُسے
قیدیوں کی ہر طرح سے خدمتیں
کچھ نہ سمجھا فرق خویش و غیر میں
شیر و شکر ہو گئے یوں ان میں رہا
سب تیرے مدّاح ہیں ممنون ہیں
اختلافِ رائے پر بھی دوست ہیں
تو فقیری میں بھی دل کا بادشاہ
حق نے دی ہے تجھ کو جرأت بے نظیر
ہر مصیبت ملک و ملّت کے لئے
شیر پنجرے میں ہے جب بھی شیر ہے
اک طرف فرقت کا تیری ہے ملال
"قید مظلومی" کہ تھی صبر آزما
ہے یہ استقلال ہمّت کا ثبوت
ہے دعا میری بصدق دل سے یہی
ملک و ملّت کے لئے قربانیاں
حافظ و ناصر تیرا اللہ ہو!
مال و زر اقبال ہوں تیرے غلام
ہوں تیری اولاد صالح اور سعید

لو تمہاری بھی رہائی آ گئی!
آ گئی تیری جدائی کی گھڑی
آہ کیسی شاق ہے فرقت تیری
قید سمجھا ہی نہیں کوئی کبھی!
اور تو ہی تھا اس کی رونق روشنی
رونقِ بزمِ اسیراں بھی گئی!
تو نے سلجھایا بلطفِ دوستی
جو رہے زنداں میں بند لشکری
تو نے کیں اے متّقی افسری
سب کی یکساں دل سے خدمت تو نے کی
رنج و راحت میں تیری شرکت رہی
تیری فرقت سے پژمردہ ہیں سب ہی
کیوں کہ پکی تھی تیری بھی دوستی
تجھ پہ قرباں شوکتِ شاہنشہی!
ہمّت مردانہ اور عزم قوی!
تو نے کامل خوش دلی سے جھیل لی
لومڑی آزاد بھی ہے لومڑی
دوسری جانب خوشی بھی ہے بڑی
ختم اطمینان و راحت سے ہوئی
آن جیسی بھی تھی ویسی ہی رہی
اجرِ کامل دیدے اے ربّ غنی
ہوں تیری مقبول باصد خرّمی
اور تیرے ہر کام ہو بہتری
کامیابی گھر کی لونڈی ہو تیری
اور حاصل ہو اُسے حلم علیؓ!

دے اسے اللہ اپنے فضل سے
شوکتِ صدیقؓ و فاروقؓ و علیؓ!

فروری کے بعد مارچ میں آخری الوداع کی نظم مفتی صاحب کو مولانا حافظ حاجی احمد سعید کی بابت پر کہنی پڑی۔ مفتی صاحب کے حضرت مولانا احمد سعید صاحب سے انتہائی محبت بھرے تعلقات

ہیں اور یک دلی دونوں میں پائی جاتی ہے۔ اور یوں کہنا چاہیئے کہ وہ ایک جان دو قالب ہیں۔ مفتی صاحب پر اس رہائی کی خبر سے مفارقت کی کیفیت کیسی گذری ہوگی، وہ ان کا دل ہی جانتا ہوگا۔ لیکن قلم سے جدائی اور علیحدگی کا نقشہ جو مفتی صاحب نے کھینچا ہے ملاحظہ ہو ؎

چل دیا اے جان و دل وہ بے خبر — ہجر اس کا الامان و الحذر
جس سے وابستہ تھیں میری راحتیں — جانتا تھا میں جسے قلب و جگر
کنج تنہائی میں تھا میرا رفیق — مونس جاں تھا سفر ہو یا حضر
مولوی احمد سعیدِ خوش لقا — واعظ آتش بیاں جادو اثر
شیر دل، کانِ مروت، شیر چشم — پیکر صدق و وفا والا گہر
ناظم اعلیٰ جمعیتہ العلمائے ہند — تجربہ کار و امین و باخبر
چھوڑ کر زنداں میں مجھ کو چل دیا — پھیر لی ہے آتشِ محبّت کی نظر
تیری فرقت کا تصوّر الغیاث — الحذر تیری جدائی الحذر
تیرے دم سے قید خانہ باغ تھا — اور ترے اخلاق تھے اس کے ثمر
چونکہ راضی بالقضا تھا اس لئے — قید کا مطلق نہ تھا تجھ پر اثر
تھی بدولت تیرے بزم عیش گرم — جیل میں دن رات اور شام و سحر
مِلک تیری دوستوں پر وقف تھی — جان دیتا کوئی بھی لیتا اگر
یہ حقیقت ہے کہ کرتی ہے تیری — خوش بیانی دل میں پتھر کے اثر
بے شبہ ہے تیری تقریر بلیغ — دل نشینی میں کا النقش فی الحجر
باغِ جمعیتہ مساعی سے تیرے — سبز و شاداب و شگفتہ پر ثمر
تیرا دل ہے مال و زر سے بے نیاز — فضل حق پر رہتی ہے ہر دم نظر
دیکھ کر قربانیاں تیری ہمیں — یاد آتے ہیں خلیلؑ نامور!
حق تیرا حامی ہو اور طالع بلند — اور قدم چومے تیرے فتح و ظفر
موردِ الطافِ باری تو رہے — عمر بھر ہر سال ہر شام و سحر

لطف سے تیرے ہے اُمید قوی
پیش کش ہے گرچہ میری مختصر

تھوڑا سا انداز غزل کا بھی ملاحظہ کر لیجئے۔

اب یہ دھمکی ہے میرے صیاد کی — ذبح کر دوں گا اگر فریاد کی
کھیل سمجھے خوش ہوئے پھیری چھری — ان کے بچپن نے میری فریاد کی
دفن کے بعد آئے تربت پر میری — قبر پر گویا بہشت آباد کی
جانتا ہوں کچھ نہیں حاصل مگر — پڑ گئی عادت مجھے فریاد کی
لوحِ دل پہ جب تیری تصویر لی — روح تڑپی مانی و بہزاد کی
شاخِ طوبےٰ میں نہیں اس کی شبیہ — کیا حقیقت سرو یا شمشاد کی

روئے انور ہی کو تیرے دیکھ کر
سورۂ والشمس میں نے یاد کی

اردو میں مفتی صاحب کی یہ نظمیں اور غزل پہلی اور آخری یادگار ہیں۔ جیل کے زمانہ کی۔ لیکن اندازہ لگایئے پہلی اور آخری زندگی کی شاعری کی زبان کس قدر سلیس اور فصیح ہے۔ کیسا سادہ اور دلکش انداز ہے۔ جذبات کی روانی اور تاثیر ٹوٹی پڑتی ہے۔ ہرفن مولا عالم جس چیز پر قدم اٹھائے۔ اس میں کمال دکھاتا ہے۔

مولانا محمد عثمان فارقلیط صاحب

آپ کا آبائی وطن پلکوہ ضلع میرٹھ ہے۔ آپ کے پردادا مرحوم اطراف جوانب میں ایک مشہور عالم تھے۔ مسائل فقہیہ میں ان کی قلمی کتابیں اب تک موجود ہیں۔ آپ کے والد کا نام محمد احمد ہے۔ حج بیت اللہ فرمایا "حاجی" کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔

مولانا موصوف سنہ ۱۹۰۱ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ کوچہ نیچہ بندان میں رہتے تھے۔ جس کو اب "کوچہ استاد داغ" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ آپ نے مدرسہ حاجی علیخاں (نئی سڑک) میں دہلی کے مشہور محدث و عالم مولانا عبدالرحمن اور مولانا احمد اللہ صاحب شیخ الحدیث سے درمیانی تعلیم تک کتب عربی پڑھیں۔ اور کتب صحاستہ جناب ضمیر مرزا صاحب (رشتہ دار، نواب لوہارو سے تکمیل کیں۔

سنہ ۱۹۲۲ء میں تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد سنہ ۱۹۲۳ء میں عیسائیوں اور آریہ سماجیوں سے مناظرے کئے۔ سنہ ۲۵ء میں عیسائیت کے خلاف انجمن اصلاح المسلمین کی بنیاد ڈالی۔ جس کی جانب سے پادری احمد مسیح پنڈت رامچندر۔ دھرم بھکشو۔ پنڈت کالی چرن، پنڈت جگدیش وغیرہ سے دہلی۔ بلند شہر۔ پلکھوہ۔ حیدرآباد سندھ۔ دادو سندھ (دیول سندھ) وغیرہ مقامات میں مناظرے کئے۔ سنہ ۱۹۲۶ء میں کراچی میں مقیم ہوئے اور شدھی سنگھٹن کے طوفان میں سندھ کے آریہ سماجیوں کا تعاقب کیا۔ سندھ کے کارناموں کی تفصیل انجمن نے مسلمانان سندھ کی رپورٹ مرتبہ شیخ عبدالمجید صاحب سندھی میں درج ہے۔

سنہ ۱۹۲۹ء میں حوض قاضی کے گرجا میں پادریوں سے معرکتہ الآرا مباحثے ہوئے۔ ان مباحثوں میں ۱۲۵ برس کی عمر کا پادری جو ایس۔ پی۔ جی کے مشن کا انچارج تھا۔ صدارت کا فرض ادا کرتا تھا۔ اور ہندوستانیوں کے مباحثوں کے دلائل سن کر تعجب کرتا تھا۔ کہ انہوں نے کتنی ترقی حاصل کی ہے۔ خاص طور پر جب مولانا موصوف سے مناظرہ ہوتا تھا تو بحث سننے کے لئے آتا تھا۔ اور بڑے غور سے بحث سنتا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ پادری اور مشنری لوگ مردہ ہو چکے تھے۔ اور مولانا موصوف دفنانے کا کام انجام دے رہے تھے۔ بہت سی مرتبہ پادری احمد مسیح جو نابینا تھے اور حافظ قرآن بھی تھے۔ اور مسلمان سے عیسائی ہوئے تھے۔ وہ مولانا موصوف کے مدلل جواب کے بعد خاموش ہو جاتا تھا۔ اور مناظرہ کے بعد کہتا تھا۔ کہ مولانا میں اب بھی مسلمان ہوں۔ پیٹ

بھرتا ہوں۔ مجبوراً عیسائی بنا ہوں۔

پادری احمد مسیح کے علاوہ آپ نے دہلی۔ شاہدرہ میں پادری سلطان پال سے اور غازی آباد میں پادری عبدالحق سے مناظرے کئے۔

اسی زمانہ میں آپ نے جمعیتہ العلماء کے اخبار روزانہ الجمعیتہ میں سب اڈیٹر کی حیثیت سے کام کیا۔ کچھ دنوں کے بعد آپ اخبار الجمعتہ کے چیف ایڈیٹر بنا دیئے گئے۔ کچھ عرصہ کے لئے اخبار مدینہ اور رسالہ فاران کو ایڈٹ کرنے کے بعد پھر الجمعیتہ کے چیف ایڈیٹر کی حیثیت سے کام کرنا شروع کر دیا۔ الجمعیتہ کی حکومت دہلی نے ضمانت مانگ لی تو آپ نے لاہور کے مشہور اخبار زمزم کی ایڈیٹری اختیار کی۔ اور وسط ۱۹۴۷ء تک کام کرتے رہے۔ دوران فساد میں اگست ۱۹۴۷ء سے پہلے ہی واپس چلے آئے۔ اور پلکھوے میں مقیم ہوئے۔ ہر قسم کے مصائب برداشت کر کے ناظم اعلیٰ جمعیتہ العلماء کے حکم سے پھر ۲۳ر دسمبر ۱۹۴۷ء کو اخبار الجمعیتہ کی زمام ادارت سنبھالی۔ فسادات کے زمانہ امن عامہ قائم کرانے اور مسلمانوں کو مصائب سے بچانے کے سلسلہ میں آزادانہ آرٹیکل لکھے۔ جس کو دہلی کا عوام اور خواص پسند ہی نہیں کرتا بلکہ روزانہ اس کے پڑھنے کے انتظار میں رہتا ہے۔ آپ کے آرٹیکل حقائق سے پُر ہوتے ہیں۔ واقعات پر اس انداز سے تبصرہ ہوتا ہے کہ ہر شخص سمجھ لیتا ہے۔ حکومت پر تنقید و نکتہ چینی بڑی متانت اور خوش اسلوبی کے ساتھ ہمدردانہ طرز پر فرماتے ہیں۔ آپ کی صحافت نگاری کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے اور اڈیٹروں کی طرح رنگ نہیں بدلے اور ٹوڈیت پرست اور رجعت پسند اخبارات کی کبھی ایڈیٹری نہیں کی۔ آپ نے جن اخبارات میں کام کیا اپنی آزادانہ قومیت پرست پالیسی رکھی۔ اور اسی کو اب تک نبھا رہے ہیں۔ اور مضبوطی کے ساتھ اسی پر قائم ہیں۔

تصنیفات { ازبلا رد نصارے میں آپ کی مشہور و مقبول تصنیف ہے۔ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد جو شخص اس کو ذہن نشین کر لے تو ایک مناظر بن سکتا ہے۔ اور اس کو پادریوں سے مقابلہ کرنے کے لئے اس کتاب میں کافی مواد مل سکتا ہے۔

ازبلا اسپین کا تاریخی اور مذہبی فسانہ ہے۔ مگر اس کے ضمن میں تفصیلات کا بیشتر حصہ مولانا موصوف کی جدت آفرینی کا نتیجہ ہے۔ اس واقعہ میں اسلام کی صداقت اور مسیحت کی بطلان پر جو دلائل پیش کئے گئے ہیں۔ وہ وہی ہیں جو سلف میں عیسائی دنیا کے سامنے پیش کئے جاتے رہے ہوں گے اور جن کا استعمال اسلامی مبلغین نے مشنریوں کے مقابلہ میں کیا ہوگا۔ مولانا موصوف کا مقصد بھی ان دلائل کے پیش کرنے کا یہی ہے کہ جن حضرات کو عیسائی مشنریوں سے سابقہ پڑتا رہتا ہے یا وہ مسیحی حلقوں میں تبلیغی فرائض انجام دیتے رہتے ہیں۔ ان کے لئے ان تمام مسائل کے متعلق دلائل کا ذخیرہ ایک ہی جگہ فراہم کر دیا جائے۔ جو اسلام اور عیسائیت کے درمیان ابتدا ئے اسلام سے بحث و نظر کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔

ہمیں یقین ہے کہ جو شخص ان دلائل پر غیر جانبدارانہ طور سے غور کرے گا اس پر عیسائیت کا بطلان روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گا۔ اور اسلام کی حقانیت اور اس کے دلائل کی پختگی کا اس کو اقرار کرنا پڑے گا۔

یہ تاریخی افسانہ اخبار الجمعیتہ میں قسط وار ایک عرصہ تک چھپتا رہا ہے۔ یہ کتاب سائز ۲۲ × ۱۸ پر جید برقی پریس بلیماران میں چھپی ہے۔ یہ ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل ہے۔

از بلا کے علاوہ مولانا کی تصنیفات حسب ذیل ہیں ۔

اس کتاب کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ رنگون کے پبلیشر نے اس کو انگریزی میں چھاپا ہے اور بنگالیوں نے بنگالی میں اور مالا بار کے لوگوں نے مالاباری زبان میں شائع کیا ہے ۔

رہنمائے عقل ۔ لاہور میں اخبار زمزم کی طرف سے شائع ہوئی جس میں عقل کے صحیح استعمال کرنے طریقوں پر بحث کی گئی ہے ۔

کلید خود شناسی :۔ یہ عملی نفسیات کی کتاب ہے ۔ جو بہت مقبول ہوئی ۔ اور عوام و خواص نے اسکو بہت پسند کیا ۔ اس کو بھی لاہور کے مشہور اخبار نے شائع کیا ۔

آپ کی دو لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں ۱۹۴۲ء میں آپ کے نوجوان فرزند ارجمند محمد ایوب نے عارضہ دق میں ۲۱ ۔ سال کی عمر میں انتقال کیا ۔ جس سے مولانا کو انتہائی صدمہ ہے ۔ اور کمر ہمت ٹوٹ چکی ہے ۔

مرزا غلام احمد قادیانی

مرزا جی پنجاب کے ایک مشہور مغل خاندان سے تعلق رکھتے ہیں ۔ شہنشاہ بابر کے زمانہ میں ایک شخص مرزا ہادی بیگ نامی علم دوست رئیس تھا ۔ اپنے چند عزیزوں کے ہمراہ ہندوستان آیا ۔ اس نے لاہور کے قریب ایک جنگل میں کیمپ ڈالا جس کا نام اسلام پور رکھا ۔ حکومت دہلی نے اُن کو اس علاقہ کا قاضی مقرر کر دیا ۔ اسی طرح مرزا جی کے پڑدادا مرزا فیض محمد کو شاہ فرخ سیر نے ۱۷۱۶ء میں ہفت ہزاری کا خطاب دیا ۔ بادشاہ کے ہاں ان کی بہت عزت تھی ۔ چنانچہ خاندان کا سلسلہ یہ چلا ۔ مرزا فیض کے بیٹے مرزا گل محمد تھے ۔ اور مرزا گل محمد کے صاحبزادے مرزا غلام احمد کے والد مرزا غلام مرتضیٰ تھے ۔

مرزا جی ۱۳ ار فروری ۱۸۳۵ء مطابق ۱۴ ار شوال ۱۲۵۰ھ پیدا ہوئے ۔ آپ کی ولادت توام صورت میں ہوئی ۔ جب آپ چھ سال کے تھے تو ایک فارسی خواں معلم گھر پر پڑھانے کے لئے نوکر رکھے گئے ۔ جنہوں نے قرآن شریف اور چند فارسی کی کتابیں پڑھائیں جب دس برس کے ہوئے تو ایک عربی خواں مولوی صاحب مرزا جی کے پڑھانے اور تربیت دینے کے لئے مقرر ہوئے ۔ جن کا نام فضل احمد تھا ۔ مولوی صاحب موصوف ایک دیندار بزرگ تھے ۔ انہوں نے مرزا جی کو قواعد نحو پڑھائے ۔ سترہ برس کی عمر میں مرزا جی نے مولوی عمل علی شاہ سے منطق ، اور حکمت وغیرہ علوم مروجہ حاصل کئے ۔ بعض طبابت کی کتابیں انہوں نے اپنے والد سے پڑھیں ۔

مرزا جی نے عالم شباب میں قدم رکھا تو حرمت بی بی سے نکاح کیا ۔ ان کے بطن سے دو بچے پیدا ہوئے ۔ اس بیوی سے مرزا جی کی نہ نبھی ۔ چنانچہ مرزا جی نے اس کو طلاق دیدی ۔

مرزا جی نے ۱۸۶۴ء میں سیالکوٹ کے دفتر ضلع میں سرکاری ملازمت اختیار کی ۔ ۱۸۶۸ء میں آپ کی والدہ کا انتقال ہو گیا ۔ اور والد کا انتقال ۱۸۷۶ء میں ہوا ۔

۱۸۷۶ء میں آپ نے جب یہ اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حکومت کے سایہ میں نہایت پرزور مشنری کام کر رہی ہے۔ اور صلیبی مذہب ساری دنیا میں ایک طوفانِ عظیم کی طرح جوش مار رہا تھا۔ اس وقت مرزا جی نے براہین احمدیہ کتاب لکھی۔ جس کے چار حصہ ہیں۔ اس کتاب کا ذکر حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمتہ اللہ علیہ نے رد نصاریٰ کی فہرست میں ان الفاظ میں کیا ہے۔

"اس عمدہ اور مبسوط کتاب میں دو طریقے سے مذہب اسلام کی حقانیت ثابت کی ہے۔ اول تو تین سو دلائل عقلیہ سے۔ دوئم ان آسمانی نشانیوں سے جو سچے دین کی سچائی ثابت کرنے کے لئے ضروری ہیں حق تو یہ ہے۔ کہ اثبات حقیقت اسلام میں یہ عمدہ کتاب ہے۔

یہ تبصرہ مولانا محمد علی منگیری کا اس زمانہ کا ہے۔ جب آپ نے اپنے مسیح موعود ہونے کا دعوےٰ نہیں کیا تھا۔

۱۸۹۳ء میں مرزا جی کا مسٹر عبد اللہ آتھم کے ساتھ امرتسر میں اسلام اور مسیحت کے عنوان پر مناظرہ ہوا۔ جس میں عیسائیوں کو ہارنا پڑا۔

اس مناظرہ میں ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ پادریوں نے چند بیمار لڑکے چھپا رکھے تھے۔ درمیان مناظرہ میں وہ بیمار لڑکے مرزا صاحب مدعی مسیح موعود کے سامنے لاکر کھڑے کر دیئے اور ان سے مطالبہ کیا۔ کہ آپ مسیح ہونے کے مدعی ہیں یہ چند لڑکے بیمار ہیں۔ انہیں ہاتھ لگا کر اچھا کر دیجئے۔ مناظرہ میں بڑے قہقہے لگے۔ مرزا جی کھڑے ہوئے اور انہوں نے الزامی جواب حسب ذیل دیا۔

کہ مسیح ناصری نے یہ فرمایا ہے اگر تم میں ایک رائی کے برابر بھی ایمان ہے تو تم قدرت کے خزانوں کے مالک بن سکتے ہو۔ اور پہاڑوں کو حکم دے کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجا سکتے ہو۔ اور کوئی بات تمہارے سامنے ان ہونی نہیں ہو سکتی۔ (متی با ۱۷، لوقا ۱۷)

میں یقین رکھتا ہوں کہ وہ مسیحی حضرات جو یہاں جمع ہیں اپنے مسیح پر ضرور ایمان رکھتے ہیں۔ آپ لوگوں کا ایمان رائی کے دانے سے تو بہر حال بڑا ہو گا۔ میں آپ کا ممنون ہوں گا کہ آپ ہی ذرا اپنا ہاتھ لگا کر زندہ کر دیجئے۔ پادری اس پر خاموش ہو گئے۔

تشحیذ الاذہان ۱۹۰۵ء میں مرزا جی نے اپنی جماعت پروپیگنڈہ کے لئے یہ رسالہ جاری کیا۔ جس میں عیسائیوں کے الزامات کے جوابات بھی شائع کئے جاتے تھے۔

مرزا جی کی وہ کتابیں جو انہوں نے خالص اسلامی نظریہ سے لکھی ہیں۔ اور رد نصاریٰ میں ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) براہین احمدیہ جلد چہارم۔ حصہ پنجم میں بھی صداقت اسلام اور معجزات کی حقیقت اور کمالات کے مدارج بحث کی ہے۔

(۲) اسلامی اصول کی فلاسفی:۔ اس میں مذہب کی بنیادی اصولوں پر اسلامی نکتہ نگاہ سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

(۳) آئینہ کمالات اسلام:۔ اس کتاب میں اسلامی تعلیمات کی حکمت اور ملائک وغیرہ کے مسائل پر بحث ہے۔ اور تعلیم اسلامی کی اکملیت کو ثابت کیا گیا ہے۔

۲۶ر مئی ۱۹۰۸ء میں مرزا جی کا انتقال ہوا۔ آپ کے جنازہ کو قادیان میں مقبرہ بہشتی کے ساتھ رکھا گیا۔

مولوی چراغ علی

نواب عظیم یار جنگ بہادر مولوی چراغ علی۔ آباؤ اجداد کا اصلی وطن کشمیر تھا۔ وہاں سے ان کا خاندان آیا۔ اور پھر میرٹھ چلا گیا۔ ان کے والد ماجد مولوی محمد بخش سہارنپور و میرٹھ میں پہلے ملازم ہوئے پھر ۱۸۴۹ء میں پنجاب و سرحد میں مہتمم بندوبست رہے۔ یہ منصب کلکٹر کے عہدے سے کم نہ تھا۔

مولوی صاحب ۱۸۴۴ء میں پیدا ہوئے دس برس کے تھے کہ والد بچپنے ہی میں ۱۸۵۶ء میں فوت ہو گئے۔ مولوی صاحب کے تین بھائی اور تھے۔ آپ سب سے بڑے تھے۔ آپ کی تعلیم و تربیت میرٹھ میں ہوئی۔ لیکن اردو فارسی، انگریزی کی معمولی تعلیم ہو سکی۔ کوئی امتحان پاس نہ کر سکے۔ ابھی طالب علم تھے کہ ضلع بستی میں خزانے کے منشی ہو گئے۔ بیس روپے تنخواہ ہوئی۔ چند سال بعد غالباً ۱۸۶۲ء میں لکھنؤ میں ڈی انسپکٹر ہو گئے۔ اور پھر سیتا پور تبادلہ ہو گیا۔ مولانا صاحب کی طبیعت کا رجحان مذہب کی طرف تھا۔ اور اسلام کی حقانیت عیسائی پادریوں کے سامنے پیش کرنے اور ثابت کرنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے۔ سرسید سے آپ کے تعلقات ہو گئے۔ انہوں نے سالار جنگ کے پاس مولوی صاحب کو بھیجدیا۔ وہاں ان کو مدد کا معتمد مال گذاری کا عہدہ دیا گیا۔ چار سو روپیہ تنخواہ ہوئی۔ اس کے بعد سات سو ہوئے اور معتمد مال گذاری کے عہدے پر تقرر ہو گیا۔ اور پندرہ سو روپے تنخواہ مقرر ہوئی۔ اس کے بعد ورنگل و گلبرگہ کے صوبیدار ہوئے۔ اور معتمد فنانس ہوئے۔ یہ سب خدمات محبت و قابلیت اور دیانت کے ساتھ انجام دیں۔ کہ صلے میں نواب اعظم یار جنگ کا خطاب ملا۔

مولوی چراغ علی نہایت مستقل مزاج صاحب رائے بے لوث، غیر متعصب اور انتہا درجہ کے جفاکش آدمی تھے۔ جس زمانے میں فنانشل سیکریٹری تھے خبر ملی کہ مسٹر کرالی کنٹرولر ہو کر آرہے ہیں۔ مولوی صاحب نے فنانس پر انگریزی کی بہت اعلیٰ درجہ کی کتابیں منگالیں اور ایسا مطالعہ کیا کہ جب مسٹر کرالی سے ملاقات ہوئی اور اس موضوع پر گفتگو کا موقع پیش آیا تو وہ ان کی قابلیت اور وسعتِ معلومات پر حیران رہ گئے۔

مولوی چراغ علی نے اپنی محنت سے اعلیٰ تعلیم کی کمی پوری کر لی تھی۔ عربی فارسی کے عالم تھے۔ کلدانی لاطینی، یونانی زبانوں میں مہارت پیدا کر لی تھی۔ انگریزی زبان پر تو ایسی قدرت حاصل تھی کہ بڑے بڑے انگریزی اخبارات کے ایڈیٹر ان کی قابلیت کے معترف تھے۔

بے تعصب ایسے تھے کہ کسی فرقہ و مذہب سے کوئی پرخاش نہ تھی یہاں تک کہ اسلامی فرقوں میں سے کسی سے تعلق نہ تھا۔ چنانچہ مردم شماری کے موقعہ پر فرقہ کے خانہ میں اپنی بیوی کے نام سامنے شیعہ لکھدیا۔ اور اپنے اور اپنے بیٹوں کے نام کے آگے صفر لکھدیئے۔ ۱۵ر جون ۱۸۹۵ء مطابق ذالحجہ ۱۳۱۲ھ میں انتقال ہوا۔ چراغ حق (۱۳۱۲ھ) تاریخ ہے۔ (۱) آپ کی ردنصاریٰ میں تحقیق الجہاد (۲) تعلیقات پادری عماد الدین کی تاریخ محمدی کا جواب (۳) قدیم مولویوں کی مختصر تاریخ۔

مولانا حکیم سید محمد غوث علی گورکھپوری: آپ نے بھی پادری ٹھاکر داس کے رسالہ سیرت المسیح و المحمد کے جواب میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام القول ایتخ فی المحمد المسیح ہے۔ یہ کتاب ۲۷ صفحوں پر مطبع لطیف الاخبار گورکھپور میں چھپی ہے۔ حکیم صاحب گورکھپور کے مفتی اور مقبول واعظ اور مناظر ہیں۔ عز با پرور اور کتب کے شائق ہیں۔

مولوی شیخ احمد: آپ قصبہ ٹانڈہ ضلع ہوشیار پور کے باشندے ہیں۔ آپ کے والد ماجد حاجی شیخ محمد بخش مہاجر مکہ معظمہ پنجاب کے مشہور عالم تھے۔ آپ جہاں بہترین شاعر اور واعظ ہیں وہاں بہترین مناظر رد نصاریٰ ہیں آپ اپنے ضلع میں پادریوں کے لیکچروں میں شامل ہوتے تھے۔ اور ان پر اعتراضات کرتے تھے جن کا وہ معقول جواب نہیں دیتے۔ آپکا طریقہ تھا کہ جس جگہ پر شام کو پادری جاتا۔ اسی جگہ پر آپ صبح کو جاتے۔ ور وہ پھنسانے کا جال جو بچھا کر آتا۔ اس کو پاش پاش کرتے اور ہندو مسلمانوں کو اپنے مذہب پر قائم رہنے کی تلقین کرتے۔ آپ کی مشہور تصنیف مثنوی احسن بٹالوی ہے۔ اس میں آپ نے شاہ توکل علیہ الرحمۃ کے کرامات واشعار میں بیان کیا ہے۔ یہ کتاب مطبع بے نظیر سہارنپور میں ۱۳۲۲ھ و ۱۹۰۵ء میں چھپی ہے۔ آپ ۲۵ صفر ۱۳۱۹ھ کو حالت سفر میں ریل سے گرے وہاں سے آپ کو لدھیانہ پہنچایا گیا۔ وہیں آپ نے انتقال فرمایا۔

مولوی اکرام اللہ گوموی ثم اکبر آبادی

مولوی اکرام اللہ بن مفتی انعام اللہ خان بہادر بن مفتی محمد اسحاق نبیرہ اعلم العلماء ملا وجیہہ الدین مولف فتاویٰ عالمگیری۔ مفتی انعام اللہ محکمہ شریفہ دہلی سے ایک عرصہ تک منسلک رہے پھر وکیل صدر نظامت ہو گئے۔ آخر میں مہتمم بندو بست ریاست ٹونک رہے ۱۲۷۴ھ میں انتقال ہوا۔

مولوی اکرام اللہ نے ابتدائی کتب فارسی عربی زیب النساء متخلص عصمت سے پڑھیں۔ متوسطات کو والد ماجد سے پڑھا۔ فارسی میں تکمیل اپنے عم مولانا غلام امام شہید امیٹھوی سے کی اسباق حدیث مفتی ریاض الدین کاکوری سے پڑھے۔ ڈاکٹری ڈاکٹر مکند لال سے اور قانون بابو بینی پرشاد وکیل صدر سے کچھ عرصہ بھوپال میں منشی احمد حسین پیشکار نواب سلطان جہاں بیگم کے نائب رہے۔ ان کی خوبصورتی دبال جان بنی ترک ملازمت کر کے وکالت کا امتحان دیا۔ مختاری شغل رہا اپنے ماموں افضل العلماء قاضی ارتضا علی خاں قاضی القضات کے مشورہ سے تصنیف و تالیف میں گھر گئے۔ مولوی احمد اللہ شاہ مدراس کے مرید تھے۔ مسٹر جوزف فرانسیسی مشنری مولوی احمد اللہ شاہ کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ یوسف علی شاہ نام رکھا مولوی صاحب نے ان سے انجیل پڑھی اور فن مناظرہ حاصل کیا۔ پادری عماد الدین کی کتاب تعلیم محمدی کا جواب دیا۔ ہفوات عماد یہ" نام رکھا۔ امیر المطابع میں شائع ہوئی۔ پادری فنڈر کے مناظرہ میں بھی شریک تھے۔ ڈاکٹر وزیر خاں ان کے والد کے احباب میں سے تھے وہ مولوی صاحب پر بہت مہربان تھے۔ تحریف اناجیل ایک رسالہ لکھا جو قلمی شعیب محمد اللہ کتب خانہ میں ہے۔ تصویر الشعرا ذکر علماء۔ قواعد فارسی۔ اخبار واصلین۔ وغیرہ کثیر التعداد کتب تصنیف کیں۔ رسالہ منطق قلمی (پبلک لائبریری آگرہ) میں موجود ہے۔ رسالہ مساحت مفتی انتظام اللہ شہابی کے کتب خانہ میں ہے۔ داستان تاریخ اردو میں آپ کی نثر نگاری اور تصانیف کا تذکرہ ہے۔ آپ کے صاحبزادہ صوفی

اسلام اللہ تخلص صوفی اکبر آبادی تھے۔ جن کا تذکرہ خمخانہ جاوید میں لالہ سری رام نے کیا ہے۔
۱۹۰۳ء میں منشی عبد الکریم کی سی ایس آئی ای دی او کے ساتھ دربار دہلی میں شریک ہوئے۔ عمائد شہر میں سے تھے ۱۹۰۸ء میں انتقال ہوا۔

جہانگیر خاں مناظر اسلام اکبر آبادی ریلوے میں گارڈ تھے۔ قومی کاموں سے دلچسپی تھی۔ عیسوی مذہب پر خاص نظر تھی۔ پادری رام چند سے اکثر مناظرے رہے۔ بہتان جہان گیری۔ رد نصاریٰ وغیرہ آپ کی یادگاریں سے ہیں۔ ۱۹۴۵ء میں انتقال ہوا۔

مولوی نواب مرزا اکبر آبادی

مولوی نواب مرزا ابن مرزا اوقار علی بیگ ڈپٹی کلکٹر ابن مرزا اکبر بیگ برلاس۔ اکبر بیگ کو مرزا طالب کی پھوپی زاد بہن منسوب تھیں۔ نواب مرزا خوش استعداد بزرگ تھے۔ نائب تحصیلداری پر تقرر ہوا۔ بہت جلد تحصیلدار ہو گئے۔ علم کا ذوق رکھتے تھے۔ چند رسالے بھی آپ کی تصنیف ہیں۔.... نصرانیت کے خلاف زیادہ لکھا کرتے تھے ایک کتاب عیسوی مذہب اور جہاد پر لکھ رہے تھے۔ ان کے پیشکار غلام عباس نے کلکٹر سے جا لگائی ان پر مقدمہ قائم ہوا۔ ان کے والد کی دیرینہ خدمات کا لحاظ کر کے برخاست کر دیا۔ دوسری سزا نہ دی۔ نواب مرزا صاحب تلم عمر دارالحرب ہندوستان کو سمجھا گئے۔ نماز جمعہ میں شریک نہ ہوتے۔ ظہر کی نماز جمعہ کو بھی ادا کرتے۔

۱۹۴۰ء میں بعمر ۸۵ سال انتقال ہوا۔

مولوی سید محمد۔ مدرس ہائی سکول علیگڑھ } وطن بھیبیر تھا والد بھیبیر کے زمیندار تھے بھرت پور کے علاقہ پر نجف خاں۔ ذوالفقار الدولہ کا قبضہ ہوا۔ وہاں کے جاٹ مسلمان ہو گئے تھے۔ جن کا مسلک شیعہ تھا۔ مولوی صاحب کے بزرگ جعفری ہو گئے۔ ۱۹۱۰ء میں انتقال ہوا تنزیہ الفرقان یادگار ہے۔

مولانا سید محمد موید الدین خانصاحب } آپ معتمد عدالت کوتوالی سرکار نظام عرصہ تک رہے۔ آپ کو مشنریوں کے سرگرم عمل سے خیال پیدا ہوا کہ میں بھی رد نصاریٰ میں ایک کتاب لکھوں۔ چنانچہ آپ نے عربی زبان میں (تاکہ ممالک اسلامیہ بھی اس سے فیض حاصل کریں۔) ایک کتاب "تنخیص المقال" رد نصاریٰ میں تصنیف کی۔ اس کا اردو ترجمہ آپ کے صاحبزادے مولوی سید محمد محی الدین خاں جسٹس ہائیکورٹ سرکار نظام۔ مولوی سید احمد خاں وکیل ہائیکورٹ نظام کی فرمائش پر کیا۔ جو ۱۹۰۰ء میں مطبع منشی نولکشور لکھنؤ میں.... بڑی تقطیع ۱۸۲ صفحات پر چھپا۔ ترجمہ کا نام مترجم نے اثبات الحق رکھا۔

یہ کتاب روئے نصاریٰ میں ایک مکمل تردید کی حیثیت رکھتی ہے۔ فاضل مصنف نے اسمیں مشنریوں

کل اعتراضات پر مدلل جوابات دیئے ہیں۔ جن کا آج تک مشنریوں کی بیسیوں سوسائٹیوں میں سے کہیں سے بھی جواب نہیں دیا۔

مولانا منظفر علی ابن قاضی مجتبیٰ علی خاں قاضی القضاۃ مدراس ابن مولوی مصطفیٰ علی خاں صاحب صاحب تذکرۃ الانساء نے پادری عماد الدین کی تعلیمات محمدی کے جواب میں نفائس ارتضائیہ فوائد سعدیہ نامی کتاب مطبع لکشور میں شائع کی۔ آپ کے استاد برادر افضل العلماء قاضی ارتضیٰ علی خاں قاضی القضاۃ مدراس تھے۔

ڈاکٹر محمد نفیس برادر ڈاکٹر محمد یقین صاحب خلف محمد کامل برادر محمد معظم استاد مرزا غالب غدر سے پہلے سکندرہ سے عیسائی اسلام کے خلاف کتاب نکالتے تھے۔ آپ کا کام یہ تھا۔ کہ اس کتاب کے مسودے کا غذات پریس سے منگوا تے۔ یا کتاب چھپتے ہی آپ کے پاس پہنچ جاتی۔ آپ مارکیٹ میں جانے سے پہلے اس کا جواب چھپوا کر مارکیٹ میں بھجدیتے تھے۔

چودھری مولا بخش لکھنؤ کی مشہور برادری کے چودھری ہیں۔ نیز آپ مولانا محمد علی منگیری کے ساتھی ہیں۔ آپ ہی وہ قابل شخصیت ہیں۔ جو مولانا صاحب کو نصاریٰ کی انگریزی کتابوں کے ترجمے اور خلاصوں کا ترجمہ کر کے دیتے تھے۔ آپ انگریزی کے ماہر تھے۔ آپ کے ترجموں اور خلاصوں کی سلیس زبان میں شکل مولانا منگیری دیتے تھے۔ آپ کی رد نصاریٰ میں ایک مشہور تصنیف مراسلات مذہبی ہے۔ (پیغام محمدی صد ۳۱۴)

مولوی سلیم اللہ آپ نے رد نصاریٰ میں کثیر تصنیفات فرمائی ہیں۔ آپ کے مناظرے کامیاب اور موثر ہوتے تھے اپنے مقابل کو لاجواب کر دیتے تھے۔ چنانچہ منشی الطاف مسیح جو رائے بریلی کے مشنری تھے ان سے آپ کا مباحثہ ہوا۔ جس پر منشی صاحب نے مسیحیت کو خیر باد کہا اور اسلام میں داخل ہو گئے۔ یہ مناظرہ کتابی شکل میں ہے۔ اظہار الاسلام اس کا نام ہے۔

مولوی سلیم اللہ کی مشہور کتب صداقت قرآنی از کتب ربانی۔ انصاف لدفع الاختلاف ہیں۔ مولانا رحمت اللہ صاحب کی مشہور کتاب اظہار الحق کا اردو ترجمہ آپ نے ہی فرمایا تھا۔ مگر وہ طبع نہ ہو سکا۔

مولوی غلام نبی مولانا پنجاب کے مشہور مناظر اور رد نصاریٰ کی کتب کے مصنف تھے۔ آپ کی تصنیف عصمت الانبیا عیسائیوں کے رسالہ "نبی معصوم" کا جواب ہے۔ اس میں قابلیت کے ساتھ انبیاء کا معصوم ہونا ثابت کیا ہے۔ آپ کی تصنیفات کے نام یہ ہیں۔ تصدیق الاسلام، تحقیق الاسلام۔ حقیقت جہاد، معجزات محمدیہ۔

مولوی عبید اللہ آپ نے مدرسہ صولتیہ کی مدرسی میں تمام زندگی بتائی۔ آپ عربی، فارسی، انگریزی، عبرانی وغیرہ متعدد زبانیں جانتے تھے۔ نصاریٰ کی کتب کا آپ نے مذکورہ زبانوں میں مطالعہ کیا ہے۔ آپ کی معرکتہ الآراء تصنیفات (۱) شق القمر المعجزۃ سید البشر" (۲) السیف الہندی (۳) ارشاد النبی اے اسم النبی ہے۔

مولوی محمد علی مراد آبادی آپ کی تصنیفات بھی مشنریوں کے لئے مہلک اور مضر ثابت ہوئیں۔ مشہور عیسائی محبوب مسیح نے دو رسالے مراۃ القرآن، تحفۃ الاعم شائع کئے تھے۔ اس کے جواب میں آپ نے تائید الفرقان اور کشف الادہام کتابیں شائع کیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ محبوب مسیح عیسائی نہیں رہے۔ اور انکو عیسائی مذہب چھوڑنا پڑا۔ پادری مذکورہ جوابی کتابوں کی اشاعت کے سخت مخالف تھے۔ انہوں نے اس کے دوبارہ چھپنے پر اعتراضات کئے اور کافی اودھم مچایا۔

اسیطرح مولانا نے پادری رجب علی کے رسالے "شریف نسبتیں" کا جواب "شہادۃ النبیین برسالہ سید المرسلین"

شائع کیا۔ جس کے جواب دینے کی کسی سوسائیٹی نے ہمت نہیں کی۔

مولوی محمد فیروز الدین ڈسکوی :- آپ شاعر بھی ہیں۔ اور فیروز تخلص رکھتے ہیں۔ آپ سیالکوٹ کے ڈسٹرکٹ اسکول کے صدر مدرس بھی رہے ہیں۔ آپ نے پادری عماد الدین کے ان ناپاک خیالات اور فاسد الزامات کا جس کا نام انہوں نے تواریخ محمدی رکھا ہے۔ جواب دیا ہے۔ یہ جواب عام طور پر غیر قوموں کے مصنفین کی کتابوں سے جمع کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا نام "فضائل الاسلام فی ذکر خیر الانام المعروف بتاریخ محمدی" ہے۔ پیغام محمدی (۳۰۶)

مولوی محمد شاہ لکھنوی :- آپ نے عیسائیت کے خلاف تین کتابیں لکھی ہیں۔ (۱) غایۃ الشعور بحج ابحج المبہور رہے۔ یہ عالمانہ کتاب اسرار حج کے بیان میں ہے۔ عیسائیوں کے شبہات کا بہترین جواب ہے۔ اول مرتبہ ۱۲۹۲ھ میں چھپی۔ (۲) اجوبۂ عجیبہ ہے۔ یہ تحقیقی تصنیف جواب ہے۔ کثرت ازدواج و طلاق پر غلط الزامات کا۔ (۳) فیض معظم آپ کی تیسری کتاب ہے۔ جس میں بہشت کی نعمتوں کا ذکر ہے۔ اور معترضین کے اعتراضوں کا جواب ہے۔

ہر ہندوستانی عیسائیت کے عروج اور ترقی کو اپنے مذاہب کی بربادی سمجھتا تھا۔ اس لئے رد نصاریٰ میں جو کتب چھپتی تھیں۔ انکو ہندو مسلمان سب پڑھتے تھے۔ پڑھتے ہی نہیں تھے بلکہ اپنے پریسوں میں چھپوا کر اسکی اشاعت کرتے تھے۔ چنانچہ شاہ صاحب کی مقبول عام کتاب "غایۃ الشعور بحج ابحج المبہور منشی نولکشور نے ۱۲۹۰ھ میں چھپوائی۔

گنگھی والے مناظر :- مولانا احمد سعید صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ دہلی میں ایک گنگھی والے مناظر بھی تھے جو بارہ دری شیر افگن خاں بلیماران میں رہتے تھے۔ یہ مناظر صبح سے شام تک شہر کے مختلف مقامات حوض قاضی، فراش، گھنٹہ گھر، بارہ ٹوٹی، بارہ ہندو، سبزی منڈی جامع مسجد کی سیڑھیوں پر رد نصاریٰ کرتے تھے۔ انکو مولانا اشرف الحق مولانا رحمت اللہ اور مولانا ابو المنصور کے مناظرے اور کتابیں ازبر تھیں۔ یہ ان کے دلائل کو بڑی شدومد کے ساتھ بیان کرتے تھے ان کا خود بھی مطالعہ کافی تھا۔

مولوی غلام دستگیر قصوری :- آپکی ایک رد نصاریٰ میں تصنیف ہے۔ تخریج عقائد نوری۔ یہ کتاب پادری عماد الدین کے نغمۂ طنبوری کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ ۱۸۸۸ء میں ۸۰ صفحوں پر مطبع سوسائیٹی بریلی میں چھپی۔

حافظ احمد الدین لاہوری :- آپ نے بھی اثبات نبوت سرور عالم پر ایک کتاب حسن الکلام فی رد مخالف الاسلام لکھی ہے۔ جو ۲۶ صفحات پر مطبع مفید عام لاہور میں چھپی ہے۔

مولوی احمد علی :- آپ دہلی کے رہنے والے ہیں لاہور میں مقیم تھے مشہور واعظ اور مناظر تھے۔ آپ نے اپنے رسالہ دعوۃ الحق جسکے کئی حصے ہیں۔ کفارہ مسیح کا بطلان کیا ہے۔ اس کا نمبر ۵ مطبع گلشن رسدی و ۶ نمبر مطبع گلزار محمدی لاہور میں چھپا ہے۔

حاجی مولوی محمد یوسف راندھیری :- دعوۃ الاسلام آپکی تصنیف ہے اس کتاب میں عیسائیوں کے اعتراضات کے جوابات ہیں۔ نصرۃ المطابع دہلی میں چھپی یہ کتاب عالی ہمت مصنف نے مفت تقسیم کی۔ پھر اس کا ترجمہ انگریزی میں چھپوا کر یورپ روانہ کیا۔

مولوی اشرف علی سلطانپوری :- نیر اعظم میں آپ نے مذہب اسلام کی حقیقت اور محمد مصطفیٰ کی نبوت کے دلائل بیان کئے ہیں۔ یہ کتاب کپورتھلہ میں ۱۳۰۳ھ میں چھپی ہے۔

مولوی رحم الٰہی بنگلوری :- مولانا نے بشارات محمدی میں عہد عتیق اور جدید کی بشارت سے آنحضرت کے بہت سے خصوصیات کو ثابت کیا ہے۔ یہ مطبع نیچری سوسائٹی بریلی میں ۲۸۲ صفحوں پر دوسری مرتبہ چھپی۔

مولوی حاجی سید احمد حسین عظیم آبادی :- آپ کی بھی رد نصاریٰ میں ایک کتاب اظہار عیسوی ہے

(مطبوعہ فاروقی پریس دہلی)